سندھ کا سورما

اسلم راہی ایم اے

سہ پہر کے قریب موجودہ جھول سے مغرب کی طرف چار سوار سندھ کے قدیم شہر برہمن آباد میں داخل ہوئے تھے۔ اپنے ایک ساتھی کی رہبری اور رہنمائی میں برہمن آباد کی مختلف گلیوں میں سے گزرتے ہوئے ایسی جگہ آن رکے جہاں کچھ مکان گرا کر مسمار کر دیئے گئے تھے اور وہاں کوئی آبادی نہ تھی۔ وہ سوار جو ان کی رہنمائی کرتے ہوئے برہمن آباد میں داخل ہوا تھا تھوڑی دیر تک وہاں کھڑا ہو کر ان گرے ہوئے مکانوں کو بڑی حسرت بڑے تاسف اور افسوس کے ساتھ دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر تک اس کی گردن جھکی رہی۔ پھر وہ اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاتا ہوا آگے بڑھا۔ باقی تین سوار بھی اس کے پیچھے ہو لئے تھے۔ ان مسمار شدہ مکانوں کے قریب ہی جو پہلا مکان تھا اس کے سامنے رہنمائی کرنے والا وہ سوار رک گیا اور اپنے گھوڑے سے اترا باقی تینوں بھی اپنے گھوڑوں سے اتر کر ایک طرف کھڑے ہو گئے تھے۔ جو سوار رہنمائی کر رہا تھا وہ گھوڑے سے اتر کر آگے بڑھا اور دروازے پر اس نے دستک دی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ایک بوڑھے نے دروازہ کھولا اس بوڑھے کو دیکھتے ہی دستک دینے والے جوان نے بوڑھے کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا؟ دولت رائے مجھے پہچانا اس پر اس نوجوان کو غور سے دیکھتے ہوئے اس بوڑھے نے اپنے چہرے پر خوشگوار تاثرات بکھیرتے ہوئے جواب دیا۔ ارے میں تجھے کیوں نہ پہچانوں گا۔ تو ہمارا ہمسایہ ہے میرے بیٹے کی جگہ ہے۔ نام تیرا شنکر داس ہے کہو میں نے تجھے پہچانا کہ نہیں۔ اس پر وہ نوجوان جس کا نام شنکر داس لیا گیا تھا بوڑھے کو مخاطب کر کے بولا۔

دولت رائے میرے بزرگ میں تمہارا ممنون و شکر گزار ہوں کہ تم نے مجھے پہچانا پر یہ تو کہو کہ تمہارے پڑوس میں جو ہمارا اور ہمارے رشتہ داروں کے مکانات تھے

یہ کیوں مسمار کر دیئے گئے ہیں۔ اس پر بوڑھے نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ پھر وہ رازداری میں کہنے لگا۔

دیکھ شنکر داس میرے بیٹے یہ بہت الجھا ہوا اور خطرناک معاملہ ہے۔ تم چونکہ میرے ہمسائے میرے دوست کے بیٹے ہو اس لحاظ سے میرے بھی بیٹے ہو۔ اندر آ جاؤ میں تمہیں پورے حالات تفصیل کے ساتھ سناتا ہوں اور یہ جو سوار تمہارے پیچھے کھڑے ہیں یہ کون ہیں۔ شنکر داس بولا۔

دولت رائے میرے بزرگ یہ میرے ساتھی ہیں اور میرے ساتھ ہی رہیں گے اس پر دولت رائے کہنے لگا اگر ایسا ہے تو انہیں بھی اپنے ساتھ میری حویلی میں لے آؤ میرے خیال میں یہ میری اور تمہاری گفتگو نہیں سمجھتے ہوں گے اس پر شنکر داس کہنے لگا نہیں یہ سب کچھ سمجھتے ہیں یہ ایک عرصے سے میرے ساتھ ہیں۔ لہٰذا ہماری مقامی زبان یہ بول اور سمجھ سکتے ہیں اس پر دولت رائے نے کہا اگر یہ معاملہ ہے تو تم اپنے گھوڑوں کو اندر لے آؤ۔ پھر میں تفصیل کے ساتھ تم سے گفتگو کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی دولت رائے نے اپنی حویلی کا دروازہ پورے کا پورا کھول دیا تھا۔

دولت رائے کے کہنے پر شنکر داس پیچھے ہٹا اور اپنے تینوں ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا میرے بھائیو میرے عزیزو یہ ہمارا ہمسایہ ہے اس کا نام دولت رائے ہے۔ آؤ تھوڑی دیر کے لئے اس کے گھر میں قیام کرتے ہیں۔ یہ جو تم مسمار شدہ مکانات دیکھ رہے ہو ان میں سے ایک میرا بھی مکان تھا جو اب گرا دیا گیا ہے جو دوسرے مکان گرائے گئے ہیں یہ میرے عزیزیوں اور رشتے داروں کے تھے۔ دولت رائے ہمیں بتائے گا کہ یہ مکانات کیوں مسمار کر دیئے گئے اور ان کے مکین کہاں اور کدھر گئے ہیں۔ اب آؤ اس کی حویلی میں داخل ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی شنکر داس اپنے ساتھیوں کے ساتھ دولت رائے کی حویلی میں داخل ہو گیا تھا۔

دولت رائے نے ان چاروں کے گھوڑوں کو اپنے اصطبل میں باندھا ان کے دانے چارے کا بندوبست کیا ان چاروں کو لے کر اپنے دیوان خانے میں آیا پھر وہ شنکر داس کو مخاطب کر کے کہنے لگا دیکھ شنکر داس پہلے میں تیرے کھانے پینے کا بندوبست کرتا ہوں اس کے بعد میں تمہیں تفصیل سناؤں گا اس پر شنکر داس نے فوراً" دولت رائے کا ہاتھ پکڑ کر پاس بٹھاتے ہوئے کہا۔

نہیں دولت رائے پہلے تم مجھے سارے حالات سناؤ ہم راستے میں ایک سرائے سے دوپہر کا کھانا کھا کے آئے ہیں اب شام تک ہم کوئی بھوک محسوس نہیں کرتے تم مجھے پورے حالات سناؤ کہ میرا اور میرے عزیزوں کے مکانات کیسے مسمار ہوئے۔ اس پر بوڑھا دولت رائے کہنے لگا دیکھ شنکر داس میرے بیٹے قبل اس کے کہ میں تجھے ساری تفصیل بتاؤں تو مجھے یہ بتا کہ تو کب برہمن آباد میں آیا اور اب تیرا باپ کہاں ہے۔ اس کے بعد میں تجھے تفصیل بتاتا ہوں کہ یہ مکانات کیوں اور کیسے برباد و مسمار ہوئے۔ جواب میں شنکر داس کہنے لگا۔

دیکھ دولت رائے میرے بزرگ میں تجھے اپنے ان ساتھیوں کی وجہ سے اپنے حالات تفصیل کے ساتھ سناؤں گا۔ تجھے خبر ہے۔ ایران سندھ کی وہ ہمسایہ حکومت تھی۔ جس سے سندھ کی حکومت کی کبھی صلح رہتی تھی اور کبھی ان دونوں حکومتوں کے تعلقات کشیدہ رہتے تھے۔ کبھی ایرانی دریائے سندھ تک کا علاقہ اپنے زیر نگیں میں لے آتے تھے اور کبھی سندھ کی حکومت مکران تک پہنچ جاتی تھی۔

لیکن جس زمانے میں مسلمانوں اور ایرانیوں کی لڑائیاں ہو رہی تھیں اس زمانے میں سندھ اور ایران کے درمیان صلح تھی مگر اس صلح سے کچھ عرصہ پہلے ایرانی صوبے کے ایک گورنر ہرمز نے ایک بحری بیڑے کے ذریعے سندھ پر حملہ کیا۔

اور اس حملے کے درمیان اس نے سندھ کے بہت سے لوگوں کو گرفتار کر لیا۔ گرفتار ہونے والے یہ سب جاٹ تھے اور ان کا تعلق سمہ' لاکھا اور ستہ قبائل سے تھا۔

جب مسلمانوں اور ایرانیوں میں لڑائی شروع ہوئی تو ایرانیوں نے ہم سندھی جاٹوں سے صلح کر لی۔ ہرمز نے ان جاٹوں کو جو قیدی کی حیثیت سے اس کے پاس تھے۔ نہایت خاطر و مدارت کر کے ان کو اس پر راضی کر لیا کہ وہ اس کی فوج میں بھرتی ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کریں لہٰذا سب جاٹ اس پر آمادہ ہو گئے۔

دیکھ دولت رائے میرے بزرگ' تمہیں پتہ ہے جو جاٹ ہرمز نے گرفتار کئے ان میں میں اور میرا باپ بھی شامل تھے۔ ایرانی گورنر ہرمز نہایت ہی دلیر اور جنگجو سردار

تھا۔ اس کی بہادری اور شجاعت کی دھاک تمام ایران' عرب اور ہندوستان میں بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ بری اور بحری لڑائیوں کا بڑا وسیع تجربہ رکھتا تھا۔

ہرمز نے عربوں کے ساتھ جنگ ذات سلاسل میں ہم سندھی جاٹوں کو استعمال کیا۔ سندھی جاٹ میدان جنگ میں اس طرح لڑے تھے کہ پاؤں میں زنجیریں باندھ لیتے تھے تاکہ ان میں سے کوئی میدان جنگ سے بھاگ نہ سکے چنانچہ اس جنگ ذات سلاسل میں بھی ان کے ہر سپاہی کے پاؤں میں زنجیریں بندھی ہوئی تھیں اس لئے اس جنگ کا نام ہی جنگ ذات سلاسل پڑ گیا۔ یعنی زنجیروں والی لڑائی۔

اس لڑائی میں ہرمز مسلمانوں کے جرنیل خالد بن ولید کے ہاتھوں مارا گیا اور جاٹ زنجیریں تڑوا کر بھاگ نکلے اور بہت سے مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے اس لڑائی میں پہلی مرتبہ سندھ کے جاٹ مسلمانوں کے قبضے میں آئے اور اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر انہوں نے بخوشی اسلام قبول کر لیا۔

دیکھ دولت رائے میرے بزرگ اس جنگ میں میرا باپ مارا گیا اور اس جنگ کے بعد جب میں عربوں کے ہاتھ لگا تو میں نے بھی اسلام قبول کر لیا اس لئے دولت رائے اب میرا نام شنکر داس نہیں عبد اللہ ہے لہٰذا اب گفتگو کے درمیان مجھے شنکر داس نہیں عبد اللہ ہی کہہ کر مخاطب کرنا۔ یہ جو میرے ساتھ تین ساتھی ہیں یہ تینوں عرب ہیں انہیں میں بخوشی اپنے ساتھ لایا ہوں اور یہ اب میرے ساتھ ہی یہاں رہیں گے۔ ان میں سے یہ جو میرے ساتھ بیٹھا ہے۔ اس کا نام شہاب الدین ہے۔ دوسرے کا عین الدین اور تیسرے کا نام سالم بن لولی ہے۔ میں نے تجھے اپنی تفصیل بتا دی ہے۔ اب تو بتا کہ تیرے پڑوس میں ہمارے مکانوں کو کیوں ویران اور مسمار کیا گیا ہے اس پر بوڑھے دولت رائے نے تھوڑی دیر کچھ سوچا پھر وہ بولا۔

سن عبد اللہ اس برہمن آباد شہر میں ایک راجکماری نے پناہ لی ہوئی تھی اس کا نام پرمل دیوی ہے۔ یہ پرمل دیوی سندھ کے پہلے حکمران رائے ساھسی کی بیٹی ہے۔ رائے ساھسی کے خاندان کے اکثر افراد کو قتل کر دیا گیا بس یہ ایک راجکماری تھی جو کسی طرح بچ نکلی اور یہاں برہمن آباد میں اس نے پناہ لے رکھی تھی۔ رائے ساھسی کے دور میں چونکہ برہمن آباد پر بھی رائے ساھسی کی حکومت تھی پر رائے ساھسی کے

بعد سندھ کی عظیم حکومت مختلف علاقوں میں بٹ گئی لہٰذا مرکزی حکومت کمزور ہو گئی آج کل برہمن آباد پر ایک شخص راجہ آسھم حکومت کرتا ہے۔ لہٰذا اس کا سندھ کی مرکزی حکومت سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے بلکہ وہ ایک آزاد حکمران ہے۔

دیکھ عبد اللہ جس راجکماری پرمل دیوی کا میں نے ذکر کیا ہے وہ بڑی ہمدرد بڑی انسانیت کی قدر کرنے والی لڑکی ہے ایک روز بازار سے گزرتے ہوئے اس پرمل دیوی نے جاٹوں کی ایک لڑکی ساھتی سے گفتگو کی اور اپنے ساتھ گھوڑے پر بٹھا لیا ساھتی بڑی حسین بڑی خوبصورت لڑکی تھی۔ پرمل دیوی شاید ساھتی کو پہلے سے جانتی تھی۔ بس پرمل دیوی کا اس ساھتی سے ایسی ملاقات کرنا تھا کہ غضب ہو گیا اس لئے کہ چند بدمعاشوں نے ان دونوں کو پکڑ لیا اور ان دونوں کو گرفتار کر کے لے گئے۔ اغواء کرنے والے اور پکڑنے والے چار بدمعاش ہیں۔ ان میں سے ایک کا نام بال چند' دوسرے کا نام دولہ رام تیسرے کا نام لکھ دریا اور چوتھے کا نام میگ راج ہے۔ یہ چاروں ہی ایک طرح سے ایک بدھ مت کے راہب شمنی کے عقیدتمند ہیں۔ شمنی راہب بدھ مت کا پیروکار ہے۔ برہمن آباد کے شمال میں نہر جوالی کے کنارے اس کا اپنا ایک مندر ہے جس کا نام بدھنو وہار ہے اس بدھنو وہار نام کے مندر میں یہ شمنی راہب نہر کے کنارے بدھنو وہار مندر کے اندر ہی قیام کرتا ہے اور یہ مندر ایک قلعہ کی صورت میں ہے۔ اس مندر کے اندر منوہار نام کا بت ہے۔ شمنی راہب خود بھی اس بت کی پوجا پاٹ کرتا ہے اور اس کا مجاور ہے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتا ہے۔

میں یہ بھی بتاتا چلوں کہ شمنی راہب بے شمار قوتوں کا مالک ہے وہ بدھ مت کے قدیم علوم کا ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہت بڑا طلسم گر اور ساحر بھی ہے۔ اسی بناء پر لوگ اسے عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس کا احترام کرتے ہیں۔ یہ چاروں بدمعاش جو پرمل دیوی اور ساھتی کو پکڑ کر لے گئے وہ اسی شمنی راہب کے عقیدتمند ہیں لیکن ہیں چاروں بدمعاش کسی لڑکی کی عزت ان کے ہاتھوں محفوظ نہیں ہے۔

سن عبد اللہ ان چار بدمعاشوں میں سے ایک کا نام میگھ راج ہے یہ میگھ راج کچھ عرصہ سے پرمل دیوی کو پسند کئے ہوئے تھا اور چاہتا تھا کہ راجکماری پرمل دیوی کو

اپنا لے اور اس سے شادی کر لے لیکن کہتے ہیں پرمل دیوی اسے ناپسند کرتی تھی۔

پرمل دیوی اور ساہتی کو گرفتار کرنے کے بعد ان چاروں بد معاشوں نے پرمل دیوی کے سامنے دو شرائط پیش کیں۔ پہلی یہ کہ اگر پرمل دیوی میگھ راج سے شادی کر لے تو اسے اپنی مرضی کے مطابق آزادانہ زندگی بسر کرنے کی آزادی ہو گی اور اگر وہ میگھ راج سے شادی نہیں کرتی تو پھر اسے برہمن آباد کے راج مندر میں دیوداسی کی حیثیت سے زندگی بسر کرنا ہو گی۔

سن عبد اللہ میرے بیٹے۔ یہ پرمل دیوی بھی عجیب قسم کی راجکماری ہے انتہائی دلیر' انتہائی بے باک اور جراتمند ہے۔ اس نے دونوں شرائط ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ نہ وہ میگھ راج سے شادی کرنے پر آمادہ ہے نہ اس نے دیو داسی بننا قبول کیا ہے۔ لہٰذا اسے راج مندر کے ایک کمرے میں قید کر دیا گیا اور اس پر واضح کر دیا گیا ہے کہ جب تک وہ میگھ راج سے شادی نہیں کرتی یا راج مندر میں دیو داسی بننا قبول نہیں کرتی اس وقت تک اس کی رہائی ممکن نہیں جبکہ جاٹوں کی لڑکی ساہتی کو پرمل دیوی کے ساتھ سواری کرنے کے جرم میں گرفتار کیا گیا تھا اور راج مندر میں لے جا کر دیوتاؤں کی قربانی کے طور پر ذبح کر دیا گیا۔

راجکماری پرمل دیوی راج مندر میں قیدی کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہی ہے۔ ساہتی کا تعلق چونکہ عبد اللہ تمہارے رشتہ داروں سے تھا لہٰذا ساہتی کے جس قدر رشتے دار تھے ان کے مکانوں کو مسمار اور برباد کر دیا گیا۔ اس لئے کہ ساہتی کی گرفتاری پر انہوں نے احتجاج کیا تھا اس احتجاج کے جواب میں ان کے مکانوں کو گرا دیا گیا اور مکینوں کو ہلاک کر دیا گیا۔ بس یہ ہے تمہارے رشتے داروں کے مکانوں کو کھنڈر میں تبدیل کرنے کی داستان۔

بوڑھا دولت رائے جب خاموش ہوا تو عبد اللہ کا عرب ساتھی عین الدین اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

دیکھ دولت رائے میرے بزرگ۔ آخر پرمل دیوی کو ساہتی کے ساتھ سواری کرنے پر کیوں گرفتار کیا گیا اور ساہتی کو بتوں پر کیوں قربان کر دیا گیا۔ اس پر دولت رائے نے جواب دیا۔

سنو۔ عبد اللہ کے ساتھیو۔ سندھ کے قدیم باشندے کچھ جاٹ قبیلے ہیں ان میں زیادہ مشہور سمہ' لاکھا اور سہتہ ہیں۔ ہندو معاشرہ چونکہ ذات پات پر مشتمل ہے لہٰذا ان تینوں قبیلوں کو شودروں کی طرح کمتر خیال کیا جاتا ہے۔ ان قبیلوں کو ریشم یا مخمل کے کپڑے پہننے کی اجازت نہیں ہے۔ بلکہ وہ موٹا سیاہ کمبل پہنا کرتے ہیں اور ایک موٹی چادر اپنے کندھوں پر ڈال لیا کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ یہ لوگ ننگے سر اور ننگے پیر رہتے ہیں اگر ان میں سے کوئی نرم لباس پہنتا ہے تو اس پر جرمانہ کر دیا جاتا ہے جب وہ اپنے گھروں سے باہر نکلتے ہیں تو ان کے ساتھ ایک کتا بھی ہونا ضروری ہے تاکہ دوسری قوموں سے ان کو ممیز کیا جا سکے۔

ان کے سرداروں میں سے کسی کو گھوڑے پر بیٹھنے کی اجازت نہیں ہے۔ ان سے صرف رہبری کا کام لیا جاتا ہے۔ اگر ان کا کوئی مقدم یا رانا جسے اونچی ذات کے ہندو کی طرف سے گھوڑے پر بیٹھنے کی اجازت مل جائے تو بغیر زین کے گھوڑے کی پشت پر کمبل ڈال کر بیٹھ سکتا ہے۔ راستوں کی حفاظت بھی ان سے متعلق ہے اگر کوئی حادثہ پیش آتا ہے تو ان سے جواب طلبی کی جاتی ہے اور قصور ثابت ہو جانے پر ان کو اور ان کے اہل و عیال کو آگ میں زندہ جلا دیا جاتا ہے۔

سنو عبد اللہ کے ساتھیو۔ سندھ کے ان قدیم جاٹوں کے لئے یہ اصول اس لئے مقرر کئے گئے ہیں کہ یہ قومیں وحشی ہیں اور ہمیشہ حکومت کی باغی اور سرکش رہی ہیں اور ڈاکے مارتی رہی ہیں اور دیبل میں بھی یہ لوگ وہاں کے باشندوں کے ساتھ لوٹ مار میں شریک رہا کرتے تھے ان کا یہ بھی فرض ہے کہ شاہی باورچی خانے کے لئے لکڑیاں کاٹ کر لائیں۔ چونکہ ان لوگوں کو کمتر خیال کیا جاتا ہے یعنی شودروں کی مانند۔ لہٰذا پرمل دیوی کے ساتھ جاٹوں سے تعلق رکھنے والی ساہتی کا سواری کرنا ایک گناہ خیال کیا گیا۔ اس کے جرم میں ساہتی کو بتوں پر قربان کر دیا گیا اور پرمل بیچاری کو قید میں ڈال دیا گیا۔ یہ ہے پرمل دیوی اور ساہتی کی کہانی جو میں نے تم لوگوں کو تفصیل کے ساتھ سنا دی۔

دولت رائے جب خاموش ہوا تو عبد اللہ نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ آخر شمنی راہب کے بد معاشوں نے کیوں پرمل دیوی کو برہمن آباد کے راج

مندر میں قید کر دیا ہے۔ کیا برہمن آباد کے راجہ آسھم کو اس کی خبر ہے۔ اس پر دولت
ن رائے نے فوراً" جواب دیا۔

بالکل۔ برہمن آباد کے راجہ آسھم کو اس کا علم ہے بلکہ میں یہ کہوں کہ راجہ
کے ہی حکم پر پرمل دیوی کو راج مندر میں قید کر دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ راجہ آسھم
بھی شمنی راہب کے پیروکاروں میں سے ہے اور وہ شمنی راہب کی کوئی بھی بات ٹالنے
کی ہمت اور جرات نہیں کر سکتا۔

دولت رائے جب خاموش ہوا تب عبد اللہ نے پھر پوچھا۔ دیکھ دولت رائے
برہمن آباد میں ایک برہمن کا بیٹا ہوا کرتا تھا۔ میں اور میرے خاندان کے دوسرے کچھ
لوگ اس کی خدمت کیا کرتے تھے۔ جنگل سے اس کے لئے لکڑیاں کاٹ کر لاتے تھے
اور اس کے گھرانے کی دیگر خدمات انجام دیتے تھے۔ کیا تم بتا سکتے ہو وہ شخص ان دنوں
اب کہاں ہے۔ اس لئے کہ جب مجھے میرے باپ کے ساتھ ایران کے گورنر ہرمز نے
گرفتار کیا تھا تو چچ کا خاندان برہمن آباد سے ہجرت کر کے سندھ کے مرکزی شہر اروڑ کی
طرف چلا گیا تھا۔ اس پر دولت رائے نے غور سے عبد اللہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
وہی چچ جس کے خاندان کی تم لوگ خدمت کیا کرتے تھے آج کل سندھ کا بادشاہ ہے
اور اروڑ میں حکومت کرتا ہے۔

دولت رائے کا یہ جواب سن کر عبد اللہ دنگ سا رہ گیا تھا پھر عبد اللہ کا دوسرا
ساتھی شہاب الدین دولت رائے کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔

دیکھ میرے بزرگ۔ پرمل دیوی نام کی راجکماری کا جو تو نے ذکر کیا ہے جسے
برہمن آباد کے راج مندر میں گرفتار کیا جا چکا ہے وہ یہاں برہمن آباد میں کیوں پناہ لئے
ہوئے تھی۔ اسے کیا تکلیف تھی۔ جب وہ راجکماری تھی تو وہ سندھ کے مرکزی شہر
اروڑ میں کیوں نہ رہی۔ اس پر بوڑھے دولت رائے نے استفہامیہ سے انداز میں عبد
اللہ کی طرف دیکھا۔ اس پر عبد اللہ کہنے لگا۔

سن دولت رائے میرے بزرگ۔ میرے یہ تینوں ساتھی چونکہ ان سرزمینوں
میں اجنبی ہیں لہٰذا انہیں پورے حالات سناؤ کہ کیسے رائے خاندان سندھ پر حکومت کر
رہا اور کیسے اس کا خاتمہ ہوا اور پرمل دیوی کیوں اور کن حالات کے تحت برہمن آ
میں پناہ لینے پر مجبور ہوئی۔ دولت رائے تھوڑی دیر تک خاموش رہ کر کچھ سوچتا رہا پھر
وہ کہنے لگا۔

سنو میرے بیٹے عبد اللہ کے عظیم ساتھیو۔ میں تمہیں سندھ کے حالات تفصیل
سے سناتا ہوں کہ کس طرح رائے خاندان کی حکومت ہوئی اور کس طرح اس کا زوال
ہوا۔ کس طرح عبد اللہ کا جاننے والا چچ سندھ کا حکمران بنا اور کن حالات میں پرمل
دیوی اروڑ کے بجائے برہمن آباد میں پناہ لینے پر مجبور ہوئی۔

دیکھو معزز مہمانوں۔ یہ ملک اتنا قدیم ہے کہ اس کے متعلق نہیں کہا جا سکتا کہ
کب سے ہے اور اس کے نام میں کیا کیا تبدیلیاں ہوئیں۔ صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ
آج سے ہزاروں سال پہلے جب آریہ اس ملک میں آئے تو اس کا نام سندھو رکھا
کیونکہ اپنی زبان میں وہ دریا کو سندھو کہتے تھے اور اس سرزمین میں دریا بہتا تھا لہٰذا
انہوں نے اس سرزمین کو سندھو کہہ کر پکارا۔

ابتدا میں وہ اس ملک کو سندھو کہتے رہے پھر وہ آہستہ آہستہ اسے سندھ کہنے
لگے۔ یہ نام اس قدر مقبول ہوا کہ ہزاروں سال گزرنے پر بھی اس کا نام سندھ ہی
ہے۔ کہتے ہیں شروع میں آریوں نے سندھ کے ادھر جتنے ملک فتح کئے ان کا نام سندھ
ہی رکھا۔ یہاں تک کہ پنجاب کی سرحد سے آگے بڑھ گئے۔ کشمیر تک گئے لیکن نام
میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔

جب آریہ گنگا تک پہنچ کر رک گئے تو انہوں نے اس علاقے کا نام آریہ ورش
رکھا اور ہندوستان سے باہر اس کے نام کو کوئی شہرت حاصل نہ ہوئی۔ کہنے والے یہ
بھی کہتے ہیں کہ سندھ کا یہ نام نوح علیہ السلام کے بیٹے حام کے صاحبزادے سندھ کے
نام پر مشہور ہوا۔ ایرانیوں نے اپنے لہجے میں سندھ کو ہند کہہ ڈالا اور یونانیوں نے یا کو
اس کے قریب المخرج بدل کر اندھ کر دیا۔ رومنوں میں یہ لفظ اند ہوا اور انگریزوں نے
اسے انڈیا بنایا اور عربی میں چونکہ "ڈ" نہیں ہوتا اس لئے اندیا بن گیا۔"

سندھ کی تاریخ میں جو سب سے پہلے ہمیں حکمران ملتے ہیں ان کا تعلق رائے
خاندان سے ہے۔ سب سے پہلے رائے سہرس سامنے آتا ہے جس کی سندھ میں
حکومت تھی۔ رائے سہرس کے دور میں اچانک نیمروز کے بادشاہ نے کرمان کے راستے

سندھ پر حملہ کیا۔ رائے سہرس اور کرمان کے بادشاہ کے درمیان جنگ ہوئی جس میں رائے سہرس کو شکست ہوئی اور وہ اس جنگ میں مارا گیا۔

رائے سہرس کے بعد اس کا بیٹا رائے ساھسی سندھ کا حکمران بنا یہ شخص عدل، انصاف کرم و علم، تواضع اور سیاست میں بڑا منصف تھا اس کی بڑی خوبی یہ بھی تھی کہ وہ اپنی عقل سے بر محل اور بر موقع کام لیتا تھا۔ اس نے نظام حکومت سنبھالنے کے ایک سال بعد پورے ملک کا دورہ کیا ہر شہر میں پہنچا وہاں کے لوگوں سے ملا ان کے درد و دکھ کو معلوم کیا ہر جگہ مفسدوں اور باغیوں کا اس نے قلع قمع کیا ملک کے حالات سے بخوبی واقف ہونے کے بعد رائے ساھسی نے ملک کے نظم و نسق کو خوب درست کیا۔

سنو میرے عزیزو سندھ کے بادشاہ رائے ساھسی کا ایک وزیر تھا نام جس کا بد ھیمن تھا۔ بد ہیمن کا منشی میر رام نامی تھا۔ رائے ساھسی کو اپنے وزیر بد ہیمن پر اس قدر اعتماد تھا کہ اس نے اس کو جزو کل کا بالکل مختار بنا رکھا تھا اور وزیر بد ہیمن بھی اپنے فرائض کو نہایت دیانت اور احتیاط سے انجام دیتا تھا رام کو بھی بد ہیمن کی وجہ سے ایک گونہ اعتماد تھا جس طرح رائے ساھسی کا اعتماد بد ہیمن پر تھا اسی طرح وزیر بد ہیمن کا اعتماد اپنے منشی رام پر تھا۔

کہتے ہیں ایک دن جبکہ وزیر بد ہیمن اور اس کا منشی رام بیٹھے ہوئے تھے ایک نوجوان جو برہمن تھا ان کی خدمت میں حاضر ہوا اس کا نام چچ تھا اور یہی عبد اللہ کا دوست تھا۔ اس چچ نے بد ہیمن اور رام سے ملنے کے بعد ان کی نہایت فصیح اور بلیغ الفاظ میں تعریف کی۔ رام نے اس سے پوچھا تم کون ہو اور کس طرف سے آئے ہو۔ چچ نے جواب دیا میرا نام چچ ہے۔ میرے باپ کا نام سیلاج اور میرے بھائی کا نام چندر ہے۔ میرا باپ اور بھائی اسی شہر اروڑ کے ایک مندر کے پجاری ہیں۔ جو راجہ پرجا اور آپ کے لئے ہر وقت دعا کرتے رہتے ہیں۔

چونکہ ادھیراج مہاراج اور آپ کی وجہ سے آپ کی مملکت میں امن ہے تو میرا جی چاہا کہ میں حضور سے ملاقات کروں اور اس ملاقات کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ چاہت اور فصاحت نیک بختی کی دلیل ہوتی ہے۔ میرا خیال ہوا کہ میں اپنے اس ذریعے سے ملک و قوم کی خدمت کر سکوں۔

چچ نے یہ باتیں کچھ ایسے ڈھنگ سے کیں کہ رام اس کی قابلیت سے بے حد متاثر ہوا۔ رام نے کہا کہ تمہاری باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ تم غیر معمولی صلاحیت اور استعداد رکھتے ہو۔ بلا شبہ تمہاری فصاحت میں شک نہیں۔ لیکن کیا تم قانون اور اخلاق سے بھی واقف ہو چچ نے جواب دیا بھگوان کا شکر ہے کہ میں چاروں ویدوں کا عالم ہوں اور مجھے چاروں وید حفظ ہیں۔ جو بھی خدمت میرے سپرد کی جائے میں اس کو ذمہ داری، دیانت، خلوص اور اعتماد کے ساتھ انجام دوں گا۔

اتفاق سے جس وقت رام اور چچ دونوں آپس میں باتیں کر رہے تھے اس وقت دیبل سے چند خطوط جواب طلب موصول ہوئے۔ رام نے یہ خط چچ کو دیئے کہ وہ پڑھ کر بتائے کہ ان میں کیا لکھا ہے۔ چچ نے بہترین طریقے پر ان خطوط کے مضامین کو پڑھ کر سنایا اور ان کا جواب نہایت اچھے الفاظ میں لکھ کر رام کے سامنے پیش کیا۔ رام اس کی قابلیت کو معلوم کر کے بے حد خوش ہوا اور اس کی بے حد تعریف کی۔ بیش قیمت انعام سے سرفراز کیا اور کہا کہ تم اس قابل ہو کہ میرے نائب بن کر کام کرو۔ چچ نے اس کو قبول کر لیا اور تھوڑی مدت میں وہ اپنے فن میں یکتا ہو گیا۔

یوں چچ نے نائب منشی بن کر خوب شہرت حاصل کی۔ یہاں تک کہ وہ دیوان رسائیل کے نام سے پکارا جانے لگا۔ شہر میں اس کی قابلیت کے ہر جگہ چرچے ہونے لگے۔ ایک دن راجہ دربار میں تھا۔ شہر کے امراء اور اکابرین سب جمع تھے۔ سیوستان سے کچھ ضروری کاغذات آئے جن کا جواب دینا اسی وقت ضروری تھا۔ راجہ نے فوراً رام کو طلب کیا۔ اتفاقاً اس وقت رام موجود نہ تھا۔

چچ نے راجہ کے آدمی سے کہا اس وقت رام تو موجود نہیں۔ میں ان کا نائب ہوں اگر کوئی ضروری کام ہو تو میں حاضر ہوں۔ راجہ کے آدمی نے جا کر راجہ سے اس کی بات کہی۔ راجہ نے فوراً چچ کو بلایا اور کاغذات اس کے حوالے کئے۔ جس کا اس نے بہترین اور خوشخط جواب لکھا اور بہت ہی عمدگی سے پیش کیا۔

راجہ خود بھی خوشخطی سے انس رکھتا تھا۔ بلاغت کے اصولوں سے واقف تھا وہ چچ کی قابلیت سے بے حد متاثر ہوا۔ اس کی طرز تحریر کو بے حد پسند کیا۔ کچھ عرصے کے بعد جب راجہ رام سے ملا تو اس نے کہا کہ تمہارا نائب نہایت عقلمند، فصیح اور

خوش قلم ہے۔ تمہیں یہ قابل انسان کہاں سے مل گیا۔ تم اس کا خاص خیال رکھو اور اس کے ساتھ نہایت مہربانی سے پیش آیا کرو پھر رام نے جواب دیا۔ یہ سیلاج برہمن کا بیٹا ہے۔ نہایت ہی نیک دیانتدار اور تجربہ کار ہے۔

رام نے جب دیکھا کہ راجہ چچ پر بہت مہربان ہے تو اس نے سارے مہماتی امور کو اس کے سپرد کر دیا۔ اس طرح چچ کو راجہ کے دربار میں بڑا اثر و رسوخ حاصل ہو گیا وہ امور سلطنت کو نہایت خوبی سے انجام دیتا رہا۔ راجہ چچ سے بہت خوش تھا۔ جب بھی وہ راجہ کے پاس جاتا راجہ اس کی خوبیوں اور کارگزاریوں کے پیش نظر اس کو انعامات اور خدمات سے نوازتا اور کہا کرتا تھا مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے اس نوجوان سے ہمارے ملک کی انتظامی حالت درست ہو گی اور یہ ملک کی کوئی اہم خدمت انجام دے گا۔

پھر ایسا ہوا کہ چند روز کے بعد رام کا انتقال ہو گیا۔ سندھ کے راجہ رائے ساھسی نے چچ کو بلا کر قلمدان وزارت باقاعدہ اس کے سپرد کیا اور یہ نہایت عمدگی سے امور وزارت انجام دینے لگا۔

ایک دن راجہ ساھسی اپنے محل میں تھا کہ چچ راجہ کی ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔ راجہ نے اس کو محل میں بلا لیا۔ چچ جب محل میں پہنچا تو اس وقت راجہ کے پاس اس کی رانی سونھن دیوی بیٹھی ہوئی تھی۔ چچ کے آنے کی اطلاع جب راجہ کو ہوئی تو اس نے رانی سے کہا۔ پردے میں ہو جاؤ چچ آ رہا ہے۔ رانی نے کہا کتنے معمولی لوگ تو محل میں بے جھجک آ جاتے ہیں۔ چچ تو برہمن ہے اس سے پردے کی کیا ضرورت ہے۔ رائے ساھسی رانی کی یہ بات سن کر خاموش ہو گیا اس نے چچ کو محل میں بلا لیا۔ چچ نے راجہ کے سامنے حاضر ہو کر نہایت فصاحت سے اپنا مطلب پیش کیا۔

چچ ایک خوبصورت نوجوان ہے اس کا قد لمبا' اعضاء متناسب اور رخسار چمکدار ہیں۔ رانی سونھن دیوی کو چچ کے حسن و جمال اور قابلیت نے بے حد متاثر کیا اور وہ اس کی محبت میں عقل و ہوش کھو بیٹھی۔

رانی نے چچ کو ورغلانا چاہا اور کہلا بھیجا کہ اگر تم میری محبت کو ٹھکرا دو گے تو میں خودکشی کر لوں گی چچ نے اسے جواب دیا کہ میں ایک برہمن ہوں اور میرا بھائی اور

باپ دونوں اب بھی پجاری ہیں میں اور وہ اس وقت بھی بھگوان کی عبادت میں مصروف ہیں۔ مجھ سے آپ کو کسی نمک حرامی کی توقع نہیں رکھنی چاہئے۔

میں یہ بھی جانتا ہوں کہ راجاؤں کی نوکری میں انسان ہمیشہ خوف اور امید کے درمیان رہتا ہے۔ بہرحال اس سلسلے میں مجھ سے کوئی امید نہ رکھی جائے۔

رانی کو جب چچ کی جانب سے یہ کورا جواب ملا تو اس نے اس کے جواب میں دوبارہ کہلا بھیجا کہ تم مجھے پسند نہیں کرتے تو کم از کم مجھے ہر روز اپنے دیدار سے مشرف کرتے رہو۔ میں اسی پر ہی خوش رہوں گی۔ چچ اس پر راضی ہو گیا اور محبت اپنی منزلیں طے کرنے لگی یہاں تک کہ رائے ساھسی بیمار پڑا۔ مختلف علاج معالجے ہوتے رہے لیکن اس کی زندگی کی کوئی امید نہ رہی۔

ان حالات میں رانی سونھن دیوی نے ایک دن چچ کو بلوایا اور کہا کہ تم دیکھتے ہو کہ راجہ کی بیماری کس قدر طول پکڑ چکی ہے۔ مجھے اس کی موت کا یقین ہونے لگا ہے۔ تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ نہ میری کوئی اولاد ہے اور نہ میرا کوئی ہمدرد۔ رہے یہ نام کے رشتے دار اور عزیز جو تم دیکھتے ہو یہ اس تاک میں ہیں کہ راجہ مرے اور وہ تخت پر قابض ہو جائیں۔ مجھے ان سے ہر وقت ہر قسم کا خطرہ ہے۔

جب وہ راجہ کی زندگی میں مجھے اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تو راجہ کے مرنے کے بعد تو یہ پوری طرح سے آزاد ہوں گے اور کوئی دقیقہ میری برائی میں اٹھا نہ رکھیں گے۔ اس وقت ایک تدبیر میرے ذہن میں آتی ہے اگر اس پر عمل کیا گیا تو ہماری امیدیں کامیاب ہوں گی اور تم تخت و تاج کے مالک ٹھہرو گے۔

یہ کہہ کر اس نے حکم دیا کہ کل دربار عام منعقد ہو اور سب امیر و کبیر جمع ہوں۔ دوسرے دن جب سب جمع ہوئے تو اس نے راجہ کے ہاتھ سے انگوٹھی اتاری اور اس کو لے کر دربار میں آئی اور رانی کو دیکھ کر سارے دربار میں سناٹا چھا گیا۔ سب اسے دیکھ کر مودب بیٹھ گئے اس نے درباریوں سے کہا کہ راجہ کی حالت خراب ہے وہ خود بیمار اور ضعف کی وجہ سے دربار میں تشریف نہیں لا سکتے۔ اس نے یہ اپنی انگوٹھی مجھے دی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم سب سے کہوں کہ چچ کو تخت نشین کر کے سب اس کے حکم پر چلیں۔ یہ سن کر درباریوں نے اسی وقت چچ کو راجہ بنا لیا اور چچ

ایک دم وزیر سے راجہ بن گیا۔

جب چچ راجہ ہو گیا تو رانی سو نمن دیوی نے محل میں آ کر چچ سے کہا کہ کیا میں اب بھی اس لائق نہیں ہوں کہ تم میری تمنا پوری کرو۔ چچ خاموش ہو گیا۔ رانی سو نمن دیوی نے ہمیشہ کے لئے فتنوں کا دروازہ بند کرنے کے لئے ایک نئی تدبیر سوچی۔ اس نے حکم دیا کہ پچاس زنجیریں محل کے بڑے کمرے میں رکھی جائیں۔ جب زنجیریں رکھی جا چکیں تو اس نے اپنے نوکروں سے کہا کہ رائے ساھسی کے عزیزوں کو اطلاع دو کہ رائے تمہیں کچھ وصیت کرنا چاہتے ہیں۔ تم سب فوراً محل میں حاضر ہو جاؤ۔

چنانچہ رائے ساھسی کے سب عزیز محل کے باہر جمع ہو گئے لیکن یہ راجکماری پرمل دیوی نہیں گئی۔ میں یہاں یہ بھی بتاتا چلوں کہ راجہ رائے ساھسی کی اور بھی بیویاں تھیں جن کی ناقدری ہو چکی تھی اس لئے کہ سو نمن دیوی نوجوان خوبصورت اور کم عمر تھی۔ اور اسکے سامنے کسی دوسرے کا بس نہیں چلتا تھا لہٰذا اس کی وجہ سے راجہ رائے ساھسی نے اپنی تمام دوسری سب رانیوں سے منہ پھیر لیا تھا۔ پرمل دیوی بھی اپنی ماں کے ساتھ راجہ سے دور ہی رہتی تھی۔

رائے ساھسی کے سب عزیز رانی سو نمن دیوی کے حکم پر محل میں جمع ہو گئے۔ تو پرمل دیوی اروڑ شہر سے برہمن آباد کی طرف بھاگ گئی۔ اس لئے کہ یہ بڑی عاقل بڑی دانشور اور بڑی دور اندیش لڑکی ہے۔ اسے شک ہو گیا تھا کہ سو نمن دیوی ضرور راجہ کی دوسری رانیوں اور ان کی اولادوں کے خلاف حرکت میں آئے گی لہٰذا یہ چوری چھپے برہمن آباد پہنچ گئی۔

ادھر راجہ رائے ساھسی کے جب سارے عزیز جمع ہوئے تو رانی سو نمن دیوی ایک ایک کو محل میں بلاتی جاتی اور ان کو زنجیروں میں جکڑواتی جاتی تھی۔ جب سب قید ہو چکے تو اس وقت رانی سو نمن دیوی کو یقین ہوا کہ اب اس کی مخالفت کرنے والا کوئی باقی نہیں رہا۔ اس عقلمند رانی نے ایک اور نئی تدبیر اختیار کی۔

اس نے راجہ کے ان غریب عزیزوں کو بلوایا جو اپنی غربت کی وجہ سے ایک ایک دانے کے محتاج تھے۔ رانی سو نمن دیوی نے ان سے کہا آج تم کو جن لوگوں نے اس حالت میں پہنچایا ہے تمہیں مبارک ہو میں نے ان سب کو قید کر لیا ہے۔

دیکھو وہ تمہارے سامنے جکڑے ہوئے پڑے ہیں۔ میں ان سب کا مال و اسباب تم کو دیتی ہوں۔ مگر شرط یہ ہے کہ جو جس کو قتل کرے گا وہی اس کا مال پائے گا۔ رانی کے اس حکم کے سنتے ہی ذرا سی دیر میں لوگوں نے ان تمام جکڑے ہوئے لوگوں کو فوراً ہی قتل کر دیا۔

اس طرح رانی سو نمن دیوی کے ہوش اور تدبر کی وجہ سے چچ سلطنت سندھ کا بغیر کسی خدشے کے راجہ بن گیا۔ انہی دنوں راجہ رائے ساھسی مر گیا۔ دوسرے دن رانی سو نمن دیوی نے ہر طرف سے مطمئن ہو کر رائے ساھسی کی موت کا اعلان کر دیا تھا۔ سارے ملک میں رائے ساھسی کا سوگ منایا گیا اور شاہانہ اعزاز و مراسم کے مطابق ارتھی اٹھائی گئی اور چتا جلا دی گئی۔

رائے ساھسی کی موت کے بعد رانی سو نمن دیوی نے اپنے مذہب کے مطابق چچ سے شادی کر لی۔ ساھسی رائے حکومت کا آخری راجہ تھا۔ اس کے بعد سندھ میں برہمن حکومت شروع ہوئی جس کا پہلا بادشاہ اب چچ ہے۔

چچ کے تخت نشین ہونے کے بعد سندھ کی حکومت اروڑ تک سکڑ کر رہ گئی ہے جبکہ اس سے پہلے یہ سلطنت مغرب میں مکران تک جنوب میں بحیرہ عرب اور گجرات تک۔ مشرق میں مالوہ کے وسط اور راجپوتانہ تک اور شمال میں پنجاب سے آگے کشمیر تک پھیلی ہوئی تھی۔ چچ کے حکمران بنتے ہی مختلف صوبیداروں نے بغاوت کر کے اپنی خود مختار حکومتیں قائم کر لی ہیں۔

یہاں تک کہنے کے بعد بوڑھا دولت رائے جب خاموش ہوا تب تھوڑی دیر کے بعد عبد اللہ نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

دیکھ دولت رائے میرے بزرگ۔ اروڑ کی راجکماری پرمل دیوی نے سمہ خاندان کی لڑکی ساہتی کو اہمیت دی۔ ساہتی کی وجہ سے پرمل دیوی کو زندان میں ڈال دیا گیا۔ کیا اسے برہمن آباد کے راج مندر کی قید سے نکالنا ممکن ہے۔ اس پر دولت رائے نے کچھ سوچا پھر جواب دیا۔

سن عبد اللہ۔ ناممکن کوئی بھی کام نہیں۔ اگر تم واقعی پرمل دیوی کو اسیری سے نجات دلانا چاہتے ہو تو اس کی رہائی کچھ اتنی مشکل نہیں ہے۔ اس پر عبد اللہ فیصلہ کن

انداز میں بولا۔

سن دولت رائے۔ پھر میں ابھی اور اسی وقت تمہارے یہاں سے رخصت ہو گا اور تین کام سرانجام دوں گا۔

پہلا یہ کہ میں اپنے دوست چچ سے ملوں گا۔ اگر حکمران ہو جانے کے بعد بھی اس نے مجھے کوئی اہمیت دی تو سمجھوں گا کہ میں یہ کام مکمل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

چچ سے ملاقات کے بعد جو دوسرا کام میں کروں گا وہ یہ کہ راجکماری پرمل دیوی کو میں برہمن آباد سے نکالوں گا۔ تیسرا کام جو مجھے کرنا ہو گا وہ یہ کہ میں بالچند' دولا رام' لکھ دریا اور میگھ راج کو تلاش کروں گا اور ان چاروں کو قتل کروں گا جو ساہتی کے قتل' پرمل دیوی کی اسیری اور میرے عزیز و اقارب کے مکانوں کی تباہی اور ان کے قتل عام کا باعث بنے ہیں۔

عبد اللہ کے خاموش ہو جانے پر دولت رائے نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

دیکھ عبد اللہ میرے بیٹے۔ اگر تیری یہی رائے ہے تو سن لے۔ چچ سے ملنے کے لئے تو اروڑ جا۔ میں تیری غیر موجودگی میں بھاگ دوڑ کر کے یہ معلوم کر لوں گا کہ پرمل دیوی کو راج مندر کے کس حصے میں قید کیا گیا ہے اور وہاں پہنچنے کے کون سے راستے ہیں۔ اس پر ممنونیت کے انداز میں عبد اللہ دولت رائے کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ دولت رائے میرے بزرگ۔ اگر تم میری غیر موجودگی میں اتنا کرنے میں کامیاب ہو جاؤ تو میں تمہارا بے حد شکرگزار ہوں گا۔ اگر برہمن آباد چچ کی حکومت میں ہی رہتا تب تو پرمل دیوی کو رہا کرانا میرے لئے کچھ مشکل نہ تھا لیکن اب چونکہ سندھ کی قدیم سلطنت کے صوبے خود مختار ہو چکے ہیں لہٰذا پرمل دیوی کی آزادی ہمیں اپنی ہی کوشش سے حاصل کرنا ہو گی۔

عبد اللہ کے خاموش ہونے پر اس بار عین الدین نے دولت رائے کو مخاطب کر کے پوچھا۔

اس برہمن آباد کو برہمن آباد کیوں کہتے ہیں۔ کیا یہاں سارے ہی برہمن بستے ہیں۔ عین الدین کے اس سوال پر دولت رائے کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی

تھی پھر اس نے جواب دیا۔

دیکھ میرے عزیز۔ اس شہر کا نام اس لئے برہمن آباد نہیں ہے کہ یہاں برہمن زیادہ تر آباد ہیں۔ بلکہ یہ شہر ایران کے بادشاہ بہمن اردشیر کے حکم سے تعمیر کیا گیا تھا۔ اس لئے اس کا اصل نام بہمن آباد تھا۔ بہمن اردشیر نے اپنی وسیع مملکت میں تین شہر اسی نام سے آباد کئے تھے۔

ایک بہمن آباد خراسان میں جورے اور نیشاپور کے درمیان ہے۔ دوسرا اعراق کی سرزمین میں جو پہلے بہمن اردشیر کا نام دیا گیا اس کے بعد میں بھنیہ کہلانے لگا اور تیسرا یہ برہمن آباد۔

چونکہ سندھ کو بھی اردشیر نے فتح کر کے اپنی مملکت میں شامل کر لیا تھا اور اس کے دور حکومت میں یکے بادیگرے اس کے گورنر مقرر ہوئے اس لئے سندھ میں بھی اس کے نام سے یہ شہر آباد کیا گیا۔

شروع میں یہ موجودہ برہمن آباد بھی بہمن آباد ہی کہلاتا تھا۔ پھر اس شہر کے آباد ہونے کے طویل عرصے کے بعد سندھ میں برہمن برسر اقتدار آئے تو انہوں نے بہمن آباد کا نام بدل کر برہمن آباد رکھا برہمنوں کا سندھ پر قبضہ چونکہ تعصب سے خالی نہ تھا لہٰذا اسی تعصب کو سامنے رکھتے ہوئے انہوں نے شہر کا نام بہمن آباد سے برہمن آباد کر دیا۔

یہاں تک کہنے کے بعد دولت رائے جب خاموش ہوا تو عبد اللہ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔ اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔ دولت رائے میرے بزرگ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ اب یہاں سے رخصت ہوتا ہوں اور یہاں سے سیدھا اروڑ جاؤں گا اور چچ سے ملنے کی کوشش کروں گا۔ میری غیر موجودگی میں اگر ہو سکے تو تو برہمن آباد کے راج مندر میں یہ پتہ کر کے رکھنا کہ پرمل دیوی کو کس جگہ قید کیا گیا ہے تاکہ میں اس کی رہائی کا بندوبست کر سکوں۔ میں اسے ہر صورت میں زندان سے نکال کر آزاد اور پر امن زندگی فراہم کرنے کا موقع دینا چاہتا ہوں۔ اس پر دولت رائے کہنے لگا۔

دیکھ عبد اللہ۔ میرے بیٹے۔ میں کہتا ہوں تو رات یہیں رہ۔ صبح سویرے یہاں سے کوچ کر جانا۔ اس پر عبد اللہ کہنے لگا نہیں دولت رائے۔ میں ابھی کوچ کروں گا اور

کل خداوند نے چاہا تو چچ سے ملنے کی کوشش کروں گا۔ اس کے ساتھ ہی عبد اللہ باہر نکلا اس کے تینوں ساتھی شہاب الدین۔ یمین الدین اور سالم بن لولی بھی اس کے ساتھ ہو لئے تھے۔ دولت رائے نے انہیں الوداع کہا پھر وہ برہمن آباد سے نکل کر سندھ کے مرکزی شہر اروڑ کی طرف کوچ کر گئے تھے۔

○

دوسرے روز صبح ہی صبح عبد اللہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ سندھ کے مرکزی شہر اروڑ میں داخل ہوا۔ اروڑ میں ان دنوں عالیشان عمارتیں' سرسبز باغات اور ہری بھری کھیتیاں اور قسم قسم کے درخت تھے۔ جن سے شہر کی خوبصورتی اور رونق دوبالا ہو گئی تھی۔ موجودہ روہڑی کے قریب اروڑ شہر سندھ حکومت کا مرکزی شہر تھا اور آج کل اس نام کا ایک گاؤں اور قصبہ روہڑی سے جنوب مشرق میں پانچ میل کے فاصلے پر اسی جگہ آباد ہے جہاں کبھی عظیم شہر اروڑ ہوا کرتا تھا۔

بہرحال عبد اللہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اروڑ کے شاہی محل کے صدر دروازے پر آیا۔ گھوڑے سے وہ اترا اس کے ساتھی بھی اس کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے اپنے گھوڑوں سے اتر گئے تھے پھر راج محل کے صدر دروازے کے محافظوں میں سے ایک کو عبد اللہ نے مخاطب کیا۔

میں برہمن آباد سے آیا ہوں اور اروڑ کے راجہ چچ کا پرانا جاننے والا ہوں۔ کیا تم لوگ میرا پیغام چچ تک پہنچاؤ گے۔ اس لئے کہ میں اس سے ملاقات کا متمنی ہوں۔ میرا پیغام پہنچاؤ کہ تمہارا بچپن کا ساتھی اور دوست شنکرداس تم سے ملنا چاہتا ہے۔ اس پر اس محافظ نے کہا تم یہی رکو۔ میں تمہارا یہ پیغام راجہ تک پہنچاتا ہوں۔ اگر اس نے تم سے ملنا قبول کیا پھر میں تم سب کو راجہ تک لے کر جاؤں گا۔ وہ محافظ اندر چلا گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ محافظ پھر صدر دروازے پر آیا اور عبد اللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا تم سب میرے ہمراہ آؤ۔ راجہ چچ تم سے ملنا چاہتا ہے۔ اپنے گھوڑوں کو بھی لے آؤ۔ میں اصطبل میں بندھواتا ہوں۔ اس کے بعد عبد اللہ اور اس کے تینوں ساتھی اس محافظ کے ساتھ ہو لئے تھے۔ محافظ نے ان کے گھوڑوں کو اصطبل میں

بندھوایا۔ پھر چاروں کو لے کر محل کے ایک حصے کی طرف چل دیا تھا۔ تھوڑا سا آگے جا کر وہ محافظ رک گیا۔ جس دروازے کے قریب وہ رکا تھا اس دروازے پر ایک عصا بردار کھڑا تھا۔ اسے مخاطب کر کے اس محافظ نے کہا راجہ سے کہو کہ جو شخص اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان سے ملنا چاہتا ہے دروازے کے باہر کھڑا ہے۔ عصا بردار اندر گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس لوٹا اور اس محافظ سے کہنے لگا جاؤ میں انہیں راجہ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں پھر وہ عصا بردار عبد اللہ' عین الدین شہاب الدین اور سالم بن لولی کو اس کمرے میں لے گیا تھا۔

جب وہ چاروں کمرے میں داخل ہوئے تو سامنے سندھ کا راجہ چچ بیٹھا ہوا تھا۔ عبد اللہ کو دیکھتے ہی وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ بڑی تیزی سے ہاتھ پھیلائے اور پر جوش انداز میں وہ عبد اللہ سے بغلگیر ہو گیا تھا۔ اس کے بعد وہ عین الدین' سالم بن لولی اور شہاب الدین سے بھی ایسے ہی ملا تھا۔ ان چاروں کو بھی بیٹھنے کے لئے کہا اور عبد اللہ کو مخاطب کیا۔ شنکرداس میرے عزیز میرے بھائی تم کب لوٹے۔ اس پر عبد اللہ کہنے لگا دیکھ چچ اب میرا نام شنکر داس نہیں ہے۔ اس کے بعد عبد اللہ نے ہرمز کے ہاتھوں ایران جانے والے مسلمانوں کے خلاف جنگ میں حصہ لینے۔ قیدی ہونے اپنے باپ کے مارے جانے اور پھر اسلام قبول کر کے شنکر داس سے عبد اللہ نام رکھنے کی ساری تفصیل سنا دی تھی۔ یہ تفصیل سن کر چچ تھوڑی دیر تک خاموش رہا۔ پھر کہنے لگا۔

دیکھ عبد اللہ میرے بھائی۔ اچھا ہوا تو نے یہ حالات مجھے پہلے ہی بتا دیئے۔ اب تو میرے پاس ہی رہے گا۔ کسی سے یہ ذکر مت کرنا کہ تیرا نام شنکر داس ہے اور یہ کہ تیرا تعلق جاٹوں کے قبیلے سے ہے۔ اس لئے کہ تو جانتا ہے کہ سندھ کے جاٹوں کو لوگ حقیر خیال کرتے ہیں اس بناء پر لوگ تیرے متعلق شک میں مبتلا ہو جائیں گے۔ بس میں اور تم لوگوں سے یہی کہیں گے کہ تم چاروں مسلمان ہو اور یہ کہ تم میرے پرانے جاننے والے ہو اور سلطنت کے معاملے میں تم میرے مددگار بنو۔ اس سے زیادہ کسی کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔

اتنا کہنے کے بعد چچ تھوڑی دیر کے لئے رکا۔ پھر سلسلہ کلام جاری رکھا۔

سن عبد اللہ میرے بھائی۔ اب میں تم اور تمہارے ساتھیوں کے لئے کیا کر سکتا

ہوں۔

اس پر عبد اللہ کہنے لگا۔ دیکھ چچ۔ ہم تمہارے لشکر میں شامل ہوں گے اور جب کبھی بھی تمہیں ہماری ضرورت پڑی ہم تمہارے دشمنوں کے خلاف جنگ کریں گے۔ اس پر چچ افسردہ ہو گیا اور کہنے لگا۔ دیکھ عبد اللہ۔ عنقریب مجھ پر ایک مصیبت آنے والی ہے۔ اس پر عبد اللہ نے چونک کر پوچھا کیسی مصیبت جواب میں چچ نے کہا۔

عبد اللہ تمہیں یہ تو خبر ہو ہی چکی ہو گی کہ میں نے حکومت کیسے حاصل کی۔ اس پر عبد اللہ کہنے لگا ہاں تمہیں اس تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ میں پہلے برہمن آباد گیا تھا۔ وہاں میں دولت رائے سے ملا۔ وہ تمہارا بھی جاننے والا ہے اس نے مجھے پورے حالات بتائے کہ کس طرح تم لوگ برہمن آباد سے اروڑ کی طرف ہجرت کر گئے اور پھر حکمران بن گئے۔ اس پر چچ کہنے لگا۔

عبد اللہ میرے بھائی۔ حکومت پاتے ہی میں نے خزانے کا منہ کھول دیا۔ بڑی فراخدلی سے لوگوں کو مالا مال کیا۔ تاکہ لوگ میرے متعلق کسی شک و شبہ میں مبتلا نہ رہیں اس کے ساتھ ہی میں نے اپنی عسکری قوت کو بھی بڑھایا۔ رعایا پر جو ٹیکس اور محصول عائد ہوئے تھے ان میں کمی کی اور اپنے طرز عمل سے میں نے ایک طرح سے رعایا میں مقبولیت حاصل کی لیکن اب ایک مصیبت آن پڑی ہے جو لگتا ہے میرے لئے عذاب ثابت ہو گی۔ عبد اللہ کہنے لگا کہو تو۔ مصیبت کیا ہے۔ چچ کہنے لگا۔

دیکھ عبد اللہ تجھے خبر ہو چکی ہو گی کہ پہلے رائے ساھسی راجہ تھا اس کے بعد میں حکمران بنا اور رائے ساھسی کی رانی سونھن دیوی سے میں نے شادی کر رکھی ہے۔ اب وہ میری رانی ہے رائے ساھسی کا ایک بھائی ہے جس کا نام رانا مہرتھ ہے یہ چتوڑ کا راجہ ہے اسے خبر ہو چکی ہے کہ اس کا بھائی ساھسی مر چکا ہے اور اب میں جو برہمن ہوں سندھ کی سلطنت کا مالک بن گیا ہوں لہٰذا میرے مخبروں نے یہ اطلاع دی ہے کہ چتوڑ کا راجہ رانا مہرتھ یعنی رائے ساھسی کا بھائی ایک بہت بڑا لشکر لے کر چتوڑ سے روانہ ہوا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ مجھ سے جنگ کرے اور اپنے بھائی ساھسی کی سلطنت مجھ سے واپس لینے کی کوشش کرے۔ ان حالات میں عبد اللہ میرے بھائی جب سے میں نے یہ خبریں سنی ہیں میں بڑا فکرمند ہوں۔ تو جانتا ہے میں ذات کا برہمن ہوں مجھے

جنگ کا کوئی تجربہ نہیں۔ میں امور سلطنت خوب چلا سکتا ہوں۔ سوچتا ہوں جب چتوڑ کا راجہ رانا مہرتھ حملہ آور ہو گا تو میرا کیا بنے گا۔ اس پر عبد اللہ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

دیکھ چچ۔ میرے بھائی۔ تجھے فکرمند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تم چتوڑ کے راجہ رانا مہرتھ کو آنے تو دو۔ ہم اپنے مرکزی شہر اروڑ کے سامنے ڈٹ کر رانا مہرتھ کا مقابلہ کریں گے اور دیکھ چچ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اس جنگ میں ہم نہ صرف رانا مہرتھ کو کاٹ کر رکھیں دیں گے بلکہ اس کے لشکر پر بھی وہ تباہی اور بربادی نازل کریں گے کہ اس سے پہلے چتوڑ کے کسی لشکر نے ایسا عذاب اپنی آنکھوں سے دیکھا تک نہ ہو گا۔

دیکھ چچ میرے بھائی میں مانتا ہوں تو برہمن ہے۔ تجھے جنگ کا کوئی تجربہ نہیں اب تو اکیلا نہیں ہم چار بھائی ہیں اس لحاظ سے اب ہم پانچ ہیں تیری جگہ ہم جنگ کریں گے اور تو دیکھے گا کہ ہم تیرے دشمنوں کو کیسے مار بھگاتے ہیں۔ اس پر چچ کہنے لگا عبداللہ میرے بھائی تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ بڑے وقت پر اروڑ میں داخل ہوا ہے۔ تو اب میرے ساتھ چل میں تجھے لشکرگاہ میں لے کے جاتا ہوں میں تم چاروں کو اپنے لشکر کا سالار مقرر کرتا ہوں اور میں جنگ میں تم لوگوں سے بہتر کارکردگی کی توقع رکھتا ہوں۔ میرے پاس وقت نہیں اسلئے کہ چتوڑ کا راجہ رانا مہرتھ ایک دو روز تک اروڑ پہنچے گا اور جنگ کا چیلنج دیگا اب آؤ میرے ساتھ میں تمہاری صلاح و مشورے سے اپنے لشکر کو ترتیب دینا چاہتا ہوں۔ عبداللہ' عین الدین' سالم بن لولی' شہاب الدین نے چچ کی اس تجویز سے اتفاق کیا پھر وہ چاروں اٹھ کر چچ کے ساتھ ہو لئے تھے۔ چچ انہیں اروڑ شہر کے نواح میں اپنی لشکرگاہ کی طرف لے جا رہا تھا۔

اروڑ کے راجہ چچ نے وہاں کافی وقت صرف کیا۔ وہاں قیام کے دوران اس نے عبداللہ اور اسکے تینوں ساتھیوں کو اپنے لشکر میں تقرر کیا۔ اپنے لشکریوں کا ان سے تعارف کرایا۔ ان چاروں کے سالار مقرر کئے جانے کا اعلان بھی کروایا گیا۔ یہ سارے کام نمٹانے کے بعد راجہ چچ جب عبداللہ اور اسکے تینوں ساتھیوں کے ساتھ اپنے محل کی طرف لوٹ رہا تھا تو راستے میں اسکا ایک مخبر ملا جس نے چچ کو یہ اطلاع دی کہ چتوڑ

کا راجہ رانا مہرتھ اگلے روز تک اروڑ پر حملہ آور ہونے کے لئے پہنچ جائیگا لہٰذا راجہ کو اسکا مقابلہ کرنے کے لئے اپنی تیاریوں کو آخری شکل دیدینی چاہئے۔

اس خبر نے راجہ پتھ کو اور زیادہ پریشان اور مغموم کر دیا تھا وہ چونکہ ذات کا برہمن تھا جنگ کرنے کو کوئی تجربہ نہ رکھتا تھا لہٰذا بڑا فکر مند تھا۔ جب وہ مخبر یہ خبر دیکر چلا گیا تب پتھ نے عبداللہ کیطرف دیکھا اور پوچھا۔ دیکھ عبداللہ میرے بھائی تجھے یقین ہے کہ ہم چتوڑ کے راجہ رانا مہرتھ کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور کھلے میدانوں میں اسے شکست دے سکتے ہیں۔ اس پر عبداللہ کہنے لگا دیکھ پتھ میرے عزیز میرے دوست تو فکر مند مت ہونا۔ جی مت چھوڑنا پس اپنے لشکر کیساتھ اروڑ شہر کے باہر نکلنا میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ہم جان ہتھیلی پر رکھ کر حملہ آور ہونے والے راجہ رانا مہرتھ کا مقابلہ کریں گے اور اسے بد ترین شکست دیں گے۔ عبداللہ کا یہ جواب سن کر پتھ کسی قدر مطمئن ہوگیا تھا پھر وہ اپنے محل میں داخل ہوا۔ محل کا ایک حصہ اس نے عبداللہ اور اسکے تینوں ساتھیوں کو دکھایا اور پھر کہا عبداللہ میرے ساتھی تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ محل کے اسی حصے میں قیام کرو گے۔ اب تم چاروں آرام کرو۔ کل صبح ہی صبح میں تمہارے پاس آؤنگا اسکے بعد لشکر لے کے ہم اروڑ شہر سے باہر نکلیں گے تاکہ شہر سے دور ہی چتوڑ کے راجہ رانا مہرتھ کی راہ روک کھڑے ہوں۔ اسکے ساتھ ہی راجہ پتھ جانے کے لئے جب مڑا تو عین اس موقع پر اسکا بڑا بھائی چندر وہاں نمودار ہوا۔ اسے دیکھ کر پتھ بڑا خوش ہوا۔ پہلے اس نے چندر کا تعارف عبداللہ اور اسکے سارے ساتھیوں کے ساتھ کروایا اسکے بعد وہ اپنے بھائی چندر کے ساتھ وہاں سے چلا گیا تھا۔

محل کے اپنے کمرہ خاص میں راجہ پتھ اپنی رانی سونمن دیوی کے پاس آیا اور بڑے متفکر انداز میں کہنے لگا دیکھ رانی میں تمہارے لئے یہ بری خبر لے کے آیا ہوں کہ چتوڑ کا راجہ رانا مہرتھ ہم پر حملہ آور ہونے کے لئے کل تک اروڑ شہر کے سامنے آنمودار ہوگا۔ وہ اب ہمارے تخت و تاج اور سلطنت کا دعویدار ہے اب بتاؤ مجھے کیا تدبیر کرنی چاہئے۔ رانی میں تجھے یہ بتانا بھول گیا ہوں کہ میرا ایک بچپن کا دوست ہے وہ اسلام قبول کر چکا ہے۔ نام اسکا عبداللہ ہے بچپن میں میرا اس کا بڑا پیار تھا وہ اپنے تین ساتھیوں کے ساتھ تھوڑی دیر پہلے ہی مجھ سے ملنے کے لئے آیا میں نے جب

اس کے سامنے ذکر کیا کہ چتوڑ کا راجہ رانا مہرتھ مجھ پر حملہ آور ہونے کے لئے پیش قدمی کر رہا ہے تو اس نے کہا۔ ہم اس کا مقابلہ کریں گے اور ہر صورت میں اسے شکست دے کر رہیں گے۔ اس لئے میں عبداللہ اور اسکے ساتھیوں کو اپنے لشکر میں لے گیا۔ چونکہ وہ میرا جانا پہچانا اور بچپن کا ساتھی ہے لہٰذا میں نے اسے اور اسکے ساتھیوں کو اپنے لشکر کے مختلف حصوں کا سالار مقرر کر دیا اور اپنے محل کے ایک حصے میں ان کے قیام کا بھی انتظام کیا ہے۔ عبداللہ نے مجھے کہا ہے کہ مجھے کسی صورت میں اس راجہ رانا مہرتھ سے خوفزدہ نہیں ہونا چاہئے بلکہ شہر سے باہر نکل کر اسکا مقابلہ کرنا چاہئے دیکھ رانی یہ تو اب میرے دوست عبداللہ کی رائے ہے۔ تمہارا اس سلسلے میں کیا خیال ہے۔ دیکھ رانی تو جانتی ہے۔ میں ذات کا برہمن ہوں لڑائی کا کوئی تجربہ نہیں رکھتا۔ ڈرتا ہوں کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔

اس پر رانی سونمن دیوی نے ہنس کر کہا۔

میدان میں لڑنا مردوں کا کام اور شیوہ ہے اگر آپ لڑائی جنگ اور رزم آرائی سے ڈرتے ہیں تو براہ مہربانی آپ میرے کپڑے پہن کر محل میں بیٹھیں اور اپنا لباس مجھے دے دیں تاکہ میں آپ کے آنے والے ساتھیوں کے ساتھ مل کر دشمن کے مقابلے کے لئے نکلوں۔ آپ کا جو ساتھی عبد اللہ آیا ہے۔ اس نے آپ کو بہترین مشورہ دیا ہے۔ میں سمجھتی ہوں وہ انتہائی کام کا آدمی ہے۔ جس نے آپ کو ایسا پرخلوص مشورہ دیا ہے۔ عبد اللہ کے مشورے کے بعد آپ کو اس سلسلے میں مجھ سے مشورے کی کیا ضرورت تھی جب آپ اس ملک کے راجہ ہو چکے تو دھاڑتے ہوئے شیر کی طرح اٹھئے اور دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کیجئے۔ خوب یاد رکھئے کہ عزت کی موت ذلت کی زندگی سے انتہا درجے بہتر ہے۔

یہ سن کر راجہ پتھ کو بڑی غیرت آئی۔ پھر رانی نے اس کو مزید غیرت دلاتے ہوئے کہا۔ بھگوان نے بے شمار مال و دولت آپ کو دیا ہے۔ لوگوں پر اپنی دولت کو نچھاور کیجئے تاکہ پروانہ وار لوگ آپ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوں اور اپنی جان آپ پر قربان کرنا فخر سمجھیں

رانی کی اس گفتگو سے راجہ پتھ کا حوصلہ بڑھا۔ اسی شام اس نے رانی کے

مشورے کے مطابق اپنے لشکر میں خوب روپیہ تقسیم کروایا۔ اس تقسیم سے اس کے لشکر میں کچھ نئے لوگ بھی داخل ہو گئے اس طرح راجہ چچ کے پاس ایک عظیم الشان لشکر رانا مہرتھ کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا۔

دوسرے روز راجہ چچ اپنے لشکر کو لے کر اروڑ شہر سے باہر مشرق کی طرف نکلا تاکہ حملہ آور راجہ مہرتھ کا مقابلہ کرے۔ عبد اللہ اور اس کے تینوں ساتھی اس کے ساتھ تھے آخر چتوڑ کا راجہ رانا مہرتھ بھی وہاں پہنچا۔ دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے آئے اور لڑائی چھڑ گئی جب اس جنگ میں طرفین کے بہت سے جوان تلوار کی گھاٹ اتر چکے تو چتوڑ کے رانا مہرتھ نے چچ کو کہلا بھیجا کہ سپاہیوں کی جان لینا اور ان کو اپنے فائدے کے لئے کٹوانا مردوں کا شیوہ نہیں ہے۔

یہ جھگڑا تو میرا تمہارا ہے۔ ہمیں سواری سے اتر کر آپس میں جنگ کا فیصلہ کر لینا چاہئے۔ جو ہم سے زندہ بچے وہی آئندہ سندھ کے تخت کا مالک ہو گا۔

چتوڑ کے راجہ رانا مہرتھ نے جب چچ کو یہ چیلنج دیا تب چچ نے اپنے دوست عبد اللہ اور اس کے ساتھیوں کو بلایا پھر سب کے سامنے اس نے چتوڑ کے راجہ رانا مہرتھ کا پیغام سنایا۔

اس پر عبد اللہ نے کہا دیکھو چچ میرے عزیز میرے بھائی فکرمند مت ہونا تو اس کے انفرادی مقابلے کو قبول کر لے۔ جب تو اس کے ساتھ مقابلہ کے لئے آگے بڑھے گا تو میں اپنا گھوڑا لے کر تیرے قریب قریب رہوں گا۔ جب حملہ آور ہونے کا وقت آئے گا تو میں مزید تیرے نزدیک ہو جاؤں گا تو اچک کر گھوڑے پر بیٹھنا اور اونچائی کی طرف سے ایسا وار رانا مہرتھ پر کرنا کہ اسے موت کے گھاٹ اتار کے رکھ دینا مجھے امید ہے کہ اس طریقے سے تم لمحوں کے اندر چتوڑ کے راجہ رانا مہرتھ پر قابو پا لو گے اور اس کا سر قلم کر دو گے۔ چچ کو عبد اللہ کی یہ تجویز بے حد پسند آئی لہٰذا چچ نے چتوڑ کے راجہ رانا مہرتھ کے اس انفرادی مقابلہ کے چیلنج کو قبول کر لیا تھا۔

چتوڑ کے راجہ رانا مہرتھ کو اپنی بہادری اور شجاعت پر کامل اعتماد تھا وہ اپنے دل میں سمجھتا تھا کہ سندھ کا راجہ ایک برہمن ہے جس کی ساری عمر بھی پوجا پاٹ میں

گزری ہے اور تلوار سے اس کا کبھی واسطہ نہیں پڑا لہٰذا وہ میرا مد مقابل کس طرح ہو سکتا ہے۔ میں ذرا سی دیر میں اس کا سر تن سے جدا کر دوں گا۔ پر تقدیر کو کچھ اور ہی منظور تھا اور فیصلے اس کے خلاف ہو چکے تھے۔

جب مقابلہ کرنے کے لئے راجہ چچ اور رانا مہرتھ اپنے گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے میدان کے وسط میں آئے تو چچ کے ساتھ عبد اللہ بھی میدان میں اترا۔ چچ اور مہرتھ دونوں اپنے گھوڑوں سے اتر گئے۔ عبد اللہ بھی اپنے گھوڑے سے اترا گھوڑے کی باگ پکڑے پکڑے وہ چچ کے قریب قریب رہا۔

چنانچہ جب راجہ چچ اور چتوڑ کا راجہ رانا مہرتھ دونوں مقابلے کے لئے ایک دوسرے کے قریب ہوئے تو اس موقع پر عبد اللہ اپنے گھوڑے کو چچ کے بالکل برابر لے آیا۔ یہ صورت حال دیکھتے ہوئے چچ اچک کر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور جھپٹ کر اس نے مد مقابل راجہ مہرتھ پر تلوار کا ایسا کاری وار کیا کہ ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر کے رکھ دیا مہرتھ کے قتل ہوتے ہی چچ کے لشکر نے دفعتاً" مہرتھ کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ مہرتھ کی فوج کا بہت بڑا حصہ تہہ تیغ ہوا اور بہت کم ایسے بچے جو اپنی جان بچا کے چتوڑ کی طرف بھاگے تھے۔

اس فتح کے بعد چچ شادیانے بجاتا ہوا اپنے مرکزی شہر اروڑ میں داخل ہوا۔ اس مسرت پر سندھ کی راجدھانی میں ایک بڑا جشن منایا گیا پھر چچ عبد اللہ اور اس کے ساتھیوں کو لے کر محل میں داخل ہوا اور ان چاروں کو اپنی رانی سونھن دیوی کے سامنے پیش کیا۔

اس موقع پر چچ نے رانی کو وہ پوری تفصیل بتائی جس کے مطابق عبد اللہ اس کے کام آیا اور اس نے چتوڑ کے راجہ مہرتھ کو آسانی سے قتل کر دیا۔ رانی سونھن دیوی نے عبد اللہ اور اس کے ساتھیوں کا شکریہ ادا کیا اور مشورہ دیا کہ وہ ہمیشہ راجہ چچ کی صحبت میں رہیں۔ ابھی یہ گفتگو جاری ہی تھی کہ راجہ چچ کا وزیر بد ہیمن ظاکی وہاں پہنچا۔ ظاکی اس لئے کہتے تھے چونکہ یہ ظاکیہ کا باشندہ تھا۔ ظاکیہ اس زمانے میں پنجاب کی سرزمین کو کہتے تھے۔ جب وزیر بد ہیمن ظاکی آیا تو چچ نے اسے اپنے قریب بیٹھنے کو کہا۔ پھر مزید کہا کہ دیکھ بد ہیمن تم عین وقت پر پہنچے ہو۔ چتوڑ کے راجہ رانا

مہرتھ کو شکست دینے کے بعد میرے حوصلے بلند ہو گئے ہیں اور یہ جو تم چار ساتھی میرے ساتھ دیکھتے ہو ان کی آمد نے بھی مجھے اب برہمن سے کھشتری بنا کے رکھ دیا ہے۔ اب میں تم سے یہ پوچھتا ہوں کہ بتاؤ مجھ سے پہلے ہماری مملکت و سلطنت سندھ کے حدود میں کہاں کہاں تک پھیلی ہوئی تھی۔ خصوصیت کے ساتھ اس وقت جب مجھ سے پہلے رائے ساھسی ان علاقوں پر حکومت کرتا تھا۔

اس پر وزیر بدھیمن نے جواب دیا۔

بھگوان مہاراج کی عمر دراز کرے یہ تمام ملک اور سلطنت صرف ایک راجہ کے زیر حکومت تھا اور ملک کے تمام امراء و رؤسا اس کے مطیع تھے۔ جس وقت یہ مملکت رائے ساھسی کے باپ سے سہرس کے پاس آئی تو اس نے ایرانیوں کی فوج سے شکست کھائی اور وہ مارا گیا۔ اس کے بعد تخت سندھ پر رائے ساھسی بیٹھا۔

ساھسی نے اس ملک کے چار گورنر مقرر کئے تاکہ ملک کے محصولات کی وصولی میں اور حفاظت میں سہولت ہو اب چونکہ آپ بھی حکومت کو مضبوط بنانا چاہتے ہیں۔ تو ضرورت ہے کہ اس قسم کی تدبیر اختیار کی جائے جس سے آئندہ ناگوار قسم کے واقعات کا اعادہ نہ ہو۔

دیکھ راجہ آپ سے پہلے بھائیہ' اسکلندہ' سکرہ' ملتان' سہوستان' برہمن آباد اور ایسے ہی کئی دیگر شہر اور علاقے سندھ کی مملکت میں شامل تھے۔ لیکن جس وقت راجہ ساھسی مرا اور آپ تخت نشین ہوئے۔ ان علاقوں کے حکمرانوں نے خود مختاری اختیار کر لی۔ اب چاہئے تو یہ کہ ان سارے علاقوں کو فتح کر کے پھر اپنی سلطنت میں شامل کیا جائے۔

یہاں تک کہنے کے بعد وزیر بدھیمن تھوڑی دیر کے لئے رکا پھر وہ کہتا چلا گیا۔ دیکھ راجہ میرا خیال ہے کہ ایک بہادر فوج اور ہاتھیوں کا کثیر تعداد کا لشکر اگر فراہم کیا جائے تو ملک میں ہمیشہ امن و امان قائم رہ سکتا ہے اور ہم اپنے کھوئے ہوئے علاقے بھی حاصل کر سکتے ہیں اور اطراف و جوانت کے امراء آپ کے مطیع و فرمانبردار بھی ہو جائیں گے اور آپ کے تمام دشمن آپ کی تلوار کے ڈر سے امن اور پناہ کے خواہاں ہوں گے اور اس حکومت کا ڈنکا بجنے لگے گا۔

چچ اپنے دانشمند وزیر بدھیمن کی اس عالمانہ تقریر سے بے حد خوش ہوا اور اس کی تعریف کی اور اس کے مخلصانہ مشورے کی داد دی ساتھ ہی اسے جانے کی بھی اجازت دے دی۔ بدھیمن کے مشورے کے بعد راجہ چچ نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ سندھ کی سلطنت کے کھوئے ہوئے علاقے واپس لے کر پھر اپنی سلطنت کو مضبوط اور مستحکم بنائے گا۔ اپنے وزیر بدھیمن کے جانے کے بعد راجہ چچ نے عبد اللہ کی طرف دیکھا۔ اس موقع پر عبد اللہ کو مخاطب کر کے وہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ عین اسی موقع پر رانی سونھن دیوی اپنی جگہ سے اٹھی اور راجہ چچ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی اب آپ سب لوگ بیٹھ کر باہم گفتگو کریں میں اپنے کمرے کی طرف جاتی ہوں۔ اس کے ساتھ ہی راجہ چچ کے جواب کا انتظار کئے بغیر رانی سونھن دیوی وہاں سے چلی گئی تھی۔

رانی سونھن دیوی کے جانے کے بعد راجہ چچ نے پھر عبد اللہ کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

عبد اللہ میرے بھائی چتوڑ کے راجہ رانا مہرتھ کے خلاف مجھے فتح تمہاری دانشمندی کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اس موقع پر بتاؤ مجھے میں تمہیں کیا چیز انعام میں دوں کہ تمہاری اس کارگزاری کا حق ادا ہو جائے۔ اس پر عبد اللہ مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ دیکھ چچ تمہیں کوئی حق ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ٹھیک ہے تم سندھ کے راجہ ہو لیکن تم میرے بہترین دوست بھی رہے ہو۔ اسی دوستی کے حوالے سے میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا بلکہ اپنے فرائض کی ادائیگی کی ہے۔ ہاں اس موقع پر میں تم سے ایک گذارش ضرور کروں گا۔

اس پر چچ نے غور سے عبد اللہ کی طرف دیکھا کیسی گذارش میرے بھائی!

جواب میں عبد اللہ کہنے لگا۔ میں چند روز تک برہمن آباد جانا چاہتا ہوں وہاں ایک بے بس اور لاچار لڑکی کی میں مدد کرنا چاہتا ہوں۔ عین الدین میرے ساتھ جائے گا باقی دونوں میرے ساتھی یہیں محل میں قیام کئے رہیں گے اس پر راجہ چچ نے پوچھا برہمن آباد میں تم کس لڑکی کی مدد کرنا چاہتے ہو اور وہ کون ہے جواب میں عبد اللہ نے سمہ قبیلے کی لڑکی ساھتی کے قربان کئے جانے اور پرمل دیوی کی گرفتاری کے علاوہ اروڑ سے

بھاگ کر اس کا برہمن آباد میں پناہ لینے کے سارے واقعات تفصیل کے ساتھ سنا ڈالے۔

عبد اللہ کے خاموش ہو جانے کے بعد راجہ چچ تھوڑی دیر غور و فکر کرتا رہا پھر عبد اللہ کے وہ مزید نزدیک ہوا اور رازداری میں کہنے لگا۔

دیکھ عبد اللہ میرے بھائی تیرے میرے تعلقات تیرا میرا واسطہ کچھ اور قسم کا ہے جو بچپن سے لے کر اب تک قائم و دائم ہے۔ دیکھ میرے عزیز بھائی اس واقعے کا ذکر کبھی اور کسی بھی وقت میری رانی سونھن دیوی سے مت کرنا۔ پرمل دیوی کا تعلق چونکہ سندھ کے پہلے راجہ رائے ساھسی سے ہے بلکہ وہ رائے ساھسی کی بیٹی اور راجکماری ہے۔ لہٰذا یہ سونھن دیوی رائے ساھسی کے سارے عزیز و اقارب سے انتہا درجے کی نفرت کرتی ہے۔ تمہیں یہاں سے برہمن آباد جا کر اس لڑکی کی مدد کرنے کے لئے میں اجازت دیتا ہوں۔ عین الدین کو بھی تم اپنے ساتھ لے جاؤ اس کے علاوہ تمہیں میرے طرف سے کسی بھی مدد کی ضرورت ہو تو میں حاضر ہوں۔ اس پر عبد اللہ پھر کہنے لگا اس لڑکی کو وہاں سے نکال کر میں اسی محل میں رکھنا چاہتا ہوں۔ چچ نے کہا۔ اس لڑکی کو تم بے شک یہاں رکھو پر یہ مت ظاہر کرنا کہ وہ مرنے والے راجہ رائے ساھسی کی راجکماری پرمل دیوی ہے۔ بلکہ کبھی اور کسی موقع پر اگر پرمل دیوی کا سامنا میری رانی سونھن دیوی سے ہو جائے تو تم پرمل دیوی کو سمجھا دینا کہ یہاں رہتے ہوئے وہ سونھن دیوی پر بھی کبھی ظاہر نہ کرے کہ وہ راجکماری ہے بلکہ وہ یہی کہے کہ وہ تمہاری بیوی ہے میں بھی سونھن دیوی کو یہ کہہ دوں گا کہ عبد اللہ نے اپنی بیوی کو اپنے ساتھ رکھا ہوا ہے۔ اس پر عبد اللہ نے فکرمندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا جب وہ میری بیوی ہے ہی نہیں تو میں یہ ظاہر کیسے کروں گا اور پھر کہیں ایسا نہ ہو کہ رانی سونھن دیوی اسے شکل سے بھی پہچانتی ہو۔

اس پر چچ کہنے لگا نہیں سونھن دیوی اسے شکل سے نہیں پہچانتی اس لئے کہ راجہ رائے ساھسی سے شادی کرنے کے بعد رانی سونھن دیوی نے اس کی ساری رانیوں اور راجکماریوں کو محل سے نکال دیا تھا اور یہ کئی برس پہلے کی بات ہے۔ اسی دربدری میں پرمل دیوی جوان ہو گئی ہو گی۔ لہٰذا میرے خیال میں سونھن دیوی اسے

پہچانے گی نہیں۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے۔ اسے محل میں نہ رکھا جائے وہ لشکرگاہ میں تمہارے ساتھ رہے اور جب ہم اپنے کھوئے ہوئے شہروں کو حاصل کرنے کے لئے لشکر کشی شروع کریں تو وہ بھی لشکر میں تمہارے ساتھ شامل رہے۔ اس طرح وہ سونھن دیوی کی نگاہوں سے دور رہ کر محفوظ بھی رہ سکتی ہے۔

عبد اللہ تھوڑی دیر تک سوچ و بچار کرتا رہا پھر کہنے لگا۔ چچ میرے عزیز بھائی تمہارا کہنا درست ہے۔ میں کل یہاں سے عین الدین کے ساتھ برہمن آباد کی طرف روانہ ہوں گا۔ پہلے میں پرمل دیوی کو وہاں سے نکالوں گا پھر اس سے بات کروں گا کہ وہ کہاں رہنا چاہتی ہے۔ ہو سکتا ہے اس کا کوئی اپنا ٹھکانہ ہو جہاں وہ اپنے آپ کو محفوظ خیال کرتی ہو۔ ایسی صورت میں اسے اسی کے ٹھکانے پر پہنچا دوں گا اس طرح میں اپنے فرض کی ادائیگی سے سبکدوش ہو جاؤں گا۔ اس پر چچ کہنے لگا اگر ایسا ہے تو پھر تم سب جا کر آرام کرو کل تم عین الدین کے ساتھ یہاں سے کوچ کر جانا جبکہ تمہارے دوسرے دونوں ساتھی شہاب الدین اور سالم بن لولی یہیں میرے پاس رہیں گے۔ اس کے ساتھ ہی عبد اللہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اٹھا اور محل کے اس حصے کی طرف چلا گیا جو ان چاروں کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ دوسرے روز عبد اللہ اور عین الدین دونوں اروڑ سے برہمن آباد کی طرف کوچ کر گئے تھے۔

برہمن آباد پہنچ کر عبد اللہ اور عین الدین نے شہر سے باہر چند روز تک ایک سرائے میں قیام کیا۔ اس قیام کے دوران دونوں نے اپنے گھوڑوں کو سرائے کے اصطبل میں ہی رکھا جبکہ سرائے سے انہوں نے اپنے استعمال کے لئے دو خوبصورت و توانا خچر خرید لئے تھے۔ جس روز انہوں نے خچر خریدے اس روز وہ برہمن آباد کے نواحی حصے میں کسانوں کی طرف گئے وہاں سے انہوں نے مختلف سبزیاں اور پھل خریدے پھر وہ برہمن آباد شہر کی طرف گئے تھے۔

برہمن آباد کے شرقی دروازے سے وہ شہر میں داخل ہوئے۔ دروازے کے قریب ہی محافظوں نے دونوں کو روکا اور دونوں کے خچروں کی تلاشی لینے لگے۔ اس موقع پر عبد اللہ اور عین الدین ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ محافظوں نے دونوں خچروں کی پوری طرح تلاشی لی جب وہ فارغ ہوئے تب عبداللہ اور عین الدین

نے آپس میں صلاح مشورہ کیا اس کے بعد عین الدین اپنے خچر کی طرف گیا عبداللہ اپنے خچر کے قریب ہوا دونوں نے بان کے بنے ہوئے بوروں کے اندر سے کچھ پھل اور سبزیاں نکالیں اور شرقی دروازے کے محافظوں کے حوالے کر دی تھیں۔ محافظ عبداللہ اور عین الدین کے اس فعل سے بے حد متاثر اور خوش ہوئے انہوں نے دونوں کا شکریہ ادا کیا اس کے بعد عبد اللہ اور عین الدین پھل اور سبزیاں بیچنے برہمن آباد میں داخل ہو گئے تھے۔

تازی سبزیاں اور پھل ہونے کی وجہ سے دوپہر سے پہلے ہی وہ ہر چیز بیچ کر فارغ ہو گئے تھے تاہم وہ شہر کے اندر ایک سرائے میں بیٹھ کر وقت گزارتے رہے جب سورج غروب ہو گیا اور فضاؤں میں اندھیرا پھیلنے لگا تب وہ شہر سے باہر نکلنے کے لئے شرقی دروازے کی طرف آئے۔ شرقی دروازے کے محافظوں نے جب انہیں دیکھا تو ان کا جو سرخیل تھا وہ ان دونوں کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا لگتا ہے تمہاری ساری سبزیاں اور پھل بک گئے ہیں اس پر عبد اللہ کہنے لگا۔

میرے عزیز میرے بھائی تمہارا اندازہ درست ہے۔ ہم اپنی ساری سبزیاں اور پھل بیچ کر فارغ ہو چکے ہیں اور ہمیں اچھا خاصا منافع بھی ملا ہے اس کے ساتھ ہی عبد اللہ نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور کچھ نقدی نکال کر اس سرخیل کو تھما دی اور کہا یہ سب تم لوگ آپس میں بانٹ لینا میں تم لوگوں کا شکر گزار ہوں کہ تم لوگوں نے ہمارے ساتھ اچھا اور نرم سلوک کیا۔ عبد اللہ کے یوں رقم دینے پر محافظ بے حد خوش ہو گئے تھے۔ پھر عبد اللہ نے اپنے خچر کو ہانک دیا عین الدین بھی اپنے خچر کو آگے بڑھا چکا تھا پھر عبد اللہ اچانک رک گیا۔ شاید اس کا یہ سارا انداز مصنوعی تھا پھر وہ شرقی دروازے کے محافظوں کے سالار کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ دیکھ میرے بھائی میرے عزیز اگر سبزیاں بیچتے ہوئے ہمیں برہمن آباد شہر میں کبھی دیر ہو جائے اور اندھیرا پھیل جائے تو کیا تم لوگ ہمیں شہر سے باہر نکلنے کی اجازت دے دو گے اس پر وہ سالار کہنے لگا کیوں نہیں اگر تم لوگ آدھی رات کو بھی کہو تو ہم تمہارے لئے دروازہ کھولیں گے اور تمہیں جانے کی اجازت دے دیں گے۔ آج تم پہلی بار دونوں شہر میں داخل ہوئے ہو لیکن پہلے ہی دن تم دونوں نے ہمارا خوب اعتماد حاصل کیا

ہے۔ اس سالار کا جواب سن کر عبد اللہ اور عین الدین دونوں خوش ہو گئے تھے۔ پھر وہ وہاں سے چلے گئے تھے۔

اس طرح عبد اللہ اور عین الدین دونوں دس سے پندرہ دن تک روزانہ شہر کے مضافات سے سبزیاں اور پھل لاد کے لاتے شہر میں داخل ہوتے وقت وہ شہر کے محافظوں کو خوب سبزیاں اور پھل دیتے اور شہر سے نکلتے وقت کچھ رقم بھی ان کے حوالے کر جاتے تھے۔ اکثر وہ کافی رات گئے تک بھی شہر سے نکلتے رہے اس طرح انہوں نے ان پندرہ دنوں کے اندر شرقی دروازے کے ان محافظوں کو پوری طرح اپنے اعتماد میں لے لیا تھا۔

سولہویں روز دونوں خچروں پر سبزیاں لادے پھر برہمن آباد میں داخل ہوئے اور سیدھے دولت رائے کے گھر کی طرف گئے۔ عبد اللہ نے دروازے پر دستک دی دروازہ دولت رائے نے ہی کھولا تھا۔ دروازے پر کھڑے ہی کھڑے عبد اللہ گفتگو شروع کرنا چاہتا تھا کہ دولت رائے نے کہا میرے دونوں بچو اندر آ کے بیٹھو یہ تم نے خچروں پر کیا سبزیاں اور پھل لاد رکھے ہیں۔ اس پر عبد اللہ رازداری میں کہنے لگا۔ دولت رائے خاموش رہو اس میں بھی بہت بڑا راز ہے۔ پہلے یہ بتاؤ تم نے راج مندر میں راجکماری پرمل دیوی کا کچھ پتا لگایا اس پر دولت رائے کہنے لگا تم بیٹھو گے نہیں میں تمہیں محفوظ طریقے سے بتاؤں گا۔ نہیں میں بیٹھوں گا نہیں۔ یہیں رازداری کے ساتھ آہستہ سے مجھے بتا دو اس پر دولت رائے بولا۔

دیکھ عبد اللہ میرے بیٹے میرے بچے میں نے پرمل دیوی سے متعلق پوری معلومات حاصل کی ہیں۔ وہ راج مندر کے پچھواڑے میں فالتو بنی ہوئی ایک عمارت کے اندر اسیر ہے۔ اس کے ساتھ ایک اور لڑکی بھی ہے اس کے متعلق میں نہیں جان سکا کہ وہ کون ہے تاہم جس کمرے میں پرمل دیوی کو رکھا گیا ہے۔ اس میں وہ اکیلی نہیں بلکہ دو لڑکیاں ہیں۔ دوسری بھی اسی کی طرح کوئی قیدی ہی ہے۔ سنو جب راج مندر کے جنوبی اور پشتی حصے کی طرف جایا جائے تو وہاں چھوٹی سی ایک عمارت ہے۔ وہ چوڑائی میں کم اور لمبائی میں زیادہ ہے۔ اس کا مشرق کی جانب جو پہلا کمرہ ہے اس کو چھوڑ کر دوسرے کمرے میں پرمل دیوی بند ہے۔ سنو اس سمت کسی کو جانے کی

اجازت نہیں اس لئے کہ راج مندر کے محافظ دن اور رات وہاں پہرا دیتے رہ
ہیں۔ میں نے یہ ساری اطلاعات اپنے جاننے والے ایک پروہت سے حاصل کی ہیں
اس پر عبد اللہ نے پھر پوچھا۔

دولت رائے میرے بزرگ تیری بڑی مہربانی کہ تو نے اس قدر معلومات ہمار
لئے حاصل کیں۔ پر کیا تو یہ بھی بتائے گا کہ وہاں پہرا دینے والے کتنے ہوتے ہیں
اس پر دولت رائے کہنے لگا کچھ زیادہ نہیں۔ میرے خیال میں دو پہریدار اس عمار
کے شرقی حصے میں اور دو ہی غربی حصے میں ہوتے ہیں۔ بس اس سے زیادہ نہیں۔ ا
پر عبد اللہ کہنے لگا۔ پھر خداوند نے چاہا تو ان چاروں سے ہم خوب نپٹیں گے۔ د
دولت رائے میرے بزرگ اب تم میرا ایک اور کام کرنا۔ وہ یہ کہ کسی طریقے سے
جاننے کی کوشش کرنا کہ ساھتی کے قتل کے ذمہ دار اور پرمل دیوی کو راج مندر م
قید کرانے والے دولہ رام' لکھوریا' میگراج اور بال چند ان دنوں کہاں ہیں؟ میں ا
سے بھی نپٹنا چاہتا ہوں۔ میرے قبیلے کی لڑکی ساھتی کے قتل کے ذمہ دار ہیں اور قا
کی حیثیت سے میں ان سب کے حلقوم کاٹ کے رہوں گا۔ اس پر دولت رائے بڑ
دھیمی آواز اور رازداری میں کہنے لگا۔

دیکھ عبد اللہ میرے بیٹے تو بے فکر رہ اگلی بار جب تو آئے گا تو میں ان چارو
سے تعلق بھی معلومات رکھوں گا۔ اگر تو نہ آ سکا تو کسی کے ذریعے اطلاع کرا دو
گا۔ اس پر عبد اللہ کہنے لگا۔ دولت رائے میرے بزرگ تیرا بہت شکریہ۔ اب م
اپنے ساتھی کے ساتھ جاتا ہوں اور اپنے دھندے میں لگتا ہوں۔ تو جا کے اندر آرا
کر۔ اس کے ساتھ عبد اللہ اور عین الدین پیچھے ہٹ گئے تھے۔ دولت رائے نے
دروازہ بند کر لیا تھا پھر وہ دونوں اپنے خچروں کی باگیں تھامے شہر کے اندرونی حصے
طرف جا رہے تھے۔

تھوڑی دیر تک وہ شہر کے اندر سبزی اور پھل بیچتے رہے۔ جب وہ اپنا کام
چکے تب شہر کی ایک وسطی سرائے میں بیٹھ کر وقت گزارنے لگے۔ یہاں تک
سورج غروب ہو گیا اور شام رات میں ڈھل گئی۔

اس کے بعد عبد اللہ اور عین الدین دونوں نے اپنے کام کی ابتدا کی۔ ا

خچروں کی باگیں تھامے آہستہ آہستہ وہ راج مندر کے قریب آئے۔ راج مندر کی عمارت اس وقت تاریکی اور ویرانی میں ڈوبی ہوئی تھی اس کے بائیں طرف درختوں کے کئی جھنڈ تھے۔ وہ دونوں اپنے خچروں کے ساتھ اس سمت بڑھے اور ایک جھنڈ کے نیچے انہوں نے اپنے دونوں خچروں کو باندھ دیا تھا۔

اس کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو خوب مسلح کیا۔ اپنے سر پر اپنے آہنی خود درست کئے لباس کے نیچے پہنی ہوئی آہنی زرہوں کا جائزہ لیا۔ اپنے ہتھیار درست کئے۔ رات کی تاریکی میں رازداری سے کھسر پھسر کرتے ہوئے انہوں نے آپس میں کچھ صلاح و مشورہ کیا پھر وہ تاریکی میں راج مندر کی عمارت کے ایک کونے میں آئے جہاں بہت سے مٹی کے برتن بنے ہوئے تھے۔ دونوں نے مل کر کچھ برتن اٹھائے اور اس جگہ ڈھیر کر دیئے جہاں ان کے خچر بندھے ہوئے تھے۔ اس کے بعد وہ راج مندر کی پشتی عمارت کی طرف بڑھے تھے۔

راج مندر کے ان بند کمروں میں مدھم روشنی ہو رہی تھی۔ تاریکی میں دونوں عمارت کے قریب جا کر ایک جھنڈ میں بیٹھ گئے انہوں نے دیکھا عمارت کے شرقی جانب دو پہریدار سردی سے بچنے کے لئے آگ روشن کئے بیٹھے تھے۔ ان کی پشت عبداللہ اور عین الدین کی طرف تھی جبکہ ان کے چہرے راج مندر کی پشتی عمارت کی طرف تھے اس موقع پر گھات میں بیٹھے عبد اللہ نے عین الدین سے سرگوشی کی۔

عین الدین۔ میرے بھائی۔ یہ بہترین اور بڑا مناسب موقع ہے۔ اب ہمیں فوراً" اپنی گھات سے نکل کر ان دونوں محافظوں پر ٹوٹ پڑنا چاہئے اور پلک جھپکتے میں ان پر قابو پا کر ان کا خاتمہ کر دینا چاہئے اور جہاں ہم اس وقت گھات میں بیٹھے ہیں یہیں ان کی لاشوں کو ڈال دینا چاہئے۔ اس کے بعد ہم عمارت کے غربی محافظوں کی طرف بڑھیں گے۔ عین الدین نے عبد اللہ کی اس تجویز سے اتفاق کیا۔

اس کے بعد وہ دونوں بھوکے چیتوں کی طرح نکلے اور ان دونوں محافظوں پر ٹوٹ پڑے۔ قبل اس کے کہ محافظ آگ کے پاس سے اٹھ کر سنبھلتے۔ پشت کی جانب سے عبد اللہ اور عین الدین نے دونوں کو دبوچ لیا۔ دونوں کا گلا گھونٹ کر ان کا خاتمہ کر دیا پھر ان دونوں کی لاشوں کو جھنڈ میں ڈال کر وہ عمارت کی دیوار کے ساتھ چپک

کر کھڑے ہو گئے تھے۔

عبد اللہ نے عین الدین سے سرگوشی کی۔

عین الدین میرے بھائی۔ اب ہمیں اس عمارت کے پشتی حصے کی طرف سے غربی سمت کے پہریداروں کی طرف جانا چاہئے۔ عمارت کے سامنے سے گزرنا خطرے سے خالی نہ ہو گا اس لئے کہ عمارت کے تقریباً" سبھی کمروں میں روشنی ہو رہی ہے اور یہ روشنی چھن چھن کر باہر آ رہی ہے اگر ہم سامنے سے گزرتے ہیں تو ضرور دیکھ لئے جائیں گے اس طرح ہمارے لئے خطرات اٹھ کھڑے ہوں گے۔ آؤ میرے بھائی۔

عمارت کے پشتی حصے کی طرف سے اب مغرب کی طرف پہرہ دینے والے دونوں محافظوں کی طرف بڑھیں۔ جواب میں عین الدین نے کچھ بھی نہ کہا پھر دونوں چپ چاپ عمارت کے پشتی حصے کی طرف سے عمارت کے غربی حصے کی طرف جا رہے تھے۔

جب وہ عمارت کے غربی حصے میں گئے تو انہوں نے دیکھا اس طرف بالکل ویرانی تھی وہاں سے وہ غربی حصے کے ساتھ ساتھ ہوتے ہوئے وہ جب عمارت کے سامنے کی طرف کھلنے والے کونے میں آئے تو انہوں نے دیکھا عمارت کے سامنے کا جو پہلا کمرہ تھا وہ دونوں محافظ وہاں آگ روشن کئے بیٹھے تھے۔ دونوں کے چہرے عمارت کے سامنے والے حصے کی طرف تھے۔ لہٰذا عبد اللہ اور عین الدین کو خطرہ تھا کہ اگر وہ گھات سے نکل کر ان کے سامنے آئے تو وہ فوراً" سنبھل جائیں گے اور ان پر حملہ آور ہو جائیں گے اس طرح وہ شور بھی کریں گے اور ان کے لئے خطرات کھڑے کر دیں گے۔ لہٰذا عبد اللہ پیچھے ہٹا۔ عین الدین کو بھی اس نے پیچھے کھینچ لیا پھر اس کے کان میں سرگوشی کی۔

عین الدین ان دونوں محافظوں کا رخ عمارت کے سامنے والے حصے کی طرف ہے اور اگر ہم غربی حصے سے نمودار ہو کر ان پر حملہ آور ہوتے ہیں تو وہ ذرا فاصلے پر ہی۔ یہ فاصلہ طے کرنے میں ہمیں دیر لگے گی اتنی دیر میں وہ چوکنا ہو کر ہم پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ لہٰذا میں نے ایک ترکیب سوچی ہے اور وہ یہ کہ ہمیں گھات میں رہتے ہوئے ان دونوں پر تاک تاک کر خنجر مارنا چاہئے۔ مجھے امید ہے کہ ہم دونوں کے خنجر نشانے پر بیٹھیں گے۔ خنجر مارنے کے بعد ہم فوراً" بھاگ کر

آگے بڑھیں گے اور انہیں دبوچ لیں گے۔ تاکہ وہ اپنے منہ سے آوازیں نکال کر ہمارے لئے خطرات پیدا نہ کریں۔ کہو میرے دوست یہ تجویز کیسی ہے۔ جواب میں عین الدین نے بھی سرگوشی کی۔

یہ تجویز ٹھیک ہے میرے بھائی۔ اس طرح ہم ان دونوں پہریداروں پر بھی قابو پا سکتے ہیں۔ اس پر عبد اللہ نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا اگر ایسا ہے تو پھر آؤ اپنا خنجر نکال لو۔ عین الدین نے اپنا خنجر نکال لیا۔ عبد اللہ بھی اپنا خنجر نکال چکا تھا۔ دیوار کے آخری سرے پر آ کر عبد اللہ نے عین الدین سے کہا عین الدین آؤ اپنے کام کی ابتدا کریں اس کے ساتھ ہی دونوں ایک ساتھ حرکت میں آئے اپنے خنجر انہوں نے لہرائے اور تاک کر مارے۔ دونوں کے خنجر ان محافظوں کے سینوں میں پیوست ہو گئے تھے۔ اس کے ساتھ ہی دونوں بھاگ کر آگے بڑھے ان کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے انہیں دبوچ بھی لیا اس طرح ان کے منہ پر ہاتھ رکھے ہی رکھے ان کے سینوں سے خنجر نکال کر پے در پے ان خنجروں سے ان پر وار کرنا شروع کر دیئے تھے۔ اس طرح ان دونوں محافظوں کو بھی عبد اللہ اور عین الدین نے ہلاک کر دیا تھا۔ ان کی لاشوں کو کھینچتے ہوئے جھنڈ میں ڈال دیا تھا۔ پھر وہ اپنے خنجر صاف کرنے کے بعد اور پٹی میں اڑستے ہوئے عمارت کے سامنے والے حصے سے بڑی تیزی کے ساتھ مشرق کی سمت بڑھے تھے۔

عمارت کے سامنے والے حصے سے گزرتے ہوئے انہوں نے کمروں کا جائزہ لیا۔ انہوں نے دیکھا سارے کمروں میں قیدی تھے۔ جن میں عورتوں کی تعداد زیادہ اور مردوں کی کم تھی۔ مشرق میں پہلا کمرہ چھوڑ کے وہ دوسرے دروازے پر رکے۔ اس کمرہ کے اندر دو لڑکیاں تھیں دونوں ابھی تک جاگ رہی تھیں جب ان دونوں نے عبد اللہ اور عین الدین کو لوہے کے جنگلہ نما دروازے کے سامنے دیکھا تو ان میں سے ایک دروازے کے قریب آئی اور کہنے لگی تم کون ہو اور کیوں اس وقت ہمارے کمرے کے سامنے آئے ہو۔ تم اپنے لباس سے پہرے دار بھی نہیں لگتے۔ پھر عبد اللہ کہنے لگا۔

لڑکی اگر میں غلطی پر نہیں تو تو اروڑ کی راجکماری پرمل دیوی ہے۔ میں نہیں

جانتا تیرے ساتھ جو دوسری لڑکی ہے وہ کون ہے۔ بتا کیا تو پرمل دیوی ہے۔ اس پر لڑکی کہنے لگی ہاں میں پرمل دیوی ہوں۔ پر تم کون ہو اور مجھے کیسے جانتے ہو۔ اس پر عبد اللہ کہنے لگا دیکھ یہ باتیں وقت ضائع کرنے کے مترادف ہیں۔ یوں جانو ہم دونوں تمہارے ہمدرد اور سچے خیر خواہ ہیں۔ تمہیں اس قید اور زندان سے رہائی دلانا چاہتے ہیں۔ کہو کیا تم ایسا چاہتی ہو۔ اس پر وہ لڑکی کہنے لگی۔

میں واقعی پرمل دیوی ہوں اور اروڑ کے سابق راجہ رائے ساھسی کی بیٹی ہوں۔ اگر تم مجھے اس قید سے نکالو تو میں ساری زندگی تم دونوں کی احسان مند رہوں گی۔ لیکن میری تم سے ایک گذارش بھی ہے۔ میرے ساتھ تم میری اس ساتھی لڑکی کو بھی رہائی دلاؤ۔ تو میں سمجھوں گی تم دونوں ہمارے لئے دنیا کے سب سے بڑے مہربان اور محسن بن کر آئے ہو۔ اس پر عبد اللہ نے پوچھا تمہارے ساتھ دوسری لڑکی کون ہے اور وہ کس جرم میں یہاں قید کی گئی ہے۔ اس پر پرمل دیوی کہنے لگی۔ میری طرح اس کی کہانی لمبی ہے لیکن میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ میری طرح وہ بھی بے گناہ ہے۔ اس کا نام سورائی ہے۔ بے چاری بڑی بے بس اور مجبور لڑکی ہے اس پر عبد اللہ کہنے لگا۔ دیکھ ہم تم دونوں کو یہاں سے رہائی دلائیں گے۔ پہلے یہ بتاؤ ان کمروں کی چابیاں کس کے پاس ہیں۔ اس پر پرمل دیوی کہنے لگی۔

مشرق کی جانب جو پہلا کمرہ ہے۔ اس کی دیوار کے سامنے لکڑی کا ایک تختہ لگا ہوا ہے اس میں کیل ٹھکے ہوئے ہیں ان ہی کیلوں سے ان کمروں کی چابیاں لٹکی رہتی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی عبد اللہ بھاگ کر مشرق کی جانب گیا تھوڑی دیر بعد وہ چابیوں کا ایک گچھا لے آیا۔ باری باری اس نے چابیاں کمرے کے اس تالے پر آزمائیں۔ یہاں تک کہ اس نے تالا کھول دیا۔ دروازہ کھلتے ہی پرمل دیوی اور دوسری لڑکی سورائی دونوں باہر آن کھڑی ہوئی تھیں۔ پھر عبد اللہ نے ان دونوں سے سرگوشی کی۔

تم دونوں چپ چاپ کوئی آواز پیدا کئے بغیر ہمارے ساتھ آؤ۔ دیکھو کوئی غلط حرکت مت کرنا۔ ورنہ ہم چاروں مارے جائیں گے۔ اس پر پرمل دیوی کہنے لگی تم دونوں ہمارے محسن ہو۔ اپنی جانوں کی طرح تمہاری جانیں بھی ہمیں عزیز ہیں۔ ہم دونوں ایسے ہی کریں گی جیسے تم کہو گے۔ اس کے ساتھ ہی پرمل دیوی اور سورائی

دونوں عبد اللہ اور عین الدین کے ساتھ ہو لیں تھیں۔ وہ ان دونوں کو اس سمت لے جا رہے تھے جہاں راج مندر کے قریب درختوں کے جھنڈ میں وہ اپنے خچروں کو باندھ کر آئے تھے۔

اپنے خچروں کے پاس آنے کے بعد عبد اللہ اور عین الدین دونوں رک گئے پھر عبد اللہ نے پرمل دیوی اور اس کی ساتھی لڑکی سورائی کو مخاطب کر کے کہا۔

یہ تم دونوں جو خچر کھڑے دیکھ رہی ہو یہ ہمارے ہیں ان کے اوپر جو بورے لگے ہیں ان بوروں کے اندر تم دونوں ایک ایک خچر میں بیٹھ جاؤ۔ جبکہ بوروں کی دوسری جانب ہم یہ سامنے جو پکی مٹی کے برتن رکھے ہوئے ہیں وہ بھر دیں گے۔ اس طرح بوروں کے دونوں طرف وزن بھی برابر رہے گا اور کسی کو شک تک نہیں ہو گا کہ ہم تم دونوں کو بوروں میں بھر کے شہر سے باہر نکالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

اس پر پرمل دیوی نے انتہا درجے کا شک اور شبہ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ یہ جو تمہاری تجویز ہے یہ ناقابل عمل ہے اور کسی بھی صورت اس پر کامیابی حاصل نہیں کی جا سکتی۔ جب تم دونوں مجھے اور سورائی کو خچروں کے بوروں میں ڈال کر شہر سے باہر نکلنے کی کوشش کرو گے تو شہر کے دروازے کے محافظ یقیناً تم دونوں کی تلاشی لینے کی کوشش کریں گے اس لئے کہ اس وقت رات کافی جا چکی ہے۔ رات کے وقت جو بھی شہر میں داخل ہوتا ہے یا شہر سے نکلتا ہے۔ محافظ اس کی تلاشی ضرور لیتے ہیں۔ لہٰذا جب تم دونوں کے خچروں کی تلاشی لی جائے گی تو ہم دونوں پکڑی جائیں گی اور ہمارے ساتھ ساتھ تم دونوں کو بھی یا تو مصلوب کر دیا جائے گا یا کہیں قید خانے میں باقی زندگی سسک سسک کر گذارنے کے لئے مجبور کر دیا جائے گا لہٰذا میرا تم دونوں سے مشورہ ہے کہ ان خچروں کے ذریعے ہمیں باہر نکالنے کی تجویز پر عمل نہ کرو۔ بہتر یہ ہے کہ تم لوگ برہمن آباد کی شہر پناہ کی طرف چلو وہاں شہر پناہ کا کوئی ویران اور تاریک گوشہ دیکھو اور کمند کے ذریعے چاروں اس جگہ سے برہمن آباد سے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں تک کہنے کے بعد پرمل دیوی جب خاموش ہوئی تب عبد اللہ نے جواب دیا۔

پرمل دیوی تمہارے خدشات اپنی جگہ درست ہیں لیکن جو منصوبہ جو تجویز ہم

نے بنائی ہے وہ بھی بے بنیاد اور بے اساس نہیں ہے ہم نے جو کچھ سامان تمہیں باہر نکالنے کے لئے کیا ہے۔ یہ سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ میں تم دونوں کو یقین دلاتا ہوں کہ جب ہم برہمن آباد کے شرقی دروازے سے نکلیں گے تو کوئی بھی ہماری تلاشی نہیں لے گا۔ سنو پرمل دیوی ہم گذشتہ دس پندرہ دن سے شہر میں آ جا رہے ہیں شرقی دروازے کے محافظوں کو ہم دونوں نے پوری طرح اپنی مٹھی میں رکھا ہوا ہے اور تم دیکھو گی کہ رات کے اس وقت بھی جب ہم دروازے پر جائیں گے تو وہ بڑی خوش دلی سے ہمارا استقبال کریں گے اور بغیر تلاشی کے ہمیں شہر سے باہر نکل جانے کی اجازت دے دیں گے۔ کہو اب بھی تم خچر کے بورے میں بیٹھ کر ہمارے ساتھ برہمن آباد سے نکلنے پر رضامند ہو کہ نہیں اس پر پرمل دیوی نے فوراً جواب دیا۔

رضامند ہونے یا نہ ہونے کی بات نہیں ویسے تو تم لوگ ہم دونوں کو لے کر ان خچروں کے بغیر بھی برہمن آباد سے نکلنے کی کوشش کرو گے تو ہم تم دونوں کا ساتھ دیں گی۔ اس لئے کہ راج مندر کی پشت کی جس عمارت میں ہمیں قیدی بنا کے رکھا گیا تھا اس قید سے تو بہتر ہے ہمیں موت سے ہمکنار کر دیا جائے لہٰذا اگر تم یہ خیال کرتے ہو کہ شرقی دروازے کے محافظوں کو تم لوگوں نے اپنے اعتماد میں لے رکھا ہے تو پھر میرے خیال میں تمہاری یہ تجویز تمہارا یہ منصوبہ رائیگاں نہیں جائے گا۔

پرمل دیوی کا یہ جواب سن کر عبد اللہ خوش ہو گیا تھا۔ پھر وہ اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔ دیکھ پرمل دیوی تو نے انتہائی دانشمندی کا ثبوت دیا ہے۔ اب جبکہ تم ہمارے ساتھ اسی طریقہ کار کے مطابق شہر سے نکلنے پر آمادہ ہو تو میرے خچر کے بورے کی ایک سمت کو زور سے پکڑے رکھو تاکہ میں دوسری سمت برتن ترتیب سے رکھنا شروع کروں اس پر پرمل دیوی آگے بڑھی اور خچر پر رکھے بورے کا ایک سرا اس نے پکڑ لیا تھا۔ یہی کچھ کرنے کے لئے عبداللہ نے سورائی سے بھی کہا سورائی بھی آگے بڑھی اور اس نے عین الدین کے خچر کے بورے کو پکڑ لیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی عبداللہ اور عین الدین اپنے خچروں کے بوروں کے ایک سمت بڑی ترتیب سے پکی مٹی کے وہ برتن رکھنے لگے تھے جو راج مندر کے کونے سے اٹھا کر انہوں نے اپنے خچروں کے پاس ڈھیر کئے تھے۔

دونوں بوروں کی ایک ایک سمت جب پکی مٹی کے برتنوں سے بھری جا چکی تب عبد اللہ نے پرمل دیوی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ دیکھ پرمل دیوی میں پہلے تمہیں سہارا دے کے خچر کے اوپر بٹھاتا ہوں اس کے بعد تم بورے کی دوسری جانب اندر گھس جانا۔ جواب میں پرمل دیوی نے مسکراتے ہوئے کہا تم فکرمند نہ ہو جیسا تم کہو گے میں ویسا ہی کروں گی اس کے ساتھ ہی عبد اللہ نے سہارا دے کر پرمل دیوی کو اپنی خچر پر بٹھایا پھر پرمل دیوی بورے کے خالی حصے میں گھس کے بیٹھ گئی تھی۔

دوسری جانب عین الدین نے بھی سورائی کو اپنے خچر پر بٹھایا اور وہ بھی پرمل دیوی کی طرح بورے کے خالی حصے میں گھس گئی تھی۔ اس کے بعد عبد اللہ اور عین الدین دونوں اپنے خچروں کی باگیں پکڑے شرقی دروازے کی طرف بڑھنے لگے تھے۔

دروازے کے قریب جا کر وہ خچروں پر سوار ہو گئے پھر انہیں تیزی سے ہانکتے ہوئے دروازے کے قریب آئے۔ یہاں کے محافظوں کے سالار نے جب ان دونوں کو دیکھا تو مسکراتے ہوئے پوچھا۔ آج تو تم دونوں نے شہر میں بڑی دیر کر دی اس پر عبد اللہ کہنے لگا بس کچھ لوگ شہر کے اندر واقف ہو گئے ہیں ان میں سے ایک نے اصرار کیا تھا کہ ہم آج رات کا کھانا اس کے ہاں کھا کے جائیں ہم نے بہت منت سماجت کی کہ اس طرح دیر ہو جائے گی پر وہ نہ مانے لہٰذا ان کی خواہش پوری کرتے ہوئے ہمیں رات کا کھانا وہیں کھانا پڑا۔ اس لئے دیر ہو گئی ہے۔ اس پر محافظوں کا سالار کہنے لگا کوئی بات نہیں۔ اب تم اپنے خچروں کی رفتار تیز کر دو اور اپنی منزل کی طرف جاؤ آج تو تم نے خچروں پر مٹی کے برتن بھی خوب لاد رکھے ہیں۔ اس پر عبد اللہ نے کہا یہ ہمارے نہیں ہمارے کسی جاننے والے نے کہا تھا کہ شہر سے ہمارے لئے برتن لے کے آنا لہٰذا ہم دونوں انہی کے لئے برتن لے کے جا رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مزید کچھ کہے یا سنے بغیر عبد اللہ نے اپنے خچر کو ہانکا عین الدین نے بھی اپنے خچر کو ہانک دیا تھا پھر وہ بڑی تیزی کے ساتھ شرقی دروازے سے باہر نکل گئے تھے۔

شہر سے کچھ دور جا کر عبد اللہ اور عین الدین دونوں نے اپنے خچروں کو روک دیا۔ اس کے بعد انہوں نے پرمل دیوی اور سورائی دونوں کو باہر نکلنے کے لئے کہا وہ دونوں بوروں سے باہر نکل کر خچروں کے اوپر بیٹھ گئیں اس کے بعد عبد اللہ اور عین

الدین دونوں خچروں کو ہانکتے ہوئے راستے سے بڑی تیزی کے ساتھ دور ہٹنے لگے تھے۔

راستے سے کچھ فاصلے پر جانے کے بعد عبد اللہ اور عین الدین ایک بار پھر حرکت میں آئے بوریوں کے اندر جو مٹی کے برتن انہوں نے بھرے ہوئے تھے وہ نکال کر انہوں نے توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیئے اس کے بعد پرمل دیوی اور سورائی کے آگے اپنے خچروں پر سوار ہوئے انہیں بڑی تیزی سے سرائے کی طرف دوڑا رہے تھے۔

سرائے کے قریب جا کر عبد اللہ نے اپنے خچر کو روک دیا پھر وہ بڑی رازداری کے ساتھ عین الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ دیکھ میرے بھائی میرے عزیز تو دونوں خچروں کے ساتھ پرمل دیوی اور سورائی کو لے کر یہیں رک کر میرا انتظار کر۔ میں سرائے کی طرف جاتا ہوں وہاں مالک کے ساتھ اپنا حساب بے باق کرنے کے بعد اپنا اور تمہارا گھوڑا بھی یہاں لے کر آتا ہوں اس کے بعد وقت ضائع کئے بغیر رات کی تاریکی میں اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ عین الدین نے عبد اللہ کی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ اس کے بعد عین الدین پرمل دیوی اور سورائی کو وہیں چھوڑ کر عبد اللہ رات کی تاریکی میں سرائے کی طرف بھاگ رہا تھا۔

عبد اللہ بڑی تیزی سے سرائے میں داخل ہوا سرائے کے مالک سے ملا اس سے اپنا حساب بے باق کیا۔ پھر وہ اصطبل میں آیا دونوں گھوڑوں پر اس نے زین ڈالیں انہیں پانی پلایا اس کے بعد زینوں کے ساتھ لٹکے ہوئے خوراک کے توڑے بھی اس نے اصطبل کے اندر خوراک اور دانے سے بھر لئے تھے۔ پھر عین الدین کے گھوڑے کی لگام اس نے اپنے گھوڑے کی زین سے باندھ دی اپنے گھوڑے پر وہ سوار ہوا اور سرائے سے نکل کر اس سمت جا رہا تھا جہاں وہ عین الدین کو پرمل دیوی اور سورائی کے ساتھ کھڑا کر کے آیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد عبد اللہ دونوں گھوڑوں کو لے کر وہاں پہنچ گیا اس کے بعد عبداللہ نے پرمل دیوی اور سورائی کو مخاطب کر کے کہا۔ دیکھ پرمل دیوی اور سورائی تم دونوں ہمارے ان گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ۔ میں اور میرا ساتھی اپنے خچروں پر سوار ہوتے ہیں۔ اب ہمیں یہاں سے فوراً کوچ کر جانا چاہئے ورنہ ہمارے لئے خطرات

بھی اٹھ کھڑے ہو سکتے ہیں۔ جواب میں پرمل دیوی نے کچھ بھی نہ کہا۔ سورائی کے ساتھ وہ حرکت میں آئی۔ پرمل دیوی عبد اللہ کے گھوڑے پر بیٹھ گئی تھی جبکہ سورائی عین الدین کے گھوڑے پر بیٹھی تھی۔ عبد اللہ اور عین الدین بھی خچروں پر بیٹھے اس کے بعد وہ چاروں اپنے گھوڑوں اور خچروں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔

ساری رات وہ بھاگم بھاگ سفر کرتے رہے اگلے روز دن کی روشنی میں جب وہ اروڑ کے کوہستانی سلسلے میں داخل ہوئے تب راجکماری پرمل دیوی نے ایک طرح سے بدکتے ہوئے اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچ لی تھیں اور گھوڑے کو اس نے روک دیا تھا۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے عبد اللہ' عین الدین اور سورائی نے بھی اپنے گھوڑوں کو روک لیا تھا۔ پھر عبد اللہ اپنے گھوڑے کو ہانکتے ہوئے پرمل دیوی کے قریب آیا۔ وہ کچھ پوچھنا ہی چاہتا تھا کہ پرمل دیوی نے پہلے ہی اس سے سوال کر ڈالا۔

دیکھ میرے محسن میں اور میری ساتھی لڑکی دونوں ابھی تک نہیں جانتیں کہ تم دونوں کون ہو کہاں کے رہنے والے ہو اور تم دونوں کے کیا نام ہیں اور کس کے ایماء پر تم نے ہمیں قید سے رہائی دلائی لیکن ان سارے سوالوں سے پہلے میرے محسن میں تم سے یہ پوچھتی ہوں کہ تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔ اس پر عبد اللہ نے بے ساختگی میں کہا۔

دیکھ پرمل دیوی ہم تیرے دشمن نہیں تیرے دوست ہیں۔ ہم تیرے ساتھ دھوکہ اور فریب نہیں کریں گے تمہیں اروڑ شہر لے جا رہے ہیں۔ اس پر پرمل دیوی نے روہانسی سی آواز میں جواب دیا۔

کیا آپ دونوں مجھے اور سورائی کو اروڑ اس لئے لے جا رہے ہیں کہ اروڑ کی رانی سونھن دیوی مجھے صلیب پر چڑھا دے۔ آپ نہیں جانتے میرے اس کے کیا تعلقات ہیں۔ میرے اور اس کے درمیان کیا عداوت ہے۔ اس پر عبد اللہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

دیکھ پرمل دیوی تو فکرمند مت ہو میں جانتا ہوں تیرے اور سونھن دیوی کے کیا تعلقات ہیں تم دونوں کے درمیان کیا دشمنی ہے۔ اس پر سوالیہ سے انداز میں پرمل

دیوی نے پوچھا میرے محسن آپ کیا جانتے ہیں۔ عبد اللہ کہنے لگا۔

میں یہ جانتا ہوں کہ سونھن دیوی تمہارے پتا راجہ ساھسی کی رانی تھی اور تمہارے پتا کے مرنے کے بعد جب راجہ چچ کے ہاتھ حکومت آئی تو سونھن دیوی نے چچ سے شادی کر لی۔ شادی کے بعد اس نے اپنے پہلے شوہر یعنی راجہ رائے ساھسی کے سارے رشتہ داروں کا خاتمہ کر دیا۔ صرف تم اکیلی ہی بچیں جو بھاگ کر اروڑ سے برہمن آباد چلی گئیں تھیں۔ کہو میں نے ٹھیک کہا ہے۔ اس پر پرمل دیوی نے عجیب سے انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ دیکھ میرے محسن کہا تو آپ نے ٹھیک ہے پر پہلے یہ بھی بتاؤ کہ تم دونوں کون ہو اور ہمیں کیوں اور کہاں لے جانا چاہتے ہو۔

جواب میں عبد اللہ نے اپنے متعلق بھی پوری تفصیل کے ساتھ بتا دیا کہ اس کا تعلق سندھ کے جاٹ قبیلے سمہ سے ہے۔ کس طرح ایرانی جرنیل ہرمز نے انہیں گرفتار کیا اور مسلمانوں سے جنگ کے لئے لا کھڑا کیا جہاں انہیں شکست ہوئی اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور پھر کس طرح وہ اپنے ساتھیوں عین الدین' سالم بن لولی اور شہاب الدین کے ساتھ برہمن آباد میں داخل ہوا۔ کیسے اس نے اپنے جاننے والے دولت رائے سے پرمل دیوی اور ساھتی کے متعلق تفصیل حاصل کی اس نے یہ بھی بتایا کہ ساھتی کا تعلق اسی کے قبیلے سے تھا۔ اس کے بعد اس نے راجہ چچ سے ملنے اور پرمل دیوی کی رہائی کے متعلق پوری تفصیل کہہ ڈالی تھی۔

عبد اللہ جب خاموش ہوا تو پرمل دیوی نے کسی قدر پر سکون انداز میں جواب دیا۔

دیکھ عبد اللہ میرے محسن میں نہیں جانتی کہ مسلمانوں کے کیا اعتقادات ہوتے ہیں۔ لیکن جو داستان تم نے سنائی ہے اس سے یہ اندازہ میں نے لگایا ہے کہ تم دونوں میرے اور سورائی کے لئے کم از کم مخلص ہو۔ لیکن میرے محسن یہ بھی تو ممکن ہے کہ تمہاری وجہ سے راجہ چچ اور سونھن دیوی مجھ پر گرفت کرنا چاہتے ہوں اور تمہارے ساتھ دھوکہ دہی کر کے مجھے مصلوب کر دیں۔ اس پر عبد اللہ چھاتی تانتے ہوئے کہنے لگا۔

سن پرمل دیوی اگر راجہ چچ یا اس کی رانی سونھن دیوی نے تمہارے ساتھ

دھوکہ کرنے کی کوشش کی یا مجھے فریب دینا چاہا تو یاد رکھنا تمہاری طرف بڑھنے والا ہاتھ پہلے مجھے لاش میں تبدیل کرے گا اس کے بعد تمہاری طرف بڑھے گا۔ میں تمہارے ہر دشمن سے تمہارا دفاع تمہاری حفاظت اور تمہاری آبرو کا احترام کراؤں گا۔ مجھ پر اعتماد کرو۔ سورائی کو بھی تسلی دو کہ یہ اجنبی نہیں تمہارے ساتھ اس کی بھی ہم پوری پوری حفاظت کریں گے۔ پر تم ایک مہربانی کرو۔ پہلے سورائی سے متعلق ہمیں تفصیل بتاؤ۔ کہ اسے کیوں قید خانے میں ڈالا گیا۔ اس پر پرمل دیوی نے کچھ سوچا اس کے بعد اس نے کہنا شروع کیا۔

عبد اللہ اور عین الدین میرے دونوں محسنو! سورائی بیچاری بھی میرے جیسے حالات سے ہی ہو کے گزری ہے۔ یہ ذات کی کھشتری ہے اس کی بد قسمتی یہ کہ اس نے ایک نوجوان سے محبت کی جس کا تعلق شودر ذات سے تھا۔ پھر کھشتری اور شودر کے ملاپ کو کون پسند کرتا ہے۔ جب برہمنوں کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے جس شودر نوجوان سے سورائی نے محبت کی تھی اسے دیوتاؤں کی بھینٹ چڑھا دیا۔ سورائی کو سزا کے طور پر میرے ساتھ زندان میں ڈال دیا گیا۔ بس اس بیچاری کی بھی میری طرح ظلم کی کہانی ہے۔ اس پر عبد اللہ نے سورائی کی طرف دیکھا اور تسلی دینے کے انداز میں کہا۔

سن سورائی میری بہن میری عزیزہ۔ تو فکرمند مت ہونا یہ مت خیال کرنا کہ تو اب اجنبی شہر کی طرف آئی ہے تو یہی خیال کر کہ تو اپنوں کے اندر ہے میں اور عین الدین دونوں تیری جان تیری عصمت دونوں کی حفاظت کریں گے۔ اس پر سورائی کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر وہ کہنے لگی۔ اس لحاظ سے میں آپ دونوں کی شکر گزار ہوں گی پر آپ لوگ ہمیں رکھیں گے کہاں۔ اس پر عبد اللہ کہنے لگا۔ یہ فیصلہ تو ہم اروڑ پہنچ کر کریں گے۔ پہلے ہم اروڑ شہر کے باہر مستقر میں جائیں گے۔ اس لئے کہ میں عین الدین اور ہمارے دوسرے دونوں ساتھی راجہ چچ کے لشکر میں شامل ہو چکے ہیں اور اس حیثیت سے مستقر میں ہماری اپنی رہائش گاہ ہے۔ اور فی الحال تم دونوں کو ہم وہیں رکھیں گے۔ اس کے بعد راجہ چچ سے صلاح مشورہ کرنے کے بعد تم دونوں کی مستقل رہائش کا انتظام و اہتمام کیا جائے گا میرے خیال میں اب

ہمیں اپنا سفر جاری رکھنا چاہئے۔ وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ پرمل دیوی اور سورائی دونوں نے عبد اللہ کی اس تجویز سے اتفاق کیا اس کے بعد پھر انہوں نے گھوڑوں کو ایڑھ لگائی اور اروڑ کے رخ پر وہ اپنے جانوروں کو سرپٹ دوڑا رہے تھے۔

شام سے تھوڑی دیر پہلے عبد اللہ اور عین الدین دونوں پرمل دیوی اور سورائی کو لے کر اروڑ کے مستقر میں داخل ہوئے۔ جب وہ دونوں اپنی رہائش گاہ کے قریب گئے تو وہ دنگ رہ گئے اس لئے کہ ان کی رہائش گاہ کے قریب ہی ایک جگہ راجہ چچ کھڑا تھا اور وہ عبد اللہ کے دونوں ساتھیوں سالم بن لولی اور شہاب الدین سے گفتگو کر رہا تھا۔ عبد اللہ اور عین الدین پرمل دیوی اور سورائی کو لے کر وہاں پہنچے تو راجہ چچ ان کی طرف متوجہ ہوا پھر وہ سالم بن لولی اور شہاب الدین کو لے کر ان کی طرف بڑھا تھا۔ اسے اپنی طرف آتے دیکھ کر عبد اللہ اور عین الدین دونوں اپنے گھوڑوں سے اتر گئے پھر عبد اللہ نے پرمل دیوی کو مخاطب کر کے کہا۔

پرمل دیوی یہ جو تین اشخاص آ رہے ہیں ان میں جو زرق برق لباس پہنے ہوئے ہے یہ راجہ چچ ہے۔ اس پر پرمل دیوی کہنے لگی میں اسے پہچانتی ہوں آپ بے فکر رہیں۔ عبد اللہ نے پھر کہا اس کے ساتھ جو دو جوان ہیں یہ ہمارے ساتھی ہیں۔ جو دائیں طرف ہے وہ سالم بن لولی ہے اور جو بائیں جانب ہے وہ شہاب الدین ہے۔ راجہ چچ شہاب الدین اور سالم بن لولی کے ساتھ قریب آ گیا تھا۔ پرمل دیوی اور سورائی بھی اتنی دیر تک اپنے گھوڑوں سے اتر گئیں تھیں۔ پھر راجہ چچ شہاب الدین اور سالم بن لولی عبداللہ اور عین الدین سے گلے ملے اس کے بعد راجہ چچ نے عبداللہ کو مخاطب کر کے پوچھا۔

عبد اللہ میرے بھائی کیا ان دونوں لڑکیوں سے تم میرا تعارف نہیں کراؤ گے۔ اس پر عبد اللہ فوراً" بول پڑا۔ دیکھ چچ میرے عزیز میرے بھائی میرے محترم۔ یہ جو لڑکی میرے قریب کھڑی ہے یہ اروڑ کے سابق راجہ رائے ساھسی کی راجکماری پرمل دیوی ہے اور جو لڑکی اس وقت عین الدین کے قریب کھڑی ہے اس کا نام سورائی ہے اس کے بعد سورائی کی بھی داستان موثر الفاظ میں عبد اللہ نے راجہ چچ اور اپنے دونوں ساتھیوں سے کہہ ڈالی تھی۔

اس موقع پر راجہ چچ نے بڑی رازداری سے اپنے پہلو میں کھڑے شہاب الدین کے کان میں کچھ کہا جس پر شہاب الدین بھاگتا ہوا وہاں سے چلا گیا تھا تھوڑی دیر بعد شہاب الدین لوٹا اس کے ساتھ دو لڑکیاں بھی تھیں۔ پھر راجہ چچ نے عبد اللہ کو مخاطب کیا۔

عبد اللہ میرے بھائی میرے عزیز تمہارے بعد ایک انقلاب میں نے برپا کر دیا ہے میں نے تمہارے دو ساتھیوں شہاب الدین اور سالم بن لولی کی شادیاں کرا دی ہیں اور یہ جو دونوں لڑکیاں ہیں یہ ان کی بیویاں ہیں میں چاہتا تھا کہ تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ میرے پاس مستقل اور پر سکون زندگی بسر کرو اور یہ کہ ایسا اسی وقت ہو سکتا تھا جب تم میرے پاس اپنے اہل و عیال کے ساتھ رہو۔ تم چونکہ چاروں اکیلے تھے شہاب الدین اور سالم بن لولی کے تو اہل و عیال کا میں نے بندوبست کر دیا ہے اور میرے خیال میں تم دونوں اپنا بندوبست خود ہی کر کے آ رہے ہو۔

اتنا کہنے کے بعد راجہ چچ تھوڑی دیر کے لئے رکا کچھ سوچا پھر پرمل دیوی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

پرمل دیوی تو میری بیٹی کی جگہ ہے کسی خوف کسی خدشے میں مت رہنا یہ مت خیال کرنا کہ میری رانی سونھن دیوی تمہارے خاندان کی بد ترین دشمن ہے لہٰذا اس سے تمہیں کوئی خطرہ ہے نہیں تم بالکل محفوظ رہو گی لیکن ایک احتیاط کرنا مجھ سے سونھن دیوی نے پوچھا تھا کہ عبداللہ کہاں گیا ہوا ہے اس لئے کہ میری رانی عبداللہ پر بڑا اعتماد کرنے لگی ہے اس بناء پر کہ اس کی وجہ سے مجھے چتوڑ کے راجہ کے خلاف شاندار فتح نصیب ہوئی تھی اور وہ فتح عبد اللہ ہی کی وجہ سے ہوئی لہٰذا میری رانی سونھن دیوی اس پر اب اندھا اعتماد کرنے لگی ہے جب اس نے مجھ سے اس کے متعلق پوچھا تو میں نے اسے بتایا کہ عبد اللہ اپنی بیوی کو لینے گیا ہوا ہے دیکھ پرمل دیوی میری بیٹی کبھی کبھی جھوٹ بولنے میں بھی مصلحت ہی ہوتی ہے میں جانتا ہوں رانی سونھن دیوی تمہیں شکل سے نہیں پہچانتی۔ نہ وہ تیرا نام جانتی ہے اگر کبھی کسی موقع پر تیرا سامنا سونھن دیوی سے ہو بھی جائے تو تو اپنے آپ کو عبد اللہ کی بیوی ظاہر کرنا راجہ چچ کی اس تجویز پر شرم و حیا میں پرمل دیوی بیچاری گلاب کے پھول کی طرح

سرخ ہو کے رہ گئی تھی اس پر راجہ چچ پھر کہنے لگا۔

سورائی میری بیٹی اب میں تمہاری طرف آتا ہوں تمہارے حالات سن کر
بڑا دکھ ہوا ہے اس لئے کہ یہ ہندو معاشرے میں ذات پات کا مسئلہ بڑا برا اور گھنا
ہے میں برہمن ہوتے ہوئے اس کے خلاف ہوں دیکھ میری بیٹی تو اپنے آپ
عین الدین کی بیوی ظاہر کرنا فی الحال میں جو کہتا ہوں وہی کرو پرمل دیوی میری بیٹی
تم عبد اللہ سے شادی نہ کرنا چاہو تو وہ ایک علیحدہ مسئلہ ہے لیکن فی الوقت تم
آپ کو عبد اللہ کی بیوی ظاہر کرنا سورائی عین الدین کی بیوی ظاہر کرے گی اس طر
تم دونوں یہاں مستقر میں رہ بھی سکو گی اور تم دونوں پر نہ ہی سو نھن دیوی کو کوئی شک
ہو گا نہ کوئی اور تم دونوں پر کوئی شبہ کرے گا اس طرح تم دونوں پر سکون زندگی بسر
سکو گی۔ کہو کیا تم دونوں کو میری تجویز منظور ہے اس پر پرمل دیوی اور سورائی دونو
نے بڑے غور سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا لمحہ بھر کے لئے دونوں کے چہروں
خوشگوار مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی پھر پرمل دیوی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا
دیکھ چچ میرے محترم ہمیں آپ کی تجویز سے اتفاق ہے یہ جواب سن کر راجہ چچ خو
ہو گیا تھا۔ اس کے بعد اس نے عبد اللہ کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

عبد اللہ میرے بھائی میرے عزیز جیسا کہ تمہارے ساتھ گفتگو کے دوران
پہلے ہی اس بات کا اظہار کر چکا ہوں کہ میں اپنی سلطنت کی حدود وہیں تک پہچانا چا
ہوں جو مجھ سے پہلے پرمل دیوی کے باپ راجہ رائے ساھسی کے دورِ حکومت
تھیں۔ میرا وزیر تمہاری موجودگی میں یہ بھی بتا چکا ہے کہ کون کون سے شہر اس مملکت
میں شامل تھے۔ لہٰذا وہ تمام ریاستیں جو پہلے ہماری سلطنت کا حصہ ہوتی تھیں اور ا
خود مختار ہو چکی ہیں ان پر حملہ آور ہو کر میں دوبارہ ان کو اپنی سلطنت میں شامل
چاہتا ہوں۔ میرے بھائی پہلے یہ کہو کہ ہمیں ابتدا کہاں سے کرنی چاہئے۔ اس
عبداللہ نے کچھ سوچا پھر فیصلہ دیا۔

چچ میرے عزیز میرے بھائی میں سمجھتا ہوں ہمیں اپنی فتوحات اور اپنے حملو
کی ابتداء بھاٹیہ کے قلعہ سے کرنی چاہئے۔ اس کے بعد ہمیں اسکلندہ کا رخ کر
چاہئے۔ اس پر چچ نے پوچھا ایسا کرنے کی کوئی خاص وجہ بھی ہے۔ عبد اللہ نے جوا

دیا۔

چچ سن میرے بھائی ہاں ایسا کرنے کی بہت بڑی وجہ ہے اور وہ یہ کہ بھاٹیہ اور اسکلندہ دونوں چھوٹے شہر ہیں اور جن ریاستوں کے یہ مرکزی شہر ہیں وہ ریاستیں بھی چھوٹی ہیں۔ سب سے چھوٹی بھاٹیہ ہے اور اس کے بعد اسکلندہ۔ پہلے ہم بھاٹیہ پر حملہ آور ہوں گے پھر اسکلندہ پر۔ چھوٹی ریاستوں کو ہم آسانی سے فتح کر سکتے ہیں پہلے ہمیں بڑی ریاستوں پر ہاتھ نہیں ڈالنا چاہئے۔ ان میں سے کسی ایک میں اگر ہمیں ناکامی ہوئی تو اس طرح چھوٹی ریاستوں کے حوصلے بلند ہو جائیں گے اور وہ بڑی ریاستوں کا ساتھ دے کر ہمیں زیر کرنے کی کوشش کریں گے۔

اگر ہم چھوٹی ریاستوں سے اپنی فتوحات کی ابتداء کریں اور ان پر قبضہ کرتے ہوئے اور ان کے حکمرانوں کو شکست دیتے ہوئے اپنی سلطنت کی توسیع کرتے رہیں تو پھر جہاں ہمیں فتوحات حاصل ہوں گی اور ہمارے لشکریوں کے حوصلے بلند ہوں گے وہاں جو بڑی ریاستیں ہیں مثلاً" برہمن آباد ملتان اور دوسری ان کے حکمرانوں اور ان کے لشکروں کے حوصلے پست ہوں گے اور وہ ہمارے سامنے دب کے رہیں گے اس طرح ان پر قابو پانا یا ان پر فتوحات حاصل کرنا ہمارے لئے آسان تر ہو گا۔

عبد اللہ کا یہ جواب سن کر راجہ چچ کے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی تھوڑی دیر تک اسی مسکراہٹ میں وہ کچھ سوچتا رہا پھر توصیفی انداز میں وہ عبد اللہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

عبد اللہ میرے بھائی تمہارا فیصلہ بہترین اور تمہاری تجویز بڑی مدلل ہے۔ تمہاری اس تجویز کے مطابق ہم اپنی فتوحات اور حملوں کی ابتدا بھاٹیہ اور اسکلندہ سے کریں گے سنو عبد اللہ اور عین الدین تم دونوں پورا ایک ہفتہ مستقر میں آرام کرو اپنی تیاری بھی کرتے رہو ایک ہفتہ بعد ہم اپنے لشکر کو لے کر یہاں سے نکلیں گے تمہارے دونوں ساتھی شہاب الدین اور سالم بن لولی ہم سب کی غیر موجودگی میں اسی مستقر میں اپنی بیویوں کے ساتھ قیام کریں گے اس مستقر میں میں ایک لشکر بھی چھوڑ کے جاؤں گا جس کا سالار اعلیٰ تمہارا ساتھی شہاب الدین اور اس کا نائب سالم بن لولی ہو گا اگر ہماری غیر موجودگی میں کسی حکمران کی طرف سے اروڑ کے لئے کوئی خطرہ اٹھتا

ہے تو شہاب الدین اور سالم بن لولی اس لشکر کے ساتھ جو مستقر میں ہو گا ا
حفاظت کریں گے۔ جبکہ عبد اللہ میرے بھائی تم اور عین الدین دونوں میرے
جنگوں میں حصہ لو گے اور مجھے امید ہے کہ ہم تینوں مل کر اپنے ہر دشمن کو
سامنے زیر کریں گے۔

اس پر عبد اللہ کہنے لگا سن پچ میرے بھائی انشاء اللہ ہر جنگ میں ہم ت
کی حیثیت سے سامنے آئیں گے۔ اس پر پچ نے کہا اب تم دونوں آرام کرو پر
پرمل دیوی اور سورائی کی رہائش کا کیا انتظام کرو گے۔ اس پر عبد اللہ کہنے لگا د
میرے بھائی میری اور عین الدین کی رہائش گاہیں علیحدہ علیحدہ ہیں پر ہیں ساتھ ر
اب جو رہائش گاہ میری تھی اس میں پرمل دیوی اور سورائی دونوں رہیں گی جبکہ
عین الدین کے ساتھ قیام کر لوں گا۔ اس پر پچ نے کہا عبد اللہ میرے بھائی تیرا
درست ہے۔ اس کے بعد پچ نے پرمل دیوی سے کہا پرمل دیوی میری بیٹی یہاں
کے دوران تمہیں کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو بلا تکلف عبد اللہ سے کہنا یہ تمہیں
چیز مہیا کرے گا۔ سن عبد اللہ نے تمہیں بتا دیا ہو گا کہ میرے اس کے کیا تعلقات
اس پر پرمل دیوی نے بڑی ممنونیت میں کہا۔ پچ میرے بزرگ عبد اللہ مجھے سب
بتا چکے ہیں آپ بے فکر رہیں مجھے اگر کسی چیز کی ضرورت ہوئی تو میں عبد اللہ سے
جھجک کہوں گی اس کے بعد پچ وہاں سے چلا گیا تھا عبد اللہ اور عین الدین بھی سالم
لولی شہاب الدین دونوں اپنی بیوی کے ساتھ اپنی رہائش گاہوں کی طرف چلے
تھے۔

○

وہ ایک فوجی بیرک نما عمارت تھی جس میں وہ داخل ہوئے تھے۔ اس
دائیں طرف والے دو بڑے بڑے کمرے شہاب الدین سالم بن لولی دونوں کے
تھے اور بائیں طرف والے کمرے عبد اللہ اور عین الدین کے پاس تھے عبد اللہ کا
پرمل دیوی اور سورائی کے حوالے کر دیا گیا تھا جبکہ عبد اللہ اور عین الدین نے ا
ہی کمرے میں رہائش کر لی تھی۔

ایک ہفتے بعد جس روز پچ نے اپنے لشکر کے ساتھ اپنے حملوں کی ابت

رنے کے لئے کوچ کرنا تھا اس روز جس وقت عبد اللہ اور عین الدین دونوں اپنے
مروں میں اپنے کوچ کی تیاریاں کر رہے تھے پرمل دیوی اور سورائی دونوں ایک ساتھ
ں کے کمرے میں داخل ہوئیں تھوڑی دیر تک وہ دونوں دروازے پر کھڑی رہیں
راللہ نے پرمل دیوی کو مخاطب کر کے کہا پرمل دیوی تم دروازے پر کیوں کھڑی ہو
ر آ جاؤ ہم تمہارے لئے اجنبی تو نہیں اس پر پرمل دیوی کے چہرے پر مسکراہٹ
دار ہوئی اور وہ کہنے لگی۔

عبد اللہ میرے محسن میرے مربی اگر اجنبیوں والا معاملہ ہوتا تو میں آپ کے
ں کیوں آتی۔ میں آپ سے ایک التجا کرنا چاہتی ہوں اور مجھے امید ہے کہ آپ
ں التجا ٹھکرائیں گے نہیں۔ اس پر عبد اللہ کہنے لگا کہو تم کیا کہنا چاہتی ہو پرمل دیوی
، لگی یہ ظاہر ہے کہ حالات مجھے آپ کے اور سورائی کو عین الدین کے حوالے کر
ہیں پچ بھی ہم دونوں کو لوگوں کے سامنے آپ کی بیویاں بنا چکا ہے اب ہم دونوں
کیلئے یہاں رہنا مناسب نہیں آپ دونوں کی غیر موجودگی میں میں اور سورائی ہم
ں اپنے آپ کو محفوظ بھی خیال نہیں کرتی اور پھر آپ دونوں کے جانے کے بعد
طرح آپ دونوں نے ہماری ضروریات کا خیال رکھا وہ خیال شہاب الدین اور
بن لولی نہیں کر سکتے۔ لہٰذا میری آپ سے گزارش ہے کہ آپ ہمیں اپنے ساتھ
میں شامل رکھیں۔ آخر اس میں حرج بھی کیا ہے اس لئے کہ سب لوگ جانتے
لہ میں آپ کی اور سورائی عین الدین کی بیوی ہے گو عملی طور پر ہم آپس میں
بیوی نہیں ہیں پھر بھی لوگوں کی نگاہوں میں تو ایسا ہی ہے لہٰذا کوئی اعتراض نہیں
، گا اس کے علاوہ میں نے یہ بھی سنا ہے کہ پچ کے لشکر کے بہت سے لشکری اور
اپنی بیویوں کو اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں لہٰذا اگر میں اور سورائی بھی آپ
کے ساتھ جاتی ہیں تو میرے خیال میں اس سے کوئی حرج نہیں اس پر عبد اللہ
گا۔

پرمل دیوی تمہارا کہنا درست ہے واقعی اس میں کوئی حرج نہیں اگر تم دونوں
، ساتھ جانے پر رضامند ہو تو پھر فوراً" تیار ہو جاؤ ہمیں تم دونوں کو اپنے ساتھ
پر کوئی اعتراض نہیں ہے تمہارا یہ اندازہ درست ہے ہمارے ساتھ تم لوگوں کی

بہترین حفاظت ہو سکتی ہے لہٰذا میں تمہیں ساتھ جانے کی اجازت دیتا ہوں اور
دونوں وقت ضائع کئے بغیر فوراً اپنی تیاری کرو اور یہاں آ جاؤ تاکہ ہم یہاں سے کو
کریں۔

عبد اللہ کا جواب سن کر پرمل دیوی اور سورائی دونوں بے حد خوش ہو
تھیں پھر وہ بھاگی بھاگی اپنے کمرے کی طرف گئیں۔ اپنی ضرورت کا سامان لے
عبداللہ اور عین الدین کے کمرے میں آ گئیں تھیں اس کے بعد وہ چاروں ا
عمارت سے نکل گئے۔ شہاب الدین اور سالم بن لولی اور ان دونوں کی بیویاں ب
انہیں الوداع کہنے کے لئے آئیں تھیں اس کے بعد وہ چاروں راجہ چچ کے لشکر
ساتھ اروڑ سے کوچ کر گئے تھے۔

○

اپنے لشکر کے ساتھ چچ نے سب سے پہلے قلعہ بھاٹیہ کا رخ کیا یہ دریا
ستلج کے جنوب میں ایک انتہائی قدیم قلعہ تھا چچ کے بعد جس وقت محمد بن قاسم ا
قلعہ پر حملہ آور ہوا اس وقت چچ کا بھتیجہ بھاٹیہ نام کے اس قلعے پر حکومت کرتا تھا
بہرحال چچ اپنے لشکر کے ساتھ بڑی تیزی سے پیش قدمی کرتا ہوا آگے بڑھا اور بھا
شہر سے دس میل دور جا کر خیمہ زن ہوا۔

یہاں راجہ چچ نے عبد اللہ اور عین الدین کو اپنے پاس بلایا اور پھر عبد اللہ
کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ عبد اللہ میرے بھائی میں نے جان بوجھ کر بھاٹیہ سے دس
میل کے فاصلے پر پڑاؤ کیا ہے دیکھ میرے بھائی میں برہمن ہوں جنگ کا کوئی تجربہ نہیں
رکھتا۔ تم سندھ کے جاٹ ہو لڑنے کا ہر فن خوب اچھی طرح جانتے ہو۔ پھر تم
ایرانیوں کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف جنگ بھی کر چکے ہو لہٰذا تمہارا بہترین عملی
تجربہ بھی ہے۔ تمہارا ساتھی عین الدین مسلمان ہے اس کا تعلق عربوں سے ہے اور
عرب میں جانتا ہوں تلوار کے دھنی ہوتے ہیں اس لئے کہ تلوار کا فن انہیں پیدائشی
طور پر ملتا ہے لہٰذا میں تم دونوں سے صلاح و مشورہ کرتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔

اس پر عبد اللہ اور عین الدین نے آپس میں صلاح و مشورہ کیا پھر عبد اللہ
نے چچ کو مخاطب کر کے کہنا شروع ہوا۔

چچ میرے بھائی جہاں کہیں بھی ہمیں حملہ آور ہونا ہو ہمیں اپنے لشکر کو تین
حصوں میں تقسیم کرنا چاہئے۔ ایک حصہ خود تمہارے پاس رہے گا ایک میرے پاس
اور تیسرا عین الدین کی سرکردگی میں ہوا کرے گا۔

چچ میرے بھائی لڑائی کے دوران تم قلب کی حیثیت سے دشمن کے بالکل
سامنے رہنا۔ تمہارا اپنے لشکر کے ساتھ صرف یہ کام ہوا کرے گا کہ تم دشمن کے
حملوں کو روکتے رہو۔ میں اور عین الدین اپنے اپنے لشکر کے ساتھ دشمن کے دائیں
اور بائیں جانب سے ایسی ضرب لگائیں گے کہ دشمن کی توجہ پوری طرح سے تمہاری
طرف سے ہٹ جائے گی اس طرح سے تمہیں جنگ میں کچھ زیادہ ملوث نہیں ہونا
پڑے گا اور میں اور عین الدین مل کر دونوں ہی دشمن سے نمٹ لیا کریں گے اس
طرح مجھے امید ہے کہ آنے والی ہر رزم گاہ میں کامیابی ہمارا ہی مقدر ہو گی۔

عبد اللہ جب خاموش ہوا تو راجہ چچ نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا
عبد اللہ میرے بھائی۔ تم بھی کمال کے مخلص اور جانثار بھائی ہو جو تجویز تم نے پیش کی
ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس سے بہتر کوئی تجویز نہیں ہو سکتی اس طرح میرا برہمن پن
بھی جنگ میں چھپا رہے گا مجھے جنگ میں زیادہ ملوث نہیں ہونا پڑے گا اور تم دونوں
بھائیوں کی وجہ سے مجھے کامیابیاں بھی نصیب ہوتی رہیں گی۔ اب بتاؤ کیا کرنا چاہئے۔
اس پر عبد اللہ نے کہا ہمیں یہاں سے اپنے لشکر کے ساتھ کوچ کرنا چاہئے اور بھاٹیہ
حملہ آور ہونے کی تیاری کرنی چاہئے۔ اگر بھاٹیہ کا راجہ قلعہ میں محصور ہو گیا تو ہم
اس کا محاصرہ کر لیں گے مجھے امید ہے کہ آج رات ہی ہم قلعہ فتح کر لیں گے اور اگر
اس نے بھاٹیہ سے باہر نکل کر ہمارا مقابلہ کرنے کی کوشش کی تو چچ میرے بھائی یاد
رکھنا اسے ہم بدترین شکست دیں گے راجہ چچ نے عبد اللہ کی اس تجویز سے اتفاق کیا
اس کے بعد اس نے ایک بار پھر لشکر کو کوچ کا حکم دیا تھا۔ راجہ کے حکم پر اس کے
لشکر نے کوچ کیا اور بھاٹیہ کی طرف بڑھنے لگا تھا۔ بھاٹیہ سے پانچ میل دور ہی انہوں
نے دیکھا بھاٹیہ کے قلعہ اور شہر کی حفاظت کے لئے بھاٹیہ کا راجا اپنے لشکر کے ساتھ
آ کے ان کی راہ روک کھڑا ہوا۔ عبد اللہ کے مشورے پر چچ نے بھی اپنے لشکر کو
پڑاؤ کرنے کا حکم دیا تاکہ دشمن سے نبرد آزما ہوا جائے۔

اگلے روز صبح ہی صبح بھاٹیہ کے راجہ نے اپنے لشکر کی صفیں درست کرنا شروع کر دی تھیں شاید وہ جنگ کی ابتدا کرنا چاہتا تھا یہ صورتحال دیکھتے ہوئے راجہ چچ نے بھی اپنے لشکر کو صفیں درست کرنے کا حکم دے دیا تھا پہلے سے طے شدہ لائحہ عمل کے مطابق درمیانی حصے میں خود راجہ چچ رہا۔ دائیں جانب عبد اللہ اپنے لشکر کے ساتھ بائیں جانب عین الدین کو اس کے لشکر کے حصے کے ساتھ رکھا گیا تھا۔

جب صفیں درست ہو چکیں تو حملے کی ابتدا بھاٹیہ کے راجہ کی طرف سے ہوئی وہ اپنے لشکر کے ساتھ سنسان گزرگاہ حیات میں نا مہربان گردشوں اور ہجر و درد کے چڑھتے طوفانوں کی طرح آگے بڑھا پھر اس نے راجا چچ کے لشکر پر زرد تپتی ریت ذات کی محرومیوں اور منزل کے کرب کی طرح حملہ کر دیا تھا۔

سامنے کی طرف سے راجا چچ اور دائیں بائیں جانب سے عبد اللہ اور عین الدین بڑے صبر بڑے تحمل کے ساتھ طلب کی تڑپ اور بے نام وحشت کی طرح بھاٹیہ کے راجہ کے حملوں کو روکتے رہے اس کے بعد عبد اللہ اور عین الدین نے اپنے کام کی ابتدا کی۔ اپنے ساتھ ٹکرانے والے دشمن کے لشکریوں کو وہ کاٹتے ہوئے پیچھے دھکیلنا شروع ہوئے۔ اس کے بعد سب سے پہلے عبد اللہ نے اپنا رنگ دکھانا شروع کیا۔ وہ گھمبیر پاتال کی گہری دلدل میں تغیر کے جنون کی طرح بھاٹیہ کے راجا کے لشکر کے پہلو کی طرف بڑھا اور اس کے پہلو پر نفرتوں کی آگ اور گردش ماضی کے زہریلے لمحوں کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

عبد اللہ کے ساتھ ہی ساتھ عین الدین بھی اپنے لشکر کے ساتھ بھاٹیہ کے راجا کے دوسرے پہلوؤں پر لہو میں بھاگتی خاہشوں اور خون سمیٹتی راہوں کی طرح ٹوٹ پڑا تھا اب سامنے کی طرف راجا چچ پر بھاٹیہ کے راجا کے لشکریوں کا زور بالکل ختم ہو کے رہ گیا تھا۔ اس لئے کہ عبد اللہ اور عین الدین کے پہلوؤں کی طرف سے حملہ آور ہونے کی وجہ سے راجہ بھاٹیہ کے پہلوؤں کی ان گنت صفیں خون میں ڈوبی تھیں اور پچھلی صفیں درہم برہم ہو کے رہ گئی تھیں یہ صورتحال دیکھتے ہوئے برہمن ہونے کے باوجود راجہ چچ نے بھی حوصلہ کیا۔ اس نے جب دیکھا کہ عبد اللہ اور عین الدین نے دشمنوں کی صفوں کو ادھیڑ کر رکھ دیا ہے تو اس نے بھی جرات مندی کا ثبوت دیا اور

اپنے لشکر کو سامنے کی طرف سے حملہ آور ہونے کا حکم دیا راجہ چچ کا یہ حکم ملتے ہی سامنے کی طرف سے بھی اس کا لشکر بھاٹیہ کے لشکر پر ٹوٹ پڑا تھا اس طرح بھاٹیہ کے لشکر پر اس سہ طرفہ حملے نے بھاٹیہ کے لشکریوں کی حالت بخار زدہ رعشہ اندام روح اور لہو لہو صلیب شب جیسی بنا کے رکھ دی تھی۔

کچھ دیر تک بھاٹیہ قلعے سے باہر راجہ چچ اور بھاٹیہ کے راجا کے درمیان گھمسان کا رن پڑا اس جنگ میں بھاٹیہ کے راجہ کے لشکر کا اکثر حصہ تہہ و تیغ ہو گیا تھا۔ بھاٹیہ کے راجا نے جب دیکھا کہ اس کا لشکر آدھے سے زیادہ کٹ چکا ہے اور اگر جنگ مزید جاری رہی تو بچا کھچا لشکر بھی تہہ و تیغ کر دیا جائے گا۔ لہٰذا وہ اپنے بچے کھچے لشکر کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوا واپس اپنے قلعے بھاٹیہ میں پناہ لینے کے بجائے وہ اسکلندہ کے راجا چتر کی طرف بھاگ گیا تاکہ راجہ چچ کے خلاف اس سے مدد حاصل کرے اور اپنا کھویا ہوا قلعہ بھاٹیہ لینے کے ساتھ ساتھ چچ سے اپنی شکست کا انتقام بھی لے۔

بھاٹیہ میں فتح حاصل کرنے کے بعد راجہ چچ بھاٹیہ کے راجا کے پڑاؤ پر قابض ہوا اس کے بعد اس نے بھاٹیہ شہر پر قبضہ کر لیا۔ یہاں بھی ہر چیز پر اس نے قبضہ کیا اور شہر کا نظم و نسق درست کرنے میں مصروف ہو گیا تھا۔ بھاٹیہ کی جنگ کے دوران راجہ چچ کو ایک اور فائدہ بھی حاصل ہوا وہ اس طرح کہ سندھ کے وہ جاٹ جو ایرانیوں کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے گئے تھے مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کھانے اور ان کا اسیر بننے کے بعد جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو ان میں سے اکثر واپس سندھ لوٹ آئے اور وہ بھی راجہ چچ کے لشکر میں آن شامل ہوئے تھے۔ اس طرح راجہ چچ کے لشکر کو ایک طرح سے فوقیت حاصل ہو گئی تھی۔

بھاٹیہ کی فتح کے بعد جس وقت راجہ چچ کے لشکر نے شہر سے باہر خیموں کا شہر آباد کر رکھا تھا ایک سوار اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا خیموں کے شہر میں داخل ہوا اور عبد اللہ کا اس نے پوچھا۔ ایک لشکری اس کے ساتھ ہو لیا اور اسے عبد اللہ کے خیمے تک لے آیا پھر اس سوار نے اس خیمے کے ایک محافظ سے کہا ذرا عبد اللہ کو اطلاع کرو اور میرے متعلق اسے بتاؤ کہ برہمن آباد سے سوندے رائے نام کا ایک

شخص آیا ہے اور وہ ایک انتہائی اہم کام کے سلسلے میں ملنا چاہتا ہے۔ وہ محافظ کھنکھارتا ہوا جس وقت عبداللہ کے خیمے میں داخل ہوا تو خیمے میں اس وقت عبداللہ عین الدین پرمل دیوی اور سورائی اکٹھے بیٹھے باہم گفتگو کر رہے تھے۔ عبد اللہ کی طرف دیکھتے ہوئے اس محافظ نے کہا۔ امیر ایک شخص آپ سے ملاقات کا خواہاں ہے۔ اپنا نام وہ سوندے رائے بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ برہمن آباد سے آیا ہے اور ایک انتہائی اہم کام کے سلسلے میں ملنا چاہتا ہے اس پر عبد اللہ نے فوراً" کہا اسے مت روکو فوراً" میرے پاس بھیجو اس پر وہ محافظ باہر نکلا اور اس سوار کو مخاطب کر کے کہنے لگا تو اپنا گھوڑا یہیں چھوڑ دے میں اس کی دیکھ بھال کرتا ہوں تو اندر جا۔ امیر عبد اللہ نے تجھے بلایا ہے اس کے ساتھ ہی لشکر میں شامل ہونے والا وہ سوار خیمے میں داخل ہوا تھا۔

عبد اللہ اور عین الدین نے اس سوار کا اپنی جگہ سے اٹھ کر استقبال کیا عبداللہ نے اسے اپنے پہلو میں بٹھایا پھر پوچھا تم برہمن آباد سے میرے لئے کیا پیغام لے کر آئے ہو اس پر سوندے رائے کہنے لگا۔ دیکھ عبد اللہ کیا آپ کسی ایسے شخص کو جانتے ہیں جس کا نام دولت رائے ہو اس پر عبد اللہ نے چونک کر پوچھا۔ دولت رائے میرا بڑا محترم میرا عزیز بزرگ ہے کہو اس نے کیا پیغام بھجوایا ہے اس پر سوندے رائے کہنے لگا۔

دیکھ عبد اللہ آپ نے شاید کچھ آدمیوں کو تلاش کرنے کے لئے دولت رائے سے کہا تھا۔ ان آدمیوں کے نام دولہ رام' میگھ راج' لکھدریا اور بال چند ہیں۔" ان میں سے جو بال چند ہے اس نے ان دنوں اسکندہ شہر سے باہر دریائے راوی کے کنارے ایک سرائے میں قیام کر رکھا ہے وہ تجارتی مال کے لین دین کے سلسلے میں اسکندہ شہر آیا ہوا ہے اور کچھ روز تک اسی سرائے میں قیام کرے گا جو اسکندہ شہر سے باہر دریائے راوی کے کنارے ہے اور میں یہ بھی بتاتا چلوں کہ دولت رائے نے یہ بھی کہا تھا کہ بال چند اکیلا نہیں بلکہ اس کے ساتھ اس کے کچھ محافظ ساتھی اور تجارت کے شریک کار بھی ہیں لہٰذا دولت رائے نے کہا تھا کہ اسے سوچ سمجھ کر ہاتھ ڈالنا اور کسی بھی صورت میں اکیلے اس کے سامنے مت آنا۔ بس یہ ہی پیغام تھا جو

میں آپ کو پہنچانا چاہتا تھا۔

سوندے رائے کے خاموش ہو جانے پر عبد اللہ نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا دیکھ سوندے رائے میں تیرا اور دولت رائے دونوں کا بے پناہ شکر گزار ہوں کہ تم لوگوں نے مجھے بال چند سے متعلق اطلاع دی اب میں بال چند کو اسی سرائے میں جا لوں گا اور اسے زندہ بچ کر برہمن آباد نہیں جانے دوں گا۔ اس طرح ان چار بدمعاشوں میں سے مجھے امید ہے کہ ایک کا خاتمہ میں دریائے راوی کے کنارے ضرور کروں گا۔

عبد اللہ تھوڑی دیر رکا اس کے بعد سوندے رائے کی طرف دیکھا اور کہا۔

سوندے رائے میرے عزیز میرے بھائی تم چند روز تک ایک مہمان کی حیثیت سے ہمارے پاس قیام کرو تمہارے اس قیام سے یقیناً" مجھے اور میرے ساتھیوں کو خوشی ہو گی اس پر سوندے رائے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ دیکھ عبد اللہ میں ابھی اور اسی وقت واپس جاؤں گا عبد اللہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ کھانا بھی نہیں کھاؤ گے۔ سوندے رائے نے کہا۔ قسم بھگوان کی جھوٹ نہیں بولوں گا۔ آپ کے لشکر سے تھوڑی دور میں ایک سرائے میں کھانا کھا کر ادھر آیا ہوں۔ میں ایک صناع ہوں آہن گری کا کام کرتا ہوں بڑی مشکل سے وقت نکال کر ادھر آیا ہوں میں زیادہ دیر قیام نہیں کر سکتا۔ آہن گری سے ہی میں اپنے بچوں کا پیٹ پالتا ہوں لہٰذا میں گھر سے زیادہ دیر باہر نہیں رہ سکتا۔ اس پر عبداللہ نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا چند سکے اپنی جیب سے نکالے اور سوندے رائے کو تھماتے ہوئے کہا۔ یہ میری طرف سے یعنی ایک بھائی کی طرف سے رکھ لو۔ دیکھو انکار مت کرنا۔ اگر تم رخصت ہونا ہی چاہتے ہو تو آؤ میں تمہیں رخصت کرتا ہوں۔ وہ سکے عبداللہ نے زبردستی سوندے رائے کو تھما دیئے پھر سوندے ے کے ساتھ عبداللہ اور عین الدین خیمے سے باہر آئے سوندے رائے اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور پھر وہ وہاں سے کوچ کر گیا تھا۔ عبد اللہ اور عین الدین دوبارہ خیمے میں آ کر اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے تھے۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی اس کے بعد عین الدین نے عبد اللہ کی طرف

دیکھتے ہوئے پوچھا۔

عبد اللہ میرے بھائی اب تمہارا کیا ارادہ ہے۔ عبد اللہ نے جھٹ جواب دیا۔ سن عین الدین میرے بھائی میں آج ہی اسکندہ شہر کی طرف روانہ ہوں گا اور دریائے راوی کے کنارے سوندے رائے نے جس سرائے کی طرف اشارہ کیا ہے وہاں میں اپنے چار دشمنوں میں سے ایک یعنی بال چند سے نپٹوں گا۔ دریائے راوی کے کنارے اسے کاٹوں گا اور دریائے راوی میں اس کا خون بہاؤں گا۔ اس پر عین الدین نے خدشات کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ دیکھ عبد اللہ تم اکیلے نہیں جاؤ گے آؤ اس سلسلے میں پہلے راجہ پچ سے بات کرتے ہیں وہ کیا کہتا ہے اس کے بعد اپنے لائحہ عمل کو ہم آخری صورت دے دیں گے۔ عبد اللہ کچھ کہنا چاہتا ہی تھا۔ کہ اس سے پہلے پرمل دیوی بول پڑی۔

عبد اللہ میرے محترم اگر آپ برا نہ مانیں تو میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گی آپ بال چند کو اس کی شکل و صورت سے نہیں پہچانتے جب کہ میں بال چند کو بڑی اچھی طرح جانتی ہوں بال چند ہی نہیں میں دولہ رام میگراج اور لکھدریا کو بھی ان کی شکلوں سے پہچانتی ہوں لہٰذا میری آپ سے یہ التجا اور گزارش ہے کہ جب کبھی بھی بال چند کے علاوہ اس کے دوسرے ساتھی بھی آپ کو ملیں ان سے نمٹنے کے لئے مجھے اپنے ساتھ ضرور رکھیں تاکہ آپ کی صحیح نشاندہی کر سکوں۔ اس پر عبد اللہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

دیکھ پرمل دیوی تو ٹھیک کہتی ہے اس مہم میں تو جنگی اور مردانہ لباس میں میرے ساتھ ہو گی اس طرح بال چند کو پہچاننے اور اس سے نمٹنے میں مجھے بڑی آسانی رہے گی۔ اس کے بعد عبد اللہ نے عین الدین کی طرف دیکھا اور کہا عین الدین آؤ پچ کے پاس چلتے ہیں اس سلسلے میں اس سے بات کرتے ہیں پھر کوئی آخری فیصلہ کرتے ہیں ایک بار پھر عبد اللہ نے پرمل دیوی کی طرف دیکھا اور کہا دیکھ پرمل دیوی میرے آنے تک تو تیار رہنا میرے خیال میں عین الدین میرے ساتھ نہیں جا سکے گا کیونکہ میں اور عین الدین اگر دونوں چلے گئے تو راجہ پچ برہمن ہونے کی وجہ سے یقیناً" اپنی جنگی کاروائیوں کی تکمیل نہیں کر سکے گا لہٰذا میں اسے مشورہ دوں گا کہ عین الدین

اس کے پاس رہے گا میں اکیلا بال چند سے نمٹنے کے لئے جاؤں گا اس کے ساتھ ہی عبد اللہ اور عین الدین خیمے سے نکل گئے تھے۔

تھوڑی ہی دیر بعد عبد اللہ اور عین الدین راجہ پچ کے خیمے میں داخل ہوئے وہ اس وقت اکیلا ہی بیٹھا ہوا تھا اپنی جگہ سے اٹھ کر راجہ پچ نے عبد اللہ اور عین الدین کا استقبال کیا اور اپنے پہلو میں انہیں بیٹھنے کے لئے کہا جب وہ وہاں بیٹھ گئے تب راجہ پچ نے پوچھا کیا تم دونوں بھائی کسی اہم کام کے سلسلے میں میرے پاس آئے ہو جواب میں عبد اللہ نے مسکراتے ہوئے کہا یقیناً" ایسا ہی ہے اس کے بعد عبد اللہ نے برہمن آباد سے سوندے رائے کے آنے اور اپنے ایک دشمن بال چند کے دریائے راوی کے کنارے اسکندہ شہر سے باہر سرائے میں ہونے کی پوری تفصیل سنا ڈالی تھی۔ جب ساری داستان عبد اللہ کہہ چکا تب راجہ پچ نے پوچھا میرے بھائی اب تیرا کیا ارادہ ہے۔

عبد اللہ کہنے لگا میں آج اور ابھی بال چند سے نمٹنے کے لئے اسکندہ کی طرف کوچ کروں گا اس پر راجہ پچ کہنے لگا۔ میں بھی اب بھائیہ کے حالات درست کر چکا ہوں یہاں اپنا ایک حاکم مقرر کروں گا اس کے بعد میں بھی اپنے لشکر کے ساتھ اسکندہ کی طرف کوچ کروں گا کیا ایسا ممکن نہیں کہ پہلے ہم اسکندہ پر حملہ آور ہوں پھر لشکر کا ایک حصہ لے کر تم سرائے کی طرف جانا اور بال چند سے نمٹ لینا اس پر عبداللہ کہنے لگا۔

پچ میرے بھائی ایسا ممکن نہیں اس لئے کہ جب اسکندہ پر ہمارے حملہ آور ہونے کی خبریں پہنچیں گی تو بال چند اپنے ساتھیوں کے ساتھ سرائے سے نکل کر برہمن آباد کی طرف بھاگ جائے گا اس لئے کہ وہ تو تجارت کے سلسلے میں وہاں آیا ہوا ہے وہ کبھی بھی اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو جنگ میں پھنسانا پسند نہیں کرے گا لہٰذا اسکندہ پر حملہ آور ہونے سے پہلے ہی پہلے مجھے بال چند سے نپٹنا ہو گا۔

تھوڑی دیر عبد اللہ رکا اس کے بعد پھر وہ پچ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

پچ میرے عزیز بھائی میں اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ بال چند کے تعاقب میں جاؤں گا پرمل دیوی بھی میرے ہمراہ ہو گی اس لئے کہ وہ بال چند کو اس کی شکل سے

پچانتی ہے عین الدین تمہارے پاس یہیں رہے گا تم اور عین الدین بھاٹیہ کے انتظامات درست کرنے کے بعد اسکندہ کی طرف کوچ کرنا اتنی دیر تک میں بھی بال چند سے نمٹ کر اسکندہ شہر سے باہر تم سے آن ملوں گا۔ راجہ پچ نے پوچھا۔ تم اپنے ساتھ کتنے اور کون سے لوگ لے کر جاؤ گے اس پر عبد اللہ نے جھٹ کہا۔

دیکھ راجہ پچ میرے قبیلے کے وہ مسلمان جو حال ہی میں تمہارے لشکر میں آ کے شامل ہوئے ہیں ان میں سے میں صرف سات آدمی اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا اور ان کی مدد سے مجھے امید ہے کہ میں بال چند کا صفایا کروں گا اور اگر اس کے ساتھیوں نے آڑے آنے کی کوشش کی تو میں ان کے بھی حلقوم کاٹ کے رکھ دوں گا۔ اس کے ساتھ ہی عبد اللہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا پچ میرے بھائی میں اب جاتا ہوں مجھے فی الفور یہاں سے کوچ کرنا چاہئے پچ اور عین الدین بھی اٹھے تینوں خیمے سے باہر آئے جن جوانوں کو عبد اللہ اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا انہیں بھی تیار کر کے عبد اللہ اپنے ساتھ اپنے خیمے کے قریب لایا پچ اور عین الدین بھی اس کے ساتھ تھے پھر وہاں سے پرمل دیوی کو بھی لیا اتنی دیر تک پرمل دیوی مردانہ اور جنگی لباس پہن کر تیار ہو چکی تھی پھر عبد اللہ اور پرمل دیوی اپنے سات مسلمان ساتھیوں کے ساتھ بھاٹیہ سے دریائے راوی کے کنارے اسکندہ شہر کی طرف کوچ کر گئے تھے۔

○

شام سے تھوڑی دیر پہلے عبد اللہ پرمل دیوی اور اپنے دیگر سات مسلمان ساتھیوں کے ساتھ اسکندہ شہر سے باہر دریائے راوی کے کنارے ایک سرائے میں داخل ہوا سرائے میں داخل ہوتے ہوئے اپنے گھوڑے پر بیٹھے ہی بیٹھے عبد اللہ نے پرمل دیوی کی طرف دیکھا اور کہا پرمل دیوی اپنے چہرے پر نقاب ڈال لو تاکہ تمہیں کوئی پہچان نہ پائے۔ سرائے میں یقیناً" بال چند کے دیگر ساتھی بھی ہوں گے اور ان میں سے اکثر تمہیں پہچانتے ہوں گے اور اگر سرائے میں داخل ہوتے ہی انہوں نے تمہیں پہچان لیا تو ان سے نمٹنے کے لئے ہمارے لئے دشواریاں اٹھ کھڑی ہوں گی عبداللہ کے ان الفاظ کے ساتھ ہی پرمل دیوی نے اپنے چہرے پر نقاب ڈال لیا تھا۔

جب وہ سرائے کے صحن میں گیا تو سرائے کے چند ملازم بھاگتے ہوئے آئے

اور ان میں سے ایک نے پوچھا کیا آپ یہاں قیام کریں گے عبد اللہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا یقیناً" ہم قیام کریں گے اس پر سرائے کا وہ ملازم کہنے لگا آپ سرائے کے مالک کی طرف جا کر اپنے کمروں کی بات کیجئے میں اور میرا ساتھی آپ کے گھوڑوں کو اصطبل میں لے جا کر ان کے دانے چارے کا بندوبست کرتے ہیں عبد اللہ نے اس کی تجویز سے اتفاق کیا وہ اپنے گھوڑے سے اتر گیا اس کے ساتھی اور پرمل دیوی بھی اپنے گھوڑوں سے اتر گئے تھے پھر وہ سرائے کے دونوں ملازم عبد اللہ پرمل دیوی اور دوسرے ساتھیوں کے گھوڑوں کو اصطبل کی طرف لے گئے تھے عبد اللہ اپنے ساتھیوں اور پرمل دیوی کے ہمراہ سرائے کے مالک کی طرف بڑھا تھا۔

عبد اللہ چند قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ پرمل دیوی چونک کر رک گئی پھر وہ عبداللہ کے قریب آئی اور بڑی رازداری میں کہنے لگی۔

عبد اللہ میرے محترم میرے محسن میرے خیال میں وہ سامنے بھدی سی میز پر سرائے کا مالک ہی بیٹھا ہوا ہے اس پر عبد اللہ کہنے لگا اتمہارا اندازہ درست ہے پر کیا ہوا۔ پرمل دیوی کہنے لگی جو شخص بالکل اس کے قریب ہی کھڑا ہے وہی بال چند ہے جس سے ہم انتقام لینے کے لئے آئے ہیں میرے خیال میں جو مسلح جوان اس کے اردگرد کھڑے ہیں وہ اس کے ساتھی ہیں۔ عبد اللہ نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

پرمل دیوی تو نے بڑے وقت پر اس بال چند کو پہچانا ہے میرے خیال میں ہمارا سارا ہی کام آسان ہو گیا ہے اور اب ہمیں اس سرائے میں قیام بھی نہیں کرنا پڑے گا بال چند سے نمٹنے کے بعد ہم اسکندہ شہر کی طرف جائیں گے اور شہر سے باہر ہی کسی اور سرائے میں قیام کر لیں گے اس کے بعد عبد اللہ نے اپنے ساتھیوں سے بڑی رازداری میں کہا۔

میرے ساتھیوں میرے عزیزو میرے بھائیو وہ جو سامنے سرائے کا مالک بیٹھا ہے اس کے قریب جو مسلح جوان کھڑے ہیں ان کے گرد ذرا ہٹ کر گھیرا ڈال کے کھڑے ہو جاؤ آگے بڑھو پر بڑی رازداری کے ساتھ اکا دکا ہوتے ہوئے ادھر ادھر سے بڑھو اور اپنا گھیرا مکمل کر لو۔ عبد اللہ کی اس تجویز پر اس کے ساتوں کے ساتوں مسلمان ساتھی حرکت میں آئے اور دائیں بائیں سے ہوتے ہوئے آگے بڑھے اور

ایک طرح سے انہوں نے ان کا گھیراؤ اس جگہ کر لیا تھا۔ جہاں سرائے کا مالک بیٹھا ہوا تھا۔ جب یہ کام مکمل ہوا تب عبد اللہ نے پرمل دیوی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

دیکھ پرمل دیوی میں اب جا کے بال چند کی پشت پر کھڑا ہوتا ہوں تو ایسا کرنا اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دینا اور سامنے کی طرف سے سرائے کے مالک کی طرف جانا تاکہ بال چند تجھے پہچانے اس کے بعد جو ڈرامہ ہو گا وہ تو بھی دیکھے گی سرائے کا مالک اور ہم بھی۔ اب تو وقت ضائع نہ کر اور جا میں فوراً اس بال چند سے نمٹنا چاہتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی عبد اللہ وہاں سے ہٹ گیا تھا پرمل دیوی بھی حرکت میں آئی اپنے چہرے سے اس نے نقاب ہٹا دیا اور سرائے کے مالک کی طرف بڑھی تھی اتنی دیر تک عبد اللہ بھی آہستہ آہستہ چلتا ہوا بال چند کی پشت کی طرف جا چکا تھا۔

جوں ہی چہرے سے نقاب ہٹانے پر پرمل دیوی سرائے کے مالک کے سامنے آئی اور بال چند کی نظر اس پر پڑی تو بال چند پرمل دیوی کو دیکھتے ہی دنگ رہ گیا تھوڑی دیر تک وہ عجیب سی خوشی محسوس کرتے ہوئے پرمل دیوی کو دیکھتا رہا پھر خوشی میں ڈوبی ہوئی آواز میں وہ کہنے لگا۔ پرمل دیوی تم یہاں میں تو سمجھتا ہوں تمہیں دیکھ کر میں نے انمول خزانہ پا لیا ہے۔ تمہارے تو برہمن آباد میں بھاگ جانے کے بڑے چرچے ہو رہے ہیں میں خوش قسمت ہوں کہ تم مجھے مل گئی ہو اب میں تجھے اپنے ساتھ برہمن آباد لے کر جاؤں گا اور راج مندر کے بڑے پروہت کے سامنے پیش کروں گا جہاں مجھے تمہارے پیش کرنے کی وجہ سے انعام سے مالا مال کر دیا جائے گا۔

اس پر پرمل دیوی زہریلے لہجے میں کہنے لگی۔

دیکھ بال چند پرمل دیوی کوئی بے جان تنکا نہیں جسے تو آسانی سے اٹھا کر اپنے ساتھ برہمن آباد لے جائے گا اور وہاں راج مندر کے بڑے پروہت کے سامنے پیش کر کے انعام حاصل کرے گا اس پر بال چند نے انتہائی غضبناکی اور برہم ہوتے ہوئے لہجے میں کہا پرمل دیوی کسی دھوکے فریب میں مت رہنا جب میں تم پر گرفت کروں گا تو تیرے لبوں پر کوئی حرف تازہ تیری جھیل آنکھوں میں کوئی خوشکن اشارہ تیرے سفید گداز سرخ ہاتھوں میں کوئی جنبش تیرے نازک پاؤں میں حرکت نہ رہے گی۔ اس پر پرمل دیوی نے جرات مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا یہ صرف کہنے کی باتیں ہیں جب

تو اپنے ان دعووں کو عملی صورت دینا چاہے گا تو تیرے لئے قیامت اٹھ کھڑی ہو گی اس پر بال چند نے بڑی ڈھٹائی سے کہا۔

دیکھ پرمل دیوی تو ایک خوبصورت نازک عورت ہے تو میرے سامنے کیا دفاع کرے گی یاد رکھنا کسی دھوکے فریب میں مت رہنا میں جب تم پر گرفت کروں گا تو تمہاری حالت حصار شب میں سرد بے مہری کی شب زرد پتوں کی کہانیوں خشک پودوں بریدہ شاخوں اور دشت گریہ کی مغموم تمناؤں سی بنا کے رکھ دوں گا اس پر پرمل دیوی نے انتہائی سانساتی بیبائی میں کہا سن بال چند تو مجھے ستم کے جس الاؤ' جراحتوں کے جس عمل اور ظلم کی دراز طیلسان سے ڈرانا چاہتا ہے میں اس سے خوفزدہ ہونے والی نہیں ہوں اس پر بال چند نے ایک لمبا مکروہ قہقہہ لگایا اور کہنے لگا دیکھ پرمل دیوی تو جتنی حسین اور خوبصورت ہے اتنی ہی بے باک اور جرات مند بھی ہے اس کے باوجود میں تجھے انتہائی بے بس چیز کی طرح اٹھا کے اپنے ساتھ ضرور لے کر جاؤں گا پرمل دیوی نے پھر بڑی جرات مندی میں کہا یہ تیری غلط فہمی ہے تو ذرا مجھے ہاتھ تو لگا کے دیکھ۔ بال چند نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا پرمل دیوی کو اٹھاؤ اور جس کمرے میں ہم نے قیام کر رکھا ہے اس میں لے کے چلو آج کی شب ہم یہیں اس کے ساتھ گزاریں گے کل اسے اپنے ساتھ برہمن آباد لے کر جائیں گے بال چند کا یہ حکم سنتے ہی اس کے مسلح ساتھی جب آگے بڑھے تو اتنی دیر تک پشت پر کھڑے ہوئے عبد اللہ نے بھی اپنے ساتھیوں کو مخصوص اشارہ کر دیا تھا وہ اشارہ ملتے ہی عبد اللہ کے ساتھیوں نے اپنی تلواریں بے نیام کیں اور بال چند کے ساتھیوں پر حملہ آور ہوئے لمحوں کے اندر عبد اللہ کے ساتھیوں نے بال چند کے سارے مسلح جوانوں کی گردنیں کاٹ کے رکھ دی تھیں اس پر پرمل دیوی نے ہلکا سا ایک قہقہہ لگایا اور کہنے لگی۔

بال چند میں نے تمہیں کہا نہ تھا کسی دھوکے کسی فریب اور غلط فہمی میں مت رہنا میں نے تمہیں یہ بھی کہا تھا کہ میں کوئی یوں ہی بے جان تنکا نہیں جسے تو آسانی سے اٹھا کر برہمن آباد لے جائے گا دیکھ میری کہی ہوئی بات سچ ہوئی تیرے ساتھیوں کا لمحوں کے اندر خاتمہ کر دیا گیا ہے اب تیری باری ہے اس پر بال چند نے فوراً اپنی

تلوار بے نیام کی اور کہنے لگا قبل اس کے کہ یہ تمہارے ساتھی مجھ پر حملہ آور ہوں میں تمہاری گردن کاٹ دوں گا۔ پھر بال چند اپنی تلوار لہراتا ہوا آگے بڑھنے ہی لگا تھا کہ پشت کی طرف سے عبد اللہ نے خنجر نکال کر اس کی پیٹھ پر رکھا پھر غراتی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔

بال چند اگر تو نے ایک قدم بھی پرمل دیوی کی طرف بڑھانے کی کوشش کی تو سن رکھنا یہیں کھڑے کھڑے میں تمہیں خونی لمحوں کی داستانوں شام مرگ کی پنہائیوں میں ڈبو کے رکھ دوں گا یہ جو تو پرمل دیوی کو گردش ایام کی نامہربانیوں اور آندھیوں سے لکھے نصیب کی دھمکی دیتا رہا ہے یہی بد نصیبی اب میں تیرے مقدر میں لکھ دوں گا۔ دیکھ بال چند میں وہی شنکر داس ہوں جس کا تعلق جاٹوں کے قبیلے سمہ سے ہے اور جن کی لڑکی ساہتی کو تم لوگوں نے بتوں پر قربان کر دیا اور اسے اپنے گھوڑے پر بٹھانے کے جرم میں پرمل دیوی کو راج مندر کے اندر اسیر کر دیا میں نے ہی اس راج مندر کی اسیری سے پرمل دیوی کو نجات دلائی اور اب میں تجھے تمہاری زندگی سے نجات دلاتا ہوں اس کے ساتھ ہی ایک جھٹکے کے ساتھ پشت کی طرف سے عبد اللہ نے خنجر بال چند کی پیٹھ میں گھونپ دیا تھا۔ عبد اللہ کا خنجر بال چند کے دل کو چیرتا ہوا پار ہو گیا تھا پھر ایک جھٹکے کے ساتھ جب عبد اللہ نے اپنا خنجر نکالا تو بال چند زمین پر گر کر دم توڑ گیا تھا۔

بال چند اور اس کے سارے ساتھیوں کا خاتمہ کرنے کے بعد عبد اللہ نے سرائے کے مالک کی طرف دیکھا اور کہا۔

میرے عزیز برا مت منانا یہ انسانیت کے دشمن تھے جن کا میں نے خاتمہ کیا ہے یہ جو لڑکی تو سامنے دیکھتا ہے یہ اروڑ کے سابق راجا رائے ساہی کی راجکماری پرمل دیوی ہے اس کے ساتھ ان لوگوں نے زیادتی کی اسے زندان میں ڈالا اور ان کے جرم کی وجہ سے ان کا خاتمہ کر دیا گیا ہے تو یہ مہربانی کرنا کہ ان سب کی لاشوں کو ٹھکانے لگا دینا اس کے ساتھ ہی اپنے لباس کے اندر سے عبد اللہ نے چند سکے نکالے اور سرائے کے مالک کے سامنے رکھ دیئے پھر اس نے ساتھیوں اور پرمل دیوی کو اپنے ساتھ آنے کے لئے کہا اس کے سارے ساتھی اس کے ساتھ ہو لئے تھے سب

سرائے کے اصطبل میں آئے وہاں سے انہوں نے اپنے گھوڑے نکالے ان پر سوار ہوئے اور وہاں سے کوچ کر گئے تھے۔

دریائے راوی سے ہٹ کر وہ ایک دوسری سرائے کی طرف گئے جو اسکندہ شہر کے نواح ہی میں تھی۔ اس وقت تک سورج غروب ہونے کے قریب پہنچ گیا تھا۔ پھر انہوں نے اس سرائے میں قیام کر لیا تھا اور اپنے لشکر کے اسکندہ شہر پہنچنے کا انتظار کرنے لگے تھے۔

○

دو دن بعد راجہ چچ اور عین الدین بھی لشکر کو لے کر بھاٹیہ سے اسکندہ پہنچ گئے اور اسکندہ کے نواح میں انہوں نے پڑاؤ کر لیا تھا۔ عبد اللہ بھی پرمل دیوی اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ سرائے سے نکل کر لشکر میں شامل ہو گیا تھا۔ دوسرے روز راجہ چچ عبد اللہ اور عین الدین نے اپنے لشکر کو مزید شہر کے نزدیک کیا اس لئے کہ انہیں خبریں ملیں کہ اسکندہ کے راجا چتر نے اسکندہ کے قلعہ میں محصور ہو کر مقابلہ کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ اس خبر کے بعد راجا چچ نے لشکر کو بڑھایا اور اسکندہ کا اس نے محاصرہ کر لیا تھا۔

جس وقت اسکندہ کا محاصرہ کیا گیا تو سندھ کے وہ جاٹ جو ایرانیوں کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے مسلمانوں کے اسیر ہوئے تھے اور وہاں انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور بھاٹیہ کی جنگ سے پہلے ہی وہ راجا چچ کے لشکر میں شامل ہوئے تھے انہوں نے راجا چچ پر انکشاف کیا کہ ان کا ایک ساتھی جو ان کے ساتھ ہی حجاز کی سرزمینوں سے آیا تھا اور جس کا نام شجاع ہے اور جو اسلام قبول کر چکا ہے اس نے اسکندہ میں قیام کر رکھا ہے۔

راجہ چچ عبد اللہ اور عین الدین اس انکشاف پر خوش ہوئے اس لئے کہ اسکندہ شہر کا محاصرہ کرتے ہوئے انہوں نے جائزہ لیا تھا کہ اسکندہ کی فصیل بے حد مضبوط اور مستحکم تھی۔ اس پر جگہ جگہ برج بنے ہوئے تھے جن کے اندر کافی مسلح جوان سما سکتے تھے اس طرح اسکندہ کے شہر کی مضبوط فصیل محاصرے کو طویل کر کے راجہ چچ کے لئے مسائل پیدا کر سکتی تھی۔

اس انکشاف کے بعد راجا چچ نے عبد اللہ اور عین الدین سے مشورہ کیا عبد اللہ کا مشورہ یہ تھا کہ اسکندہ شہر پر حملہ آور ہونے سے پہلے پہلے اسکندہ شہر میں شجاع نام کا جو مسلمان ہے اس سے رابطہ قائم کیا جائے اور اسے کہا جائے کہ اگر وہ شہر میں کوئی اچھی حیثیت رکھتا ہے اور اپنے کچھ ساتھی بھی اپنے ساتھ جمع کر سکتا ہے تو ان کی مدد سے کوئی مناسب موقع جان کر وہ اسکندہ کے راجا چتر کو قتل کر دے اگر وہ ایسا کرنے میں کامیاب ہو جائے تو اسکندہ کی فتح کے بعد اسے اسکندہ کا حاکم مقرر کر دیا جائے گا راجا چچ کو عبد اللہ کا یہ مشورہ بے حد پسند آیا لہٰذا ایک قاصد سبزی بیچنے والے کے بھیس میں شہر میں داخل کیا گیا تاکہ اس سلسلے میں شجاع نام کے اس مسلمان سے رابطہ قائم کیا جائے جو شخص اسکندہ شہر میں سبزی فروش کے بھیس میں روانہ کیا گیا تھا وہ بھی مسلمان تھا اور شجاع کا جاننے والا تھا۔

راجہ چچ کا وہ مسلمان قاصد اسکندہ شہر میں اپنے مسلمان بھائی سے ملا جس کا نام شجاع تھا۔ اس قاصد نے شجاع کو یہ خفیہ پیغام دیا کہ راجا چچ نے یہ پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ اگر یہاں کا راجا چتر مارا جائے یا قید ہو جائے تو اس قلعے کی فتح کے بعد تمہیں قلعہ کا حاکم مقرر کر دیا جائے گا لہٰذا کسی نہ کسی طرح راجا چتر کا خاتمہ کرو۔

شجاع نام کا وہ مسلمان بڑا بہادر بڑا دلیر بڑا شجاع تھا اور شہر کے اندر اس کے بڑے تعلقات تھے۔ جب اسے یہ شرط پیش کی گئی اور راجا چچ کی طرف سے ایک تحریری نامہ بھی اس کو دکھایا گیا اس تحریر میں لکھا تھا کہ اگر تم بھاٹیہ یا اسکندہ کے حاکم کو قید یا قتل کرا دو تو تمہیں اس شہر کا حاکم بنا دیا جائے گا۔

شجاع نام کے اس مسلمان نے راجا چچ کی اس شرط کو قبول کر لیا اور اپنے لڑکے کو بطور ضمانت چچ کے پاس بھیج دیا کہ وہ اس کام کو ضرور کر کے رہے گا۔

آخر ایک دن شجاع نام کے اس مسلمان نے حسب وعدہ موقع پا کر اسکندہ کے راجا چتر کو قتل کر دیا اور اس کا سر چچ کے پاس بھجوا دیا۔ راجا کے مارے جانے کے بعد شہر کے اندر جو حفاظتی لشکر تھا اس کی مزاحمت بالکل ختم ہو گئی لوگوں کے اندر بد دلی پھیل گئی اور انہوں نے چچ کا مقابلہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ چچ نے با آسانی اسکندہ نام کے اس قلعے کو فتح کر لیا۔

اسکندہ فتح ہونے کے بعد چچ نے شجاع نام کے اس مسلمان کو اپنے وعدے کے مطابق خلعت اور انعام سے سرفراز کر کے قلعہ اسکندہ اور بھاٹیہ دونوں کا حکمران مقرر کر دیا۔ حاکم بننے کے بعد شہر کے تمام رؤسا نے بھی اس کے سامنے بیش قیمت نذرانے پیش کئے۔ چچ نے ان سب امراء کو اس کا پابند کیا کہ وہ ہمیشہ اس کی اطاعت کریں اور اس کے فرمانبردار بن کے رہیں۔

اسکندہ کی فتح کے وقت بھاٹیہ کا راجا جو اپنے محافظ دستوں کے ساتھ اسکندہ میں پناہ لئے ہوئے تھا وہ شہر کی مخالف سمت سے نکل کر بھاگ گیا تھا۔ چچ کو بھی اس کی خبر اس کے مخبروں نے دے دی تھی لہٰذا چچ نے عبد اللہ کو اس کے لشکر کے ساتھ بھاٹیہ کے راجا کے پیچھے لگا دیا تھا بھاٹیہ کا راجا اسکندہ سے نکل کر اپنے شہر بھاٹیہ کی طرف بھاگا تھا وہ چاہتا تھا کہ بھاٹیہ شہر میں محصور ہو کر پھر اپنی قوت میں اضافہ کرے اور چچ کے ساتھ قسمت آزمائی کرے۔

لیکن بھاٹیہ کے راجا کے یہ ارادے پورے نہ ہو سکے اس لئے کہ عبد اللہ نے اپنے لشکر کے ساتھ تاریخ کی رفتار میں انقلاب کے قافلوں' صدیوں کو لمحوں میں سمیٹتی سرعت اور تیزی کے ساتھ بھاٹیہ کے راجا کا تعاقب کیا تھا۔ بھاٹیہ اور اسکندہ کے درمیان عبد اللہ نے بھاٹیہ کے راجا کو جا لیا۔

بھاٹیہ کے راجا نے جب دیکھا کہ راجا چچ کے لشکر کا ایک حصہ اس کے تعاقب میں بالکل نزدیک پہنچ گیا ہے تو وہ ایک دم پلٹا پھر وہ عبد اللہ کے لشکر پر جدائی کے سایوں' وقت کے منجدھار اور موت کے بھنور کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

اس اچانک حملے سے وقتی طور پر عبد اللہ کے لشکر کی اگلی صفیں کچھ دیر کے لئے برہم ہو گئی تھیں لیکن جلد ہی اس برہمی کو عبد اللہ نے درست کر لیا پہلے اس نے بھاٹیہ کے راجا کے حملوں کو روکا اس کے بعد دفاع سے نکل کر وہ جارحیت پر اترا پھر وہ خود بھی صدیوں کی رفتار میں موج بیکراں' موت کے کاروانوں اور لمحوں کی یورش کی طرح بھاٹیہ کے راجا پر حملہ آور ہوا تھا۔

تھوڑی دیر کی جنگ کے دوران ہی عبد اللہ نے اپنے لشکر کے ساتھ بھاٹیہ کے لشکریوں کا گھیراؤ کرنا شروع کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ لمحہ بھی آیا کہ عبد اللہ نے

پورے طور پر بھاٹیہ کے راجا کا گھیرا کر لیا پھر چاروں طرف سے اس کے لشکریوں کا قتل عام شروع کر دیا تھا۔ اس قتل عام کے دوران بھاٹیہ کے راجا کے لشکریوں کی حالت عجیب تھی وہ بنجر زمینوں میں دلدل بنتے جوہڑوں اور دم توڑتی بیکراں صداؤں کی طرح بے بس اور لاچار ہو کے رہ گئے تھے۔ انہوں نے اپنی جانیں بچانے کی بہتیری کوشش کی لیکن عبد اللہ نے انہیں بھاگنے نہیں دیا۔ یہاں تک کہ عبد اللہ نے ان سب کا گھیراؤ کر کے بھاٹیہ کے راجا سمیت اس کے سارے لشکریوں کا بھی خاتمہ کر دیا تھا۔ یہ سارا کام سر انجام دینے کے بعد عبد اللہ اپنے لشکر کے ساتھ پھر اسکندہ کی طرف لوٹا تھا۔

○

جن دنوں عبد اللہ بھاٹیہ کے راجا کے تعاقب میں گیا ہوا تھا۔ اس کے خیمے پر سورائی نمودار ہوئی خیمے میں اس وقت پرمل دیوی اکیلی بیٹھی ہوئی تھی۔ سورائی اندر داخل ہوئی اور پرمل دیوی کو مخاطب کر کے پوچھا پرمل دیوی میری بہن کیا تم نے مجھے بلایا ہے۔ پرمل دیوی نے اپنے پہلو میں ہاتھ مارا اور سورائی کو پہلے بیٹھنے کے لئے کہا جب سورائی بیٹھ گئی تب پرمل دیوی نے کہا ہاں میں نے تمہیں ایک انتہائی اہم کام کے سلسلے میں بلایا ہے اس پر سورائی نے پوچھا کیسا کام۔ پرمل دیوی تھوڑی دیر تک خاموشی اختیار کئے رہی اس دوران وقفے وقفے سے وہ بڑے غور اور سوالیہ سے انداز میں سورائی کی طرف دیکھتی بھی رہی اس کے بعد اس نے کھل کر کہنا شروع کیا۔

دیکھ سورائی میری بہن میں نے تیرے ساتھ کچھ عرصہ برہمن آباد کے راج مندر کے زندان میں گزارا ہے تیرا سلوک وہاں میرے ساتھ بڑا بے مثال تھا اس بناء پر میں تجھے اپنی بہن خیال کرنے لگی اور اب بھی میں تجھے اپنی سگی بہنوں کی طرح سمجھتی ہوں۔ میں نے تمہیں اس لئے اپنے خیمے میں بلایا ہے کہ اس وقت عبد اللہ بھاٹیہ کے راجا کے تعاقب میں گئے ہوئے ہیں۔ خود عین الدین بھی راجا بیج کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں لہٰذا میں ایک نئے موضوع پر تمہارے ساتھ گفتگو کرنا چاہتی ہوں سورائی نے پریشانی میں پوچھا کیسا موضوع میری بہن پرمل دیوی کہنے لگی۔

دیکھ سورائی میری بہن میں تجھ سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ کب تک میں اور

تم دونوں اسی طرح زندگی بسر کرتی رہیں گی اس پر سورائی نے چونک کر پرمل دیوی کی طرف دیکھا اور پوچھا کیسی زندگی میری بہن پرمل دیوی نے جھلاتے ہوئے کہا۔

سورائی میری بہن انجان نہ بن میں تم سے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ کب تک میں اور تم دونوں عبد اللہ اور عین الدین کی مصنوعی بیویاں بن کر زندگی بسر کرتی رہیں گی۔ کیا یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ظاہری طور پر تو اپنے آپ کو عبد اللہ اور عین الدین کی بیویاں ظاہر کریں اور اندرونی طور پر اس میں کوئی سچائی کوئی حقیقت نہ ہو اس پر سورائی نے کہا کھل کر کہو کیا کہنا چاہتی ہو۔ پرمل دیوی نے کچھ سوچا پھر کہا۔

دیکھ سورائی میں چاہتی ہوں کہ ہم دونوں مل کر ان رشتوں کو حقیقت میں بدل دیں اس پر سورائی کہنے لگی دیکھ پرمل دیوی میری بہن یہ کیسے ممکن ہے پرمل دیوی نے کہا ہم دونوں کو اس سلسلے میں عبد اللہ اور عین الدین سے بات کرنی چاہئے۔ آخر کب تک یوں ہی اجنبیوں کی طرح دونوں کے خیموں میں زندگی بسر کرتی رہیں گی۔ اس پر سورائی کہنے لگی ہم دونوں اپنے ہی رشتے کی بات کیسے عبد اللہ اور عین الدین سے کریں اس کے لئے کسی تیسرے فرد کی مدد لینا ضروری ہے۔ اور پھر پہلے ہمیں یہ بھی سوچنا پڑے گا کہ کیا عبد اللہ تمہیں اور عین الدین مجھے قبول کر لے گا یا یہ کہ وہ ہم دونوں کو حقیقی بیویاں بنانے پر راضی ہیں یا نہیں۔

اس پر پرمل دیوی نے کچھ سوچا پھر کہنے لگا۔

سورائی میری بہن تیرا کہنا بھی درست ہے۔ میں بھی ابھی تک یہ اندازہ نہیں لگا سکی کہ عبد اللہ کے میرے متعلق کیا خیالات اور جذبات ہیں کبھی عبد اللہ نے ایسی گفتگو کا آغاز ہی نہیں کیا نہ انہوں نے کسی ایسے سلوک کا اظہار کیا ہے جس سے میں یہ اندازہ لگا سکوں کہ وہ مجھے پسند کرتے ہیں اور اپنی زندگی کا رفیق بنانے پر آمادہ ہیں۔ سورائی کہنے لگی میرے سلسلے میں عین الدین کی بھی یہی حالت ہے پھر ان حالات میں ہم کیسے ان سے اس موضوع پر گفتگو کر سکتی ہیں۔ اس پر پرمل دیوی نے پھر کہا۔

دیکھ سورائی میری بہن میں تمہارے دل کی بات نہیں جانتی اپنے دل کی بات کہتی ہوں کہ میں عبد اللہ کو پسند کرنے لگی ہوں۔ اور میری اب یہ انتہائی کوشش ہے کہ کسی نہ کسی صورت میں عبد اللہ کو اپنی زندگی کا ساتھی بنا لوں وہ میری بہترین

حفاظت کر سکتا ہے اور اب تک اس نے میری حفاظت کی بھی ہے جس انداز میں وہ میرے ساتھ اسکندہ سے باہر دریائے راوی کے کنارے سرائے کی طرف گیا اور وہاں اس نے مجھ پر زیادتی کرنے والے ایک بد معاش بال چند کا خاتمہ کیا اس سے میں بے حد متاثر ہوئی لیکن میری بدقسمتی کہ بال چند کے خاتمے کے بعد میں عبد اللہ کا شکریہ تک ادا نہ کر سکی اس کا مجھے بڑا دکھ قلق اور افسوس ہے۔ دیکھ سورائی عبد اللہ اور عین الدین کا قرب حاصل کرنے کے لئے ایک اور بھی ذریعہ ہے اس پر سورائی نے فوراً" پوچھا وہ کیسے۔ پرمل دیوی نے جواب دیا۔

سن سورائی میری بہن تو جانتی ہے کہ عبد اللہ اور عین الدین دونوں مسلمان ہیں اسلام قبول کر چکے ہیں اور اب بہت سے مسلمان ساتھی بھی راجہ چچ کے لشکر میں شامل ہو چکے ہیں میں سمجھتی ہوں اگر میں اور تم دونوں بھی اسلام قبول کر لیں۔ تو میرے خیال میں یہ بات یقینی ہے کہ عبد اللہ اور عین الدین ہم دونوں کو اپنی زندگی کا رفیق بنانے پر آمادہ ہو جائیں گے اس پر سورائی کہنے لگی ہاں یہ ہے تو ٹھیک۔ لیکن ہم اسلام کیسے قبول کریں گی۔ اس پر پرمل دیوی کہنے لگی۔ یہ بڑا آسان ہے دیکھ عبد اللہ اور عین الدین کے علاوہ کچھ اور بھی مسلمان لشکر میں شامل ہیں سب یہ ہی جانتے ہیں کہ میں عبد اللہ اور تم عین الدین کی بیوی ہو اور ہم دونوں اپنے پرانے مذہب پر قائم دائم ہیں دیکھ سورائی میری بہن چند دن کا وقفہ ڈال کر ہم دونوں لشکر میں شامل دوسرے مسلمانوں سے ملیں گی اور ان سے گزارش کریں گی کہ وہ ہمیں حلقہ اسلام میں داخل کریں۔ یوں اسلام قبول کرنے کے بعد ہم اسلام کے سارے اراکین کی پابندی کریں گی۔ اور ساتھ ہی آہستہ آہستہ عبد اللہ اور عین الدین کا قرب بھی حاصل کرنے کی کوشش کریں گی۔ اس پر سورائی کہنے لگی ہاں پرمل دیوی میری بہن یہ طریقہ کار اچھا ہے۔ اسی پر عمل ہو گا جواب میں پرمل دیوی کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ ایک عورت خیمے کے دروازے پر نمودار ہوئی اور پرمل دیوی کو مخاطب کر کے کہنے لگی راجکماری کیا میں اندر آ سکتی ہوں۔ پرمل دیوی نے جب اسے آنے کی اجازت دی تو وہ عورت اندر داخل ہوئی ہاتھ کے اشارے سے پرمل دیوی نے اسے اپنے سامنے بیٹھنے کو کہا جب وہ عورت بیٹھ گئی تب پرمل دیوی نے پوچھا۔

دیکھ خاتون میں نہیں جانتی تو کون ہے کہاں سے آئی ہے تیرا کیا نام ہے بتاؤ مجھ سے کیا چاہتی ہے اس پر وہ عورت کہنے لگی۔ دیکھ راجکماری میں اسکندہ شہر کی رہنے والی ہوں میں تمہارے پاس اس لئے آئی ہوں کہ تمہیں بتا دوں کہ تمہارے شوہر عبد اللہ کی جان خطرے میں ہے اس پر پرمل دیوی چونک سی پڑی اور پوچھا کیسے عبد اللہ کی جان خطرے میں ہے اس پر وہ عورت کہنے لگی سنو میں تمہیں کھل کر بتاتی ہوں اس کے بعد وہ کہہ رہی تھی۔

دیکھ راجکماری۔ میرے خاندان کے بھاٹیہ کے راجہ کے پرانے مراسم تعلقات بلکہ رشتہ ہے۔ جب بھاٹیہ کے راجہ کو راجہ چچ کے ہاتھوں شکست ہوئی تو وہ بھاٹیہ سے بھاگ کر اسکندہ آ گیا اور ہمارے ہاں ہی اس نے قیام کیا۔ جب اسکندہ بھی چچ کے ہاتھوں فتح ہو گیا تو بھاٹیہ کا راجہ اپنے محافظ دستوں کے ساتھ اسکندہ شہر سے بھاگ گیا لیکن اپنی ایک بیوی کو یہیں چھوڑ گیا۔ وہ سب سے چھوٹی تھی اور ایک سال پہلے اس نے بھاٹیہ کے راجہ سے شادی کی تھی۔ بھاٹیہ کا راجا اپنی اس نئی نویلی بیوی کو بے حد پسند کرتا تھا اور یہ رانی بھی راجہ کو بہت پسند کرتی تھی۔ اب تھوڑی دیر پہلے یہ خبر آئی ہے کہ بھاٹیہ کا راجہ چونکہ اسکندہ شہر سے بھاگ کر بھاٹیہ کی طرف گیا تھا اور راجہ چچ نے اپنے جرنیل عبد اللہ کو اس کے پیچھے لگایا تھا تو عبد اللہ نے بھاٹیہ اور اسکندہ کے درمیان راجہ کو جا لیا۔ اس پر حملہ آور ہوا اور اس کے سارے لشکر کا خاتمہ کر دیا اور بھاٹیہ بھی اس عمل میں مارا گیا ہے۔ بھاٹیہ کے قتل ہونے کی خبر اسکندہ میں اس کی رانی کو بھی ہو چکی ہے۔ اس رانی کا نام سانکرہ ہے جس وقت عبداللہ کے ہاتھوں اسے بھاٹیہ کے راجہ اور اپنے پتی کی موت کی خبر ملی اس نے قسم کھا لی ہے کہ وہ ہر صورت میں راجہ چچ کے جرنیل عبد اللہ کو قتل کر کے رہے گی۔ بس راجکماری میں یہی خبر تم سے کہنے آئی ہوں۔ دیکھ سانکرہ جوان اور حسین و خوبصورت ہے۔ دراز قد اور انتہائی پرکشش جسم رکھتی ہے اس کے ساتھ ساتھ وہ بڑی مکار اور فریب کار عورت بھی ہے میرے خیال میں پہلے وہ عبد اللہ کو اپنی محبت اور چاہت کا فریب دے گی اس کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرے گی اور پھر موقع جان کر عبداللہ کا کام تمام کر دے گی۔ میں چاہتی ہوں پرمل دیوی تو اپنے شوہر عبد اللہ

کے معاملے میں فکرمند، محتاط اور چوکنی رہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ عورت اٹھ کھڑی ہوئی۔ پرمل دیوی اپنی جگہ پر کھڑی ہو گئی اور کہنے لگی۔

دیکھو خاتون۔ تیرا بہت شکریہ۔ تیری بڑی مہربانی کہ تو نے سانگرہ کے ارادوں سے مجھے پہلے ہی آگاہ کر دیا ہے اب تو بے فکر رہ۔ میں عبد اللہ کی حفاظت خوب کروں گی۔ اس کے ساتھ ہی وہ عورت چلی گئی۔ پرمل دیوی پھر اپنی جگہ پر بیٹھ گئی اور سورائی کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

دیکھ سورائی میری بہن۔ اب تو ایک نیا ہی موضوع اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ اس سے قبل میں اور تم گفتگو کر رہے تھے کہ ہم عبد اللہ اور عین الدین سے اپنا حقیقی رشتہ جوڑنے کے لئے کسی گفتگو کا آغاز کریں گی لیکن یہاں تو عبد اللہ کی زندگی خطرے میں پڑی ہوئی ہے۔ دیکھ سورائی۔ سب سے پہلے میں بھاٹیہ کے مرنے والے راجہ کی رانی سانگرہ کے ہاتھوں عبد اللہ کی جان کی حفاظت کروں گی اس کے بعد میں فیصلہ کروں گی کہ اس کے ساتھ میں اپنا حقیقی رشتہ جوڑنے کے لئے مجھے کیا قدم اٹھانا چاہئے۔ اس پر سورائی کہنے لگی۔

پرمل دیوی میری بہن۔ میری عزیز۔ تیرا کہنا درست ہے۔ اس لئے کہ ہر کام سے عبد اللہ کی زندگی بہرحال عزیز اور زیادہ قیمتی ہے۔ پر میری بہن دیکھ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنے آپ کو اسلام کی طرف راغب ہونے کے لئے بھی توجہ دینا ہو گی۔ دیکھ اب لشکر میں بہت سے مسلمان شامل ہیں۔ ان کے ذریعے ہمیں اسلام کے متعلق واقفیت اور اس کے اراکین سے آگاہی ہونی چاہئے۔ اس کے بعد انہیں کے ہاتھوں ہمیں اسلام قبول کر لینا چاہئے پھر اچانک موقع پر ہم دونوں کو مسلمان لڑکیوں کی حیثیت سے عبد اللہ اور عین الدین کے سامنے آنا چاہئے۔ میں تمہیں یقین دلاتی ہوں جب ایسا معاملہ ہوا تو آپ سے آپ عبد اللہ کے دل مین تمہاری اور عین الدین کے دل میں میری جگہ پیدا ہو جائے گی۔ جواب میں پرمل دیوی کچھ کہنا چاہتی تھی کہ ایک ساتھ عبد اللہ اور عین الدین اس خیمے میں داخل ہوئے انہیں دیکھتے ہی پرمل دیوی اور سورائی دونوں اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ عبد اللہ آگے بڑھا تو اپنے لبوں پر گہری اور خوش کن مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے پرمل دیوی کہنے لگی۔ عبد اللہ میرے محترم۔ میں آپ کو بھاٹیہ کے راجہ کے خلاف کامیابی پر مبارک باد دیتی ہوں۔ عبد اللہ جواب میں کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اسی موقع پر سورائی بھی بولی اس نے بھی عبد اللہ کو مبارک باد دی دونوں کے جواب میں عبد اللہ مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ میں تم دونوں کا بے حد شکر گزار ہوں کہ تم دونوں میری کامیابی اور کامرانی پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے مجھے مبارک باد دے رہی ہو۔

سنو پرمل دیوی۔ میں تھوڑی دیر پہلے ہی لشکر گاہ میں پہنچا ہوں۔ میں اور عین الدین دونوں راجہ چچ سے مل کر آ رہے ہیں۔ کل ہم یہاں سے سکہ اور پھر ملتان کی طرف کوچ کریں گے۔ اس لئے کل صبح ہی صبح تم دونوں اپنے خیمے کی ہر چیز سمیٹ لینا۔ جواب میں پرمل دیوی کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ عین الدین نے تازہ اور خشک پھلوں سے بھری ہوئی ایک ٹوکری سورائی کو تھمائی اور کہنے لگا دیکھ سورائی میں اسکندہ شہر سے یہ تازہ اور خشک پھل لے کر آیا ہوں دونوں بہنیں بیٹھ کر انہیں برتنوں میں سجاؤ اور پھر چاروں بیٹھ کر کھاتے ہیں۔ سورائی نے عین الدین کی طرف مسکرا کر دیکھتے ہوئے پھلوں کی وہ ٹوکری لے لی تھی جواب میں عین الدین کو مخاطب کر کے سورائی کچھ کہنا چاہتی تھی کہ ایک انتہائی خوبصورت عورت جو اپنی عمر کے لحاظ سے پچیس اور تیس کے درمیان ہو گی خیمے میں دروازے پر نمودار ہوئی۔ وہ عبد اللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ امیر عبد اللہ میں ایک فریادی عورت ہوں کیا آپ کے خیمے میں داخل ہو سکتی ہوں۔ عبد اللہ فوراً" بولا اور کہنے لگا۔ آؤ تم کون ہو۔ یہاں ہمارے پاس آ کر بیٹھو اور بولو تمہیں کس نے تکلیف دی ہے اس عورت کے چہرے پر خوشگوار مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھی۔ پرمل دیوی بڑے غور اور استفہامیہ سے انداز میں آنے والی اس عورت کی طرف دیکھ رہی تھی۔ سورائی بھی ایک طرح سے چوکنی ہو چکی تھی۔

خاتون اندر آئی۔ ہاتھ کے اشارے سے عبد اللہ نے اسے پرمل دیوی کے پاس بیٹھنے کو کہا۔ وہ عورت پرمل دیوی اور عبد اللہ کے درمیان بیٹھنا چاہتی تھی پر پرمل دیوی فوراً" حرکت میں آئی اپنی جگہ سے ہٹ کر وہ عبد اللہ کے پہلو میں ہو بیٹھی۔ اس طرح اس عورت کو اس نے اپنے اور سورائی کے درمیان بیٹھنے کو جگہ دی

تھی۔ شاید پرمل دیوی یہ سب کچھ جانی پہچانی احتیاط کے تحت کر رہی تھی۔ وہ عورت جب بیٹھ گئی تب عبد اللہ نے پوچھا کہو خاتون تم کیا کہنا چاہتی ہو جواب میں اس عورت نے کہنا شروع کیا۔

سن امیر عبد اللہ۔ میرا نام سانکرہ ہے۔ میں بھاٹیہ کے اس راجہ کی رانی ہوں جو بھاٹیہ اور اسکندہ کے درمیان چند دن پہلے آپ کے ہاتھوں مارا جا چکا ہے۔ چونکہ میرا شوہر آپ کے ہاتھوں مرا ہے لہٰذا اب آپ ہی کو میرے مستقبل کا فیصلہ بھی کر ہو گا۔ اس پر عبد اللہ نے سانکرہ کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

دیکھ رانی سانکرہ۔ میں نے تمہارے شوہر کو ناحق تو قتل نہیں کیا۔ تو جانتی ہے بھاٹیہ اور اسکندہ کے علاوہ اور بہت سے شہر اور ریاستیں بھی سندھ کی حکومت کے تحت ہوا کرتی تھیں اس وقت جب راجہ ساھسی سندھ پر حکومت کرتا تھا۔ پھر جب وہ راجہ بنا تو ان ریاستوں اور شہروں کے حاکموں نے بغاوت کر دی اور خود مختاری حاصل کر لی۔ ان کی اس بغاوت اور سرکشی کے جواب میں آخر راجہ چچ کو ایک بار ایک روز حرکت میں تو آنا ہی تھا۔ تاکہ باغیوں اور سرکشوں کی سرکوبی کر کے انہیں سلطنت کا مطیع اور فرمانبردار بنایا جائے۔ دیکھ سانکرہ چونکہ تمہارے شوہر نے بھی بھاٹیہ میں خود مختاری حاصل کر لی تھی لہٰذا راجہ چچ کے ایک سالار کی حیثیت سے وہ اس کے خلاف حرکت میں آیا۔ میرے اور اس کے درمیان جنگ ہوئی جس میں وہ غالب اور تمہارا شوہر بھاٹیہ کا راجہ مغلوب رہا۔ آخر جنگ میں ایک کی فتح ایک کی شکست تو ضروری ہے لہٰذا بھاٹیہ کا راجہ بھی شکست کھا گیا اور جنگ میں مارا گیا۔ دیکھ سانکرہ اس میں نہ میرا قصور ہے نہ وقت کا نہ حالات کا۔ بس بھاٹیہ کے کے راجہ کی تقدیر میں ہی یہ لکھا ہوا تھا۔

اس پر سانکرہ نے کچھ دیر کے سوچ و بچار کے بعد پھر کہا۔

دیکھ امیر عبد اللہ میں مانتی ہوں میرے شوہر راجہ بھاٹیہ اور تمہارے درمیان جنگ ہوئی۔ میرے شوہر نے شکست کھائی تم غالب رہے اور وہ تمہارے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کے مارے جانے کے بعد میں اب بے آسرا تنہا اور اکیلی ہوں۔ آپ جانتے ہیں میں ابھی جوان ہوں۔ آنے والی زندگی میں کیسے بسر کروں گی۔ اب جبکہ میرا شوہر

تمہارے ہاتھوں مارا گیا ہے تو میں آپ سے یہ التماس کرنے آئی ہوں کہ آپ مجھے اپنے حرم میں داخل کر لیں تاکہ میں اپنی باقی ماندہ زندگی کے دن پر سکون گزار سکوں۔ امیر عبد اللہ کیا آپ ایسا کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اس پر عبد اللہ نے جواب دیا۔

دیکھ رانی سانکرہ۔ تم ابھی جوان ہو۔ خوبصورت ہو۔ تمہاری جسمانی ساخت میں بے پناہ کشش ہے۔ ایک شوہر کی حیثیت سے تم میرا ہی کیوں انتخاب کرتی ہو۔ تم ایک دفعہ شادی کی آواز بلند کرو۔ ان گنت لوگ تمہیں اپنی زندگی کا ساتھی بنانے پر تیار ہو جائیں گے۔ اس پر سانکرہ نے کہا۔ میں بھاٹیہ کی رانی رہی ہوں۔ رانی کی حیثیت سے کیا مجھے یہ حق حاصل نہیں کہ میں اپنی زندگی کے ساتھی کے لئے ایک بہادر اور سورما اور جنگجو سالار کا انتخاب کروں۔ قبل اس کے کہ عبد اللہ سانکرہ کی اس گفتگو کا جواب دیتا۔ پرمل دیوی بولی اور سانکرہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

دیکھ سانکرہ۔ جو مسئلہ تم لے کر آئی ہو۔ وہ اتنا آسان نہیں کہ فی الفور اس کا حل تلاش کر لیا جائے۔ دیکھ زندگی کا ساتھی دیکھ بھال کر چنا ہے۔ میں سمجھتی ہوں یہ اتنا آسان کام نہیں جتنا تم سمجھ رہی ہو۔ کچھ دن صبر کرو۔ ہمیں حالات کا جائزہ لینے دو۔ اس کے بعد تمہیں ہم اپنے فیصلے سے آگاہ کریں گے۔ اس پر سانکرہ نے غور سے پرمل دیوی کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ دیکھ لڑکی اگر میں غلطی پر نہیں تو تو پرمل دیوی ہے اور امیر عبد اللہ کی بیوی ہے۔ اپنے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے پرمل دیوی کہنے لگی سانکرہ تمہارا اندازہ درست ہے۔ رانی سانکرہ نے پھر کہا۔ دیکھ پرمل دیوی امیر عبد اللہ کی بیوی کی حیثیت سے تمہیں اس معاملے میں دخل اندازی کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔ مجھے بے حد خوشی ہے کہ تم نے میری اس التجا کے جواب میں بالکل صاف انکار نہیں کر دیا۔ بلکہ معاملے پر غور کرنے کے لئے کہا ہے۔ میں اب جاتی ہوں پھر کبھی آؤں گی اور اپنی اس التجا کا جواب پرمل دیوی میں عبد اللہ اور تم دونوں سے ہی لوں گی۔ میں نے یہ بھی سنا ہے کہ راجہ چچ کا لشکر کل یہاں سے سکہ اور ملتان کی طرف کوچ کرے گا۔ میں بھی لشکر میں شامل رہوں گی اور گاہے بگاہے تم دونوں سے ملنے آتی رہوں گی۔ تاکہ اپنی التجا کا مناسب جواب لینے کے لئے اپنی ذات کی وکالت' کر سکوں۔ اس کے ساتھ ہی رانی سانکرہ وہاں سے نکل گئی

تھی۔ تھوڑی دیر تک خیمے میں خاموشی رہی پھر سورائی اٹھی کچھ برتن وہ اٹھا لائی ٹوکر
کے پھل اس نے ان برتنوں میں جمائے پھر چاروں ہنسی خوشی پھل کھانے لگے تھے۔

دوسرے روز راجہ چچ نے اپنے لشکر کے ساتھ اسکندہ سے سکہ اور ملتان
طرف کوچ کیا۔ ملتان کا راجہ اس زمانے میں بجھرا نامی ایک شخص تھا جو سندھ کے
سابق راجہ رائے ساھسی کا قریبی رشتہ دار تھا۔ اس کی حکومت بہت وسیع تھی اور
خود بھی ایک قابل اور عقلمند حکمران تھا۔ اس نے چچ کی آمد کی خبر سنی تو ایک لشکر
جرار فراہم کر کے دریائے راوی کی طرف اپنے بیٹے کی کمانداری میں روانہ کیا۔

بجھرہ کا بھتیجا جس کا نام سہول تھا وہ ان دنوں بجھرہ کی طرف سے سکہ کے
قلعے کا گورنر تھا۔ سکہ ملتان کے مشرق میں ایک مضبوط اور مستحکم قلعہ تھا جس وقت
نے سکہ اور ملتان کی طرف کوچ کیا اس وقت دریائے ستلج میں طغیانی آئی ہوئی تھی
لہٰذا وہ دریا کو پار نہ کر سکا اور دریا کے کنارے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر لیا۔ دریا
میں طغیانی کی وجہ سے یہ پڑاؤ لگاتار تین ماہ تک قائم رہا۔

دریائے ستلج کے کنارے اس تین ماہ کے پڑاؤ کے دوران رانی سانکرہ اکثر
بیشتر عبد اللہ سے ملنے آتی رہی اس طرح اس نے عبد اللہ کے خیمے کے باہر پہرہ دینے
والے محافظوں سے بھی ایک طرح کی شناسائی اور واقفیت بنا لی تھی یوں وہ اب بلا
روک ٹوک عبد اللہ کے خیمے میں آنے جانے لگی تھی۔ شاید ایسا کر کے وہ اپنے
مطلب کو بہت جلد حاصل کرنا چاہتی تھی۔

ایک روز آدھی رات کے قریب جبکہ زوردار بارش ہو رہی تھی اور دریائے
ستلج اپنی پوری طغیانی پر تھا۔ عبد اللہ اور پرمل دیوی اپنے خیمے میں خاصا فاصلہ رکھ کر
گہری نیند سوئے ہوئے تھے کہ عبد اللہ چونک سا پڑا۔ اس نے دیکھا خیمے میں سیاہ
رنگ کا ایک ہیولا داخل ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کوئی چمکتی ہوئی چیز تھی۔ ہیولے کی
طرف دیکھتے ہوئے عبد اللہ فکرمند اور پریشان ہو گیا تھا۔ ہیولا بڑے جچے تلے قدموں
سے آگے بڑھا تھا جیسے وہ خیمے کے پورے محل وقوع سے واقف ہو۔ اس صورت حال
نے عبد اللہ کو مزید پریشانی سے دو چار کر دیا تھا۔ پھر قبل اس کے کہ عبد اللہ کسی رد
عمل کا اظہار کرتا اس کے خیمے میں ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ اس طرح کہ عبد اللہ

کے دیکھتے ہی دیکھتے اس کے قریب سوئی ہوئی پرمل دیوی فوراً اٹھ کھڑی ہوئی پھر اس
نے کسی بھوکی مادہ شیرنی کی طرح خیمے میں داخل ہونے والے اس ہیولے پر جست لگا
دی تھی۔

دریائے ستلج کے کنارے عبداللہ کے خیمے میں جس وقت پرمل دیوی نے خ
میں داخل ہونے والے ہیولے پر جست لگائی تھی اس وقت کسی کی چیخ بلند ہوئی تھی
نہ جانے وہ چیخ پرمل دیوی کی تھی یا اس ہیولے کی۔ یہ چیخ سنتے ہی دو پہریدار ا
ہاتھوں میں مشعلیں لئے ہوئے تقریباً" بھاگتے ہوئے خیمے میں داخل ہوئے تھے۔ ا
مشعلوں کی وجہ سے جب خیمے میں روشنی ہوئی تو عبداللہ جو اپنی جگہ سے اٹھ کر ہیو
کے قریب آگیا تھا اس نے دیکھا کہ پرمل دیوی نے رانی سانکرہ کو اپنے نیچے دبو
رکھا تھا۔ رانی سانکرہ کا وہ ہاتھ جس میں خنجر تھا پرمل دیوی نے اپنے ایک ہاتھ کی
گرفت میں لیا ہوا تھا اور دوسرے ہاتھ سے پرمل دیوی نے رانی سانکرہ کے سینے میں
اپنا خنجر پیوست کیا ہوا تھا۔

اس صورتحال پر عبداللہ تیزی سے آگے بڑھا۔ پرمل دیوی کو دونوں شانوں سے
پکڑ کر بڑے پیار' بڑی محبت اور چاہت میں عبداللہ نے پیچھے ہٹایا۔ رانی سانکرہ اس
وقت تک دم توڑ چکی تھی۔ اس لئے کہ پرمل دیوی کا خنجر رانی سانکرہ کے دل کے پا
ہو چکا تھا۔ عبداللہ، آگے بڑھا خنجر نکال کر اس نے رانی سانکرہ کے لباس سے صاف
کیا۔ پھر اس نے پہریداروں کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا اس رانی سانکرہ کو کس نے
اندر آنے دیا۔ دونوں پہریداروں کی گردنیں جھک گئیں۔ عبداللہ بڑے تلخ اور
غضبناک لہجے میں پھر کہنے لگا۔

میں نے پوچھا ہے کہ اس رانی سانکرہ کو کس نے میرے خیمے میں آنے دیا۔ ایک
پہریدار کہنے لگا۔

امیر عبداللہ آپ جانتے ہیں کہ رانی سانکرہ اکثر و بیشتر آپ کے خیمے میں آتی جاتی

رہی ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے جب یہ آئی تو اس نے کہا کہ مجھے امیر عبداللہ نے
طلب کیا تھا۔ میں نے سوچا یہ اکثر آتی رہتی ہے ہو سکتا ہے آپ نے بلایا ہو لہٰذا ہم
نے اسے اندر جانے کی اجازت دیدی۔ اس پر عبداللہ نے قہر آلود نگاہوں سے اپنے
دونوں پہریداروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

آئندہ کوئی بھی مجھ سے اجازت لئے بغیر میرے خیمے میں داخل نہ ہو اور اگر
آئندہ کوئی ایسا واقعہ ہوا تو یاد رکھنا میں تم دونوں کی گردنیں کٹوا دوں گا۔ اب اس
رانی سانکرہ کی لاش اٹھاؤ اور دریائے ستلج کی طغیانی میں پھینک دو۔ اس کے ساتھ ہی
وہ دونوں پہریدار حرکت میں آئے اور رانی سانکرہ کی لاش اٹھا کر وہ باہر لے گئے تھے۔

عبداللہ سے کچھ کہے بغیر پرمل دیوی آگے بڑھی خیمے میں رانی سانکرہ کا جو خون
بہا تھا وہ اس نے پاؤں مار کر صاف کر دیا تھا۔ اور باہر سے تازہ مٹی لا کر اس کے اوپر
ڈال دی تھی۔ جب اس کام سے پرمل دیوی فارغ ہوئی تو اتنی دیر تک عبداللہ نے
اپنے خیمے میں ایک چھوٹی سی مشعل روشن کر دی تھی۔ پھر عبداللہ نے پرمل دیوی کو
مخاطب کر کے کہا پرمل دیوی ذرا میرے قریب آؤ پرمل دیوی بڑی سنجیدگی کی حالت میں
عبداللہ کے جب قریب ہوئی تو عبداللہ اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

دیکھ پرمل دیوی میں تیرا بڑا شکر گزار' تیرا بڑا ممنون ہوں کہ تو نے رانی سانکرہ
سے میری حفاظت کی۔ تمہارا یہ احسان میں کبھی بھی فراموش نہیں کر سکوں گا۔ اس پر
پرمل دیوی بڑی عاجزی اور انکساری میں کہنے لگی۔ امیر عبداللہ بھگوان کے لئے مجھے یہ
احساس نہ دلایئے کہ میں نے آپ پر کوئی احسان کیا ہے۔ آپ جانتے ہیں وقت اور
حالات مجھے آپ کے حوالے کر چکے ہیں۔ کیا آپ کا وہ احسان مجھ پر کم تھا جب آپ
نے مجھے برہمن آباد کے قید خانے سے نجات دیتے ہوئے مجھے ایک نئی زندگی دی تھی۔
اس پر عبداللہ کہنے لگا۔

اچھا پرمل دیوی اس بات کو چھوڑو پہلے یہ کہو کہ تم نے اس رانی سانکرہ کو خیمے
میں داخل ہوتے کیسے دیکھ لیا۔ گو میں جان گیا تھا جس وقت یہ خیمے میں داخل ہوئی
تھی میں نے اسے دیکھ لیا تھا پر میں نے پہچانا نہیں تھا کہ یہ رانی سانکرہ ہے مجھے بس
یہ ہیولہ سا نظر آیا اور اس کے ہاتھ میں میں نے چمکتی ہوئی چیز بھی دیکھی تھی میں

نہیں جانتا تھا کہ یہ رانی سانکرہ ہے اور اپنے ہاتھ میں خنجر لئے آئی ہے۔ میرے خیال
میں یہ میرے قتل کے درپے تھی اس لئے کہ میں نے اس کے شوہر کو جنگ میں قتل
کیا تھا اور یہ مجھ سے اس کا انتقام لینا چاہتی تھی۔ میرے خیال میں یہ جو میرے پاس
آتی رہتی ہے اسی مقصد اور مطلب کے لئے آتی رہی ہے کہ اسے مجھ پر حملہ آور
ہونے کا کوئی موقع مل جائے پر یہ تو کہو تم نے اسے خیمے میں داخل ہوتے ہوئے کیسے
دیکھ لیا اور کیونکر تم نے اتنی جرات مندی کا اظہار کرتے ہوئے اندھیرے میں اس کے
اوپر چھلانگ لگا دی حالانکہ رانی سانکرہ خنجر سے مسلح تھی اور وہ تمہیں نقصان بھی پہنچا
سکتی تھی۔ اس پر پرمل دیوی کہنے لگی۔

امیر عبداللہ جب اس رانی سانکرہ نے ہمارے خیمے میں آنا جانا شروع کیا ہے تب
سے میں نے اپنے اوپر رات کی نیندیں حرام کر لی تھیں۔ میں دن کو سو لیتی تھی
رات کو سوتا بن جاتی تھی پر جاگتی رہتی تھی۔ اس لئے کہ جن دنوں آپ راجا بھاٹیہ
کے تعاقب میں گئے ہوئے تھے اسکندہ کی ایک عورت خیمے میں آئی تھی اس وقت
سورائی بھی میرے پاس تھی اور اس نے مجھے یہ کہا تھا کہ راجا بھاٹیہ چونکہ عبداللہ کے
ہاتھوں مارا جا چکا ہے لہٰذا اس کی بیوہ رانی سانکرہ امیر عبداللہ پر حملہ آور ہو کر اسے
قتل کرنے کی کوشش کرے گی۔ اسی عورت کے ہاں بھاٹیہ سے نکل کر اسکندرہ میں
راجا بھاٹیہ اور اس کی رانی سانکرہ نے پناہ لی تھی اس عورت کی بڑی مہربانی کہ اس
نے بروقت یہ اطلاع دی جب سے اس عورت نے مجھے یہ خبر دی تھی تب سے میں
رات کو خیمے میں جاگتی تھی اور آپ کی حفاظت کرتی تھی۔

خیمے میں جلتی ہوئی ننھی سی اس مشعل کی روشنی میں عبداللہ تھوڑی دیر تک
بڑی چاہت اور محبت میں پرمل دیوی کو دیکھتا رہا پھر اس نے گہرے پریم میں ڈوبی ہوئی
آواز میں پھر کہا۔

پرمل دیوی سن ایک بار پھر میں تیرا شکریہ ادا کرتا ہوں یہ جو تو رات کو جاگ کر
میری جان کی حفاظت کرتی رہی ایسا تو کوئی میرا اپنا ہوتا تو وہ بھی یوں نہ کرتا اس پر
پرمل دیوی نے ہمت اور جرات سے کام لیتے ہوئے کہا کیا آپ مجھے پرایا سمجھتے ہیں
جبکہ سب لوگ مجھے آپ کی بیوی خیال کرتے ہیں۔ اس پر امیر عبداللہ مسکراتے ہوئے

کہنے لگا۔ پرمل دیوی اب تم پرائی کہاں رہی ہو دیکھ عنقریب میں تجھے ایک بہت بڑی
خوشخبری سناؤں گا جواب میں پرمل دیوی کہنے لگی میری آپ سے گزارش یہ ہے کہ
آپ مجھے وہ خوشخبری اس وقت سنائیے جب اس سے پہلے میں آپ کو ایک بہت بڑی
خوشخبری سنا چکوں۔ اس پر عبداللہ نے فوراً پوچھا تم مجھے کیا خوشخبری سناؤ گی۔ پرمل
دیوی نے مسکراہٹ میں کہا یہ تو وقت آنے پر میں بتاؤں گی کہ میں آپ کو کیا خوشخبری
دینے والی ہوں۔ عبداللہ جواب میں کچھ کہنا چاہتا تھا کہ خاموش رہا کیونکہ عین اسی
وقت راجا چچ عین الدین اور سورائی خیمے میں داخل ہوئے تھے۔ راجا چچ آگے بڑھا اور
بڑی فکر مندی میں عبداللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

عبداللہ میرے بھائی ابھی ابھی لشکر میں یہ خبر پھیلی ہے کہ تمہارے خیمے میں
داخل ہو کر تم پر قاتلانہ حملہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ عبداللہ کہنے لگا۔ چچ میرے
بھائی آپ نے درست سنا بھاٹیہ کا راجا جو میرے ہاتھوں مارا گیا تھا اس کی رانی سانکرہ
کا میرے پاس آنا جانا ہو گیا تھا اور وہ مجھ سے التجا کرنے لگی تھی کہ اس کے راجا کے
مارے جانے کے بعد میں اس سے شادی کر لوں شاید اس طرح وہ کوئی موقع تلاش کرنا
چاہتی تھی کہ مجھ پر حملہ آور ہو اس کے حملہ آور ہونے کی اطلاع پہلے ہی ایک
عورت پرمل دیوی کو کر چکی تھی۔ لہٰذا رات کے وقت آج جب مجھ پر حملہ آور ہونے
کے لئے سانکرہ میرے خیمے میں داخل ہوئی تو پرمل دیوی نے اس پر جست لگا دی اور
خنجر سے اس کا کام تمام کر دیا۔ اپنے پہریداروں کے ذریعے میں نے سانکرہ کی لاش اٹھا
کر دریائے سندھ میں بہا دی ہے۔ چچ کہنے لگا۔

پرمل دیوی میری بہن میں تیری جرات مندی' تیری دلیری' تیری قربانی' تیرے
ایثار کو سلام کرتا ہوں تو نے عبداللہ کی حفاظت کر کے اس کے ساتھی ہونے کا حق ادا
کر دیا ہے اس کے بعد راجہ چچ خیمے کے دروازے پر آیا اور محافظوں کو مخاطب کر کے
کہنے لگا۔ آج کے بعد بغیر اجازت کے کوئی اگر عبداللہ کے خیمے میں داخل ہوا تو میں
تم سب کی گردنیں کٹوانے کا حکم دے دوں گا۔ اس کے ساتھ ہی راجہ چچ نے عبداللہ
سے کہا عبداللہ میرے بھائی اب تم اپنے خیمے میں آرام کرو۔ راجہ چچ عین الدین اور
سورائی خیمے سے نکل گئے تھے۔ عبداللہ اور پرمل دیوی اپنے اپنے بستر میں گھس کر

آرام کرنے لگے تھے۔

دوسرے روز راجہ چچ نے اسکلندہ شہر کے نواح سے سکہ اور ملتان کی طرف کوچ کیا۔ دریائے ستلج میں لگاتار تین ماہ تک طغیانی کی وجہ سے دریا کے کنارے پڑاؤ کرنا پڑا تھا اب دریا طغیانی میں نہ رہا تھا۔ پانی بالکل کم ہو چکا تھا۔ لہٰذا اپنے لشکر کے ساتھ دریا عبور کر کے راجہ چچ سکہ کی طرف بڑھا۔

ملتان کے راجہ بجھرا کی طرف سے سکہ کا حاکم اس کا بھتیجا سیہول تھا۔ سیہول کے پاس سکہ کے قلعے میں ایک بہت بڑا لشکر موجود تھا۔ تاہم ملتان کے راجا بجھرا نے اپنے بھتیجے سیہول کی مدد کے لئے اپنے بیٹے اجے سین کو بھی ایک بہت بڑا لشکر دے کر ملتان سے سکہ کی طرف روانہ کر دیا تھا۔

لہٰذا جس وقت راجا چچ دریائے ستلج کو عبور کرنے کے بعد سکہ نام کے اس قلعے کے پاس آیا تو اس نے دیکھا قلعے سے باہر سکہ کا حکمران سیہول اور ملتان کے راجہ بجھرا کا بیٹا اجے سین اپنے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کئے ہوئے تھے اور راجہ چچ کی راہ روک کھڑے تھے۔

اس موقع پر راجہ چچ نے عبداللہ اور عین الدین سے صلاح و مشورہ کیا پھر اس کے بعد اس نے اپنے لشکر کو سیہول اور اجے سین کے لشکر کے سامنے پڑاؤ کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ جب یہ پڑاؤ لگ چکا تب عبداللہ اور عین الدین کو راجہ چچ نے اپنے پاس بلایا جب وہ راجہ کے پاس آئے تب راجہ نے کسی قدر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

عبداللہ میرے بھائی اب تیرا کیا خیال ہے تو دیکھتا ہے کہ سکہ نام کے اس قلعہ کے باہر دو قوتیں ہمارے سامنے نبرد آزما ہونے کے لئے تیار بیٹھی ہیں ایک سکہ کا حاکم سیہول اور دوسرا ملتان کے راجا بجھرا کا بیٹا اجے سین اب بتاؤ ان دونوں سے ہمیں کیسے نمٹنا چاہئے۔ عبداللہ نے کچھ دیر سوچ و بچار کے بعد جواب دیا۔

دیکھ راجہ پہلے کی طرح ہمیں اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کرنا چاہئے۔ ایک حصہ تمہارے پاس دوسرا میرے پاس تیسرا عین الدین کی ماتحتی میں ہو گا۔ دیکھ چچ میں ملتان کے راجا بجھرا کے بیٹے اجے سین کا سامنا کروں گا۔ سیہول پر عین الدین حملہ

آور ہو گا۔ جبکہ تم اپنے حصے کے لشکر کو محفوظ دستوں کی حیثیت سے ایک طرف رکھنا اور جس سمت بھی تم کمزوری کے آثار دیکھو اس سمت تم حملہ آور ہو جانا اگر تم دیکھو کہ مجھ پر دشمن کا دباؤ زیادہ پڑ رہا ہے تو میری مدد کو پہنچنا اور اگر یہ اندازہ لگاؤ کہ عین الدین پر دشمن اپنا زور بڑھا رہا ہے تو عین الدین کا ساتھ دیتے ہوئے دشمن پر ضرب لگانا اس طرح مجھے امید ہے کہ راجہ بجھرا کے بیٹے اجے سین کو بھی مار بھگائیں گے۔

عبداللہ جب خاموش ہوا تب راجہ چچ نے اطمینان اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے جواب دیا۔

عبداللہ میرے بھائی میرے عزیز میں تیری اس تجویز سے پورا پورا اتفاق کرتا ہوں لشکر کو تمہاری خواہش کے مطابق تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا اور ہم دشمن پر اس طرح ضرب لگائیں گے جس طرح تم نے کہا ہے۔ راجہ کے حکم پر لشکر کو فوراً تین برابر حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ عبداللہ اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ ملتان کے راجا بجھرا کے بیٹے اجے سین کے سامنے صف آراء ہوا تھا جبکہ ان دونوں لشکریوں کے درمیان راجہ چچ اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ اپنی صفیں درست کر چکا تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے سیہول اور اجے سین نے بھی اپنے لشکر کی صفیں درست کیں اور ان کے لشکریوں میں جنگ کے طبل اور دفیں بجنا شروع ہو چکی تھیں۔ بڑی تیز آوازوں میں سینگ بھی بج رہے تھے۔ اس طرح سیہول اور اجے سین دونوں اپنے لشکریوں کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔ اس کے بعد جنگ کی ابتداء ہوئی جنگ کی ابتداء ملتان کے راجا بجھرا کے بیٹے اجے سین نے کی تھی۔

ملتان کے راجا بجھرا کا بیٹا اجے سین اپنے لشکر کے حصے کے ساتھ عناد بھری شب اذیت و ظلم کی ڈستی ہواؤں اور فراق و الم کے طوفانوں کی طرح عبداللہ اور اس کے لشکر پر حملہ آور ہو گیا تھا۔ عبداللہ نے بڑی مہارت اور بڑی جرات، مندی کا اظہار کرتے ہوئے اجے سین کے اس حملے کو روکا تھا۔ تھوڑی دیر تک دونوں میں بڑی گھمسان کی جنگ ہوتی رہی اس جنگ سے یہ چیز واضح ہوئی تھی کہ اجے سین جارحیت پر تھا۔ جبکہ عبداللہ نے اپنے آپ کو دفاع تک محدود رکھا تھا۔

پھر آہستہ آہستہ اجے سین کے مقابلے میں عبداللہ جبر و تمرد کے خار، آنکھوں

میں اتر جانے والے کانٹے اور رگوں میں گھل جانے والے زہر کی صورت اختیار کرتا چلا گیا تھا۔ یہاں تک کہ دفاع اس نے چھوڑا' جارحیت پر وہ اترا پھر وہ اجے سین اور اس کے لشکر پر دست و در لہو لہو کر دینے والے دلاور قضا' خون کی لالہ کاری کرنے والے اضطراب اور بے تابی کی یلغار کرنے والے وحشی ہواؤں کے رقص دما دم کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔ اب عبداللہ کے ان حملوں کے سامنے اجے سین انتہائی بے تابی اور بے چینی کا اظہار کر رہا تھا اور اس کے لئے عبداللہ کے ان حملوں کو روکنا انتہائی مشکل اور دشوار ہو رہا تھا۔ یہ صورتحال دیکھتے ہوئے سکہ کا حکمران اور اجے سین کا چچا زاد بھائی سیہول اپنے لشکر کے ساتھ حرکت میں آیا اور اس نے چتاؤں کے دھوئیں' موت کے دکھ کی چادر اور شب کی سیاہ سفاکی کی طرح عین الدین کے لشکر پر حملہ کر دیا تھا۔

عبداللہ کی طرح عین الدین نے بھی تھوڑی دیر تک سیہول کے سامنے اپنے آپ کو دفاع تک محدود رکھا شاید وہ بھی عبداللہ کی طرح سیہول کی پوری طاقت اور قوت کا اندازہ لگانا چاہتا تھا جب وہ ایسا کر چکا پھر اس نے گرداب یورش اور تلاطم و طغیانی کے بھنور کی طرح اپنے لشکر کو دفاع سے جارحیت پر اتارا۔ سیہول اور اس کے لشکریوں پر لامحدود کرب' بے جہت اذیت اور لہو میں زنگ اتار دینے والے جذبوں کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

عبداللہ اور عین الدین کے ان حملوں نے راجہ چچ میں بھی ایک نیا حوصلہ اور جذبہ پیدا کر دیا تھا۔ لہٰذا اس نے بھی اس موقع پر ایک بہت بڑا قدم اٹھایا۔ اپنے لشکر کے ساتھ وہ آگے بڑھا اسے دو حصوں میں تقسیم کیا۔ پھر وہ اجے سین اور سیہول کے لشکریوں کے درمیانی خلاء میں گھسا ایک حصے کو اس نے اجے سین کے لشکر کے پہلو پر اور دوسرے حصے کو سیہول کے لشکر کے پہلو پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا تھا۔ یہ حکم ملتے ہی راجہ چچ کے لشکر کے وہ دونوں حصے رگوں کو چوس لینے والے دکھ کے عفریت اور سلگتے دھاروں کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑے تھے۔ اب سارے لشکریوں کے آپس میں ٹکرانے کی وجہ سے میدان جنگ خون کے بہتے جھرنے' فرقت کی تیرہ شبی اور زخمی اور مجروح آوازوں کی شوریدہ طوفانوں کی صورت اختیار کر گیا تھا۔

سکہ کا حکمران سیہول اور ملتان کے راجہ بجھرا کا بیٹا اجے سین زیادہ دیر تک عبداللہ' عین الدین اور راجہ چچ کے حملوں کو برداشت نہ کر سکے۔ کچھ دیر بعد اجے سین اور سیہول دونوں نے ایک دوسرے کی طرف پیغام بھجواتے ہوئے پوری طاقت اور قوت سے حملے کئے لیکن جب ان حملوں میں بھی انہیں ناکامی ہوئی اور ان کے ان گنت ساتھی مارے گئے تب وہ بڑے فکر مند ہوئے۔ ابھی وہ اسی سوچ و بچار میں تھے کہ کونسا اگلا قدم اٹھائیں کہ ان دونوں لشکریوں کے اندر شکست کے آثار ظاہر ہونے لگے اور ساتھ ہی ان کے بعض نامور ساتھی مارے گئے تھے۔

اس صورت حال میں سیہول اور اجے سین دونوں نے صلاح مشورہ کیا۔ اس کے بعد دونوں اپنے لشکر کو پسپا کرتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے۔ سکہ کے بجائے دونوں نے ملتان کا رخ کیا اور شہر میں گھس کر وہ محصور ہو گئے تھے۔

راجہ چچ نے عبداللہ اور عین الدین کے ساتھ میدان جنگ میں سیہول اور اجے سین کے پڑاؤ کی ہر چیز کو سمیٹا پھر وہ سکہ کی طرف بڑھے۔ سکہ پر اس زور دار طریقے سے وہ حملہ آور ہوئے کہ پہلے ہی حملے میں وہ سکہ میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ سکہ میں اس وقت پانچ ہزار کا ایک لشکر تھا جو شہر اور قلعے کی حفاظت پر مامور تھا۔ راجہ چچ نے عبداللہ اور عین الدین کے ساتھ مل کر لمحوں کے اندر اس لشکر کا قتل عام کیا اور تمام شہر کو لوٹ کر وہاں سے گرفتار شدہ لوگوں کو اپنا غلام بنا لیا۔

یہ ساری کارروائی کرنے کے بعد راجہ چچ نے عبداللہ اور عین الدین کو اپنے پاس بلایا۔ جب وہ دونوں راجہ چچ کے سامنے گئے تو راجہ چچ تھوڑی دیر تک بڑی شفقت سے عبداللہ اور عین الدین کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر عبداللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ عبداللہ میرے بھائی تم تو میرے ساتھ رہو گے۔ میرے مشیر میرے دکھ سکھ کے ساتھی کی حیثیت سے۔ جہاں تک عین الدین کا تعلق ہے تو فی الحال میں اسے سکہ کا حاکم بناتا ہوں یہاں سے بڑھ کر جب میں ملتان پر حملہ آور ہوں گا تو ملتان کو فتح کرنے کے بعد عین الدین ملتان اور سکہ دونوں کا حکمران ہو گا لیکن جب تک جنگیں جاری ہیں اس وقت تک عین الدین ہمارے لشکر میں شامل رہے گا اور ملتان اور سکہ میں کسی اور کو حاکم مقرر کر دے گا۔ جب ہماری یہ جاری شدہ جنگیں اپنے اختتام کو

پہنچیں گی تب عین الدین ملتان اور سکہ کے حاکم کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریاں سنبھال لے گا بولو تم دونوں کو اس پر کوئی اعتراض ہے۔ اس پر عین الدین سے پہلے ہی عبداللہ بول پڑا اور کہنے گا چچ میرے بھائی تم نے یہ بہترین قدم اٹھایا ہے۔ عین الدین نے ہمارے ساتھ مل کر بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ سکہ اور ملتان کا گورنر اسے بنایا جانا اس کے کاموں اور اس کی کارکردگی کے لئے بہترین انعام ہے۔ عین الدین نے بھی اس عہدے کو قبول کر لیا۔ چند یوم تک راجہ چچ نے سکہ میں قیام کر کے وہاں کے انتظامی حالات درست کئے پھر سکہ سے نکل کر اپنے لشکر کے ساتھ اس نے ملتان کا رخ کیا تھا۔

ملتان کے راجہ بجھرا کو جب خبر ہوئی کہ چچ اپنے لشکر کے ساتھ سکہ سے نکل کر ملتان کی طرف بڑھا ہے۔ چچ کی آمد سے پہلے ہی اس نے بہت بڑا لشکر تیار کیا۔ اس لشکر میں اس نے جنگی ہاتھیوں کو بھی رکھا۔ لشکر کو اس نے تین حصوں میں تقسیم کیا ایک حصہ اپنے پاس رکھا دوسرا اپنے بیٹے اجے سین کی سرکردگی میں جبکہ تیسرا حصہ اس نے اپنے بھتیجے اور سکہ کے سابق حکمران سیہول کی کمانداری میں دے دیا تھا۔ یہ ساری تیاریاں کرنے کے بعد ملتان کا راجا بجھرا ملتان سے نکلا تاکہ راجہ چچ کا مقابلہ کیا جا سکے۔

ملتان شہر سے باہر کھلے میدانوں میں ملتان کے راجہ بجھرا اور راجہ چچ کے لشکر ایک دوسرے پر خوابوں کو کرچیوں' خواہشوں کو ریزہ ریزہ کرتے بگولوں' زندگی کو ادھیڑتے عناد' زہر آگیں' سلگتے لمحوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔ دونوں طرف کے لشکری اپنے مد مقابلوں کو بری طرح کاٹنے لگے تھے۔ میدان جنگ میں' تعصب کی منڈی' ظلمت کی لحد' موت کی تاریکیوں اور مرگ کے لہولہان شور کی صورت اختیار کر گیا تھا۔

بڑے بڑے جنگجو بڑے بڑے سورما میدان میں زندگی کی قید سے نجات پانے لگے تھے۔ ان گنت لاشیں گھوڑوں کی ٹاپوں تلے روندی جاتی رہیں آگ و خون میں نہائی موت رقص کرتی رہی سقف آسمان انجہانی چیخوں سے گونج اٹھا تھا' جبکہ دھرتی کا سینہ انسان کے خون سے سرخ سرخ ہو کے رہ گیا تھا۔

کافی دیر کی جنگ کے بعد ملتان کے راجہ بجھرا نے اندازہ لگایا کہ اس کے لشکر کا کافی حصہ تہہ تیغ کر دیا گیا ہے۔ ملتان کے راجہ نے یہ حماقت کی کہ اس نے لشکر کو یکجا رکھا جبکہ عبداللہ کے کہنے پر راجہ چچ نے پہلے کی طرح لشکر کو تین اطراف میں پھیلا دیا تھا۔ اس طرح راجہ چچ کا لشکر راجہ بجھرا کے لشکر پر سامنے کے علاوہ دائیں بائیں پر بھی ضربیں لگا رہا تھا۔ ملتان کے راجا بجھرا نے جب دیکھا کہ اس کے لشکر کا کافی بڑا حصہ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے تب اس نے فوراً" اپنے لشکر کو پسپائی کا حکم دیا اور راجہ کا یہ حکم سنتے ہی بجھرا کا لشکر مڑا اور شہر میں محصور ہو گیا۔ اس طرح ملتان کا راجہ بجھرا ملتان شہر میں محصور ہو کر راجہ چچ کے سامنے اپنی مدافعت کرنے لگا تھا۔

ملتان شہر سے باہر راجہ چچ کے ہاتھوں شکست کھانے اور ملتان میں محصور ہونے کے بعد ملتان کے راجہ بجھرا نے تیز رفتار قاصد کشمیر کے راجا کی طرف روانہ کئے اور اس سے راجہ چچ کے خلاف مدد طلب کی۔ ملتان کے راجہ بجھرا نے کشمیر کے راجہ کو کہلا بھیجا کہ ایک برہمن جس کا نام چچ ہے وہ اروڑ کا راجہ ہو گیا ہے وہ ایک لشکر جرار کے ساتھ میرے ملک پر حملہ آور ہوا ہے۔ اطراف و نواح کے مضبوط قلعے فتح کر لئے ہیں اور کوئی راجہ بھی اس کے مقابل آنے کی جرات نہیں کرتا۔ اس وقت وہ ملتان پر حملہ آور ہے اور ملتان کا اس نے محاصرہ کر رکھا ہے لہٰذا ضرورت کے اس موقع پر میری مدد کی جائے اور راجہ چچ کا مقابلہ کرنے کے لئے میرے لئے اعانتی فوج روانہ کی جائے۔

اتفاق سے جب راجہ بجھرا کا قاصد اس کا یہ پیغام لے کر کشمیر پہنچا اس وقت کشمیر کے راجا کا انتقال ہو چکا تھا اور اس کا نابالغ لڑکا تخت نشین ہوا تھا۔ کشمیر کے وزراء اور امراء نے باہمی مشورہ کر کے جواب دیا کہ کشمیر کے راجا کا انتقال ہو چکا ہے اس کا نابالغ لڑکا ابھی تخت نشین ہوا ہے جو بالکل نا تجربہ کار ہے اس انقلاب کی وجہ سے خود ہمارے ملک میں آثار بغاوت پائے جاتے ہیں ایسے وقت میں ہم کسی امداد سے معذور ہیں۔

جب قاصد اہل کشمیر کا یہ پیغام لے کر واپس ملتان آیا تو بجھرا بہت ناامید ہوا اور اس نے حالات سے مجبور ہو کر راجہ چچ سے صلح کی درخواست کی اور کہلا بھیجا کہ

اسے اس کی اجازت دی جائے کہ وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ جہاں چاہے چلا جائے۔ اس طرح وہ بغیر کسی جنگ کے شہر چچ کے حوالے کر دے گا۔ چچ نے بجھرا کی اس پیش کش کو منظور کر لیا اور بجھرا اپنے اہل و عیال کے ساتھ قلعہ ملتان سے نکل کر کشمیر کی پہاڑیوں کی طرف چلا گیا۔ یوں چچ قلعے میں داخل ہوا اور ملتان پر راجہ چچ کا قبضہ ہو گیا تھا۔

راجہ چچ نے چند یوم تک ملتان شہر میں قیام کیا۔ شہر کا نظم و نسق اس نے درست کیا شہر سے اس نے اپنے لشکر کے لئے خوراک اور سامان جنگ بھی حاصل کیا۔ عین الدین کو اپنے ساتھ رکھنے کے لئے راجہ چچ نے ملتان کا حاکم ایک ٹھاکر کو مقرر کیا ملتان شہر سے کوچ کرنے سے پہلے راجہ چچ ملتان کے مندر میں گیا اور وہاں جو بت رکھا تھا ملتان کی فتح کی خوشی میں وہ اس بت کے سامنے سجدہ ریز ہوا اور شکر بجا لایا اور صدقہ ادا کیا اس کے بعد وہ اپنے لشکر کے ساتھ ملتان سے نکلا اور پنجاب سے ہوتا ہوا وہ کشمیر کی سرحد پر پہنچا۔ راستے میں جتنے بھی حاکم پڑتے تھے سب نے راجہ چچ کی فرمانبرداری اختیار کر لی تھی۔ یہاں تک کہ راجہ چچ پیش قدمی کرتا اور فتح کے پرچم اڑاتا ہوا پنجاب اور کشمیر کی سرحد پر کنبہ کے مقام پر جا پہنچا۔

کنبہ میں راجہ چچ نے اپنے لشکر کے ساتھ ایک ماہ تک قیام کیا اور امن و امان قائم رکھنے کے لئے اس نے کشمیر اور پنجاب کی سرحد پر ایک چشمے کے کنارے دو پودے صنوبر کے لگائے اور وہاں اتنے دن قیام کیا کہ دونوں پودے بڑے ہو کر ایک دوسرے سے مل گئے۔ اس مقام کو راجہ چچ نے اپنے اور کشمیر کے درمیان سرحد قرار دیا۔ پھر اپنے لشکر کے ساتھ وہ کشمیر کی سرحد سے اپنے مرکزی شہر اروڑ کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

اروڑ پہنچ کر راجہ چچ نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ لگاتار ایک سال تک اروڑ میں قیام کرے گا تاکہ اس کے لشکری اپنے اہل خانہ کے ساتھ رہ لیں اور آرام کر لیں اس کے بعد وہ چاہتا تھا کہ باقی بچنے والے ان علاقوں پر حملہ آور ہو جو کبھی اروڑ کی سلطنت میں شامل تھے۔

اروڑ میں دو ماہ تک قیام کرنے کے بعد ایک روز عبداللہ، عین الدین، پرمل دیوی

اور سورائی چاروں عبداللہ کی قیام گاہ میں بیٹھے باہم گفتگو کر رہے تھے کہ دوران گفتگو پرمل دیوی نے عبداللہ کو مخاطب کر کے کہا عبداللہ میرے محترم دریائے ستلج کے کنارے جس وقت لشکر نے قیام کیا ہوا تھا اور بھاٹیہ کے راجہ کی رانی آپ پر حملہ آور ہوئی تھی تو اس حملے کے بعد میں نے آپ سے کہا تھا کہ عنقریب میں آپ کو ایک خوشخبری سناؤں گی اب وہ وقت آگیا ہے کہ میں آپ سے وہ خوشخبری کہوں اس پر عبداللہ نے گہری مسکراہٹ میں کہا اگر یہ بات ہے تو کہو وہ کیسی خوشخبری ہے۔ پرمل دیوی نے تھوڑی دیر تک پیار بھرے انداز میں عبداللہ کی طرف دیکھا پھر بڑی میٹھی اور شہد رس گھولتی آواز میں کہنے لگی۔

عبداللہ میرے محترم میں نے اور میرے ساتھ سورائی نے بھی اسلام قبول کر لیا ہے۔ اس قبول اسلام میں میرے بھائی عین الدین اور لشکر کے اندر شامل دوسرے مسلمان بھائیوں نے میری اور سورائی کی بڑی مدد کی۔ انہوں نے ہمیں اسلام کے ارکان سے آگاہ کیا اور عبادت کے طریقے بھی عملی طور پر ہمیں سمجھائے۔ جس کے لئے میں اپنے بھائی عین الدین اور دوسرے مسلمان بھائیوں کی انتہا درجہ کی شکر گزار ہوں۔ اب میں ہندو نہیں بلکہ مسلمان لڑکی ہوں اور یہی کیفیت میری بہن سورائی کی بھی ہے۔ عبداللہ جھٹ بولا اور کہنے لگا۔

دیکھ پرمل دیوی جس وقت دریائے ستلج کے کنارے لشکر نے پڑاؤ کر رکھا تھا اور بھاٹیہ کے راجہ کی رانی مجھ پر حملہ آور ہوئی تھی اس کے بعد میں نے بھی تم سے کہا تھا کہ میں بھی تمہیں ایک خوشخبری سناؤں گا کیا تمہیں یاد ہے؟

جواب میں پرمل دیوی کہنے لگی ہاں مجھے یاد ہے آپ بھی سنائیں کیا خوشخبری سناتے ہیں۔ عبداللہ تھوڑی دیر تک بڑی میٹھی میٹھی نگاہوں سے پرمل دیوی کی طرف دیکھتا رہا پھر کہنے لگا دیکھ پرمل دیوی جو خوشخبری میں تم سے کہنا چاہتا ہوں وہ میری اور تیری ذات سے تعلق رکھتی ہے لیکن میں نے عہد کر رکھا ہے کہ وہ خوشخبری میں تم سے اس وقت کہوں گا جب میں اپنے اور تمہارے چاروں دشمنوں کا خاتمہ کر لوں گا۔ ان چاروں میں سے ایک یعنی بال چند کا تو خاتمہ ہو چکا ہے باقی دو یعنی رام سمراج اور لکھدریا رہتے ہیں۔ ان تینوں کا خاتمہ کرنے کے بعد پرمل دیوی میں تمہیں وہ خوشخبری

سناؤں گا۔ یہاں تک کہنے کے بعد جب عبداللہ خاموش ہوا تو عین الدین بول پڑا۔

دیکھ عبداللہ میرے بھائی تم تو اپنی خوشخبری نہ جانے کب سناؤ گے میری اور سور
کی طرف سے بھی ایک خوشخبری سنو اس پر عبداللہ نے ایک تجسس میں عین الدین
طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ تم دونوں کی کیا خوشخبری ہے۔ جواب میں عین الدین
لگا۔ ہمارے حوالے سے اچھی خبر یہ ہے کہ سورائی نے اسلام قبول کر لیا ہے اور
اس سے شادی کر چکا ہوں اب یہ میری بیوی ہے اس پر شکوؤں سے بھرپور انداز
عین الدین کی طرف دیکھتے ہوئے عبداللہ نے پوچھا۔

عین الدین تم نے اپنی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ کر لیا اور مجھے خبر تک نہیں ہو
سورائی نے اسلام قبول کر لیا اور تم نے اسے اپنی بیوی بنا لیا اور مجھے بتایا تک نہیں
عین الدین مسکراتے ہوئے کہنے لگا دیکھ عبداللہ میں تمہیں تجسس میں رکھ کر
مناسب موقع پر اچھی خبر سنانا چاہتا تھا۔ دیکھ میری شادی پیچ کی موجودگی میں لشکر
اندر شامل مسلمانوں میں انجام پائی تھی۔ پیچ کو بھی میں نے کہا تھا کہ میری شادی کا
عبداللہ سے نہ کرنا اس وقت جب کہ میری بہن پرمل دیوی نے تم سے اپنے مسلم
ہونے کی خوشخبری سنائی ہے تو میں چاہتا تھا تمہاری خوشیوں کو دوچند کر دوں سورائی
مسلمان ہو چکی ہے اور اب یہ میری بیوی ہے۔

عین الدین خاموش رہ کر کچھ دیر سوچتا رہا پھر عبداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے
لگا۔

دیکھ عبداللہ میں جانتا ہوں تو کونسی اچھی خبر پرمل دیوی سے کہنا چاہتا ہے۔ ا
اچھی خبر کے لئے یہ جو تو نے شرط لگائی ہے میں اسے اچھا نہیں سمجھتا۔ دیکھ میر
بھائی زندگی کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ سانس آج آئے کل نہ آئے۔ پھر تم اس اچھی
کو دولہ رام، میگھراج اور سکھدریا سے انتقام لینے سے کیوں منسوب کرتے
تمہارے دل میں جو کچھ ہے وہ کہہ ڈالو۔ دیکھو اس خبر کے بعد بھی تم اپنے دشم
سے انتقام لے سکتے ہو۔ دیکھ میرے بھائی میں جانتا ہوں کہ تو پرمل دیوی سے کیا
چاہتا ہے پر یہ الفاظ میں تیری زبان سے سننا چاہتا ہوں اور میں یہ بھی پسند کروں گ
وہ بات تو ابھی یہیں میری سورائی اور پرمل دیوی کی موجودگی میں کہو۔ اس پر عبد

نے تھوڑی دیر تک احتجاجی انداز میں عین الدین کی طرف دیکھا تھوڑی دیر سر جھکائے رکھا پھر کہنے لگا۔

دیکھ پرمل دیوی پہلے میرا ارادہ تھا کہ وہ خبر میں تجھے دولہ رام میگھراج اور لکھدریا کے قتل کے بعد سناؤں گا لیکن عین الدین نے میرے ارادوں کو متزلزل کر دیا ہے لہٰذا وہ خبر میں ابھی اور اسی وقت تم سے کہتا ہوں اور وہ خبر یہ ہے کہ پرمل دیوی کہ میں تم سے شادی کرنے کا عہد کر چکا ہوں کہو کیا تم بھی میری زندگی کا ساتھی بننے کے لئے تیار ہو۔ پرمل گہری مسکراہٹ میں عبداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

عبداللہ میرے محترم میں تو آپ کو اس وقت سے پسند کرنے لگی تھی جس وقت آپ نے مجھے اور سورائی کو برہمن آباد کے زندان سے نکالا تھا۔ اور پھر راجہ پیچ اور حالات دونوں نے ہی مجھے آپ کے حوالے کر دیا تھا۔ میں اور آپ صرف ظاہری طور پر میاں بیوی کا کردار ادا کرتے رہے ہیں اور اگر آپ مجھے حقیقی معنوں میں اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کا عہد کر چکے ہیں تو میرے محترم میں آپ کا ساتھی بننے کے بعد اپنے آپ کو دنیا کی سب سے زیادہ خوش قسمت اور بخت آور لڑکی تصور کروں گی۔ پرمل دیوی کا یہ جواب سن کر عبداللہ کے لبوں پر مسکراہٹ پھیلی تھی۔ پھر اس نے عین الدین کو مخاطب کر کے کہا۔

عین الدین میرے بھائی پرمل دیوی کے جواب نے میرا دل خوش کر دیا ہے کیا تو ابھی اور اسی وقت میری اور پرمل دیوی کی شادی کا اہتمام کر سکتا ہے اس پر عین الدین اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا ابھی اور اسی وقت دیکھو میں کیسے اہتمام کرتا کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی سورائی کو بھی عین الدین نے اپنے ساتھ آنے کو کہا سورائی بھی اس کے ساتھ باہر نکل گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد عین الدین سورائی واپس آئے۔ راجہ پیچ بھی ان کے ساتھ تھا اور لشکر کے کچھ دیگر سپہ سالار بھی پیچ کے ہمراہ تھے۔ راجہ پیچ کی موجودگی میں عبداللہ اور پرمل دیوی کو رشتہ ازدواج میں منسلک کر دیا گیا تھا۔

عبداللہ اور پرمل دیوی کے نکاح کے بعد راجہ پیچ اور دیگر لوگ کچھ دیر تک وہاں

بیٹھے رہے اس کے بعد اٹھ کر چلے گئے۔ اب عبداللہ اور پرمل دیوی کے پاس
عین الدین اور سورائی رہ گئے تھے۔ تھوڑی دیر تک وہ اکٹھے بیٹھ کر باتیں کرتے
پھر سورج جب غروب ہونے کے قریب پہنچ گیا تھا کہ اچانک دروازے پر کسی
دستک دی۔ اس موقع پر عین الدین اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور دروازے کی
جاتے ہوئے کہنے لگا میں دیکھوں تو دستک کس نے دی ہے۔ جب عین الدین
دروازہ کھولا تو دروازے پر سوندے رائے کھڑا تھا۔ عین الدین کی طرف دیکھتے ہو
سوندے رائے نے پوچھا شاید آپ مجھے پہچان چکے ہوں گے میں امیر عبداللہ سے
چاہتا ہوں۔ عین الدین نے پورا دروازہ کھولا سوندے رائے کو لیکر عبداللہ کے
گیا۔ سوندے رائے نے عبداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ امیر عبداللہ مجھے
ہے کہ آپ مجھے پہچان چکے ہوں گے۔ عبداللہ اپنی جگہ سے اٹھا سوندے رائے کو
لگا کر ملا پھر کہنے لگا تم سوندے رائے ہو اور میرے خیال میں یقیناً" کوئی اچھا
دے کر تمہیں میرے بزرگ دولت رائے نے میری طرف روانہ کیا ہو گا۔ سوند
رائے عبداللہ کے کہنے پر نشست پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔

امیر عبداللہ آپ کا کہنا درست ہے۔ دولت رائے نے واقعی مجھے ایک اچھی
آپ تک پہنچانے کے لئے روانہ کیا ہے اور وہ اچھی خبر یہ ہے کہ آپ کے باقی
والے تین دشمنوں میں سے دو اس وقت آپ کی گرفت میں ہیں۔ اس پر عبداللہ
چونک کر سوندے رائے سے پوچھا۔ کون کون سے میرے گرفت میں ہیں اور
ہیں؟ سوندے رائے کہنے لگا آپ کا ایک دشمن تو موت کے گھاٹ اتارا جا چکا
جس کا نام بال چند تھا۔ باقی تین بچتے ہیں دولہ رام' میگھراج اور لکھدریا۔ ان
میں سے میگھراج اور لکھدریا ان دنوں اروڑ شہر میں اپنے ایک جاننے والے کے
ٹھہرے ہوئے ہیں۔ میرے خیال میں کل صبح تک وہ یہاں سے کوچ کر جائیں گے
آپ ان سے انتقام لینا چاہتے ہیں تو آج رات کی تاریکی میں ان کے خلاف کچھ کر
ورنہ کل جب وہ روانہ ہوں گے تو مشکل ہو جائے گا اس لئے کہ ان کے ساتھ
مسلح آدمی ہیں۔ عین الدین کہنے لگا۔

دیکھ سوندے رائے اگر ان کے ساتھ ہزاروں کی تعداد میں مسلح ساتھی ہوں

بھی ان سے نمٹنا اب ہمارے لئے مشکل نہیں اگر ان کے ساتھیوں کی تعداد زیادہ
ہوئی تو ہم لشکر کا ایک حصہ لیکر بھی ان پر حملہ آور ہو سکتے ہیں لیکن ہم ایسا نہیں
چاہیں گے۔

امیر عبداللہ آپ کی اس سلسلے میں کیا رائے ہے۔ سوندے رائے نے بڑے غور
سے عبداللہ کی طرف دیکھا اور پوچھا تھا۔ دیکھ سوندے رائے میں چاہتا ہوں کہ میں
اپنے ان دونوں دشمنوں اور ان کے ساتھیوں سے اروڑ شہر سے باہر نمٹوں میں نہیں
چاہتا کہ اروڑ شہر میں جو ان کے عزیز و اقارب ہیں انہیں ان کی وجہ سے نقصان
پہنچے۔ عبداللہ نے بڑے دھیمے اور سنجیدہ لہجے میں سوندے رائے کی گفتگو کا جواب دیا
تھا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی طاری رہی اس کے بعد عبداللہ نے پھر اپنا سلسلہ کلام
جاری رکھا۔

سن سوندے رائے میں ابھی اپنے بھائی عین الدین اور دیگر ساتھیوں کے ساتھ
اروڑ سے برہمن آباد جانے والی شاہراہ کے کنارے گھات میں بیٹھ جاؤں گا۔ کل صبح
جب لکھدریا اور میگھراج دونوں اپنے مسلح ساتھیوں کے ساتھ اروڑ سے برہمن آباد
جائیں گے تو میں ان کی راہ روک کھڑا ہوں گا اور ان دونوں سے خوب انتقام لوں گا۔
عبداللہ کی اس گفتگو کے جواب میں تھوڑی دیر تک خاموشی رہی اس کے بعد
عین الدین بول پڑا۔

عبداللہ میرے بھائی میں تمہاری اس تجویز سے اتفاق نہیں کرتا دیکھ ابھی تھوڑی
دیر پہلے تمہاری پرمل دیوی سے شادی ہوئی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنی شادی کی یہ
پہلی رات تم دونوں اکٹھے اور باہم رہو لکھدریا اور میگھراج اپنے ساتھیوں کے ساتھ
کل اندھیرے منہ ہی اروڑ سے برہمن آباد روانہ نہیں ہو جائیں گے ہم رات شاہراہ
کے کنارے گھات میں بھی نہیں بیٹھیں گے۔ کل صبح ہی صبح اپنے کچھ مسلح جوانوں
کے ساتھ شاہراہ کے کنارے گھات میں بیٹھیں گے اور لکھدریا اور میگھراج کی راہ
روک کھڑے ہوں گے۔ سوندے رائے اور سورائی نے بھی اس تجویز سے اتفاق کیا۔
عبداللہ نے کچھ سوچا پھر اس نے عین الدین کی تجویز کو تسلیم کر لیا تھا۔ اس کے بعد
عین الدین اور سورائی اپنی قیام گاہ کی طرف چلے گئے تھے۔ سوندے رائے کو بھی اپنے

ساتھ لے گئے تھے تاکہ عبداللہ اور پرمل دیوی شادی کے بعد باہم کھل کر گفتگو کر سکیں۔

○

اگلے روز جب سورج طلوع ہوا اور اس کی روشنی دور دور تک پھیل گئی ہر شے دھوپ سے بغلگیر ہو گئی تب میگھراج اور لکھدریا اپنے ساتھیوں کے ساتھ اروڑ شہر سے نکلے تھے۔ شاید انہوں نے برہمن آباد جانے کا عزم کیا تھا۔ اروڑ شہر سے چند میل بعد جب ایک کوہستانی سلسلے کے اندر آئے تو اچانک لکھدریا اور اور میگھراج دونوں نے اپنے اپنے گھوڑوں کی باگیں کھینچتے ہوئے انہیں روک دیا تھا۔ ان دونوں کے پیچھے پیچھے ان کے مسلح ساتھی بھی اپنے گھوڑوں کو روک کھڑے ہوئے تھے۔ اس لئے کہ شاہراہ پر عبداللہ عین الدین اور ان دونوں کے ساتھ پرمل دیوی اور سورائی اپنے ہاتھوں میں ڈھالیں اور ننگی تلواریں لئے ان کی راہ روکے کھڑے تھے۔ پرمل دیوی اور سورائی دونوں نے اپنے چہروں کو ڈھانپ رکھا تھا تاکہ لکھدریا اور میگھراج انہیں پہچان نہ سکیں۔

اس صورتحال میں لکھدریا نے اپنے ساتھیوں کو ہاتھ کے اشارے سے وہیں کھڑا رہنے کو کہا پھر وہ اپنے ساتھی میگھراج کے ساتھ گھوڑے کو ایڑ لگا کر آگے بڑھا۔ عبداللہ اور عین الدین کے قریب گیا۔ پھر میگھراج نے کھولتے ہوئے لہجے میں پوچھا تھا۔ تم کون ہو اور کیوں ہماری راہ روک کھڑے ہوئے ہو تم مجھے احمق لگتے ہو تم تعداد میں صرف چار ہو اہم دونوں کے ساتھ دیکھو مسلح جوانوں کی اچھی خاصی تعداد ہے پھر بھی تم نے ہمارے ساتھ دشمنی کا اظہار کیا اور ہماری راہ روکی کہو تم کون ہو ہمارے ساتھ تمہاری کیا دشمنی ہے اور کیوں تم نے ہماری راہ روکی ہے۔

ہم کون ہیں اور تمہاری راہ کیوں روکی ہے اس کا جواب صرف اتنا ہی کافی ہے کہ میں سہتی نام کی لڑکی کے ان عزیزوں میں سے ہوں جو راجکماری پرمل دیوی کے حوالے سے تمہارے ہاتھوں موت کا شکار ہو گئی تھی۔ عبداللہ نے قہر بھرے انداز میں یہ الفاظ ادا کئے تھے۔

عبداللہ شاید ابھی مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ میگھراج نے فوراً اس کی بات کاٹ دی۔

سن اگر تو سہتی کے عزیزوں میں سے ہے تو تیرا تعلق یقیناً سمہ قبیلے سے ہو گا جانتا ہے کہ سمہ اور ان کے دوسرے سندھ کے قدیم قبیلے ہمارے ساتھ پوری طرح غلامانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں ان حالات میں تم نے کیسے ہماری راہ روکنے کی جرات اور جسارت کی۔

دیکھ عبداللہ میں حیران ہوں کہ تم نے اپنے خونی تقاضے اور خونی طلب پوری کرنے کے لئے ہماری راہ روکنے کی جرات کر لی۔ تو دیکھ عبداللہ تیرا نام عجیب ہے تیرے نام سے مجھے یوں ظاہر ہوتا ہے جیسے تو اسلام قبول کر چکا ہے اور مسلمان ہو اس لئے کہ تیرے نام جیسے بہت سے جوان راجہ چچ کے لشکر میں شامل ہیں۔ دیکھ ابھی وقت ہے اپنے ساتھیوں کو لیکر ایک طرف ہٹ جا ہماری راہ چھوڑ دے ورنہ یاد رکھنا میں تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے بدنوں کو اکھیڑ کر تنہائی کی نوک پر کھڑا کر دوں گا۔ تمہارے لب پتھر جذبے اپاہج بنا کے رکھ دوں گا اور تم اپنے آپ کو وقت کی سلاخوں کے ایسے پنجرے میں بند محسوس کرو گے جس سے رہائی ممکن نہیں ہو گی۔

عبداللہ میگھراج کی اس گفتگو کا جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ میگھراج پھر بول پڑا۔

سنو ہماری راہ روکنے والو اب بھی وقت ہے اپنے انتقام اپنے خونی جذبے سے باز رہو ورنہ یاد رکھو میں اور میرے ساتھی تم چاروں کی حالت بادلوں میں مرجانے والی بارش کی سی بنا کے رکھیں گے اور تم چاروں کو موت کے شور میں لہولہان کریں گے اور زندگی کی قید سے نجات دلا دیں گے۔ ہم لوگ آندھیوں کے شناسا' طوفانوں کے محرم اور صحرائے وقت کے سیلاب کی طرح ہیں۔ جو بھی ہم سے ٹکرانے کی کوشش کرتا ہے میں تم چاروں کو یقین دلاؤں کہ اسے ہم وقت کے پر فریب سیل کی طرح اپنے سامنے بہا لے جاتے ہیں۔ لہٰذا تمہاری بھی بہتری اسی میں ہے کہ ہماری راہ چھوڑ دو یہاں سے دفع ہو جاؤ ورنہ پچھتاؤ گے۔

میگھراج جب خاموش ہوا تب عبداللہ بڑے زہریلے انداز میں جواب میں بول پڑا۔

دیکھ میگھراج جو کچھ تو نے کہا ہے میرے سامنے یہ بکواس اور بیہودہ پن کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔ جو تو نے الفاظ ادا کئے ہیں ایسے الفاظ تو نے ادا کر کے اپنی بزدلی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تو ہم سے ٹکرائے گا تو پاش پاش ہو

کے رہ جائے گا۔

یہ تو وقت بتائے گا کہ پاش پاش تم ہوتے ہو یا ہم میکراج نے انتہائی زہریلا لہ
اختیار کیا تھا۔ سن عبداللہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ میں اکیلا ہی تم چاروں کے لئے کافی ہوں
تم چاروں میں سے کسی کی جرات اور ہمت ہے تو اکیلا مجھ سے مقابلہ کرے۔ اور اپنی گر
میرے ہاتھوں کٹوائے۔ اس پر عبداللہ نے جھٹ جواب میں کہا دیکھ میکراج میں تمہیں
مقابلے کی دعوت دیتا ہوں۔ اگر تو ہمت اور جرات رکھتا ہے تو اپنے گھوڑے کو بڑھا
اور میرے ساتھیوں کے درمیان تو مجھ سے ٹکرا پھر دیکھ برا انجام ان دیولاؤں میں کس
ہوتا ہے۔ میکراج نے آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً اپنی تلوار بے نیام کی ڈھال سنبھالی اور
گھوڑے کو ایکیفت کر دینے والی اس نے ایڑ لگا دی تھی۔ دوسری طرف عبداللہ بھی اپ
گھوڑے کو ایڑ لگا کر آگے بڑھا چکا تھا۔

دونوں جب ایک دوسرے کے قریب آئے تب میکراج نے عبداللہ پر حملہ آو
ہونے میں پہل کی تھی۔ وہ عبداللہ پر زمین پر رینگتی رات' خود سر زہریلے سانپ اور جرم
جہل کے طوفان کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔ اپنے تیز حملوں میں میکراج نے زیست کے ریگ
رواں کی صورت اختیار کر لی تھی اور وہ اس قدر تیزی کے ساتھ عبداللہ پر اپنی تلوار
وار کرنے لگا تھا جیسے رات کے تالاب میں کرب کی ژالہ باری شروع ہو گئی ہو۔

دوسری طرف عبداللہ بھی بڑا محتاط اور مستعد تھا گو پہلے حملہ کر کے میکراج نے ایک
طرح سے فوقیت حاصل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس کوشش میں عبداللہ نے اسے
کامیاب نہیں ہونے دیا تھا۔ عبداللہ بڑے دھیمے بڑے ٹھنڈے انداز میں میکراج کے
حملوں کے سامنے دفاع کرتا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ عبداللہ ذرے سے دشت' قطرے سے
موج سے بھنور اور شرر سے آتش فشاں کی صورت اختیار کرنے لگا۔ اس کے بعد اس
دفاع کا لبادہ اتار پھینکا جارحیت پر وہ اترا پھر اس نے میکراج پر سرد صدیوں میں دہکتے
دوزخ' اور ہواؤں کے طمانچوں کی طرح میکراج پر حملہ آور ہوتے ہوئے اس پر زہر
آگیں سایوں اور آندھیوں کے سندیسوں کی طرح چھانا شروع کر دیا تھا۔

تھوڑی دیر تک دونوں جم کر ایک دوسرے پر خطرناک وار کرتے رہے یہاں تک کہ
میکراج میں تھکاوٹ کے آثار نمودار ہونا شروع ہو گئے۔ پھر آہستہ آہستہ میکراج کی

حالت بنجر ارمانوں آمادہ زوال سیل وقت جیسی ہونا شروع ہو گئی تھی۔ عبداللہ نے میکراج کی اس کیفیت اور بدلتی حالت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ اس نے اپنے حملوں میں مزید تیزی پیدا کر دی تھی۔ جس کی وجہ سے میکراج بدحال ہو کے رہ گیا تھا اور اس کے دفاع کرنے کی رفتار بھی سست ہو کے رہ گئی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مناسب موقع جانتے ہوئے عبداللہ نے عجیب سے انداز میں اس پر تلوار برسائی جو اس کا شانہ چیرتی چلی گئی۔ فضاؤں میں میکراج کی ایک دل ہلا دینے والی چیخ بلند ہوئی پھر وہ اپنے گھوڑے سے گر کر دم توڑ گیا تھا۔

میکراج کے خاتمے کے بعد عبداللہ نے اپنی خون ٹپکاتی ہوئی تلوار فضا میں بلند کی پھر لکھدریا کو مخاطب کر کے اس نے کہنا شروع کیا۔

دیکھ لکھدریا تھوڑی دیر پہلے تیرا یہ ساتھی جس کا نام میکراج تھا۔ بڑا چڑھ کر باتیں کرتا تھا۔ چیلنج دیتی نگاہوں سے میری طرف دیکھتا تھا اور ایسے الفاظ استعمال کرتا تھا جیسے دنیا میں اس کے علاوہ کوئی اور جنگجو اور سورما پیدا ہی نہ ہوا ہو دیکھ لکھدریا میکراج کا میں نے خاتمہ کر دیا ہے۔ اب تیری باری ہے اگر تو ہمت اور جرات رکھتا ہے تو آگے بڑھ اور میرے ساتھ ٹکرا اور دیکھ برا انجام کس کا ہوتا ہے۔

سن لکھدریا تم اور تمہارے ساتھیوں میکراج دولہ رام' بال چند نے مل کر نہ صرف ستی کو بتوں پر قربان کر دیا بلکہ پرمل دیوی کے علاوہ ایک اور لڑکی جس کا نام سورائی ہے اسے راج مندر کے زندان میں بند کرانے کا اہتمام کیا دیکھ لکھدریا اس سے پہلے بال چند کا تو میں خاتمہ کر چکا ہوں اس کے ساتھ بھی تمہاری طرح محافظ تھے وہ بھی ہمارے ہاتھوں مارے گئے۔ میکراج بھی تیرے سامنے دم توڑ چکا ہے اب تیری باری ہے۔ تیرے بعد میں تیرے چوتھے ساتھی دولہ رام سے بھی خوب نپٹوں گا۔

عبداللہ دم لینے کے لئے تھوڑی دیر رکا پھر وہ اپنا سلسلہ کلام جاری رکھے ہوئے تھا۔

سن لکھدریا میں پہلے ہی تم پر انکشاف کر چکا ہوں کہ میرا نام عبداللہ ہے اور میرے ساتھ جو میرا دوسرا ساتھی ہے اس کا نام عین الدین ہے اور جو دوسرے ساتھی ہیں وہ راجکماری پرمل دیوی اور سورائی ہیں۔ وہی دونوں بے بس لڑکیاں جنہیں تم نے اور تمہارے تین ساتھیوں نے راج مندر کے زندان میں بند کرانے کا اہتمام کیا تھا۔ دیکھ

لکھدریا راجکماری پرمل دیوی اس وقت میری بیوی ہے اور سورائی میرے ساتھی عین الدین کی زندگی کی ساتھی ہے۔ لکھدریا تو جو چاہے کرے پر ان کو ہستانی دیولا خوں میں تو بچ کر نہیں جائے گا۔

عبداللہ کے اس انکشاف پر لکھدریا کی حالت عجیب سی ہو گئی اس کے چہرے پر پیلاہٹ بکھر گئی تھی۔ پھر اس نے مڑ کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور انہیں عبداللہ عین الدین' پرمل دیوی اور سورائی پر حملہ آور ہونے کا حکم دیدیا تھا۔ لکھدریا کا حکم ملتے ہی اس کے وہ ساتھی اپنی تلواریں سونتے ہوئے بڑی تیزی سے آگے بڑھے تھے۔

رکو اگر تم میں سے کسی نے مزید آگے بڑھنے کی کوشش کی تو اس کا بدن تیروں سے چھلنی کر دیا جائے گا۔ عبداللہ نے یہ الفاظ اپنی کڑکتی ہوئی آواز میں اپنی طرف بڑھنے والے لکھدریا کے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہے تھے۔ جب ان الفاظ کا کوئی اثر نہ ہوا تب عبداللہ پھر غضبناک آواز میں انہیں کہہ رہا تھا۔

سنو لکھدریا کے ساتھیوں مجھ پر اور میرے تینوں ساتھیوں پر حملہ آور ہونے سے پہلے اپنے دائیں بائیں نگاہیں دوڑا لو اب تم میں سے پھر کسی نے اپنے گھوڑے کو ہماری طرف بڑھانے کی کوشش کی تو یاد رکھنا وہ زمین پر پڑا لوٹ رہا ہو گا۔ لکھدریا اور اس کے ساتھیوں نے جب اپنے دائیں بائیں دیکھا تو عبداللہ نے جو اپنے ساتھی گھات میں بیٹھا رکھے تھے وہ اپنی گھات سے نکل کر کھڑے ہوئے ان سب کے ہاتھوں میں کمانیں تھیں۔ جن پر تیر چڑھے ہوئے تھے اور کمانیں انہوں نے کھینچ رکھی تھیں۔ یہ صورت حال دیکھتے ہوئے لکھدریا اور اس کے سارے ساتھی پریشان ہو گئے تھے۔ لکھدریا کے ساتھی جو بڑی تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے رک گئے۔ عبداللہ نے پھر انہیں مخاطب کیا۔ سب لکھدریا کے پیچھے جا کر کھڑے ہو جاؤ ورنہ میرا ایک اشارہ ملتے ہی میرے سارے ساتھی تم لوگوں کو چھلنی کر دیں گے۔

عبداللہ کی اس دھمکی کا خاطر خواہ اثر ہوا لکھدریا کے وہ ساتھی فوراً" حرکت میں آئے اور اپنے گھوڑوں کو انہوں نے موڑا اور لکھدریا کے پیچھے جا کر کھڑے ہو گئے تھے۔ لکھدریا بیچارہ اس موقع پر انتہائی بے بس تھا۔ اپنے واپس لوٹنے والے ساتھیوں کو وہ کچھ نہ کہہ سکا۔ عبداللہ نے پھر لکھدریا کے ساتھیوں کو مخاطب کیا۔

لکھدریا کے ساتھیوں میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ مزید پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو جاؤ ورنہ یاد رکھو میرا ایک اشارہ ملتے ہی تم پر تیروں کی بارش کر دی جائے گی۔ لکھدریا کے ساتھی فوراً" حرکت میں آئے اور مزید پیچھے ہٹنا شروع ہو گئے تھے۔ اس موقع پر عبداللہ نے اپنے گھوڑے کو آگے بڑھایا عین الدین بھی اس کے ساتھ ہی اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا چکا تھا اس کے بعد عبداللہ لکھدریا پر حملہ آور ہوا اس موقع پر جب لکھدریا عبداللہ کے سامنے اس کے حملوں کا دفاع کرنے لگا تھا عین الدین کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر بلند آواز میں اس نے عبداللہ کو مخاطب کیا۔

عبداللہ میرے بھائی میرے عزیز سارے کام تم ہی تو نہ نمٹاؤ اپنے بھائی کو بھی کچھ کرنے کا موقع دو اس کے ساتھ ہی عین الدین نے اپنی تلوار بلند کی اور پشت کی طرف سے لکھدریا پر اس زور کا حملہ اس نے کیا کہ اس کی تلوار لکھدریا کو شانے سے نیچے تک کاٹتی چلی گئی تھی۔ لکھدریا اپنے گھوڑے سے گر کر دم توڑ گیا تھا۔ اس موقع پر عبداللہ کے چہرے پر خوشگوار مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر اس نے لکھدریا کے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

سنو میگھراج اور لکھدریا کے ساتھیو ہمارا تم سے کوئی معاملہ کوئی دشمنی اور عداوت نہیں ہے میں تم لوگوں کو اجازت دیتا ہوں کہ تم جہاں جانا چاہو جا سکتے ہو جانے سے پہلے یہ بتاتے جاؤ کہ لکھدریا اور میگھراج کا چوتھا اور آخری ساتھی دولہ رام ان دنوں کہاں ہے اس سوال پر ایک سوار بولا اور عبداللہ کو مخاطب کیا۔

دیکھ عبداللہ دولہ رام نے ان دنوں برہمن آباد شہر سے باہر نہر کے کنارے مندر میں شمنی راہب کے پاس قیام کر رکھا ہے عبداللہ اس سوار کے جواب میں خوش ہو گیا تھا۔ پھر اس نے ان سب کو جانے کی اجازت دے دی تھی۔ جس کے جواب میں وہ سب سوار برہمن آباد کی طرف جانے والی شاہراہ پر اپنے گھوڑوں کو دوڑاتے آگے بڑھ گئے تھے جبکہ عبداللہ' عین الدین' پرمل دیوی اور سورائی واپس اروڑ شہر کی طرف جا رہے تھے۔

اروڑ میں ایک سال تک قیام کرنے کے دوران راجہ چچ نے اپنی عسکری قوت میں خوب اضافہ کر لیا تھا۔ پھر ایک روز اس نے عبداللہ' عین الدین اور دیگر سالاروں کی موجودگی میں اپنے وزیر بدھیمن کو طلب کیا اور اس سے مشورہ کیا کہ اب اس سلطنت کو

پرانی حدود پر استوار کرنے کے لیے اب مجھے کیا مزید اقدام کرنے چاہیں۔ اس پر وزیر بد ہیمن نے کہا اب ہمیں مغرب اور جنوب کی طرف توجہ دینی چاہیے اس لیے کہ یہ علاقے جن میں بدھیہ' سیوستان اور برہمن آباد شامل ہیں یہ سب کبھی سندھ کی قدیم سلطنت میں شامل تھے لہٰذا بادشاہ کا فرض بنتا ہے کہ کھوئے جانے والے ان علاقوں کو پھر اپنی سلطنت میں شامل کرے۔ راجہ چچ نے اپنے وزیر کی اس تجویز پر عمل کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ جس وقت یہ گفتگو ہو رہی تھی اس وقت راجہ چچ کا ایک محافظ اندر آیا اور اسے بیٹی کی پیدائش کی اطلاع دی۔

رانی سونھن دیوی سے راجہ چچ کے پہلے ہی دو لڑکے تھے۔ ایک کا نام داہر اور اس سے چھوٹے کا نام دہرسینہ تھا۔ لڑکی کی پیدائش کی خبر سن کر راجہ چچ بے حد خوش ہوا۔ وہ مجلس اس نے برخاست کر دی اور اپنی نومولود بچی کو دیکھنے کیلئے چلا گیا۔

بچی کا نام مائین رکھا گیا اور اس کی پیدائش کے چند روز بعد راجہ چچ نے اپنی سلطنت کے بڑے بڑے منجموں' ستارہ شناسوں اور رمل کے ماہروں کو اپنے مرکزی شہر اروڑ میں طلب کیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ اس کے لیے اس کے بچوں کے زائچے بنائیں۔

راجہ چچ کے حکم پر ستارہ شناسوں اور منجموں نے حساب کر کے زائچے بنائے پھر راجہ چچ کو انہوں نے بتایا کہ راجہ کے دونوں لڑکے بادشاہ ہوں گے اور ایک عرصہ تک تمام سندھ ان کے قبضہ میں رہے گا۔ جہاں تک لڑکی کا تعلق ہے تو منجموں نے انکشاف کیا کہ وہ دارالسلطنت سے باہر نہیں جائے گی اور جو کوئی بھی اس کا شوہر ہو گا وہی تمام مملکت سندھ کا مالک ہو گا۔ جب نجومیوں نے راجہ چچ سے یہ پیش گوئی بیان کی تو اس نے حکم دیا کہ یہ پیشین گوئی راز میں رکھی جائے اور کسی پر بھی اس کا انکشاف نہ کیا جائے۔ (راجہ چچ کی موت کے بعد اس کا بھائی چندر سندھ کی سلطنت کا بادشاہ بنا تھا۔ چندر کی موت کے بعد سندھ کی سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی ایک حصے کا مرکزی شہر اروڑ تھا اور اس کا حکمران داہر بنا دوسرے حصے کا مرکزی شہر برہمن آباد تھا اور اس کا حکمران داہر کا چھوٹا بھائی دہرسینہ بنا۔ راجہ داہر کو اپنی بہن مائین سے متعلق نجومیوں کی یہ پیشین گوئی یاد تھی کہ جو کوئی بھی اس کا شوہر ہو گا وہی سندھ کی سلطنت کا مالک ہو گا۔ منجموں کی پیشین گوئی کو سامنے رکھتے ہوئے راجہ داہر کو یہ خدشہ اور ڈر ہوا کہ اگر مائین کی کہیں اور شادی کر دی گئی تو جس کے ساتھ شادی ہو گی وہی سلطنت کا مالک ہو گا۔ اسی بناء پر داہر نے خود اپنی بہن مائین سے شادی کر لی تھی)۔

اروڑ میں لگاتار ایک سال تک قیام اور آرام کرنے کے دوران راجہ چچ نے اپنی عسکری قوت میں بے پناہ اضافہ کر لیا تھا۔ اس نے جہاں اپنے لشکر کی تعداد کو خوب بڑھایا وہاں سامان جنگ اور رسد بھی اس نے خوب اکٹھا کیا تاکہ پھر جنگوں کا سلسلہ شروع ہو اور پہلے کی طرح وہ فتوحات حاصل کر کے اپنی سلطنت کو پہلے جیسی بنیادوں پر قائم کر کے رکھ دے۔ لشکر کو پورا ایک سال تک آرام کا موقع فراہم کرنے کے بعد راجہ چچ عبداللہ اور عین الدین کو لیکر پھر اپنے مرکزی شہر اروڑ سے لشکر لیکر نکلا۔ سب سے پہلے اس کا ارادہ تھا کہ وہ بدھیہ اور سیوستان کا رخ کرے گا اور ان شہروں پر قبضہ کرنے کی کوشش کرے گا۔

اپنے ان ہی ارادوں کے تحت راجہ چچ نے پہلے بدھیہ شہر کا رخ کیا۔ بدھیہ قدیم سندھ کا شمال مغربی صوبہ تھا اور یہ سیوستان یعنی موجودہ سہون کے متصل شمال میں واقع تھا۔ اور موجودہ پورے ضلع لاڑکانہ اور ضلع جیکب آباد کے مغربی حصے پر مشتمل تھا۔ بدھیہ نام کی اس ریاست کا مرکزی شہر اور دارالسلطنت کاکا راج تھا۔ موجودہ ضلع لاڑکانہ کی تحصیل کنڑ ہی کسی دور میں کاکا راج کے نام سے اس ریاست کا مرکزی شہر ہوا کرتی تھی۔

راجہ چچ نے اپنے لشکر کے ساتھ سندھ کے قدیم جاٹ قبیلے سمہ کے علاقے کے قریب سے دریائے سندھ کو عبور کیا اور بدھیہ کی طرف بڑھا تھا۔ بدھیہ کی طرف بڑھتے ہوئے راستے میں سب سے پہلا اور بڑا قلعہ سیولیس نام کا آتا تھا۔ اسی قلعے کے باہر ریاست بدھیہ کا حاکم سرکوندہ اپنے لشکر کے ساتھ راجہ چچ کی راہ روک کھڑا ہوا۔ ساتھ ہی بدھیہ کے حکمران سرکوندہ نے سیوستان کے حاکم سے بھی راجہ چچ کے خلاف مدد طلب کر لی تھی۔

راجہ چچ جب اپنے لشکر کے ساتھ سیولیس کے قلعے کے قریب بدھیہ کے راجہ سرکوندہ کے سامنے پہنچا تو اس نے اپنے لشکر کو خیمہ زن ہونے کا حکم دیا۔ لشکر کی ترتیب وہی رکھی گئی تھی جو ماضی میں رہتی تھی۔ وسطی حصے میں خود راجہ چچ رہا۔

دائیں جانب عبداللہ کو اس کے حصے کے لشکر کے ساتھ رکھا گیا تھا اور بائیں جانب والے حصے کی کمانداری حسب سابق عین الدین کے پاس تھی۔

دو دن تک دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے پڑاؤ کئے رہے اور جنگی تیاریوں میں مصروف رہے دراصل بدھیہ کا راجہ سرکونده خود جنگ میں تاخیر کر رہا تھا اس لیے کہ اس نے سیوستان کے حکمران کی طرف جو قاصد بھجوائے تھے اسے ان کا انتظار تھا۔ دو دن بعد اس کے قاصد سیوستان سے لوٹ آئے اور انہوں نے سرکونده کو یہ خبر دی کہ سیوستان کا حکمران اس کی مدد پر آمادہ ہے اور اس نے یہ کہلا بھیجا ہے کہ وہ عین جنگ کے دوران اچانک حملہ کرے گا اور راجہ چچ کی فتح کو شکست میں تبدیل کر دے گا۔

اس پیغام پر بدھیہ کا راجہ سرکونده مطمئن ہو گیا۔ لہٰذا دوسرے روز اس نے جنگ کی ابتداء کرنے کے لیے اپنے لشکر کی صفیں درست کرنا شروع کیں اور جنگ کے طبل اس نے بجا دیئے تھے۔

راجہ چچ نے بھی اپنے لشکر کی صفیں درست کرنے کا حکم دیا۔ چچ گو برہمن تھا۔ جنگ کا کوئی تجربہ نہیں رکھتا تھا۔ لیکن گزشتہ چند جنگوں میں کامیابی اور فتوحات حاصل کرنے کے بعد اب وہ ایک طرح سے برہمن سے کھشتری بن گیا تھا اور اس کے حوصلے اور جنگی ولولے بھی بلند ہو گئے تھے۔ لشکر کے تینوں حصوں کی جب صفیں درست ہو گئیں تب راجہ چچ، عبداللہ اور عین الدین اپنے اپنے حصے کے لشکروں کے آگے بدھیہ کے راجہ سرکونده کے حملہ آور ہونے کا انتظار کرنے لگے تھے۔

دراصل راجہ چچ، عبداللہ اور عین الدین چاہتے تھے کہ حملے کی ابتداء خود بدھیہ کا راجہ سرکونده کرے تاکہ اس کے حملہ آور ہونے کے بعد وہ سامنے اور دائیں بائیں سے اس کے لشکر پر ضربیں لگا کر اس کی شکست کو یقینی بنا سکیں۔ اس کے لیے ان تینوں کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا تھا۔ اس لیے کہ تھوڑی دیر تک سرکونده کے لشکر میں جنگ کے طبل بجتے رہے پھر سرکونده اپنے لشکر کے ساتھ دشت عقوبت کے لپکتے شعلوں کی طرح حرکت میں آیا اور راجہ چچ کے لشکر پر اس نے بارش انگاروں اور آگ بن کر جھلسا دینے والے پانی کی طرح حملہ کر دیا تھا۔

سرکونده کا یہ حملہ سارے کا سارا راجہ چچ کے حصے کے لشکر پر ہوا تھا۔ پر راجہ چچ نے کمال استقلال اور صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس حملے کو روکا۔ جوابی حملہ کرتے ہوئے راجہ چچ سرکونده کے لشکر پر لہراتی تاریکیوں میں زہریلی آوازوں کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

دوسری جانب اس وقت تک عبداللہ اور عین الدین بھی حرکت میں آ چکے تھے۔ عبداللہ دائیں جانب سے سرکونده کے لشکر پر سوزش و اضطراب کے ابال، شب کی آخری ساعتوں میں محرومیوں کی کروٹ لیتی داستانوں کی طرح نزول کر گیا تھا۔ جبکہ بائیں جانب سے عین الدین اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ ابدی آرزوؤں، غیر فانی جذبوں اور درد و کرب کے خونی باب کی طرح سرکونده کے لشکر کے دوسرے پہلو پر ضربیں لگانے لگا تھا۔

عین اس وقت جبکہ سرکونده کے لشکر میں شکست و ریخت اور پسپائی کے آثار بالکل واضح اور نمایاں ہو چکے تھے اور سرکونده کے لشکر کی حالت مکمل طور پر خوابوں کو مسمار کر دینے والی پت جھڑ کی رتوں بے وطن مسافروں اور بے کفن لاشوں کی سی ہوتی جا رہی تھی اور سرکونده پسپائی کے متعلق سوچ رہا تھا کہ عبداللہ پر پشت کی جانب سے سیوستان کے لشکر نے حملہ کر دیا تھا۔

یہ حملہ ایسا اچانک اور زور دار تھا کہ اس سے عبداللہ کے لشکر کے کافی لشکری کام آ گئے نیا حملہ آور ہونے والا سیوستان کا یہ لشکر عبداللہ کے لشکر میں خوب اندر تک گھستا چلا گیا۔ پھر سیوستانی لشکر کے سالار نے جب دیکھا کہ عبداللہ حملہ آور ہونے والے لشکر کا سالار ہے تو اس نے اس پر تیروں کی بارش کر دی تھی چند تیر عبداللہ کے جسم میں کھب گئے تھے اور عبداللہ اپنے گھوڑے سے گر گیا تھا۔ عبداللہ کا گھوڑے سے گرنا تھا کہ اس کا لشکر افراتفری کا شکار ہونے لگا تھا لیکن اس وقت تک راجہ چچ یہ سارا منظر دیکھ چکا تھا لہٰذا وہ فوراً اپنے لشکر کے ساتھ حرکت میں آیا سرکونده کے لشکر کے سامنے سے وہ ہٹ گیا اور اس سمت پر اس نے ضربیں لگانی شروع کر دی تھیں جس سمت تھوڑی دیر پہلے تک عبداللہ حملہ آور ہو رہا تھا ساتھ ہی ساتھ راجہ چچ نے اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا ایک حصے کو اس نے

سیوستان کے لشکر کو روکنے کا حکم دیا اور دوسرے حصے کے ساتھ اس نے عبداللہ کے منتشر ہونے والے لشکریوں کو اپنے ساتھ ملایا پھر وہ سرکونده کے لشکر پر حملہ آور ہوا اس طرح تھوڑی دیر کے لیے جو راجہ پچ کے لشکر میں افراتفری پھیلی تھی اس پر مکمل طور پر قابو پا لیا گیا تھا۔

سیوستان کے لشکر کو جب یہ پتہ چلا کہ راجہ پچ نے حالات پر قابو پا لیا ہے اور یہ کہ ان کی راہ روکنے کے لیے لشکر کا ایک حصہ علیحدہ کر دیا گیا ہے تو انہیں خطرہ ہوا کہ کہیں وہ سرکونده کے لشکر سے علیحدہ اور دور رہ کر حالات کی تلخی کا شکار نہ ہو جائیں لہٰذا سیوستان سے آنے والا لشکر لڑتے بھڑتے سرکونده کے لشکر کے ساتھ جا ملا تھا۔

راجہ پچ نے اپنے کچھ لشکریوں کو عبداللہ کے سنبھالنے پر مقرر کیا اور خود اس نے بڑے طوفانی انداز میں دشمن پر ضربیں لگانی شروع کر دی تھیں ساتھ ہی اس نے عین الدین کی طرف بھی پیغام بھجوایا کہ عبداللہ کے زخمی ہونے کا سن کر عین الدین آتش فشاں اور جوالہ مکھی کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ اس طرح جب راجہ پچ اور عین الدین دونوں کی سمت سے حملوں میں سختی پیدا ہوئی تو سرکونده اور سیوستانی دونوں لشکروں کو بدترین شکست ہوئی اور بدھیہ کا راجہ سرکونده اپنے اور سیوستانی لشکر کو لیکر سیولیس نام کے قلعے میں محصور ہو گیا تھا۔

راجہ پچ نے سب سے پہلا حکم جو دیا وہ یہ تھا کہ اپنے پڑاؤ کو اٹھا کر اس نے سیولیس شہر کے قریب کر لیا پر فاصلہ سیولین کے قلعے سے اتنا رکھا کہ سیولیس کی فصیل سے چلایا جانے والا تیر اس کے پڑاؤ میں نہ پہنچ سکے پرمل دیوی کو ابھی تک عبداللہ کے زخمی ہونے کی اطلاع نہیں دی گئی تھی جب خیمے نصب ہو چکے اور پرمل دیوی اپنے خیمے میں منتقل ہوئی تب زخمی اور بے ہوشی کی حالت میں عبداللہ کو اس کے خیمے میں لایا گیا۔ راجہ پچ عین الدین اور لشکر کے طبیب عبداللہ کے ہمراہ تھے جب عبداللہ کو زخمی حالت میں خیمے میں لایا گیا تو خیمے کے وسط میں بیٹھی ہوئی پرمل دیوی سرسوں کا پھول ہو کے رہ گئی تھی پر وہ تڑپ کر اپنی جگہ سے اٹھی بھاگ کر آگے بڑھی اس نے دیکھا عبداللہ لہولہان اور بے ہوش تھا اس نے کسی سے کچھ نہیں پوچھا بس اس نے اپنا سر پیٹنا اور رونا شروع کر دیا تھا۔

عبداللہ کو خیمے کے وسط میں ایک طرف بستر پر لٹا دیا گیا اس کے بعد راجہ پچ کے لشکر کے طبیب اس کے زخموں کی مرہم پٹی کرنے لگے تھے اس دوران تک پرمل دیوی بیچاری منہ سے تو کچھ نہ کہہ سکی نہ کسی سے کچھ پوچھ سکی بے چاری لگاتار سینہ کوبی کرتی رہی اپنے بال نوچتی رہی اور روتی رہی اس موقع پر سورائی بھی بھاگتی ہوئی خیمے میں آ گئی تھی سورائی صورتحال کو دیکھتے ہوئے پرمل دیوی کے قریب آ گئی اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا عین الدین بھی پرمل دیوی کے قریب آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

پرمل دیوی میری بہن سن فکر مندی کی کوئی بات نہیں ہے جس وقت عبداللہ اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ بدھیہ کے راجہ سرکونده کے لشکر کے پہلو کی طرف سے حملہ آور ہو رہا تھا اس کی پشت کی طرف سے سیوستان کے ایک لشکر نے اچانک حملہ کر دیا جس کی بنا پر اس کے لشکر کو نقصان اٹھانا پڑا سیوستانی لشکر کے سالار نے پشت کی جانب سے عبداللہ پر تیر برسائے جن میں سے کچھ عبداللہ کے جسم میں پیوست ہو گئے بہن فکر مندی کی کوئی بات نہیں ہے عبداللہ زخمی ہے اور بے ہوش ہے اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ تھوڑی دیر تک عبداللہ ہوش میں آ جائے گا اور چند روز تک بالکل پہلے کی طرح صحت مند ہو کر حسب سابق جنگوں میں حصہ لینے لگے گا۔

راجہ پچ بھی عبداللہ کے زخمی ہونے پر بڑا فکر مند اور پریشان تھا۔ جب تک طبیب اس کے زخموں کی مرہم پٹی کرتے رہے وہ برابر ان کے پاس بیٹھ کر عبداللہ کا جائزہ لیتا رہا کبھی کبھی وہ بے چارہ بڑی بے بسی اور لاچارگی میں پرمل دیوی کی طرف بھی دیکھ لیتا تھا جب وہ دیکھتا کہ عین الدین اسے ڈھارس اور تسلی دے رہا ہے تو وہ اپنی جگہ پر مطمئن ہو جاتا تھا یہاں تک کہ طبیبوں نے عبداللہ کے زخموں کی مرہم پٹی کر دی پھر بڑا طبیب راجہ پچ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

دیکھ راجہ زخم مہلک نہیں ہیں جو تیر عبداللہ کے لگے ہیں وہ زہر میں بجھے ہوئے بھی نہیں تھے۔ لہٰذا میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ عبداللہ چند روز تک ٹھیک

ہو جائے گا بے ہوشی طاری ہے وہ زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے ہے ہم نے سارے زخموں کی مرہم پٹی کر دی ہے اب روزانہ پٹیاں تبدیل ہوں گی فکر مندی کی کوئی بات نہیں ہے جہاں تک زخمی عبداللہ کی دیکھ بھال کا تعلق ہے تو اس کے لیے عبداللہ کی بیوی پرمل دیوی ہی کافی ہے طبیبوں کا یہ جواب سن کر جہاں راجہ چچ مطمئن ہو گیا تھا وہاں کسی قدر پرمل دیوی بھی پہلے کی نسبت سکون محسوس کرنے لگی تھی پھر وہ عبداللہ کے قریب آئی اس کے سر کے قریب بیٹھ گئی بڑے پیار سے اس نے عبداللہ کا سر اپنی گود میں رکھا اور آہستہ آہستہ اسے سہلانے لگی۔

اس موقع پر طبیب پھر بولا اور راجہ چچ کو اس نے مخاطب کیا۔

دیکھ راجہ زخموں کی مرہم پٹی کے علاوہ میں نے عبداللہ کو دوا بھی پلا دی ہے اور مجھے امید ہے کہ تھوڑی دیر تک عبداللہ ہوش میں آ جائے گا راجہ چچ جواب میں کہنے لگا جب تک عبداللہ ہوش یں نہیں آتا تب تک سب یہیں بیٹھے رہیں۔ راجہ چچ کے اس فیصلے پر طبیب عین الدین سورائی اور کچھ دیگر چھوٹے سالار سب عبداللہ کے خیمے میں بیٹھ گئے تھے۔

تھوڑی دیر بعد عبداللہ ہوش میں آیا اور آہستہ آہستہ اس نے آنکھیں کھولیں سب سے پہلے اس نے پرمل دیوی کی طرف دیکھا اس لیے کہ پرمل دیوی اس کا سر اپنی گود میں رکھے آہستہ آہستہ اس کا سر سہلا رہی تھی جب عبداللہ ہوش میں آیا اور اس نے آنکھیں کھولیں تو پرمل دیوی کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی عبداللہ نے دیکھا رو رو کر پرمل دیوی کے سرخ و سفید گالوں پر آنسوؤں کے دھارے جم گئے تھے اس کی آنکھیں سرخ تھیں بال بکھرے ہوئے تھے عبداللہ کچھ دیر تک بڑی معصومیت سے پرمل دیوی کو دیکھتا رہا پھر بڑی نرم اور مٹھاس بھری آواز میں کہنے لگا۔

دیکھ پرمل تو فکر مند کیوں ہوتی ہے میرے زخم اتنے گہرے نہیں یہ ٹھیک ہے میں بے ہوش ہو گیا تھا لیکن یہ تو نے اپنی حالت کیا بنا رکھی ہے تیرے آنسو تیرے گالوں پر جمے ہوئے ہیں۔ تیرے بال بکھرے ہیں اور تیرا لباس اور تو خود بھی پریشان حال ہے اس پر پرمل دیوی مسکراتے ہوئے کہنے لگی آپ ہوش میں آ گئے ہیں بس یوں جانیں میں اب ٹھیک ہوں پرمل دیوی کا یہ جواب سن کر خیمے میں بیٹھے ہوئے سب

لوگ مسکرا دیئے تھے اس موقع پر راجہ چچ نے عبداللہ کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

عبداللہ میرے بھائی اب تم کیسا محسوس کرتے ہو عبداللہ کہنے لگا چچ میرے زخم کوئی اتنے گہرے نہیں ہیں سیوستانی لشکر کا سالار اگر اچانک پشت کی جانب سے حملہ آور نہ ہوتا تو میں یقیناً" سرکندہ کے لشکر کے ایک پہلو کو پوری طرح کاٹ چکا ہوتا راجہ چچ کہنے لگا دیکھ عبداللہ میرے بھائی میرے عزیز تم کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں تم نے یقیناً" جنگ میں اپنا حق ادا کیا ہے میں تمہیں یہ خوشخبری سناؤں کہ بدھیہ کے راجہ سرکوندہ اور سیوستان کے متحدہ لشکر کو ہم نے بدترین شکست دی ہے اب یہ متحدہ لشکر سیویس کے قلعے میں محصور ہو چکا ہے اور ہم نے سیویس کا محاصرہ کر رکھا ہے دیکھ میرے بھائی تو ٹھیک ہو جائے پھر میں سیویس پر حملوں کی ابتدا کروں گا۔

راجہ چچ کے ان الفاظ سے عبداللہ خوش ہو گیا تھا اس کے چہرے پر مسکراہٹ بھی نمودار ہوئی تھی اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے پرمل دیوی بھی اطمینان اور سکون محسوس کرنے لگی تھی پھر راجہ چچ، طبیب، عین الدین سورائی اور دیگر لوگ عبداللہ کے خیمے سے نکل گئے پرمل دیوی خود عبداللہ کی دیکھ بھال کرنے لگی تھی۔

چند دن کی دیکھ بھال مرہم پٹی اور نگرانی سے عبداللہ بالکل صحت مند ہو چکا تھا عبداللہ کے صحت پانے پر راجہ چچ نے اپنے لشکر میں بہترین جشن کا اہتمام کیا اور اس جشن کے بعد اس نے سیویس کے قلعے پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا تھا۔ سیویس فتح کرنے کے لیے راجہ چچ نے قریبی جنگل سے جو سب سے بڑا درخت تھا وہ کٹوایا اس درخت کے بھاری بھر کم اور موٹے تنے کو ایک مضبوط چھکڑے کے اندر نصب کیا گیا اس چھکڑے کے آگے کئی خچریں جوتی گئیں پھر ان خچروں کو بھگا کر قلعے کے شرقی دروازے کے قریب لایا گیا اور چھکڑے کے اندر نصب شہتیر کی مدد سے خچروں کو بھگاتے ہوئے شہر کی فصیل کے دروازے پر ضربیں لگانی شروع کر دی گئی تھیں ساتھ ہی شہر میں داخل ہونے اور حملہ آور ہونے کے لیے پورا لشکر ہی شرقی دروازے کے سامنے تیار کھڑا تھا۔

اوپر سے راجہ سرکوندہ کے لشکریوں نے بہتیرے تیر برسائے پر چند ضربوں سے فصیل شہر کا وہ دروازہ ٹوٹ گیا اور دروازے کا ٹوٹنا تھا کہ سیلاب کے ایک ریلے کی ۔

طرح راجہ چچ اور اس کا لشکر سیویس کے قلعے میں داخل ہوئے شہر کے اندر ایک بار پھر گھمسان کا رن پڑا۔ اس جنگ میں بدھیہ کا راجہ سرکوندہ بھی کام آگیا اور اس کے سارے لشکر کو تہہ و تیغ کر دیا گیا اس طرح سیویس کے اس قلعے پر راجہ چچ کا قبضہ ہو گیا تھا۔ سیویس پر قبضہ ہونے کے بعد بدھیہ کی راجدھانی کاکا راج میں جو راجہ سرکوندہ کا بقیہ لشکر تھا انہوں نے راجہ چچ کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے یوں بدھیہ کی پوری ریاست پر راجہ چچ کا قبضہ ہو گیا تھا۔ چند روز تک ریاست بدھیہ کے حالات راجہ چچ درست کرتا رہا اس کے بعد اس نے دوسری ریاست سیوستان یعنی سیہون کا رخ کیا تھا۔

راجہ چچ جب اپنے لشکر کے ساتھ سیوستان کے قریب پہنچا تو سیوستان کے حکمران نے سیوستان سے باہر نکل کر ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ راجہ چچ کا مقابلہ کیا مگر تھوڑی دیر کی جنگ میں راجہ چچ کے سامنے سیوستان کے راجہ کو بدترین شکست ہوئی اور وہ اپنے قلعے میں محصور ہو گیا۔

راجہ چچ نے قلعے کا محاصرہ کر لیا جب محاصرہ ایک ہفتے تک جاری رہا تو سیوستان کے حکمران کو فکر مندی رہی کہ اگر محاصرہ اسی طرح جاری رہا تو اس کے پاس نہ صرف خوراک کے ذخائر ختم ہو جائیں گے بلکہ وہ سامان جنگ سے بھی محروم ہو جائے گا لہٰذا مجبور ہو کر اس نے راجہ چچ سے امان مانگی اور قلعہ کو چچ کے حوالے کر دینے کی پیش کش کی۔

راجہ چچ نے سیوستان کے حکمران کو امان دے دی اور اس پر مہربانی کرتے ہوئے اسی کو سیوستان کا اپنی طرف سے حاکم مقرر کر دیا لیکن بطور مشیر اور نگران ایک سالار بھی اس کے ساتھ مقرر کر دیا پھر کچھ دن تک ریاست سیوستان میں راجہ چچ نے اپنے لشکر کے ساتھ قیام کیا وہاں کے حالات درست کئے اس کے بعد اس نے برہمن آباد کا رخ کرنے کی ٹھان لی تھی۔

برہمن آباد کے راجہ آگھم کو بھی راجہ چچ کی اس پیش قدمی کا علم ہو چکا تھا آگھم نہ صرف برہمن آباد بلکہ پرگنہ لوہانہ کا بھی راجہ تھا لوہانہ سندھ کے قدیم جاٹ قبائل سمہ ستہ اور لاکھ کی سرزمین تھی۔ لوہانہ غالباً" موجودہ ضلع نواب شاہ ضلع سانگھڑ

ضلع شہداد پور اور سنجھورو کی تحصیلوں اور ضلع حیدر آباد کے حالہ تعلقہ پر مشتمل تھا۔ اس علاقے میں آج بھی سہتی لاکھ او لوہانیوں کے نام ان قوموں کی قدیم بستیوں کی یادگار ہیں شہداد پور کے نشیب میں دریا کی ایک پرانی شاخ اس وقت لوہانہ کہلاتی ہے اس لیے کہ یہ شاخ لوہانہ پرگنہ کے خاص علاقوں سے گزرتی تھی۔

اپنے لشکر کے ساتھ راجہ چچ برہمن آباد کی فصیل سے ذرا فاصلے پر خیمہ زن ہوا اور برہمن آباد اور لوہانہ کے راجہ آگھم کو پیغام بھجوایا کہ وہ اس کی اطاعت قبول کرے اسی میں اس کی بہتری اور بھلائی ہے اس کے بعد راجہ چچ اور برہمن آباد کے راجہ آگھم میں قاصدوں کے ذریعے پیغام رسانی کا سلسلہ شروع ہو گیا جس سے یہ ظاہر ہونے لگا کہ دونوں راجاؤں کے درمیان جنگ نہیں ہو گی بلکہ صلح ہو جائے گی جن دنوں صلح کی یہ گفت و شنید جاری تھی ان ہی دنوں راجہ چچ کے کچھ سپاہیوں نے برہمن آباد کے راجا آگھم کے ایک قاصد کو پکڑا اس قاصد کے پاس ایک خط نکلا جو برہمن آباد کے راجا آگھم کی طرف سے سیوستان کے حکمران کے نام تھا اس خط میں راجہ آگھم نے لکھا تھا۔

میں ہمیشہ تمہارے ساتھ مخلصانہ طریقے پر پیش آیا ہوں اور کبھی تمہارا مخالف نہیں رہا میں تمہارے خط کی جو تم نے مجھے لکھا ہے رسید بھیج رہا ہوں اس خط میں تم نے لکھا ہے کہ جب تک ہم متحد رہیں گے کوئی دشمن ہم پر غالب نہیں آ سکتا تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تم میں اور ہم میں مکمل اتحاد ہے۔

راجہ چچ کے ہاتھوں تمہارے علاقے فتح ہونے کے بعد تم جن تکلیفوں کا تذکرہ کیا ہے اس قسم کی تکلیفیں راجاؤں پر آتی ہی رہتی ہیں تمہیں اجازت ہے کہ تم برہمن آباد سے دیبل تک جہاں بھی تم مناسب سمجھو اپنا ٹھکانہ بنا سکتے ہو اگر تمہارا کہیں اور جانے کا ارادہ ہے تب بھی تمہیں کوئی روک نہیں سکتا۔ جب تم کسی جگہ پہنچ کر مطمئن ہو جاؤ تو میں تمہیں مالی اور فوجی ہر طرح کی مدد دوں گا میرے پاس اتنے گھوڑے اور فوج مہیا ہو سکتی ہے کہ میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں پھر ایسا کرنے کے بعد ہم لوگ متحد ہو کر راجہ چچ پر حملہ آور ہو سکتے ہیں اور اس سے اپنی گزشتہ پسپائیوں کا انتقام لے سکتے ہیں۔

راجہ آتھم کی طرف سے سیوستان کے حکمران کی طرف یہ خط پکڑے جانے کے بعد جہاں ایک طرف راجہ چچ آتھم کی طرف سے محتاط ہو گیا تھا وہاں دوسری طرف سیوستان کے حکمران کو بھی خبر ہو گئی تھی کہ آتھم کا خط جو اسے ملنا تھا وہ راجہ چچ کے پاس پہنچ گیا ہے لہٰذا وہ سیوستان سے نکلا اور جیسلمیر میں بھٹی قوم کے راجا کی طرف چلا گیا تھا۔

برہمن آباد کے راجہ آتھم کا وہ خط پڑھنے کے بعد چند روز تک پریشانی کی حالت میں راجہ چچ عبداللہ اور عین الدین سے صلاح و مشورہ کرتا رہا اس کے بعد اس نے اپنے قاصد کے ذریعے ایک خط برہمن آباد کے راجہ آتھم کی طرف بھجوایا اس خط میں لکھا تھا۔

تم اپنے آپ کو اس زمانے کا سب سے بڑا راجہ سمجھتے ہو اور تمہیں اپنی اس موروثی سلطنت پر بڑا ناز ہے اگرچہ میں نے حکومت اور سلطنت ورا ثتاً حاصل نہیں کی اور یہ دولت اور طاقت میرے آباؤ اجداد کا متروکہ بھی نہیں۔

لیکن میری اس موجودہ شوکت اور حشمت کے باعث بھگوان کی ذات ہے یہ تمام اسباب حکومت میں نے زور بازو سے حاصل نہیں کئے بلکہ بھگوان جس کی وہ نذیر و مثال نہیں جو تمام دنیا کا خالق ہے اسی نے یہ سب چیزیں مجھے عطا کی ہیں۔

وہی میرے ہر کام اور ارادے میں حامی اور مددگار ہیں بہرحال میں اسی سے مدد چاہتا ہوں اور کسی دوسرے سے معاونت اور مدد کی امید نہیں رکھتا کیونکہ تمام مشکلات اور لڑائیوں میں اسی نے مجھے فتح اور نصرت بخشی ہے اور اسی کی ذات سے مجھے ساری نعمتیں میسر ہیں۔

دیکھ آتھم اگر تمہارا خیال ہے کہ تمہاری یہ شان و شکوہ تمہاری اپنی بہادری اور طاقت کا نتیجہ ہے تو یقیناً تمہارا زوال قریب ہے میں نے تمہارے ساتھ صلح کی گفت و شنید شروع کر رکھی تھی لیکن اسی دوران تم نے ایک ایسا خط سیوستان کے حکمران کے نام لکھا جس نے یقینی طور پر مجھے تمہارے متعلق مشکوک بنا کے رکھ دیا ہے دیکھ آتھم اب بھی دیر نہیں ہوئی اگر تو نیک نیتی کے ساتھ میرا فرمانبردار اور مطیع بن کر رہنا قبول کر لے تو میں جنگ نہیں کروں گا بلکہ امن اور سلامتی کے ساتھ

تیرے شہر برہمن آباد میں داخل ہوں گا۔

راجہ آتھم نے راجہ چچ کی صلح کی اس پیش کش کو مکمل طور پر ٹھکرا دیا تھا اپنی جنگی تیاریوں کو اس نے اپنے عروج پر پہنچا دیا تھا پھر ایک روز وہ اپنے لشکر کے ساتھ برہمن آباد سے نکلا اور راجہ چچ کے لشکر کے سامنے اس نے پڑاؤ کر لیا تھا۔

دو دن تک دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے پڑاؤ کئے رہے پھر تیسرے روز برہمن آباد کے راجا آتھم کے لشکر میں جنگ کے طبل دفیں اور دوسرے ساز بلند آوازوں میں بجنے لگے تھے جو اس بات کی غمازی اور نشاندہی کر رہے تھے کہ برہمن آباد کا راجا آتھم اب جنگ کی ابتدا کرنے والا ہے اس صورتحال میں راجہ چچ عبداللہ اور عین الدین نے بھی اپنے لشکر کی صفیں درست کرنی شروع کر دی تھیں۔

جس وقت لشکر کی صفیں درست کی جا رہی تھیں راجہ چچ اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا عین الدین کے پاس آیا عین الدین کو اس نے ساتھ لیا پھر وہ دونوں گھوڑوں کو بھگاتے ہوئے عبداللہ کے پاس آن رکے پھر چچ نے عبداللہ کو مخاطب کیا۔

عبداللہ میرے بھائی میرے عزیز ذرا اپنے سامنے برہمن آباد کے راجہ آتھم کے لشکر کو دیکھو میرا اندازہ ہے کہ آتھم کا لشکر اگر تعداد میں ہم سے چار گنا نہیں تو تین گنا ضرور بڑا ہے میرے بھائی بتا اس سلسلے میں تیرا کیا خیال ہے کہ دشمن کا مقابلہ ہمیں کیسے اور کس طرح کرنا چاہیے جواب میں عبداللہ نے کچھ سوچا پھر وہ کہنے لگا۔

دیکھ چچ میرے بھائی اس میں کوئی شک نہیں کہ برہمن آباد کے راجا آتھم کا لشکر ہم سے تین چار گنا بڑا ہے لیکن اس کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمیں اپنی جنگی تدبیر کو بدلنا ہو گا دیکھ چچ میرے بھائی اس سے پہلے ہم اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کرتے رہے ہیں سامنے کی طرف سے تم دشمن کے حملوں کو روکتے رہے ہو جبکہ دائیں بائیں سے دشمن کے پہلوؤں پر میں اور عین الدین ضربیں لگا کر دشمن کے مقدرات میں شکرات اور نامرادیاں رقم کرتے رہے ہیں لیکن یہاں مقابلہ کسی قدر مختلف ہے۔

چچ میرے بھائی اس سے قبل جتنی بھی لڑائیاں ہم نے لڑیں ان میں ہمارے اور دشمن کے لشکریوں کی تعداد کا یہ تناسب نہیں تھا جو یہاں برہمن آباد کے سامنے ہے

یہاں دشمن کی تعداد ہم سے چار گنا کے لگ بھگ زیادہ ہے لشکر تین ہی حصوں میں تقسیم رہے لیکن جس وقت جنگ کی ابتدا ہو اس وقت ہمارا شکر بالکل یکجان اور متحد رہے اس لیے کہ اگر ہم نے جنگ کے شروع میں ہی اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر کے مختلف محاذ کولے تو دشمن بھی اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کرے گا اس طرح اسے فوقیت حاصل ہو گی اس لیے کہ ہماری طاقت اس کے مقابلے میں چونکہ تھوڑی ہے جب اس طاقت کو مزید ہم تین حصوں میں تقسیم کریں گے تو دشمن کا دباؤ ہم پر بڑھ جائے گا اپنے لشکر کو وہ تین حصوں میں تقسیم کر کے ہمارے لشکر کے ہر حصے کو اپنے سامنے دبوچ لینے میں کامیاب ہو جائے گا۔

لہٰذا میرا مشورہ یہ ہے کہ جنگ کے شروع میں ہمارا پورا لشکر متحد رہ کر پہلے راجہ آگھم کے حملے کو روکے پھر دشمن کی طاقت اور قوت کو آہستہ آہستہ تھکاوٹ سے ہمکنار کرتے ہوئے ہمیں اپنا وہی پرانا طریقہ اختیار کرنا چاہیے یعنی سامنے کی طرف سے تم دشمن پر حملے کرتے رہو اور دونوں پہلوؤں سے میں اور عین الدین ضربیں لگا کر دشمن کی شکست کو یقینی بنا دیں۔ لہٰذا میرا یہ مشورہ ہے کہ جنگ کے شروع میں اپنے لشکر کو بالکل یکجان اور متحدہ رکھا جائے۔

راجہ چچ نے عبداللہ کی اس تجویز سے اتفاق کیا پھر متحدہ رہ کر دشمن کے حملے کی روک تھام کرنے کے لیے چچ اور عین الدین اپنے اپنے حصے کے لشکر کے سامنے جا کھڑے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر تک دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے صفیں باندھے کھڑے رہے برہمن آباد کے راجا آگھم کے لشکر میں لگاتار دفیں جنگ کے طبل اور موسیقی کے دوسرے آلات بج رہے تھے شاید راجہ آگھم اس انتظار میں تھا کہ راجہ چچ آگے بڑھ کر اس پر حملہ آور ہو جب راجہ چچ نے حملے کی ابتدا نہ کی تب راجہ آگھم سفلی خواہشات اور بدی کی تحریک کی طرح اپنے لشکر کو حرکت میں لایا اس کے بعد راجہ چچ کے لشکر پر اس نے اعضاء جوارح کو مدقوق کر دینے والی وبا اور زیست کو دھواں دھواں دھول دھول کرتی شب کی طرح حملہ کر دیا تھا۔

راجہ چچ عبداللہ اور عین الدین راجہ آگھم کے اس حملے کو جمود کا عہد اور بحران کا دور سمجھ کر بڑی ہمت مردانہ اور جرات رندانہ کے ساتھ روک تھام کرتے

ہوئے اپنے دفاع تک محدود رہے راجہ آگھم کے حملہ آور ہونے پر میدان جنگ حسرتوں اور نوحوں کے نقوش اور المیوں کے خوفناک مراحل کی صورت اختیار کر گیا تھا پھر جوں جوں جنگ طویل ہوتی گئی اور راجہ آگھم کے لشکریوں میں یہ مایوسی پھیلنے لگی کہ تعداد میں زیادہ ہونے کے باوجود وہ راجہ چچ کے لشکر کو پسپا نہیں کر سکے تب عبداللہ اور عین الدین کی طرف سے نئے حملوں کی ابتداء شروع ہوئی۔

عبداللہ اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ دائیں جانب سے راجہ آگھم کے لشکر کے پہلو کی طرف بڑھا پہلو پر اس نے گرجتے بادلوں کے حشر اور آشوب محشر کی طرح حملہ کر دیا تھا جبکہ اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ عین الدین آگھم کے لشکر کے دوسرے پہلو پر محرومیوں کی جلن اور آگ کی لپٹوں کے گورکھ دھندے کی طرح نازل ہونا شروع ہو گیا تھا۔

برہمن آباد شہر سے باہر راجہ چچ اور آگھم کے درمیان کافی دیر تک ہولناک جنگ ہوتی رہی آخر کار اس جنگ میں برہمن آباد کے راجہ آگھم کو بدترین شکست ہوئی وہ اپنے لشکر کے ساتھ پسپا ہوا اور اپنے لشکر کے ساتھ برہمن آباد میں محصور ہو گیا تھا۔ اپنے لشکر کا آدھا حصہ اس نے فصیل پر چڑھا دیا تاکہ دشمن فصیل پر چڑھ کر شہر میں داخل نہ ہو سکے جبکہ لشکر کے دوسرے آدھے حصے کے ساتھ راجہ آگھم اپنے شہر کی حفاظت کرنے لگا تھا۔

شکست کھانے کے بعد برہمن آباد کا راجہ آگھم جب برہمن آباد شہر میں داخل ہوا تو سب سے پہلے اس نے جو کام کیا وہ یہ کہ اس نے اپنے کچھ قاصد فوج کے راجا راسل کی طرف بھجوائے اور اس سے راجا چچ کے خلاف مدد طلب کی۔

دوسرا کام جو اس نے کیا وہ کہ اس نے برہمن آباد شہر سے باہر نہر جلوالی کے کنارے بدھنوہارے مندر سے بدھ مت کے راہب شمنی کو طلب کیا۔

شمنی راہب بدھ مت کا پیرو کار تھا۔ وہ اپنی بھگتی اور مجاوری کی وجہ سے مشہور تھا۔ اس علاقے کے لوگ اس کے معتقد اور اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ برہمن آباد کا راجہ بھی شمنی کے پیرو کاروں میں سے ایک تھا برہمن آباد سے شمنی راہب کے مندر بدھنوہار تک ایک خفیہ راستہ تھا جو مندر اور برہمن آباد شہر کے

راج محل کو ملاتا تھا۔

جب قاصد بھجوا کر آگھم نے شمنی راہب کو طلب کیا تب شمنی راہب اسی خفیہ راستے سے اپنے عقیدت مند دولہ رام کے ساتھ آگھم کی خدمت میں حاضر ہوا یہ وہی دولہ رام تھا جس کی عبداللہ کو تلاش تھی جس وقت شمنی راہب اور اس کا مرید دولہ رام دونوں راجہ آگھم کے پاس آئے تو راجہ آگھم نے اپنی جگہ سے اٹھ کر شمنی راہب کا بہترین استقبال کیا پھر شمنی راہب اور دولہ رام دونوں کو اس نے اپنے بیٹے سربند کے سامنے بٹھایا تھوڑی دیر تک خاموشی رہی اس دوران راجہ آگھم اپنے بیٹے سربند سے صلاح و مشورہ کرتا رہا اس کے بعد اس نے شمنی راہب کو مخاطب کیا۔

بزرگ راہب میں جانتا ہوں آپ بے پناہ قوتوں کے مالک ہیں بدھ مت کے قدیم علوم کے آپ استاد مانے جاتے ہیں اور ان علاقوں کے سب لوگ آپ کو عزت اور تکریم کی نگاہ سے دیکھتے ہیں میں نے آپ کو یہاں آنے کی تکلیف اس لیے دی ہے کہ آپ جانتے ہیں کہ راجہ چچ کے مقابلے میں مجھے شکست ہوئی ہے اور میں اپنے لشکر کے ساتھ محصور ہو گیا ہوں اب آپ مجھے بتائیں مجھے کیا کرنا چاہیے۔ اس پر شمنی راہب کچھ دیر تک سر جھکا کر کچھ سوچتا رہا پھر کہنے لگا۔

دیکھ راجہ آگھم تو ایک کھشتری ہے میں برہمن ہوں برہمن جنگ کا کوئی تجربہ نہیں رکھتے اس کے باوجود میں تمہیں مشورہ دوں گا کہ کبھی بھی راجہ چچ کے سامنے ہتھیار مت ڈالنا ورنہ وہ تمہیں ذلیل اور رسوا کر کے رکھ دے گا تم اپنے شہر برہمن آباد میں محصور ہو اپنی قوت میں اضافہ کرتے رہو اور محصور رہ کر تم راجہ چچ کا مقابلہ کرتے رہو برہمن آباد شہر اور میرے مندر کے درمیان خفیہ راستہ ہے لہٰذا میں مندر کے راستے بوقت ضرورت تمہارے لئے خوراک اور جنگ کا سامان بھی فراہم کر سکتا ہوں لیکن میں دوبارہ تمہیں کہوں گا کہ صلح کی گفتگو مت کرنا اور نہ راجہ چچ کے سامنے ہتھیار ڈالنا جنگ جاری رکھو اپنے حوصلوں کو بلند رکھو مجھے امید ہے کہ اگر تم ایسا کرتے ہو تو انجام کار راجہ چچ کے مقابلے میں فتح اور کامیابی بھی تمہیں ہی نصیب ہو گی۔

شمنی راہب جب خاموش ہوا تو راجہ آگھم تھوڑی دیر تک اسے تحسین آمیز انداز میں دیکھتا رہا پھر اس نے جواب میں کہا دیکھ شمنی راہب آپ جانتے ہیں میں آپ کا عقیدت مند ہوں اور جو مشورہ جو تجویز آپ نے پیش کی ہے میں اس پر پورا پورا عمل کرنے کا تہیہ کر چکا ہوں ساتھ ہی میری آپ سے ایک گزارش بھی ہے آپ واپس اپنے مندر میں نہ جائیں جب تک میرے اور راجہ چچ کے درمیان جنگ کی صورتحال رہتی ہے آپ میرے پاس برہمن آباد میں ہی قیام کریں۔ شمنی راہب نے راجہ آگھم کی اس تجویز کو قبول کر لیا تھا لہٰذا محصور رہ کر راجہ چچ کا مقابلہ کرنے کے لیے راجہ آگھم نے زور و شور سے تیاریاں شروع کر دی تھیں۔

شمنی راہب کی اس گفتگو سے راجہ آگھم اور اس کے بیٹے سربند کے ولولے بلند اور ان کے ارادے مضبوط ہو گئے تھے۔ لہٰذا شمنی راہب کی تجویز کے مطابق انہوں نے اپنے لشکر میں نئے مسلح جوانوں کو بھرتی کرنا شروع کر دیا تھا شمنی راہب نے بھی جنگ سے متعلق بوقت ضرورت راجہ آگھم کو صلاح و مشورہ دینے کے لیے برہمن آباد میں ہی قیام کر لیا تھا۔ اب صورت حال یہ تھی کہ راجہ چچ ہر روز برہمن آباد کی فصیل پر حملہ آور ہوتا پر فصیل کے اوپر سے ایسے انداز میں اس پر تیر اندازی کی تھی کہ راجہ چچ کو مجبوراً پیچھے ہٹنا پڑتا برہمن آباد کی فصیلیں اس قدر مضبوط تھیں کہ انہیں آسانی سے سر کر کے برہمن آباد میں داخل نہیں ہوا جا سکتا تھا۔ لہٰذا اس صورت حال میں برہمن آباد کا محاصرہ طول پکڑنے لگا تھا۔ حتیٰ کہ اس محاصرے پر پورا ایک سال گزر گیا تھا۔

محاصرے کے دوران ایک روز جس وقت عبداللہ عین الدین اور کچھ دوسرے سالار راجہ چچ کے خیمے میں بیٹھے برہمن آباد پر نئے انداز میں حملہ آور ہونے سے متعلق گفتگو کر رہے تھے کہ راجہ چچ کا ایک محافظ اندر آیا اور عبداللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا امیر عبداللہ دو آدمی آپ سے ملنا چاہتے ہیں وہ اپنا تعلق برہمن آباد سے ظاہر کرتے ہیں اور ان کا کہنا کہ وہ انتہائی اہم کام کے سلسلے میں آپ سے ملاقات کے متمنی ہیں اس پر عبداللہ نے اس پہریدار کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا کیا آنے والے ان دونوں نے اپنے نام نہیں بتائے وہ محافظ بتانے لگا امیر عبداللہ میں نے ان دونوں کے

نام پوچھے ہیں انہوں نے اپنے نام دولت رام اور سوندے رائے بتایا ہے اس پر عبداللہ نے مسکراتے ہوئے کہا اگر یہ دولت رائے اور سوندے رائے ہیں تو انہیں فوراً" اپنے ساتھ لیکر میرے پاس آؤ وہ محافظ باہر نکل گیا تھوڑی دیر بعد وہ لوٹا اس کے ساتھ دولت رائے اور سوندے رائے تھے انہیں دیکھتے ہی عبداللہ آگے بڑھا اور آگے بڑھ کر وہ انہیں گلے لگا کر ملا پھر ان کا تعارف اس نے راجہ چچ اور دوسرے سالاروں سے کرایا تھا۔ تعارف کرانے کے بعد عبداللہ نے ان دونوں کو اپنے پہلو میں بٹھایا اور دولت رائے کو مخاطب کر کے اس نے پوچھا۔

دولت رائے میرے بزرگ آخر تم نے جنگ کی حالت میں میرے پاس آنے کی کیسے زحمت کی تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہے یا کسی اور سلسلے میں تم میرے پاس آئے ہو اس پر دولت رائے کہنے لگا۔

عبداللہ میرے بیٹے تو جانتا ہے کہ میں نے ہمیشہ تمہیں اپنے بیٹے اپنے فرزند کی طرح چاہا اسی چاہت کو سامنے رکھتے ہوئے میں تمہیں ایک انتہائی اہم پیغام دینے آیا ہوں عبداللہ نے بڑی جستجو سے دولت رائے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ کیسا پیغام میرے بزرگ دولت رائے پھر کہہ رہا تھا۔

سن امیر عبداللہ اس وقت راجہ آگھم تمہارے لشکر کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد برہمن آباد میں محصور ہے اس کا ارادہ نہیں تھا کہ زیادہ دیر تک محصور رہے وہ یہ بھی چاہ رہا تھا کہ برہمن آباد راجہ چچ کے حوالے کر کے گوشہ گیری کی زندگی اختیار کر لے پر اس کے ذہن میں نہ جانے کیا سمائی کہ اس نے راہب شمنی کو اپنے پاس طلب کیا یہ بڑا تیز طرار اور بڑا چالاک قسم کا انسان ہے شمنی راہب نے راجہ آگھم کو مشورہ دیا کہ کسی بھی صورت راجہ چچ کے سامنے ہتھیار نہ ڈالے اور شکست تسلیم نہ کرے بلکہ وہ مقابلہ جاری رکھے یہاں تک کہ جب مقابلے نے طول پکڑا تو گھبرا کر خود ہی چچ اپنے لشکر کے ساتھ لوٹ جائے گا اس طرح چچ سے ان کی گلوخلاصی ہو جائے گی۔

میں تم لوگوں کو یہ بتانے آیا تھا کہ راجہ آگھم کے حوصلے بالکل ریزہ ریزہ ہو چکے تھے لیکن شمنی راہب کے تسلی اور ڈھارس دینے پر وہ محصور رہ کر مقابلہ کرنے پر

تیار ہوا ہے ورنہ اس نے ہتھیار ڈالنے کا عزم کر رکھا تھا۔ یہ ساری گفتگو سننے کے بعد راجہ چچ بول پڑا۔

سنو میرے بھائی عبداللہ کے ساتھیوں میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے مجھے یہ خبر پہنچائی یہ میرے مہربان تمہاری گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے کہ راجہ آگھم اور اس کا بیٹا سرہند میرے سامنے ہتھیار ڈالنے پر تیار تھے مگر شمنی راہب نے انہیں مقابلہ کرنے پر مجبور کیا شمنی راہب نے چونکہ میری مخالفت کی ہے لہٰذا میں قسم کھاتا ہوں کہ جب یہ برہمن آباد کا شہر فتح ہو گا تو میں شمنی نام کے اس راہب کی کھال کھنچوا کر نقاروں پر منڈھوا دوں گا تاکہ نقارچی اسے کوٹ کوٹ کر پارہ پارہ کر دیں عبداللہ دونوں ساتھیوں اب تم واپس برہمن آباد جاؤ اور جب بھی تم کوئی غیر معمولی خبر سنو تو ضرور اطلاع کرنا اس کے ساتھ ہی اپنے لباس سے بندھی ہوئی نقدی کی ایک تھیلی سے مٹھی بھر کر سنہری سکے راجہ چچ نے نکالے اور اسے اس نے دولت رائے اور سوندے رائے کو دے دیئے تھے وہ دونوں خوش خوش واپس جانے کے لیے خیمے سے نکل گئے تھے۔

راجہ چچ نے اب ہر روز برہمن آباد کی فصیل پر حملے کرنے شروع کر دیئے تھے وہ خود بھی محاصرے کے طول سے تنگ آ چکا تھا اور جلد از جلد برہمن آباد پر قبضہ کر کے راجہ آگھم کو گرفتار کر کے اسے سزا دینے پر تلا ہوا تھا۔ ساتھ ہی راجہ چچ نے یہ بھی قسم کھا لی تھی کہ وہ برہمن آباد فتح ہونے کے بعد شمنی راہب کو معاف نہیں کرے گا اس لیے کہ شمنی راہب کی وجہ سے آگھم محصور رہ کر جنگ پر تیار ہوا اور یوں محاصرے نے طول کھینچا۔

اس دوران ایسا ہوا کہ برہمن آباد کا راجہ آگھم مر گیا۔ قنوج کے راجہ سے مراسل سے بھی برہمن آباد کے لیے کوئی مدد نہ پہنچی تھی۔ جس کی وجہ سے برہمن آباد کے لشکری اور عام لوگ پریشان اور فکر مند ہونے لگے۔ آگھم کی موت سے بھی ان کے حوصلے پست ہوئے آگھم مرنے کے بعد اس کا بیٹا سرہند اس کا جانشین ہوا۔

سرہند نے جب دیکھا کہ محاصرہ طول پکڑ رہا ہے اور جنگ کا کوئی نتیجہ ہی نہیں نکل رہا تو محاصرے کی زندگی سے تنگ آ گیا۔ اس کے علاوہ اس کا لشکر بھی لڑائی سے

جان چرانے لگا تھا تو اس نے برہمن آباد چچ کے حوالے کر کے صلح کرنے کی خواہش کا اظہار کیا راجہ چچ نے فوراً ہی اس پیش کش کو قبول کر لیا پھر دونوں کے درمیان چند شرائط ہوئیں جن میں طے پایا کہ برہمن آباد کا شہر راجہ چچ کے حوالے کر دیا جائے۔

○

شمنی راہب نے دولہ رام کے ساتھ برہمن آباد میں ہی قیام کر رکھا تھا جب راجہ آگھم مرگیا اور اس کا بیٹا جانشین ہوا تو اس نے راجہ چچ کے ساتھ صلح کی گفتگو کا آغاز کیا تب شمنی راہب بڑا فکر مند ہوا اسے یہ خوف طاری ہوا کہ کہیں اس کی دولت اور زمین ہاتھ سے نہ نکل جائے لہٰذا اس نے اپنا اصطرلاب اٹھا کر اور حساب لگا کر قطعی فیصلہ کیا کہ یہ ملک یقیناً" راجہ چچ کے قبضے میں جائے گا اور وہ مجھ پر مہربان ہو گا یہ فیصلہ کرنے اور حساب لگانے کے بعد شمنی راہب برہمن آباد شہر سے خفیہ راستے کے ذریعے نہر جلوالی کے کنارے بدھنووہار نامی اپنے مندر میں چلا گیا تھا وہاں جاکر وہ اپنی مذہبی کتابوں کے مطالعے میں مصروف ہو گیا تھا۔

جب راجہ چچ اور مرنے والے راجہ آگھم کے بیٹے سرہند کے درمیان شرائط طے پا گئیں تو سرہند نے برہمن آباد شہر راجہ چچ کے حوالے کر دیا۔ راجہ چچ اپنے لشکر کے ساتھ برہمن آباد شہر میں داخل ہوا اور شہر کے سارے مکینوں کو اس نے امان دے دی اور شہر کے نظم و نسق میں لگ گیا تھا۔

راجہ چچ کے برہمن آباد شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہی شمنی راہب چونکہ برہمن آباد سے نکل کر برہمن آباد شہر کے بالکل قریب ہی نہر جلوالی کے کنارے اپنے بدھنو وہار نام کے مندر میں منتقل ہو چکا تھا۔ جس وقت راجہ چچ شہر میں داخل ہوا تو شمنی راہب کے کچھ مرید اس کے مندر میں داخل ہوئے اور اس پر انکشاف کیا کہ برہمن آباد راجہ چچ کے قبضے میں جا چکا ہے اور راجہ چچ نے قسم کھا رکھی ہے کہ راہب شمنی کی کھال کھنچوا کر نقاروں پر منڈھواؤں گا تاکہ نقارچی اسے کوٹ کوٹ کر پارہ پارہ کر دیں شمنی راہب کو جب یہ خبر ملی تو وہ قہقہ مار کر ہنسا پھر اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ چچ کی یہ مجال نہیں کہ وہ مجھے ہلاک کر سکے۔

برہمن آباد شہر میں داخل ہونے کے بعد راجہ چچ نے راجہ آگھم کے لڑکے

سرہند کو حکم دیا کہ اگر تم برہمن آباد سے جانا چاہتے ہو تو بے خوف ہو کر جہاں چاہے جا سکتے ہو کوئی تمہیں روک نہیں سکتا۔

اور اگر تم یہیں برہمن آباد ہی میں رہنا چاہتے ہو تو خوشی سے رہو ہمیں تمہارے رہنے پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا جواب میں آگھم کے لڑکے سرہند نے برہمن آباد میں ہی رہنا پسند کیا راجہ چچ نے اسے وہاں رہنے کی اجازت دیدی راجہ چچ نے کچھ روز تک برہمن آباد میں ہی قیام کیا اور وہاں کے لوگوں کے مزاج سے خوب واقفیت حاصل کی اس کے بعد راجہ چچ نے برہمن آباد میں اپنے قیام کے دوران راجہ آگھم کی بیوہ سے شادی کر لی اور اپنے بھتیجے دارسیاہ کی لڑکی کو اس نے راجہ آگھم کے لڑکے سرہند کے ساتھ بیاہ دیا تھا۔ یہ رشتہ قائم کرنے کے بعد راجہ چچ نے مزید چند یوم تک برہمن آباد میں قیام کیا اس کے بعد اس نے شمنی راہب سے ملنے کا تہیہ کر لیا تھا۔

شمنی راہب سے ملنے سے قبل راجہ چچ نے برہمن آباد کے کچھ سرکردہ لوگوں کو اپنے پاس بلایا اور ان سے پوچھا کہ شمنی راہب کہاں ہے میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں اس پر ان میں سے ایک شخص نے کہا۔

مہاراج جہاں تک شمنی راہب کا تعلق ہے تو وہ بھگت ہے اور بھگتوں کے پاس رہتا ہے وہ سندھ کے داناؤں اور کنوبار کے مجاوروں میں سے ہے اور تمام راہب اس کی بڑی عزت کرتے ہیں اور اس نے ایک دنیا کو اپنا مطیع اور مرید بنا رکھا ہے اس کے سارے مقاصد طلسم کے زور پر پورے ہوتے ہیں اس شخص نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے راجہ چچ پر یہ بھی انکشاف کیا کہ شمنی راہب کچھ دنوں تک برہمن آباد کے مرنے والے راجہ آگھم کے بیٹے سرہند کا معاون بھی رہا تھا اور اسی کے سہارے برہمن آباد کے سپاہی ثابت قدمی کے ساتھ راجہ چچ اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرتے رہے ہیں۔

برہمن آباد کے اس معزز شخص نے راجہ چچ کو یہ بھی بتایا کہ ان دنوں شمنی راہب نے نہر جلوالی کے کنارے بدھنووہار نام کے مندر میں قیام کر رکھا ہے اور وہ وہاں کنوہارت کی ہر وقت پوجا پاٹ کرتا رہتا ہے۔ برہمن آباد کے اس شخص کے اس

انکشاف پر راجہ چچ نے عبداللہ سے مشورہ کیا کہ تو اس نے بتایا کہ ہمیں نہر جلوالی کے کنارے بدھنووہار مندر میں جا کر شمنی راہب سے ضرور ملنا چاہیے راجہ چچ نے چونکہ شمنی راہب کو قتل کرنے کی قسم کھا رکھی تھی لہٰذا عبداللہ کی اس تجویز سے راجہ چچ نے اتفاق کیا پھر اپنے کچھ محافظوں کے علاوہ عبداللہ اور عین الدین کو ساتھ لیکر شمنی راہب کی طرف روانہ ہوا عبداللہ نے اپنے ساتھ پرمل دیوی اور سورائی کو بھی لے لیا تھا تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے شمنی راہب اور اس کے چیلے دولہ رام کا انجام دیکھ سکیں۔

راجہ چچ عبداللہ عین الدین پرمل دیوی سورائی اور اپنے مسلح دستوں کے ساتھ بدھنووہار مندر کی طرف روانہ ہوا راستے میں اس نے اپنے مسلح سپاہیوں کو حکم دیا کہ جب میں شمنی راہب سے گفتگو کرنے کے بعد خاموش ہو جاؤں اور تمہاری طرف خاص انداز سے دیکھوں تو تم فوراً" آگے بڑھنا شمنی راہب پر حملہ آور ہونا اور تلوار سے اس کا سر جدا کر دینا۔

یہ ساری ہدایات دینے کے بعد راجہ چچ اپنے مسلح دستوں کے ساتھ بدھنووہار مندر میں داخل ہوا اس نے دیکھا اس وقت شمنی راہب ایک کرسی پر بیٹھا ہوا اپنی عبادت میں مشغول تھا اس کے ہاتھ میں سخت گندھی ہوئی مٹی تھی جس کے بت بنا کر ایک مہر جیسی چیز ان پر لگا رہا تھا۔

راجہ چچ عبداللہ اور عین الدین کے علاوہ پرمل دیوی اور سورائی شمنی راہب کے قریب آن کھڑے ہوئے تھے انہوں نے دیکھا جو مہروہ مٹی سے بنائے جانے والے بتوں کو لگا رہا تھا ان کی وجہ سے ان بتوں پر بدھ کی تصویر نقش ہو جاتی تھی پھر انہیں ایک جگہ رکھتا جاتا تھا۔ راجہ چچ اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں جا کر اس کے سامنے کھڑا رہا مگر اس نے راجہ چچ کی طرف توجہ نہ دی۔

تقریباً" ایک گھنٹہ اسی طرح گزر گیا یہاں تک کہ ایک گھنٹے کے بعد ان بتوں کے بنانے سے فارغ ہونے پر شمنی راہب نے سر اٹھا کر راجہ چچ کی طرف دیکھا اور کہا۔ میرے اس مندر میں اروڑ کا راجہ چچ آیا ہے؟ اس پر چچ نے جواب دیا ہاں اے عبادت گزار میں ہی اروڑ کا راجہ چچ ہوں اس کے بعد راجہ چچ کو مخاطب کرتے ہوئے

شمنی راہب نے پھر پوچھا۔ تم کس کام سے آئے ہو۔

چچ نے جواب دیا کہ میں اپنی عقیدت کی بناء پر تمہیں دیکھنے آیا ہوں شمنی راہب نے گھاس کا ایک پولہ کھول کر بچھایا اور چچ کو اس پر بٹھایا اس نے چچ سے پوچھا کہو کیا کام ہے چچ نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم میری موافقت کرو اور برہمن آباد کے قلعے میں واپس آ جاؤ تو میں تمہارے سپرد بعض اہم کام کروں گا تاکہ تم برہمن آباد کے نئے راجا سرہند کے ایک اچھے مشیر بن سکو جو اب میرا ماتحت رہ کر برہمن آباد پر حکومت کرے گا۔

شمنی راہب نے جواب دیا مجھے تیری حکومت کی ضرورت نہیں میں حکومت کے امور میں کوئی رغبت نہیں رکھتا اور نہ اس کا متمنی ہوں چچ نے پوچھا اگر ایسا ہے تو پھر تم نے برہمن آباد کے قلعے میں میرا مقابلہ کیوں کیا تھا میرا مقابلہ کرنے میں تم نے آگھم اور اس کے بعد اس کے بیٹے سرہند کو میرے خلاف کیوں ابھارا اور کیوں انہیں میرے ساتھ جنگ کرنے کی ترغیب دی شمنی راہب نے جواب دیا۔

جب حاکم آگھم وفات پا گیا تو اس کا یہ لڑکا باپ کی وفات سے پریشان ہونے لگا تو میں اسے صبر کی تلقین کرتا رہا اور طرفین کے مابین صلح کی دعا کرتا رہا میرے خیال میں دنیا کی سرداری سے بدھ کی خدمت کرنا اور آخرت کی نجات طلب کرنا بہتر ہے اب تم چونکہ اس ملک کے راجا ہو اس لیے میں تمہارے فرمان کے مطابق اپنے عقیدت مندوں سمیت اس مندر سے نکل کر برہمن آباد میں مستقل طور پر آباد ہونے کو تیار ہوں مگر مجھے اندیشہ ہے کہ قلعے کے لوگ بدھ مندر کی آبادی کو نقصان پہنچائیں گے۔

اس پر چچ نے پوچھا بدھ کی بندگی بہرحال زیادہ بہتر ہے اب اگر کوئی تمہاری حاجت مجھ سے متعلق ہو تو میں اسے پورا کرنا اپنی سعادت سمجھوں گا۔ شمنی نے کہا کہ میں کوئی حاجت اور ضرورت نہیں رکھتا کاش بھگوان تمہیں عاقبت کے کاموں کی توفیق دے لیکن جب چچ نے اصرار کیا تو شمنی راہب نے کہا کہ اگر تم یہ ہی چاہتے ہو تو اس مندر کی ایک عمارت ہے جو ایک قدیم عبادت گاہ ہے اور زمانے کے ساتھ ساتھ اسے کافی نقصان پہنچا ہے اگر اس کی عمارت نئے سرے سے بنوا دی جائے تو کیا ہی

اچھا ہو چچ نے اس کی اس بات کو شکریے کے ساتھ قبول کر لیا۔

گو راجہ چچ نے شمنی راہب کو قتل کرنے کی قسم کھا رکھی تھی لیکن جب اس نے شمنی راہب سے ملاقات کی تو اس کے خیالات یکسر تبدیل ہو گئے اس نے اندازہ لگایا کہ شمنی راہب سازشی انسان نہیں ہے بلکہ وہ ہر وقت اپنے آپ کو عبادت میں مشغول رکھنے والا ہے اور دنیاوی امور کی طرف کوئی دلچسپی نہیں رکھتا لہٰذا راجہ چچ نے اپنی قسم کو توڑ دیا اور شمنی راہب کو قتل نہیں کیا۔ جب شمنی راہب اور چچ کے درمیان گفتگو ختم ہوئی تو عبداللہ نے چچ کو مخاطب کر کے پوچھا۔

چچ میرے بھائی کیا میں بھی شمنی راہب سے کسی سلسلے میں گفتگو کر سکتا ہوں اس پر چچ نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا دیکھ عبداللہ میرے بھائی اس سلسلے میں تمہیں مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں تم جو چاہے شمنی راہب سے پوچھ سکتے ہو اور اس سے گفتگو کر سکتے ہو۔ عبداللہ نے شمنی راہب کو مخاطب کیا۔

سن شمنی راہب کیا تو ہندومت کی ذات پات کو درست خیال کرتا ہے عبداللہ کے اس سوال پر شمنی راہب نے تیز اور نوکیلی نگاہوں سے س کی طرف دیکھا پھر پوچھا۔ میرا تعلق بدھ مت سے ہے ہندو دھرم سے میرا کوئی تعلق نہیں تاہم جب تم نے پوچھ لیا ہے تو سنو میں ہندو دھرم کا ذات پات کے نظریے کا سخت مخالف ہوں اور اسے کسی بھی صورت پسند نہیں کرتا۔

عبداللہ نے پھر پوچھا۔

دیکھ شمنی راہب میرا تعلق سندھ کے جاٹوں کے سمہ قبیلے سے ہے تو جانتا ہے سمہ اور جاٹوں کے دیگر قبیلوں کے ساتھ مقامی ہندو شودروں کا سا سلوک کرتے ہیں مصنوعی تلوار کے سوا وہ کسی قسم کا ہتھیار نہیں استعمال کر سکتے قیمتی کپڑے اور مخمل ریشمی کپڑے نہیں پہن سکتے گھوڑے کی سواری بغیر زین کے کر سکتے ہیں ننگے سر اور ننگے پاؤں انہیں رہنے کا حکم ہے جس وقت وہ اپنے گھر سے نکلتے ہیں تو ان کے لیے حکم ہے کہ وہ اپنے ساتھ کتا رکھیں تاکہ پہچانا جا سکیں اس کے علاوہ سندھ کے مقامی جاٹ اونچی ذات کے ہندوؤں کے مطبخ کے لیے جلانے کی لکڑیاں مہیا کرتے ہیں اور ان کے لیے راہبروں اور جاسوسوں کی خدمت بھی انجام دیتے ہیں۔

دیکھ شمنی راہب ساتھ ہی ان جاٹ قبیلوں پر اس امر کو بھی واضح کیا جاتا ہے کہ اگر انہوں نے ان قوانین کی پابندی کی تو ان کو دیانت دار سمجھا جائے گا اور ان پر اعتماد کیا جائے گا اس کے علاوہ اونچی ذات کے ہندوؤں نے ان کے لیے یہ بھی لازمی قرار دیا گیا ہے کہ اونچی ذات کے ہندوؤں کے ساتھ صلح و آشتی کے ساتھ رہیں ان کے خلاف کوئی سازش نہ کریں اور جب کوئی ان پر حملہ آور ہو تو اونچی ذات کے ہندوؤں کا دفاع کریں۔ کیا تو بھی اونچی ذات کے ہندوؤں کے ان قوانین کا پابند ہے اس پر شمنی راہب نے بے پناہ غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

دیکھ نو وارد اور اجنبی میں نہیں جانتا تیرا کیا نام ہے پر تیرے سوال بڑے عمدہ ہیں جو پابندیاں سندھ کے مقامی جاٹوں کے لیے تو نے بیان کی ہیں میں ان سب کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں انسان اونچی ذات کا ہو یا نیچی ذات کا ان کے حقوق ایک جیسے ہیں میں انسانیت کی اس تفریق پر لعنت بھیجتا ہوں شمنی راہب کا یہ جواب سن کر عبداللہ خوش ہوا تھا تھوڑی دیر تک خاموشی طاری رہی اس کے بعد عبداللہ پھر پوچھنے لگا۔

شمنی راہب کیا تم دو ایسی لڑکیوں کو جانتے ہو جن کے نام پرمل دیوی اور سورائی ہوں اس سوال پر شمنی راہب نے اپنی گردن جھکا کر کچھ سوچا پھر دھیمی سی آواز میں جواب دیا نہیں میں نہیں جانتا۔ عبداللہ پھر بولا۔

دیکھ شمنی راہب میرا نام عبداللہ ہے میرے پہلو میں جو یہ جوان کھڑا ہے اس کا نام عین الدین ہے ہم دونوں مسلماں ہیں شاید تم جانتے ہو گے کہ مسلمان کون ہیں اس پر شمنی راہب نے کہا ہاں میں جانتا ہوں یہ نیا دین اور مذہب ہے جو عرب کی سرزمین سے اٹھا ہے اور سندھ کی اس دھرتی میں بھی بہت سے لوگ اسلام قبول کر کے عرب کی سرزمینوں سے لوٹے ہیں۔ میں نہیں جانتا اس نئے دین کے کیا عقائد ہیں اور یہ انسانیت کی بہتری اور بھلائی کے لیے کیا کہتا ہے۔

عبداللہ نے پھر کہا دیکھ شمنی راہب دین ہمارا کیا کہتا ہے یہ تو میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا پہلے تو مجھے یہ بتا کہ کیا تو اروڑ کی راجکماری پرمل دیوی کو جانتا ہے اس پر شمنی راہب نے بلا توقف کہا نہیں عبداللہ میں کسی راجکماری پرمل دیوی کو نہیں جانتا

عبداللہ نے پھر پوچھا کیا تو ایسی لڑکی کو بھی نہیں جانتا جنہیں برہمن آباد کے راج مندر
کے پچھواڑے میں ہندو دھرم کی انا پرستی کا بھرم رکھنے کے لیے اسیر کیا گیا تھا۔ شمنی
راہب نے پھر نفی میں جواب دیا اس پر عبداللہ کو بڑی حیرت ہوئی اس کے بعد عبداللہ
نے پھر پوچھا۔

دیکھ شمنی راہب کیا تو ایسے جوانوں کو بھی نہیں جانتا جن کے نام بال چند دولہ
رام میگھراج اور لکھدریا ہوں اس پر شمنی راہب نے جھٹ جواب دیا۔

دیکھ عبداللہ میں ان چاروں جوانوں کو جانتا ہوں اس لیے کہ یہ میرے مریدوں
اور میرے عقیدت مندوں میں شامل ہیں عبداللہ نے کہا شمنی راہب میں تیرے سچ
بولنے پر تجھے قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں کیا تجھے خبر ہے کہ یہ تیرے چاروں عقیدت
مند بدمعاش بھی ہیں اس پر شمنی راہب نے کہا دیکھ عبداللہ میں یہ تو انکار نہیں کرتا
کہ یہ میرے عقیدت مندوں میں سے ہیں لیکن میں نے کبھی ان کی ذاتی زندگی سے
متعلق کرید نہیں کی میں نہیں جانتا ان کا ذریعہ معاش کیا ہے وہ اوباش ہیں لچے ہیں یا
کیسے ہیں لیکن میرے ساتھ بہرحال ان کا رویہ سلوک انتہائی اچھا اور درست ہے اور
میرے دوسرے عقیدت مندوں کی طرح وہ مجھے قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اس سے
زیادہ میں نے کبھی ان کے متعلق کھوج نہیں لگایا۔ کیا انہوں نے کوئی ایسا فعل کیا ہے
جس پر انسانیت کے نقطہ نظر سے انگلی اٹھائی جا سکے۔

جواب میں عبداللہ نے اس کے چاروں عقیدت مندوں سے متعلق پوری
داستان سنا دی تھی کہ کس طرح ان کی وجہ سے پرمل دیوی سورائی کو زندان میں ڈالا
گیا اور سمہ اور دوسرے سندھ کے قدیم جاٹوں کے مکانات کو مسمار کر دیا گیا۔
ساری داستان سننے کے بعد شمنی راہب تھوڑی دیر تک گردن جھکا کر کچھ سوچتا رہا
ساتھ ہی اتھ زمین کو بھی کریدتا رہا اس کے بعد اس نے عبداللہ کی طرف دیکھا اور
جواب دینے لگا۔

دیکھ عبداللہ یہ جو داستان تم نے سنائی ہے بڑی عجیب اور بڑی انوکھی سی ہے
اگر اس واردات میں بال چند دولہ رام میگھراج اور لکھدریا ملوث ہیں تو میرے
نظریے کے مطابق یہ چاروں واجب القتل ہیں پر سن عبداللہ دولہ رام نے تو میرے

پاس قیام کر رکھا ہے اور اس نے مجھے بتایا ہے کہ کسی نے بال چند میگھراج اور
لکھدریا کو تو پہلے ہی قتل کر دیا ہے عبداللہ کہنے لگا دیکھ شمنی راہب ان تینوں کو ان
کے جرم کی بناء پر میں نے ہی قتل کیا تھا۔

عبداللہ کے اس انکشاف پر شمنی راہب تھوڑی دیر تک عجیب سے انداز میں
اس کی طرف دیکھتا رہا پھر حیرت کے اظہار میں کہا دیکھ عبداللہ اب مجھے پتہ چلا کہ یہ
دولہ رام انسان کے بھیس میں شیطان ہے جب سے اس نے میرے پاس قیام کر رکھا
ہے یہ مجھے اس بات پر اکسا رہا ہے کہ میں اس کے ساتھ کچھ مسلح جوانوں کو روانہ
کروں تاکہ وہ اپنے ساتھیوں کے قتل کا انتقام لے سکے اس نے بار بار میرے کانوں
میں یہ بات ڈالی کہ اس کے تینوں ساتھیوں یعنی میگھراج بال چند اور لکھدریا کو کسی
نے قتل کر دیا ہے اور وہ قاتلوں سے انتقام لینا چاہتا ہے لیکن آج تک مجھے اس نے
قاتل کا نام نہیں بتایا اب تم نے حقیقت حال سے آگاہ کرتے ہوئے قبول کیا ہے کہ تم
ہی ان تینوں کے قاتل ہو لہٰذا دیکھ عبداللہ میں تیرے اس جذبے کی قدر کرتا ہوں داد
دیتا ہوں کہ تین مجرموں کا خاتمہ کیا اگر اس جرم میں دولہ رام بھی شامل ہے تو سن
عبداللہ قطع نظر اس کے کہ وہ میرے عقیدت مندوں میں سے ہے وہ بھی اس قابل
ہے کہ اسے قتل کیا جائے۔ عبداللہ کہنے لگا دیکھ شمنی راہب دولہ رام یقیناً مجرم ہے
اور ان دو لڑکیوں کے ساتھ ظلم و جبر کے سلسلے میں ملوث ہے اور سمہ قبیلے کے
خاندانوں کے مکانوں کو برباد کرنے اور ان کے قتل عام میں بھی پوری طرح شامل رہا
ہے اس پر شمنی راہب کہنے لگا میں اسے یہاں بلاتا ہوں پھر تو جو چاہے اس کے ساتھ
سلوک کر اس کے ساتھ شمنی راہب نے اپنے ایک عقیدت مند کو اشارے سے بلایا
اور اسے حکم دیا کہ وہ دولہ رام کو وہاں بلا کر لائے۔

عبداللہ تھوڑی دیر تک شمنی راہب کی طرف دیکھتا رہا اس نے دیکھا کہ شمنی
راہب کے ایک طرف گوتم بدھ کا کا بہت بڑا بت رکھا تھا اور اس کے قریب ہی کوئی
دوسرا بت تھا جسے کنوہار کہہ کر پکارا جاتا تھا تھوڑی دیر تک اس ماحول کا جائزہ لینے کے
بعد عبداللہ نے پھر شمنی راہب کو مخاطب کیا۔

شمنی راہب تمہارے حالات بڑے قابل تعریف ہیں تمہارا اخلاق مجھے بڑا

درست اور اچھا دکھائی دیا ہے اس کے باوجود میں دیکھتا ہوں تو بھٹکے ہوئے ہندوؤں کی طرح بتوں کی پوجا پاٹ میں مصروف ہے کیا تمہارے راہبر تمہارے راہنما گوتم بدھ نے تمہیں ایسا ہی کرنے کی تبلیغ دی تھی کیا تم مجھے بدھ مت کی تعلیم کے مرکزی نقطے سے آگاہ کرو گے اس پر شمنی راہب کہنے لگا۔

دیکھ عبداللہ ۔ ہمارے رہبر ہمارے رہنما گوتم بدھ کی تعلیم کا مرکزی نقطہ نروان کا حصول ہے۔ گوتم بدھ کے نزدیک ہر برائی کی جڑ خواہش نفسانی ہے جب انسان خواہشات نفسانی کی سرکش اونٹنی کو بھگوان کی اطاعت کی چھری سے ذبح کر دیا جاتا ہے اور انسان اپنے آپ کو بھگوان کی صفات میں رنگین کر لیتا ہے تو اس وقت انسان کی روح بھگوان کی روح سے اتصال کر جاتی ہے۔ گوتم بدھ نے اسی حالت کا نام نروان رکھا ہے۔

اس پر عبداللہ جھٹ بولا اور پوچھا۔ اس قدر اچھی اور واضح تعلیم کے بعد لوگ بھگوان یعنی خدا اور ایشود کو چھوڑ کر ان بتوں کی پوجا پاٹ میں لگے ہوئے ہیں ان سے مدد مانگتے ہو۔ اس پر شمنی راہب کہنے لگا یہ بھگوان یعنی ایشور کے اوتار ہیں اور ہمیں نوازتے ہیں۔ عبداللہ کہنے لگا یہ تمہیں کیا نوازیں گے۔ یہ تو بے جان بت ہیں جو اس قدر بے بس اور مجبور ہیں کہ اپنے ہاتھوں سے اپنی صفائی بھی نہیں کر سکتے۔ تم ان بتوں کی صفائی ستھرائی کرتے ہو۔ ان پر اگر مکھی بیٹھ جائے یہ تو وہ بھی نہیں اڑا سکتے۔ پھر تمہیں یہ کیسے نوازیں گے۔ اور یہ بت پرستی جیسی ذلت تمہارے مذہب میں کیسے داخل ہو گئی۔ اس پر شمنی راہب کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور کہنے لگا۔

دیکھ عبداللہ۔ جب ہمارے راہبر اور راہنما گوتم بدھ کا انتقال ہوا تب اس کی میت کی رسومات ادا کی گئیں۔ اس کے جسم کی راکھ ۔ ہڈیاں دانت وغیرہ کو محفوظ کر لیا گیا اور انہیں گنبد کی وضع کی عمارتوں میں رکھا گیا۔ جنہیں استوپ کہتے ہیں ہندوستان اور سیلون کے استوپ مشہور ہیں۔ برما میں انہیں پگوڈا کہہ کر پکارا جاتا ہے ایشیا کی سرزمین میں لاکھوں استوپ اور پگوڈا ہیں۔ چونکہ گوتم بدھ کے اتنے بال اور ہڈیاں نہیں تھیں کہ ہر استوپ اور پگوڈے میں انہیں رکھا جاتا اس لیے ان میں

بہت سوں میں بت۔ مقدس تحریریں۔ منا جاتیں رکھ دی گئیں۔ لوگ ان استوپوں کا طواف کرتے ہیں ان پر پھول چڑھائے جاتے ہیں۔ یہ گویا مہاتما بدھ کے آثار جسم کی پوجا ہے۔ اس طرح کی پوجا نیز استوپوں کا احترام کرنا۔ حفاظت کرنا بدھ کا دھیان کرنا۔ بھکشوؤں کو کھانا کھلانا یہ سب باتیں موجب ثواب خیال کی جاتی ہیں اور نروان کے حصول کے لیے سود مند خیال کی جاتی ہیں۔ بس یہیں سے بدھ مت میں بت پرستی کی ابتدا ہوئی۔ عبداللہ نے پوچھا۔ شمنی راہب کیا تم بت پرستی کو اچھا سمجھتے ہو۔ اس پر شمنی نے کہا یقیناً" چونکہ یہ قدیم سے جاری ہے اور لوگوں کو اس سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ لہٰذا میرا عقیدہ ہے کہ بت پرستی سود مند ہے۔ اور جن بتوں کی پوجا کی جاتی ہے یہ انسانوں کو نوازتے ہیں۔ اس پر عبداللہ کہنے لگا۔

یہ جو تیرے سامنے کنویار نام کا بت ہے اگر اسے ضرب لگا کر پاش پاش کروں تو اس کا دفاع کون کرے گا۔ اگر اس بت کا دفاع انسانوں نے ہی کرنا ہے تو پھر اس بت کی حفاظت کون کرے گا۔ اگر یہ ایشور اور بھگوان کا اوتار ہی ہے تو اسے اپنی حفاظت کے علاوہ تم لوگوں کی حفاظت بھی کرنی چاہیے جو بقول تمہارے ان انسانوں کو یہ نوازتے ہیں۔ اگر یہ اپنی حفاظت بھی نہ کر سکے تب یہ اوروں کو کیا نوازے گا۔ اس پر شمنی راہب بڑے وثوق سے کہنے لگا دیکھ عبداللہ اگر تو اس بت کو توڑنے کی کوشش کرے گا یا اس پر ضرب لگائے گا تو میرا عقیدہ میرا ایمان ہے کہ تو بھسم ہو جائے گا۔ اس پر عبداللہ نے کہا دیکھ شمنی راہب میں اس پر ضرب لگاتا ہوں تو دیکھے گا میرا کچھ نہیں بگڑے گا۔ اس لیے کہ میں ایک ایسے دین کا ماننے والا ہوں جسے اسلام کہا جاتا ہے اور اس میں صرف ایک خدا کی بندگی اور عبادت کی تلقین ہے اور باقی ہر شئے اس کے سامنے پست ہے۔

اتنا کہنے کے بعد عبداللہ پیچھے ہٹا۔ اپنے گھوڑے کی زین سے بندھا ہوا اس نے اپنا کلہاڑا کھولا۔ یہ صورت حال دیکھتے ہوئے شمنی راہب اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور پریشان ہو گیا تھا۔ کلہاڑہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لئے عبداللہ کنویار نامی بت کے قریب آیا پھر شمنی راہب نے چلا کر کہا دیکھ عبداللہ اس بت کو نقصان پہنچانے کی کوشش مت کرنا ورنہ تو فنا ہو جائے گا۔ شمنی راہب کی اس دھمکی کو سنی ان سنی کرتے ہوئے

عبداللہ نے اپنا کلہاڑہ بلند کیا اور لگاتار جب دو ضربیں اس نے کنویار نام کے اس بت پر لگائیں تو کنویار کا وہ بت پاش پاش ہو کر گر گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی عبداللہ آگے بڑھا ایسی ہی دو ضربیں اس نے گوتم بدھ کے بت پر بھی لگائیں اور اسے بھی پاش پاش کر کے گرا دیا تھا۔ پھر عبداللہ پیچھے ہٹا اپنا کلہاڑہ پہلے کی طرح اس نے گھوڑے کی زین سے باندھ دیا تھا۔ پھر وہ شمنی راہب کے قریب آن کھڑا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر اس لمحے فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ اس موقع پر عین الدین راجہ پچ کے علاوہ پرمل دیوی اور سورائی کے چہروں پر بھی مسکراہٹ تھی۔ تبسم تھا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی اس کے بعد شمنی راہب کہنے لگا۔ دیکھ عبداللہ میں تیرے اس کام کی داد دیتا ہوں تو نے دونوں بتوں کو پاش پاش کیا۔ لیکن نہ تو بھسم ہوا اور نہ ہی تجھ پر کوئی اثر ہوا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس دین کا تو پیرو کار ہے وہ سچا اور حق ہے دیکھ عبداللہ اب میں تم سے ملتا رہوں گا تیری صحبت سے لطف اندوز ہوتا رہوں گا اور تیرے نئے دین کے متعلق معلومات حاصل کروں گا اور اگر وہ میرے دل کو بھائیں تو انہیں قبول کرلوں گا۔ جواب میں عبداللہ کچھ کہتا یا شمنی راہب ہی مزید گفتگو کرتا کہ وہ شخص جسے شمنی راہب نے دولہ رام کو بلوانے کے لیے بھجوایا تھا وہ واپس آیا اور شمنی راہب کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

آقا دولہ رام ابھی ابھی اپنے چند مسلح جوانوں کے ساتھ مندر سے نکل کر شمال کی طرف بھاگا ہے۔ میں نے کچھ آدمیوں سے جب اس کے بھاگنے کے متعلق استفسار کیا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ مندر میں اس وقت راجہ پچ کے ساتھ عبداللہ نام کا ایک شخص ہے جس نے دولہ رام کے ساتھیوں کو قتل کیا اور وہ دولہ رام کو بھی ٹھکانے لگانا چاہتا ہے۔ لہٰذا دولہ رام جان بچا کر اپنے مسلح جوانوں کے ساتھ بھاگ گیا ہے۔ یہ سن کر عبداللہ فوراً" اپنے گھوڑے کی طرف بڑھا اور شمنی راہب کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

دیکھ شمنی راہب۔ یہ دولہ رام مجرم ہے۔ میں اسے بھاگنے نہیں دوں گا عبداللہ نے راجہ پچ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ پچ میرے بھائی میں اس دولہ رام کا تعاقب کرتا ہوں میں اسے بچ کر نہیں جانے دوں گا۔ عبداللہ نے اس شخص کو مخاطب کیا جو

دولہ رام کو بلانے گیا تھا پھر پوچھا کیا تم بتا سکتے ہو کہ دولہ رام کے ساتھ کتنے مسلح ساتھی ہیں۔ اس شخص نے جواب دیا۔

جس شخص سے میں نے استفسار کیا اس کا کہنا تھا کہ دولہ رام کے ساتھ اس کے دو مسلح ساتھی ہیں جن کے ساتھ اس مندر سے وہ شمال کی طرف بھاگا ہے اس پر عبداللہ کہنے لگا اگر وہ تین ہیں تو میں اکیلا ہی ان کے لیے کافی ہوں۔ اس پر عین الدین فوراً" اپنے گھوڑے کی طرف بھاگتے ہوئے کہنے لگا نہیں۔ عبداللہ میں تمہیں اکیلا نہیں جانے دوں گا میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گا۔ پرمل دیوی اور سورائی بھی ساتھ جانے پر تیار ہو گئیں تھی۔ پھر چاروں اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور انہیں سرپٹ دوڑاتے ہوئے مندر سے نکل کر شمال کی طرف جانے والی شاہراہ پر سرپٹ دوڑا رہے تھے۔

مندر سے چند میل شمال میں عبداللہ عین الدین' پرمل دیوی اور سورائی نے دولہ رام اور اس کے دونوں ساتھیوں کو جا لیا تھا۔ وہ تینوں اب ان سے تھوڑی ہی دور آگے اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے درمیانی فاصلہ کم کرنے کے لیے عبداللہ اور اس کے ساتھیوں نے گھوڑوں کی رفتار مزید تیز کر دی تھی یہاں تک کہ وہ دولہ رام اور اس کے ساتھیوں کے بالکل قریب پہنچ گئے تھے۔

دولہ رام اور اس کے ساتھیوں نے جب دیکھا کہ تعاقب کرنے والے یقیناً" ان کے دشمن ہی ہیں اور ان تک پہنچتے چلے آ رہے ہیں تو انہوں نے اپنے گھوڑوں کو روک لیا ان کا رخ موڑ لیا اور اپنی تلواریں اور ڈھالیں سنبھال کر وہ اپنے گھوڑوں پر مستعد ہو گئے تھے۔ عبداللہ عین ادین۔ پرمل دیوی اور سورائی بھی ان کے قریب جا کر اپنے گھوڑوں کو روک چکے تھے۔ عبداللہ۔ دولہ رام اور ان کے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کچھ پوچھنا ہی چاہتا تھا کہ ان میں سے ایک سوار جو اپنے چہرے سے انتہائی جابر و ظالم لگتا تھا خود ہی بولا اور کہنے لگا۔

میں دولہ رام ہوں۔ سنو ہمارا تعاقب کرنے والو۔ تمہارے ساتھ جو دو لڑکیاں ہیں میں انہیں پہچان چکا ہوں ان میں سے ایک راجکماری پرمل دیوی ہے اور دوسری سورائی ۔ لہٰذا تم دونوں میں سے ایک عبداللہ اور دوسرا عین الدین ہو سکتا ہے۔ تم

دونوں ہی میرے ساتھیوں۔ بال چند۔ میگھراج اور لکھدریا کے قاتل ہو اور اب ان ویرانوں میں تم دونوں ہمارے ہاتھوں سے بچ کر نہ جا سکو گے۔

دولہ رام جو باتیں تم نے کہی ہیں یہی تو میں تم سے کہنا چاہتا تھا۔ سن میرا نام عبداللہ ہے اور میرے ساتھی کا نام عین الدین ہے جیسا کہ تم خود بھی بتا چکے ہو۔ یاد رکھنا یہ پرمل دیوی اب میری بیوی اور سورائی میرے ساتھی میرے بھائی عین الدین کی بیوی ہے یہاں تک کہتے ہوئے لمحہ بھر کے لیے عبداللہ رکا پھر قہر بھری آواز میں وہ کہتا چلا گیا تھا۔

سن دولہ رام کسی دھوکے کسی فریب میں مت رہنا تمہارے ساتھ تو صرف دو مسلح ساتھی ہیں اگر تمہارے ساتھ دو کے بجائے چھ بھی ہوتے تب بھی میں اور عین الدین دونوں ان ویرانوں میں تجھے اپنے سامنے زیر اور مغلوب ضرور کرتے سن دولہ رام تمہارے دونوں ساتھی کون ہیں اور ان کے ساتھ تمہارا کیا تعلق اور رشتہ ہے مجھے اس سے کوئی غرض و غایت نہیں لیکن میں تم سے یہ کہوں کہ ہماری دشمنی صرف تم تک محدود ہے تمہارے تین ساتھی میگھراج بال چند اور لکھدریا پہلے ہی ہمارے ہاتھوں مارے جا چکے ہیں اس لیے کہ تم چاروں سمہ قبیلے کے لوگوں کے قاتل ہو اور ان کے گھروں کو تباہ کرنے والے ہو لہٰذا تم سے انتقام لینا میرے فرائض میں شامل ہے میرا تمہارے ساتھیوں سے کوئی تعلق واسطہ کوئی عداوت و دشمنی نہیں ہے لہٰذا میں تمہیں مشورہ دوں گا کہ اپنے ساتھ اپنے ساتھیوں کو بھی موت کے منہ میں دھکیلنے کے بجائے تم اکیلے میرے ساتھ مقابلہ کرو اگر تم میرا سامنا کرنے میں کامیاب ہو گئے تو میرے یہ ساتھی تمہارے خلاف کوئی کارروائی نہیں کریں گے اور واپس چلے جائیں گے اور اگر تم انفرادی مقابلے میں میرے ہاتھوں مارے گئے تب میں اور میرے ساتھی تمہارے ان مسلح دوستوں پر حملہ آور نہیں ہوں گے اور انہیں جانے کی اجازت دے دیں گے۔

یہاں تک کہنے کے بعد عبداللہ تھوڑی دیر کے لیے رک گیا تھا تاکہ دولہ رام کے رد عمل کو جان سکے تھوڑی دیر تک جب خاموشی رہی تو عبداللہ نے دولہ رام کے دونوں ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہا سنو دولہ رام کے ساتھیوں۔ ہماری تم سے کوئی

دشمنی اور عداوت نہیں میں تم سے یہ کہوں گا کہ تم ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو جاؤ صرف مجھ اکیلے کو دولہ رام سے ٹکرانے دو اس موقع پر دولہ رام خود ہی بول پڑا۔

دیکھ عبداللہ میں تیرے چیلنج کو قبول کرتا ہوں میرے دونوں ساتھی ایک طرف ہٹ کے کھڑے رہیں گے میں تمہارے ساتھ انفرادی مقابلہ کرنے پر تیار ہوں تمہارا ساتھی عین الدین اور پرمل دیوی اور سورائی بھی ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو جائیں اس پر عبداللہ فوراً" کہنے لگا۔

عین الدین میرے بھائی میرے عزیز تم پرمل اور سورائی کو لیکر ایک طرف ہٹ جاؤ ساتھ ہی عبداللہ نے دولہ رام کے دونوں ساتھیوں کو مخاطب کیا اور کہا تم دونوں بھی پیچھے ہٹ جاؤ عبداللہ کے کہنے پر عین الدین پرمل دیوی اور سورائی ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو گئے تھے جبکہ دولہ رام کے دونوں ساتھی بھی خود پیچھے ہٹ گئے تھے۔ اس کے بعد عبدا للہ اور دولہ رام نے اپنے کام کی ابتداء کی دونوں اپنی تلواریں اور ڈھالیں لہراتے ہوئے اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگا کر آگے بڑھے تھے تاکہ ایک دوسرے پر حملہ آور ہو سکیں۔

عبداللہ کے قریب آ کر دولہ رام نے اپنے گھوڑے کو روکا پھر اپنی تلوار اپنے سامنے لہراتے ہوئے وہ عبداللہ سے کہنے لگا۔ دیکھ عبداللہ ان ویرانوں میں اب جبکہ تو مجھ سے ٹکرانے لگا ہے میں تمہیں یقین دلاتا ہوں میں تیری زندگی کی طلب' تیری ہڈیوں کی بے قراری اور تیرے شوق ازم آرائی کو چھین کے رہوں گا تیری زبان میں کانٹے' تیرے حلقوم میں پھندے لگاؤں گا جواب میں عبداللہ بھی اپنی تلوار اپنے سامنے لہراتے ہوئے کہنے لگا۔ دیکھ آنکھوں کے اندھے کانوں کے بہرے یہ تو وقت بتائے گا کہ میں کیسے تیرے غرور اور نخوت کو ان ویرانوں میں مٹی کے ساتھ مٹی بنا کے رکھتا ہوں۔

عبداللہ کو دولہ رام نے کوئی جواب نہ دیا اپنے گھوڑے کو خوب انگیخت کرنے والی ایڑھ اس نے لگائی پھر وہ زہر آلود تشدد اندھیروں کے بھنور اور اندھے جبر کی علامت کی طرح عبداللہ پر حملہ آور ہوا تھا۔

عبداللہ بھی پوری طرح تیار اور مستعد تھا جونہی دولہ رام نے اپنے گھوڑے کو

ایڑھ لگائی عبداللہ بھی اپنے گھوڑے کو ایڑھ لگا چکا تھا اور وہ بھی جوابی حملے کے طور پر دولہ رام پر دکھ بھری لہر مرگ ظلمت اور قہر شدید کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔ دونوں ایک دوسرے پر بڑھ چڑھ کر حملہ کرنے لگے تھے۔

تھوڑی دیر تک دونوں اپنے گھوڑوں پر سوار جم کر لڑتے رہے ایک دوسرے پر خطرناک اور جان لیوا حملے کرتے رہے پھر ایک موقع پر جب دونوں کی تلواریں آپس میں ٹکرائیں تو عبداللہ نے اپنی ڈھال بھی دولہ رام کے مارنا چاہی دولہ رام نے فوراً اپنا دفاع کرتے ہوئے عبداللہ کی ڈھال کو اپنی ڈھال پر روکا اسی لمحے عبداللہ نے فائدہ اٹھایا اپنی تلوار اور اپنی ڈھال پر اپنی پوری قوت ڈالتے ہوئے اس نے دولہ رام کو ایک زور دار جھٹکا دیا جس کے جواب میں دولہ رام اپنے گھوڑے سے نیچے گر گیا تھا ایک انتہائی تیز جست کے ساتھ عبداللہ اپنے گھوڑے سے کود گیا اور قبل اس کے کہ دولہ رام اپنی جگہ سے اٹھتا اور عبداللہ کے سامنے اپنا دفاع کرتا عبداللہ نے اپنی تلوار بلند کر کے گہرائی اور دولہ رام کو کاٹ کے رکھ دیا تھا۔ یوں عبداللہ نے دولہ رام کا خاتمہ کر دیا تھا۔

دولہ رام کا خاتمہ کرنے کے بعد عبداللہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا پھر وہ دولہ رام کے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

سنو دولہ رام کے دونوں ساتھیوں مقابلہ شروع ہونے سے پہلے جو شرائط طے ہوئیں تھیں میں اور میرے ساتھی ان پر قائم و دائم ہیں دولہ رام کا میں نے کام تمام کر دیا ہے اب تم جہاں جانا چاہو جا سکتے ہو دولہ رام کا گھوڑا اپنی فتح کی نشانی کے طور پر میں اپنے ساتھ لیکر جاؤں گا دولہ رام کے ان دونوں ساتھیوں نے کوئی جواب نہ دیا تھوڑی دیر تک انہوں نے عجیب سے انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا آنکھوں ہی آنکھوں میں انہوں نے کوئی فیصلہ کیا پھر وہ آگے بڑھ گئے تھے۔ عبداللہ نے عین الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا عین الدین آؤ میرے بھائی واپس چلیں عبداللہ کے کہنے پر عین الدین پرمل دیوی اور سورائی نے اپنے گھوڑوں کو موڑا اور پھر وہ واپس چل دیئے تھے چند قدم آگے جاکر عبداللہ نے عین الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا عین الدین میرے بھائی پشت کی جانب سے محتاط رہنا دولہ رام کے دونوں

ساتھیوں کو جس وقت میں نے جانے کے لیے کہا تھا انہوں نے ایک عجیب سے انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا جس سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ کسی شرارت پر آمادہ ہیں عبداللہ یہیں تک کہنے پایا تھا کہ چونک پڑا اس لیے کہ دولہ رام کے دونوں ساتھی اپنے گھوڑوں کو موڑ کر پلٹے اور پھر گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے عبداللہ اور عین الدین پر حملہ آور ہونے کے لیے بڑھے تھے۔ عبداللہ کے کہنے پر عین الدین بھی چونکہ محتاط تھا لہٰذا دونوں نے ایک ساتھ خنجر نکالے اور اس طرح تاک کر مارے کہ دولہ رام کے دونوں ساتھیوں کے دلوں میں ان کے خنجر پیوست ہو گئے تھے اور دونوں اپنے گھوڑوں سے گر گئے تھے عبداللہ فوراً نیچے اترا تلوار اس نے نکالی اور دونوں کی گردنیں کاٹ دی تھیں پھر مرنے والے تینوں کے گھوڑوں کو اپنے آگے آگے ہانکتے ہوئے عبداللہ عین الدین پرمل دیوی اور سورائی بدھنو دہار کے اس مندر کی طرف جا رہے تھے جہاں وہ راجہ چچ کو چھوڑ کر آئے تھے۔

راجہ چچ ابھی تک شمنی راہب کے پاس تھا جب عبداللہ اور عین الدین پرمل دیوی اور سورائی کے ساتھ آئے تو وہ سمجھ گیا کہ وہ دونوں کامیاب لوٹے ہیں چچ کے پاس آکر عبداللہ نے اسے اپنی ساری کارگزاری سے آگاہ کیا پھر وہ مندر سے نکل کر برہمن آباد کی طرف روانہ ہوئے چند روز تک راجہ چچ نے اپنے لشکر کے ساتھ برہمن آباد میں قیام کیا اس دوران عبداللہ عین الدین پرمل دیوی اور سورائی دولت رام کے ہاں قیام کئے رہے ایک بار پھر راجہ چچ اپنے لشکر کے ساتھ برہمن آباد سے نکلا اب اس کا رخ کرمان کی طرف تھا جو کبھی سندھ کی سلطنت میں شامل تھا پر ایرانیوں نے اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ راجہ چچ نے کرمان کا رخ کیا تاکہ اس پر قبضہ کر کے اپنی سلطنت میں شامل کرے۔

برہمن آباد سے نکلنے کے بعد راجہ چچ نے اپنے لشکر کے ساتھ بڑی تیزی سے کرمان کا رخ کیا تھا۔ کرمان پر ان دنوں ایرانیوں کا قبضہ تھا یہ وہ زمانہ تھا کہ شہنشاہ ایران اردشیر بن شیرویہ مرچکا تھا اور اس کے بعد ایران پر بوران دخت نام کی ایک عورت حکومت کرتی تھی ایران کی حکومت ان دنوں اپنے امراء اور اراکین دولت کی نا اتفاقیوں کی وجہ سے سسکیاں لے رہی تھی اور پھر مسلمانوں کے ہاتھوں پے در پے

شکست کھانے کے بعد ان کی عسکری طاقت بالکل ختم ہوتی جا رہی تھی ان حالات میں جب راجہ چچ نے کران پر حملہ کیا تو ایرانی حکومت کی طرف سے کسی قسم کے رد عمل کا اظہار نہ کیا گیا۔

سب سے پہلے راجہ چچ ارمابیل کی طرف بڑھا ارمابیل آج کل ارمن بیلہ کہلاتا ہے وہ موجودہ ضلع لس بیلہ کا ایک مشہور شہر تھا اور ساموندی کے ساحل پر واقع تھا۔ یہاں کا راجہ بدھ مذہب کا ماننے والا تھا اور یہ سندھ کے سابق راجہ رائے ساہی کے باپ کی طرف سے کران کا گورنر مقرر کیا گیا تھا اسے یہ عہدہ اس کی دیانت اور صداقت کی خصوصیتوں کی بنا پر دیا گیا تھا لیکن بعد میں سرکشی اختیار کر کے خود مختار ہو گیا تھا۔

ارمابیل یا ارمن بیلہ کے راجا کو جب یہ معلوم ہوا کہ سندھ کا راجہ اس پر حملہ آور ہونے کے لئے بڑی تیزی سے اس کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے تو وہ چچ کے استقبال کے لیے باہر نکلا اور اس کا شاندار استقبال کیا اور چچ اس سے اتحاد باہمی کا عہد لیکر مکران کی طرف بڑھا۔

ارمن بیلہ پر قبضہ اور اسے اپنی سلطنت میں شامل کرنے کے بعد راجہ چچ کنزپور پہنچا یہ کنز پور وہی شہر ہے جو آج کل پنجگور کے نام سے مشہور ہے کنزپور یعنی پنجگور پہنچ کر کسی بھی دشمن نے راجہ چچ کی مخالفت یا مزاحمت نہ کی یہاں پہنچ کر راجہ چچ نے ایک پرانے قلعے کو از سر نو درست کیا اور ہندوستانی رواج کے مطابق اس میں ایک پنجتوری نوبت رکھوائی یعنی پانچ سازوں والی نوبت جو کہ ہندوؤں کی رسم کے مطابق شام کو اور پو پھٹنے کے وقت بجائی جاتی تھی۔

پھر راجہ چچ نے اطراف کے سارے دہقانوں کو بلا کر قلعے کی عمارت کو مکمل کرنے کا حکم دیا پنجگور میں کچھ دن قیام کر کے وہ اس نہر کے کنارے اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن ہوا جو کران اور مکران کے درمیان ہے اور اس نے وہاں کھجوروں کے درخت لگا کر اپنی مشرقی سرحد قرار دی جو ایران اور سندھ کو علیحدہ کرتی تھی اور وہاں اس نے اعلان کیا کہ مکران اور کران کی سرحد پر یہ کھجوروں کے درخت ہیں اور ان پر نشان لگا دیئے ہیں اور کھجوروں کے یہ درخت اب سندھ اور ایران کی سرحد

کہلائیں گے۔

پنجگور کو اپنی سلطنت میں شامل کرنے کے بعد راجہ چچ نے مزید پیش قدمی کی اور وہ قندابیل کی طرف بڑھا قندابیل سندھ کے شمال مغربی صوبہ بدھیہ اور خزدار کا سرحدی شہر تھا اور یہ غالباً" موجودہ گنداوا کی جگہ پر جو کہ کچھ گنداوا پرگنے میں ہے اس کے آس پاس تھا اور گنداوا شکار پور سے بولان جانے والے قدیمی راستے پر واقع تھا راجہ چچ چاہتا تھا کہ اچانک اور دفعتاً" قندابیل پر حملہ آور ہو کر اس پر قبضہ کر لے لیکن قندابیل کے لوگوں کو خبر ہو گئی تھی کہ راجہ چچ ان پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے لہٰذا وہ ڈر اور خوف کے مارے اپنے قلعے کے اندر محصور ہو گئے تھے۔

راجہ چچ اپنے لشکر کے ساتھ قندابیل کے باہر خیمہ زن ہوا اور شہر کا اس نے محاصرہ کر لیا قندابیل کے لوگ جانتے تھے کہ وہ راجہ چچ کا مقابلہ کسی بھی صورت نہیں کر سکیں گے لہٰذا کچھ دنوں تک وہ محصور رہے لیکن جنگ کی ابتدا انہوں نے نہیں کی پھر آپس میں صلاح و مشورہ کرنے کے بعد انہوں نے یہ طے کیا کہ ہمیں راجہ چچ کی اطاعت قبول کر لینی چاہیے یہ فیصلہ کرنے کے بعد شہر کے معززین کا ایک وفد راجہ چچ کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے راجہ چچ کو سالانہ بو خچریں اور ایک لاکھ درہم خراج دینے کا وعدہ کیا اور ایک سال کا خراج انہوں نے پیشگی بھی ادا کیا راجہ چچ نے ان شرائط کو قبول کر لیا اور یوں بغیر کسی لڑائی کے پر امن طور پر قندابیل پر بھی راجہ چچ کا قبضہ ہو گیا تھا۔ قندابیل کی فتح کے بعد ایک طرح سے راجہ چچ نے اپنی سلطنت کو اپنی حدود اور اسی وسعت پر قائم کر لیا تھا جو اس سے پہلے سندھ کی سلطنت کی ہوا کرتی تھی قندابیل کی فتح کے بعد راجہ چچ نے چند روز تک اپنے لشکر کے ساتھ اسی شہر کے باہر پڑاؤ کئے رکھا۔

ایک روز راجہ چچ نے عبداللہ عین الدین پرمل دیوی اور سورائی کو اپنے خیمے میں طلب کیا وہ چاروں اس کے خیمے میں آئے جب تک چچ نے عبداللہ اور عین الدین کو مخاطب کر کے کہا میرے دونوں بھائیوں اور میری دونوں بہنوں میں نے تمہارے متعلق ایک اہم فیصلہ کیا ہے اور مجھے امید ہے کہ میرے اس فیصلے سے تم اتفاق کرو گے اس پر عبداللہ نے غور سے چچ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ چچ میرے

بھائی تو نے ہمارے متعلق کیا فیصلہ کیا ہے جواب میں چچ کہنے لگا۔

دیکھ عبداللہ میرے بھائی میں نے اپنی گزشتہ فتوحات سے کام لیتے ہوئے سندھ کی قدیم سلطنت کو اس کی پرانی سرحدوں پر قائم کر دیا ہے میں اس بات کو بھی تسلیم کرتا ہوں کہ جنگوں میں مجھے جو فتوحات حاصل ہوئی ہیں وہ سب عبداللہ تمہاری اور میرے بھائی عین الدین کی وجہ سے ہیں اور میں تادم مرگ تم دونوں کا ممنون اور شکر گزار رہوں گا تم دونوں سے متعلق میں نے جو فیصلہ کیا ہے وہ یہ ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ ایک حاکم کی حیثیت سے عین الدین اپنی بیوی سورائی کو لیکر ملتان اور سکہ کی طرف روانہ ہو جائے اس لیے کہ میں ان علاقوں کا اسے پہلے ہی حاکم مقرر کر چکا ہوں عبداللہ تمہارے اور پرمل دیوی کے متعلق میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ تم دونوں میاں بیوی میرے ساتھ سندھ کی راجدھانی اروڑ میں قیام کرو گے۔

عین الدین کے ملتان اور سکہ میں رہنے سے مجھے یہ فائدہ ہو گا کہ یہ مشرقی اور شمال کی سرحدوں کی خوب حفاظت کرے گا۔ اس کی جانثاری جراتمندی اور اولوالعزمی کی بناء میں اپنی سلطنت کی مشرقی اور شمالی سرحدوں کے متعلق ایک طرف سے بے فکری محسوس کرتا رہوں نگا۔

عبداللہ میرے بھائی جہاں تک تمہاری ذات کا تعلق ہے تو تمہاری میں اروڑ شہر میں بے حد ضرورت محسوس کرتا ہوں تم میرے پاس اروڑ میں رہو گے اروڑ میں مجھے تمہارے صلاح و مشورے کی ہمیشہ ضرورت رہے گی اگر کسی سمت سے بھی دشمن سندھ کی سلطنت پر حملہ کرتا ہے تو عبداللہ میرے بھائی تمہاری مدد سے میں اپنے لشکر کو حرکت میں لاتے ہوئے ہر حملہ آور کو شکست دے سکتا ہوں بس میرے بھائی میں نے تم دونوں سے متعلق یہ ہی فیصلہ کیا ہے اب تم بولو کیا کہتے ہو۔

یہاں تک کہنے کے بعد راجہ چچ جب خاموش ہوا تو عبداللہ عین الدین پرمل دیوی اور سورائی آپس میں صلاح و مشورہ کرنے لگے تھے عبداللہ عین الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

عین الدین میرے بھائی تمہاری اور سورائی کی جدائی یقیناً میرے اور میری بیوی پرمل دیوی کے لیے ناقابل برداشت ہو گی پھر بھی میرے بھائی مجھے خوشی ہے کہ تو

ملتان اور سکہ کے علاقوں کا حاکم مقرر ہو رہا ہے تو وہاں اپنی بہترین جہانگیری اور جرات اور اولوالعزمی کا اظہار کرتے ہوئے لوگوں کی خوشحالی کا سامان کر سکتا ہے میرے بھائی جہاں تک ہم دونوں کی فراقت کا تعلق ہے تو تم فکر مند نہ ہو میں اکثر و بیشتر اروڑ سے نکل کر ملتان اور سکہ میں آ کر تم سے ملتا رہوں گا میرے خیال میں جو فیصلہ میرے بھائی چچ نے کیا ہے یہ بہت اچھا عمدہ اور ہمارے لیے فائدہ مند ہے۔

عبداللہ کی اس گفتگو کے جواب میں عین الدین اور سورائی دونوں کے چہروں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی پھر عین الدین کہنے لگا عبداللہ میرے بھائی اگر تم اس فیصلے کو درست خیال کرتے ہو تو میں اسے قبول کرتا ہوں لیکن میرے بھائی میرے ساتھ وعدہ کرنا تم اور میری بہن پرمل دیوی ہم سے ملنے سکہ ضرور آتے رہو گے اس بار پرمل دیوی کہنے لگی عین الدین میرے بھائی آپ بے فکر رہیں اب سورائی میری بہن ہے میں خود بھی زیادہ دنوں تک اس کی جدائی برداشت نہیں کروں گی اگر کبھی عبداللہ بھول گئے تو میں خود انہیں یاد کراؤں گی اور انہیں آپ کے پاس لیکر آیا کروں گی پرمل دیوی کا جواب سن کر عین الدین اور سورائی دونوں خوش ہو گئے تھے۔

پھر اسی روز راجہ چچ نے لشکر کو کوچ کا حکم دیا لشکر سے چند دستے راجہ چچ نے علیحدہ کر کے عین الدین کی کمان میں دیئے اور عین الدین اپنی بیوی سورائی اور ان دستوں کے ساتھ سکہ کی طرف کوچ کر گیا تھا۔ جبکہ عبداللہ اور پرمل دیوی دونوں میاں بیوی راجہ چچ کے ساتھ سندھ کے مرکزی شہر اروڑ کا رخ کر رہے تھے۔

○===○===○

برفانی دیوتا

سورج غروب ہونے کے قریب تھا۔ آسمان پر گہرے بادل چھائے تھے۔ برف باری کا امکان تھا۔ دریائے ڈینیوب کے شمالی کوہستانی سلسلوں کے اندر کالی رات کی پرچھائیوں جیسی چپ اور اندھی بنجر زمین جیسا سکوت طاری تھا۔ پھر ان خاموشیوں میں یکایک زنگ آلود اور گرسنہ آوازیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ جیسے لاکھوں قرنوں کی اندھی مسافت میں گھمبر سمندروں کے اٹھتے ہوئے طوفان اور چاروں سمت پھیلے حسد کے گوشوں میں وقت کے بیکراں بحر نے جوش مارا ہو۔ بہرحال مدتوں کے ان افسانوی کوہستانی ویرانوں میں انسانی آوازوں کا نہ ختم ہونے والا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

پھر دریائے ڈینیوب کے اس پار کے کوہستانی سلسلوں کے اندر ایک بہت بڑا لشکر نمودار ہوا۔ یہ وحشی ہن قبائل کے بادشاہ اٹیلا کا لشکر تھا۔ اٹیلا سیاہ رنگ کے گھوڑے پر سوار کسی برفانی دیوتا کی طرح اپنے لشکر کے آگے آگے تھا۔ وہ سمور اور چمڑے کا لباس پہنے ہوئے تھا۔ اس کے پیچھے جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی اس کے لشکری اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار چلے آ رہے تھے۔ وہ بھی اپنے جسموں کو سردی سے بچانے کے لئے کھالوں کے لباس اور ان پر سمور پہنے ہوئے تھے۔ لشکر کے پیچھے خچروں کا دوسرا سامان لدھا ہوا تھا۔ جبکہ باربرداری کے اس سامان کے پیچھے خوراک میں استعمال ہونے والا ایک بہت بڑا ریوڑ تھا۔ اس ریوڑ میں شمالی زہو' لمبے بالوں والے یاک اور کوہستانی بھیڑ بکریاں شامل تھیں۔

لشکر کے وسطی حصہ میں لشکر میں شامل عورتیں اور لڑکیاں رکھی گئی تھیں تاکہ ان کی حفاظت بہتر طور پر ہوتی رہے۔ اٹیلا کا وہ لشکر کوہستانی سلسلہ کے اندر سفر کرتا رہا۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ فضاؤں میں گہری تاریکی پھیل گئی تھی۔ شاید اٹیلا اپنے لشکر کا پڑاؤ کرنے کے لئے مناسب وادیوں کی تلاش میں تھا۔ تاریکی میں جب

لشکر ایک کوہستانی سلسلہ کو عبور کرتے ہوئے سامنے نمودار ہونے والی وادیوں میں داخل ہو رہا تھا تو اچانک لشکر کے پچھلے حصہ میں جہاں باربرداری کا سامان تھا ایک انسانی چیخ انتہائی ہولناک انداز میں بلند ہوئی۔ یہ چیخ سنتے ہی لشکر کے آگے اٹیلا نے اپنے لشکر کو رک جانے کا حکم دیدیا تھا۔

پھر اٹیلا اور اس کے سالار اور سردار اپنے گھوڑوں کو بڑی تیزی سے بھگاتے ہوئے اس جگہ آئے جہاں انسانی چیخ بلند ہوئی تھی۔ باربرداری کے اس حصہ میں آکر انہوں نے دیکھا کوہستانی سلسلہ کی بلندی سے ایک شخص اپنے گھوڑے سے گر کر نیچے پتھروں پر گرا تھا اور ہلاک ہو گیا تھا اور کچھ ہن جوان اسے اٹھا کر اوپر لا رہے تھے جب اسے اوپر لایا گیا تو اٹیلا نے تاریکی میں اسے لانے والوں کو مخاطب کر کے پوچھا یہ جوان کیسے گرا اور کیوں ہلاک ہوا اس پر ان لانے والوں میں سے ایک بولا اور کہنے لگا۔

خاقان رات کی تاریکی میں اس کا گھوڑا بلند کوہستانی سلسلہ کے ایک کنارے پر چل رہا تھا اس موقع پر اس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی یہ اپنے دھیان میں بیٹھا میرے ساتھ محو گفتگو تھا کہ اچانک بیچارا اپنے گھوڑے سے نیچے گر گیا اور ہلاک ہو گیا۔ خاقان یہ میرا دوست تھا مجھے اس کے مرنے کا انتہائی دکھ اور غم ہے۔

اٹیلا اس کے سالار اور ساتھی تھوڑی دیر تک مرنے والے ہن کو بڑے افسوس اور دکھ سے دیکھتے رہے پھر اس کو وہیں دفن کر دیا گیا۔ اس کے بعد لشکر پھر آگے بڑھنے لگا تھا۔ لشکر تھوڑا سا ہی آگے گیا تھا کہ برفباری شروع ہو گئی تھی جس کی بنا پر اٹیلا نے سامنے آنے والی وادیوں میں اپنے لشکر کو خیمہ زن ہونے کا حکم دیدیا تھا۔

اٹیلا کا حکم ملتے ہی آن کی آن میں رات کی گہری تاریکی میں ان وادیوں کے اندر لشکر خیمہ زن ہونا شروع ہو گیا تھا۔ پھر تھوڑی ہی دیر بعد وادی میں جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی خیموں کا ایک شہر آباد ہو چکا تھا۔ برفباری اب تیز ہو گئی تھی۔ خیمے نصب ہونے کے بعد چمڑے کی چادروں کے بڑے بڑے چھپر کھڑے کر دیئے گئے تھے جن کے نیچے باربرداری کے جانور لشکر کی خوراک کے طور پر استعمال ہونے والے ریوڑ، لشکر میں شامل ہونے والے گھوڑے کھڑے کر دیئے گئے تھے اور ان بڑے بڑے اور وسیع چھپروں کے نیچے آگ کے الاؤ بھی روشن کر دیئے گئے تھے تاکہ جانوروں کے ساتھ

ساتھ وہ پہریدار بھی اپنے آپ کو برفباری میں گرم رکھ سکیں جو جانوروں اور لشکر کی حفاظت پر رات کو مامور کیئے جاتے تھے۔

ہن قبائل میں بادشاہ کو خاقان قبیلے کے سرداروں کو بایان، قبائل کے چھوٹے سرداروں کو نویان اور چھوٹے لشکریوں کو تومان باشی کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ خاقان جو ان کا بادشاہ ہوتا تھا اس کے علاوہ بایان جو ہن قبائل کے مختلف قبیلوں کے سردار ہوا کرتے تھے ان کے خیمے دو تین چھکڑوں کو اکٹھا کر کے ان کے اوپر نصب کیے جاتے تھے۔ یہ ایک طرح سے ہن قبائل کے اندر اپنے خاقان اور بایان کی عزت افزائی کا ایک طریقہ کار تھا۔

خاقان اور بایان کے حکم پر ہن لشکری بڑی تیزی سے حرکت میں آئے اور کوہستانی سلسلہ کے اندر رات کی تاریکی میں انہوں نے لکڑیاں کاٹ کاٹ کر لشکر کے اندر مختلف جگہوں پر روشن کیے جانے والے الاؤ کے پاس ڈھیر کر دی تھیں تاکہ آگ کی تمازت کے پاس وہ لکڑیاں خشک ہو جائیں اور جلانے کے کام لائی جا سکیں۔

اس طرح برفباری رات بھر جاری رہی۔ ہن قبائل کا وہ لشکر اپنے خیموں میں آرام کرتا رہا۔ جگہ جگہ آگ کے بڑے بڑے الاؤ روشن تھے اور لشکر کا ایک حصہ اپنے سارے لشکر کی حفاظت پر مامور تھا۔ پہرا دینے والے یہ ہن لشکری اپنے لشکر کے اردگرد گھومتے رہتے اور وقفے وقفے سے تھوڑی دیر کے لئے باری باری آگ کے الاؤ کے پاس اپنے آپ کو گرم کرتے اس کے بعد پھر گروہ در گروہ اور ٹولیوں کی صورت میں اپنے لشکر کے گرد چکر لگاتے ہوئے منہ سے مختلف آوازیں بھی نکالتے تھے۔ یہ گویا دوسرے گروہ کو اطلاع دینا تھی کہ سب خیریت ہے۔ ہن بنیادی طور پر ایشیائی باشندے تھے۔ 163 قبل مسیح دریائے جیحو اور دریائے سیحوں دونوں دریاؤں کے درمیان وحشی سکائی قبائل آباد تھے جو انتہائی جنگجو اور خونخوار خیال کیئے جاتے تھے پھر اچانک چین کی زرد مٹی کی سرزمینوں سے اور خونخوار قبائل نمودار ہوئے انہیں یوچی قبائل کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ یہ یوچی قبائل وحشی سکائی قبائل پر حملہ آور ہوئے دونوں وحشیوں کے درمیان ہولناک جنگ ہوئی یوچی قبائل نے سکائی قبائل کو اپنے سامنے مغلوب کر لیا۔ شکست کھانے کے بعد سکائی قبائل اپنے وطن کو خیرباد کہہ کر دریائے جیحوں کو عبور کر

کے بلخ آ گئے۔

لیکن یہاں بھی انہیں چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔ یوچی قبائل ان کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں بھی پہنچ گئے اور بلخ اور آس پاس کے سارے علاقوں پر انہوں نے قبضہ کر لیا۔ اس طرح یوچی قبائل فتح پر فتح حاصل کرتے ہوئے ایشیا سے لیکر یورپ تک دریائے ڈینیوب کے آس پاس کے وسیع حصوں پر قابض ہو گئے اور وہاں انہوں نے ایک سلطنت قائم کر لی تھی یہی یوچی قبائل بعد میں ہن قبائل کے نام سے مشہور ہوئے۔

ان ہن قبائل کو چین میں ہیزا کے نام سے بھی یاد کیا جاتا تھا۔ رومیوں نے انہیں طور پر انہیں ہقالی کہہ کر پکارا۔ ایرانیوں نے انہیں ہپتالی اور دیگر اقوام نے انہی کو ہن کہہ کر پکارا۔ بہرحال وحشی ہن قبائل بنیادی طور پر ایشیا ہی سے تعلق رکھتے اور مار دھاڑ کرتے ہوئے اور اپنے سامنے آنے والے ہر قبیلے کو شکست دیتے ہوئے انہوں نے ایشیا کے علاوہ دریائے ڈینیوب کے شمال میں دور دور تک اپنی مضبوط سلطنت قائم کر لی تھی اور اب اس سلطنت کا بادشاہ اٹیلا تھا جو اپنے لشکر کے ساتھ دریائے ڈینیوب کے شمالی کوہستانی سلسلوں میں خیمہ زن ہوا تھا۔

یہ ہن چار بڑے بڑے قبیلوں پر مشتمل تھے۔ اول قطری غور' دوئم کیداری' سوئم ساہیر اور چہارم کوشان۔ دریائے ڈینیوب کے قریبی کوہستانی سلسلوں میں جب رات گزر گئی تو دوسرے روز برفباری تھم گئی تھی۔

مجلس شوریٰ اٹیلا کے ذاتی خیمہ میں طلب کی گئی تھی وہ ایک محل نما اور بہت بڑا خیمہ تھا۔ خیمہ کے اندر بخارا کے انتہائی قیمتی قالین بچھا دیئے گئے تھے۔ خیمے کی دیواروں کے ساتھ منقش چاندی کے زیور' چھوٹے ترکی نیمچے' نیزے' ہاتھی دانت' بانس ترکش مختلف لمبائیوں اور وزنوں کے تیر اور دباغت کئے ہوئے چمڑے کی مدور ڈھالیں جن پر روغن لگا ہوا تھا لٹک رہے تھے۔ وہ خیمہ دوہرے سمور کا تھا اندر کے سمور کے بال باہر کی طرف تھے جب کہ باہر والے سمور کے بال اندر کی طرف تھے تاکہ برفباری اور بارش کے باعث پانی پھسل کر بہہ جائے اور خیمہ میں داخل نہ ہو۔ خیمے کی زیبائش کے لئے کچھ تصویریں بھی اس میں لٹک رہی تھیں اور خیمے کے سامنے

حصہ میں گدے لگا کر اسے شہہ نشین کی صورت میں ذرا اونچا سا کر دیا گیا تھا اور اس گدوں کی شہہ نشین کے پیچھے قدیم چینی دیوتا کوانتی کا بت رکھا ہوا تھا۔ خیمے کے قریب ہی جھاگ جھاگ دودھ سے بھرے ہوئے برتن اور چاولوں کی شراب سے بھرے ہوئے مٹکے رکھ دیئے گئے تھے تاکہ مجلس شوریٰ میں آنے والوں کی ان سے ضیافت کی جا سکے۔ اس کے علاوہ خیمے کے دروازے کے سامنے کئی گز دور تک بھیڑ کے دباغت کیے ہوئے چمڑے بچھا دیئے گئے تھے تاکہ آنے والے وہاں جوتے اتار کر خیمے میں داخل ہو سکیں۔

آخر مجلس شوریٰ کے رکن اس خیمے میں داخل ہونا شروع ہوئے اور اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے تھے۔ کمرے کے سامنے والے حصہ میں گدے رکھ کر جو ایک طرح کی شہہ نشین بنا دی گئی تھی اس کے پاس اٹیلا کا نائب خوش نواز آ کر بیٹھا تھا۔ اٹیلا کی طرح اس کا تعلق بھی قطری غور قبیلے سے تھا اور یہ اٹیلا کا رشتہ دار بھی تھا۔ یہ ایک طرح سے اٹیلا کا ولی عہد بھی تھا۔ خوش نواز کے بعد ساہیر قبیلے کا سردار کوساک بیٹھا تھا اس لئے کہ قطری غور کے بعد سب سے بڑا قبیلہ ساہیر تھا۔

کوساک کے بعد کوشان قبیلے کا سردار عیوان بیٹھا تھا اور یہ کوساک کا ماموں زاد بھی تھا۔ عیوان کے بعد کیداری قبیلے کا سردار کردم خان بیٹھا تھا۔ کردم خان کے بعد لشکر کا طبیب اور ساحر بیٹھا تھا اسے ہن قبائل شامان کہہ کر پکارتے تھے ان کے سامنے دوسری قطار میں لشکر کے دوسرے سردار اور سالار اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے تھے۔

آنے والے یہ سارے ہن سردار اپنے ہتھیار خیمے سے باہر رکھ کر آئے تھے اور جوتے بھی وہیں اتار کر آئے تھے خیمے میں داخل ہونے کے بعد خیمے سے باہر خدمت گزار ہن جوانوں نے ان کی جھاگ جھاگ دودھ اور چاول سے بنی ہوئی شراب سے تواضع بھی کی تھی یہ سب سردار بھیڑ کی کھالوں کے لبادوں میں ملبوس تھے۔ دباغت کئے ہوئے چمڑے کے شلوقے پہنے تھے اور سینوں پر بھیانک نقش و نگار والے چرمی سینہ پوش پہنے ہوئے تھے۔

گدوں سے بنی ہوئی شہہ نشین کے سامنے سارے سردار دو قطاروں میں بیٹھ گئے تھے اور دونوں قطاروں کے درمیان مٹی کی بنی ہوئی چھوٹی چھوٹی انگیٹھیاں رکھی تھیں

جن میں آگ بھری ہوئی تھی تاکہ خیمہ گرم رہے۔ جب سردار اپنی اپنی جگہ آ کے بیٹھ گئے تب خیمہ کے پشتی کمرے سے اٹیلا نکلا وہ سمور کا قیمتی لباس پہنے ہوئے تھا۔ اس کے پیچھے پیچھے اس کی بیٹی جو فینا تھی اپنے باپ کی طرح وہ بھی سفید سمور کا لمبا اور قیمتی لبادہ پہنے ہوئے تھی۔ اس کے لمبے لمبے بال خوب گندھے ہوئے تھے اس کی چوٹیوں میں سونے کے سکوں کی مخروطی سی کلاہ تھی جس کے اندر کی طرف ریشم منڈھا ہوا تھا اور باہر سونا تھا۔ جس نے اس کلاہ کو ایک انتہائی قیمتی تاج کی صورت دیدی تھی۔

اٹیلا کی بیٹی جو فینا خوب لمبے قد کی چھریرے اور گداز بدن کی مالک تھی۔ وہ وقت کے سنہری حصار جیسی حسین جھلملاتی نیلمی کرنوں جیسی خوبصورت' برگ نیلوفر میں لپٹے موتیے کی نرم خوشبو جیسی پرکشش اور ہری گھاس سے کھیلتی گلابی کرنوں کی سی شاداب تھی۔ اس کے دہکتی آگ کی طرح سلگتے ہونٹوں اور مستی شفق سے رخساروں نے اسے انجمن گل بدناں' محفل لالہ رخاں اور آذر کدہ حسن بنا کے رکھ دیا تھا۔

جوں ہی وہ دونوں باپ بیٹی خیمے کے پشتی حصے سے نکل کر اس بڑے کمرے میں آئے جس قدر افراد وہاں بیٹھے ہوئے تھے وہ تعظیماً" اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہاتھ کے اشارے سے اٹیلا نے سب کو بیٹھنے کے لئے کہا۔ اس کے جواب میں سب اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ سامنے والے حصے میں گدوں سے جو شہہ نشین بنائے گئے تھے اس کے وسط میں اٹیلا بیٹھ گیا۔ جب کہ اس کی بیٹی اس کے دائیں طرف بیٹھ گئی تھی۔ تھوڑی دیر تک خیمے کے اس کمرے میں خاموشی رہی۔ اس کے بعد اٹیلا بولا اور اپنے سامنے بیٹھے ہوئے اپنے سارے نویانوں اور سرداروں کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہنے لگا۔

سنو میرے مہربان ساتھیو اس وقت ہمارے لشکر نے جس کوہستانی سلسلے میں پڑاؤ کر رکھا ہے اس سے آگے ان سرزمینوں پر حملہ آور ہونا ہے۔ رومنوں کی اس وقت دو حکومتیں اور سلطنتیں ہیں۔ ایک مشرقی رومن سلطنت جس کا مرکزی شہر قسطنطنیہ ہے۔ اس رومن سلطنت کا شہنشاہ ان دنوں تھیوڈوسیس ہے۔

دوسری رومن غربی رومن سلطنت کہلاتی ہے اس کا مرکزی شہر روم ہے اور یہاں آج کل رومنوں کا شہنشاہ والینٹینین سوئم ہے۔ میں تم سب سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اب ہمیں اپنے حملے کی ابتدا کہاں سے کرنا چاہئے۔ پہلے ہمیں مشرقی روما پر حملہ آور ہونا

چاہئے یا مغربی رومن سلطنت کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے اٹلی کی طرف حملہ آور ہونا چاہئے۔

اٹیلا کے اس سوال پر اس کے سامنے بیٹھے ہوئے اس کے بایان اور نویان تھوڑی دیر تک خاموش رہے اور آپس میں صلاح و مشورہ کرتے رہے اس کے بعد کیداری قبیلے کا سردار کردم خان اٹھا اور اٹیلا کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

محترم خاقان میری تجویز یہ ہے کہ پہلے ہمیں مشرقی روما پر حملہ آور ہونا چاہئے اور یہاں سے اپنا پڑاؤ اٹھا کے دریائے ڈینیوب کو عبور کر کے مشرقی روما کے مرکزی شہر قسطنطنیہ کی طرف پیش قدمی کرنا چاہئے۔

یہاں تک کہنے کے بعد کیداری قبیلے کا سردار کردم خاں جب خاموش ہوا تو اٹیلا نے پھر اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا دیکھ کردم خان میں تمہاری تجویز کو پسند کرتا ہوں لیکن یہ تو کہو کہ مشرقی رومن سلطنت پر پہلے حملہ آور ہونے کے لئے تمہارے ہاں کیا وجہ ہے۔ اس پر کردم خاں نے پھر لمحہ بھر کے لئے سوچا اور اس کے بعد وہ جواب دیتے ہوئے کہنے لگا۔

خاقان مغربی روما سلطنت کے بجائے مشرقی رومن سلطنت پر حملہ آور ہونے کے لئے میرے پاس وجہ یہ ہے کہ جس جگہ ہم نے اس وقت پڑاؤ کر رکھا ہے یہاں سے مشرقی رومن سلطنت نزدیک ہے جبکہ مغربی رومن سلطنت دور ہے۔ لہٰذا پہلے ہمیں اس وجہ سے مشرقی رومن سلطنت پر حملہ آور ہونے کے بعد پھر مغربی رومن سلطنت کا رخ کرنا چاہئے۔

یہاں تک کہنے کے بعد کیداری قبیلے کا سردار کردم خان اپنی جگہ پر بیٹھ گیا تھا۔ اٹیلا تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر وہ بولا اور کہنے لگا۔ دیکھ کردم خان مشرقی روما سلطنت پر جو تم نے حملہ آور ہونے کی وجہ بتائی ہے یہ ناکافی ہے۔ کوئی اور وجہ بتاؤ کہ ہمیں کیوں مشرقی روما پر حملہ آور ہونا چاہئے جس سے ہمیں جنگی اور مالی فائدہ ہو سکے۔ چند لمحوں تک سارے سردار پھر خاموش رہے اس کے بعد سابیر کا جواں سال سردار کوساک اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔

کوساک جو سابیر قبیلے کا سردار تھا وہ خوب دراز قد اور بھرپور جسم کا مالک تھا۔ اس

کی جسمانی ساخت بتاتی تھی کہ وہ زیست کے دریائے تند اور گہرے سمندر جیسا
کرب کی ژالہ باری' برہنہ اور برہم آگ کے شعلوں جیسا جرات مند ہے اور ہجر
کے عذاب اور کرنوں کے الہام کی یورش جیسا بہادر اور شجاع ہو گا۔ اس کے چہرے
عداوتوں کی گھات میں زمیں کی ساری تہوں کو کھنگال دینے کے عزائم اور ہر لمحے
قیامت اور ہر ساعت کو اذیت میں بدل دینے کے ارادے عیاں تھے۔ اس کی
شعلہ بار آنکھوں میں سیل وقت اور زیست کی ست رنگی روشنیوں کے قوسوں کے
منظر میں کرب طوفان میں نہاں ہو جیں عذابوں کے قصے اور المناکیوں کی داستانیں جو
مار رہی تھیں کوساک کچھ دیر تک اٹیلا کی طرف دیکھتا رہا پھر وہ بولا اور کہنے لگا۔

دیکھ خاقان میں کیداری قبیلے کے سردار کردم خاں کی تجویز سے اس حد تک
اتفاق کرتا ہوں کہ ہمیں حملے کی ابتداء مشرقی رومن سلطنت کی طرف سے کرنی چاہئے
لیکن مجھے افسوس ہے کہ آپ اس کے حملہ آور ہونے کی وجہ سے اتفاق نہیں
سکے۔ میرے پاس مشرقی رومن سلطنت پر حملہ آور ہونے کی ایک اور بھی وجہ ہے
شاید وہ آپ کے دل کو لگے اس پر اٹیلا تھوڑی دیر تک بڑے شوق اور دھیمی مسکراہٹ
میں کوساک کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر بولا اور کہنے لگا۔ کہو سابیریوں کے فرزند تم کیا
چاہتے ہو۔ اس پر کوساک پھر بولا اور کہنے لگا۔

دیکھ خاقان۔ میرے یہاں پہلے مشرقی رومن سلطنت پر حملہ آور ہونے کی وجہ
بھی ہو سکتی ہے کہ ان دنوں مغربی رومن سلطنت کی نسبت مشرقی رومن سلطنت زیادہ
طاقتور اور مال و دولت میں بھی زیادہ مستحکم اور مضبوط ہے۔ اگر ہم اپنے حملے کی ابتدا
مغربی رومن سلطنت سے کرتے ہیں تو مشرقی رومن سلطنت اپنے لشکروں اور اپنے مال
و دولت کو استعمال کرتے ہوئے مغربی سلطنت کی مدد کرے گی اس طرح ہمارے لئے
مسائل اٹھ کھڑے ہو سکتے ہیں۔

اور اگر حملہ آور ہونے کی پہل مشرقی رومن سلطنت سے کرتے ہیں تو مغربی
رومن سلطنت اس حالت میں نہیں کہ وہ اپنے مشرقی بھائیوں کی مدد کر سکیں۔ اس لئے
مشرقی رومن سلطنت کی نسبت مغربی رومن سلطنت ان دنوں کمزور ہے اور وہ مالی
دشواریوں سے بھی دوچار ہے۔ لہٰذا ہمیں حملے کی ابتدا مشرقی رومن سلطنت سے کرنی

چاہئے۔ جب ہم مشرقی رومن سلطنت کو کچل کر اپنے سامنے زیر اور مغلوب کریں گے
مغربی رومن سلطنت کو زیر کرنا ہمارے لئے آسان ہو جائے گا اور کوئی بھی ہمارے
خلاف اس سلطنت کی مدد کو نہ پہنچے گا۔

اٹیلا سابیر قبیلے کے سردار اور اپنے اس بہترین بایان کی اس گفتگو پر انتہائی مطمئن
اور خوش دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ بھی نمودار ہوئی
تھی۔ دوسری طرف اٹیلا کے پہلو میں بیٹھی ہوئی اس کی بیٹی جو فینا بھی کوساک کو اس
انداز سے دیکھ رہی تھی جیسے کوئی وفاؤں کے شہر میں اجالوں کی جستجو کرتا ہے۔ اس وقت
جو فینا کے معصوم چہرے اور گہری نیلی جھیل آنکھوں میں تپتے سالوں جیسی خواہشیں
اور امیدیں بھی رقص کناں تھیں اس پر اٹیلا بولا اور اپنے سردار کوساک کو مخاطب کر
کے کہنے لگا۔

دیکھ سابیر کے فرزند۔ رومنوں کی مشرقی سلطنت پر حملہ آور ہونے کے لئے جو وجہ
تم نے بتائی ہے وہ میرے دل کو لگی ہے۔ اگر ہم مشرقی سلطنت پر حملہ آور ہونے کی
ابتداء کرتے ہیں تو یقیناً" شرق سے لیکر غرب تک کامرانیاں اور فتح مندیاں ہمارے قدم
چومتے رہیں گی۔ دیکھ کوساک میں تمہاری دانش مندی' تمہاری حربی اور جنگی فراست کی
داد دیتا ہوں۔ اب یہ آخری فیصلہ ہے کہ کل لشکر یہاں سے کوچ کرے گا اور رومنوں
کی مشرقی سلطنت کی طرف پیش قدمی شروع ہو گی اب تم سب لوگ جاؤ اور کل کے
لئے کوچ کی تیاریاں کرو۔ اس کے ساتھ ہی سارے سردار اپنی جگہوں سے اٹھے اور
خیمے سے باہر نکلنے لگے تھے۔

اس موقع پر اٹیلا پھر بولا اور کیداری قبیلے کے سردار کردم خان کو مخاطب کر کے
کہنے لگا۔ کردم خان تم تھوڑی دیر میرے خیمے سے باہر انتظار کرو۔ ایک انتہائی اہم
موضوع پر تم سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ اٹیلا کی اس گفتگو پر کردم خان کے چہرے پر ہلکی
سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ پھر وہ دوسرے سرداروں کے ساتھ خیمے سے باہر نکل
گیا تھا۔

جب سب لوگ باہر نکل گئے تب اٹیلا کی بیٹی جو فینا حرکت میں آئی اور
مخاطب کرتے ہوئے بڑی جستجو اور بڑے تجسس میں پوچھا اے میرے باپ آپ نے

کیداری قبیلے کے سردار کردم خان کو خیمے کے باہر رک کر انتظار کرنے کے لئے کیوں کہا ہے۔ اس پر اٹیلا نے بڑے غور سے اپنی بیٹی جوفینا کی طرف دیکھا اور کہنے لگا دیکھ بیٹی جس معاملے کے لئے میں نے کردم خان کو اپنے خیمے سے باہر روک کر انتظار کرنے کے لئے کہا ہے اس معاملے کا تعلق تیری ذات سے ہے۔ جوفینا چونک سی پڑی اور کہا۔

مجھ سے کردم خان کا کیا تعلق ہے میرے باپ۔ اٹیلا بڑی شفقت اور بڑی نرمی میں کہنے لگا۔ جوفینا میری بیٹی میں نے ارادہ کیا ہے کہ کیداری قبیلے کے سردار کردم خان کے ساتھ تمہیں بیاہ دیا جائے۔ تو جانتی ہے ہم جیسے قبائلی لوگوں کی لڑکیاں عموماً دوسرے قبیلے میں کی ہو جاتی ہیں تاکہ قبیلوں کے تعلقات ایک دوسرے سے مستحکم اور مضبوط رہیں اور آنے والے دنوں میں وہ ایک دوسرے سے اتحاد اور یک جہتی رکھتے ہوئے زندگی بسر کر سکیں۔ کردم خان جوان ہے' دلیر ہے' شجاع ہے اور یہ کیداری قبیلے کا سردار ہے۔ اس کے قبیلے والے اسے پسند کرتے ہیں۔ اس پر جوفینا بولی اور کہنے لگی اگر کیداری قبیلے کے لوگ کردم خان کو پسند کرتے ہیں تو سن میرے باپ میں کردم خان کو ناپسند کرتی ہوں۔

اپنی بیٹی جوفینا کے اس جواب پر اٹیلا چونک سا پڑا پھر اس نے بڑے غور سے جوفینا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ دیکھ میری بیٹی میری بچی کردم خان کو ناپسند کرنے کی تیرے پاس کوئی وجہ بھی ہے۔ اس پر جوفینا بڑی دلیری اور بڑی بے باکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہنے لگی۔ دیکھ میرے باپ۔ کردم خان کو ناپسند کرنے کی میرے پاس بڑی مضبوط اور قابل لحاظ وجہ ہے جبکہ میں ساہیر قبیلے کے سردار کوساک کو پسند کرتی ہوں۔ اسے چاہتی ہوں۔ اس سے محبت کرتی ہوں۔ دیکھ میرے باپ میری نگاہوں میں کیداری قبیلے کے سردار کردم خان اور ساہیر قبیلے کے سردار کوساک کے درمیان ایسا ہی فرق ہے جیسے پاؤں کی جوتی اور سر کے عمامے میں۔ میری نگاہوں میں کوساک سر کا عمامہ۔ کردم خان پاؤں کی جوتی کے برابر ہے۔ لہٰذا میرے باپ پاؤں کی جوتی کو سر کے عمامے پر کیسے ترجیح دی جا سکتی ہے۔ جوتا کیسا ہی نیا اور قیمتی کیوں نہ ہو آئے گا پاؤں ہی میں۔ عمامہ کیسا ہی بوسیدہ اور پھٹا ہوا کیوں نہ ہو اس کی جگہ انسانی سر ہی ہے۔ دیکھ میرے باپ آپ بھی جانتے ہیں کہ ساہیر قبیلے کا سردار کوساک کردم خان کی نسبت کم عمر ہے۔ اس سے زیادہ باہمت' جوان' شجاع' دلیر اور قد کاٹھ میں بھی اس سے زیادہ نکلا ہوا اور خوبصورت ہے۔ جہاں تک شکل و شباہت کا تعلق ہے اے میرے باپ کردم خان کوساک کی گرد کو بھی نہیں پہنچتا۔ لہٰذا میں کوساک کو اپنے زندگی کے ساتھی کے طور پر چن چکی ہوں۔ اس لئے آپ سے التماس کروں گی کہ میری شادی کے سلسلے میں آپ کردم خان سے کسی قسم کی بات نہ کریں۔

اس موقع پر اٹیلا اپنی بیٹی جوفینا سے کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ جوفینا اپنی جگہ سے اٹھی بڑی تیزی کے ساتھ وہ خیمے کے دروازے پر آئی۔ اس نے دیکھا کہ خیمے کے باہر کیداری قبیلے کا سردار کردم خان کھڑا تھا۔ شاید وہ اندر بلائے جانے کے لئے بڑا منتظر اور بے چین تھا۔ جوفینا کو خیمے کے دروازے پر دیکھتے ہی کردم خان چونکا تھا وہ چند قدم آگے بڑھا ہی تھا کہ جوفینا بولی اور کہنے لگی۔

دیکھ کردم خان تم جاؤ جا کر اپنے خیمے میں آرام کرو۔ کل کے لئے کوچ کی تیاریاں کرو۔ میرے بابا ایک اہم مسئلے پر تمہارے ساتھ گفتگو کرنا چاہتے تھے پر میں نے اپنے بابا کا وہ مسئلہ حل کر دیا ہے اس لئے اب تمہاری ضرورت نہیں تم جاؤ۔

جوفینا کے اس جواب پر کردم خان کچھ مایوس اور افسردہ سا ہو گیا تھا وہ ابھی تک وہیں کھڑا تھا اور بڑے شوق اور بڑی توجہ سے حسین جوفینا کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ جوفینا نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور خیمے کے اندر واپس چلی گئی تھی۔ کردم خان بھی مایوس سا ہو کر وہاں سے چل دیا تھا۔

جوفینا پھر اٹیلا کے پہلو میں جا کر بیٹھ گئی تھی۔ اٹیلا تھوڑی دیر تک اسے بڑی شفقت سے دیکھتا رہا۔ پھر وہ ہلکی ہلکی مسکراہٹ اور نرمی میں کہنے لگا۔

جوفینا میری بیٹی۔ ابھی میرے اور تمہارے درمیان گفتگو جاری تھی۔ ہم دونوں باپ بیٹی کسی نتیجے پر پہنچے ہی نہ تھے کہ تم نے پہلے ہی کردم خان کو چلے جانے کے لئے کہہ دیا۔ اس پر جوفینا بولی اور کہنے لگی۔ دیکھ میرے باپ جو گفتگو ہم دونوں باپ بیٹی کرنا چاہتے ہیں اس میں کردم خان کا نہ کوئی ذکر آنا چاہئے اور نہ ہی اس کی اس سلسلے میں کوئی ضرورت ہے۔ لہٰذا میں نے اسے واپس بھیج دیا ہے۔ اب آپ کہیں کیا کہنا

چاہتے ہیں۔ اس پر اٹیلا پھر کہنے لگا۔

جو فینا میری بیٹی میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ ساہیر قبیلے کا سردار کوساک کردم خان سے کہیں زیادہ بہادر، شجاع، دلیر، باہمت اور جوانمرد ہے۔ وہ اس سے دراز قد بھی ہے۔ وجیہہ اور خوبصورت بھی ہے۔ اطوار و اخلاق میں بھی اس سے بدرجہا بہتر ہے تو جانتی ہے کہ اپنے شامان کی بیٹی زریون کوساک سے محبت کرتی ہے جب کہ خود کوساک بھی زریون کو پسند کرتا ہے۔ شامان خود بھی ان دونوں کی محبت سے واقف اور آگاہ ہے اور اس نے اپنی بیٹی زریون کو کوساک سے ملنے اس کے پاس رہنے اور خیمے میں آنے جانے کی اجازت دے رکھی ہے۔ تو یہ بھی جانتی ہے کہ کوساک کے خیمے کی ساری صفائی ستھرائی اور اس کے کھانے کا اہتمام شامان کی بیٹی زریون ہی کرتی ہے۔ پھر ان حالات میں کیسے تم امید رکھ سکتی ہو کہ کوساک تمہیں پسند کرے گا۔

دیکھ میری بیٹی اگر تو کوساک کو پسند کرتی ہے تو تیری یہ محبت یک طرفہ ہو گی زریون کے ہوتے ہوئے کوساک تمہیں محبت اور چاہت تو نہ دے سکے گا۔ پھر تو کیسے کوساک کی ہو سکے گی۔ اس پر جو فینا فیصلہ کن انداز میں بولی اور کہنے لگی۔

اے میرے باپ یہ بات تو فیصلہ کن ہے کہ میں کردم خان کو ناپسند کرتی ہوں لہٰذا اس سے کسی بھی صورت میری شادی نہ ہو گی۔ رہی بات زریون اور کوساک کی اور ایک دوسرے کو پسند کرنے اور محبت کرنے کی تو اے میرے باپ میں ان دونوں کی اس محبت اور چاہت سے واقف ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ وہ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اور زریون کا کوساک کے خیمے میں آنا جانا ہے۔ اس کے خیمے کی صفائی ستھرائی اور اس کے کھانے کا اہتمام زریون کرتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ پر میرے باپ ہمارے قبائلی سردار کیا بیک وقت ایک سے زیادہ بیویاں نہیں رکھتے۔ اس پر اٹیلا بولا اور کہنے لگا۔

جو فینا میری بیٹی تمہاری بات درست ہے۔ خود میرے حرم میں ایک سے زیادہ بیویاں تھیں جو اب فوت ہو چکی ہیں۔ تیری ماں بھی فوت ہو چکی ہے۔ لیکن یہ ضمانت تمہیں کیسے ملے گی کہ کوساک تمہیں پسند کرے گا اور تمہارے ساتھ شادی کرلے گا۔ اس پر جو فینا بولی اور کہنے لگی۔

دیکھ میرے باپ میں زریون اور کوساک کی راہ میں حائل نہیں ہوں گی۔ زریون میری بہترین سہیلی ہے وہ مجھے پسند کرتی ہے اور میں اسے چاہتی ہوں لہٰذا میں اس کی چاہت میں لات نہیں ماروں گی۔ اس سلسلے میں پہلے میں زریون سے بات کروں گی۔ اگر زریون اس بات پر آمادہ ہو گئی کہ میں بھی کوساک کے حرم میں داخل ہو جاؤں اور اس کی زندگی کا ساتھی بنوں تب میرے باپ میں کوساک کو اپنی طرف مائیل کرنا شروع کروں گی۔ مجھے امید ہے کہ ایک وقت ضرور آئے گا جس طرح کوساک زریون سے محبت کرتا ہے اسی طرح وہ مجھے بھی چاہنے لگے گا۔ جب ایسا وقت آئے گا تو اے میرے باپ میں کوساک سے شادی کرلوں گی۔ آپ کو اس سلسلے میں کوئی اعتراض ہے۔

جو فینا کی اس گفتگو کے جواب میں اٹیلا تھوڑی دیر تک خاموش رہ کر کچھ سوچتا رہا پھر لحہ بھر کے لئے اس نے بڑے غور سے جو فینا کی طرف دیکھا پھر اس کے لبوں پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر وہ بولا اور فیصلہ کن انداز میں کہنے لگا۔

جو فینا میری بیٹی اگر تم کردم خان کو ناپسند کرتی ہے اور اس سے شادی نہیں کرنا چاہتی تو کوئی بھی تیری شادی اس سے نہیں کرے گا۔ یہ تو طے شدہ معاملہ ہے۔ جہاں تک کوساک کا معاملہ ہے اگر تم اسے اپنی طرف مائیل کر کے اس سے شادی کرنا چاہتی ہو تو میں تمہیں اس کی اجازت دیتا ہوں۔ تجھے یہ بھی اجازت دیتا ہوں کہ تو جب چاہے کوساک کے خیمے میں جا سکتی ہے اس سے گفتگو کر سکتی ہے اس کے ساتھ اٹھ بیٹھ سکتی ہے اس لئے کہ مجھے کوساک کے کردار اور اخلاق پر پورا اعتماد اور بھروسہ ہے۔ اٹیلا ابھی یہیں تک کہنے پایا تھا کہ جو فینا آگے بڑھی پوری شدت زور اور قوت کے ساتھ وہ اٹیلا سے لپٹ گئی تھی۔ پھر اس نے اٹیلا کی پیشانی پر ایک طویل بوسہ دیا۔ علیحدہ ہوئی اور مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

اے میرے باپ آپ نے یہ فیصلہ کر کے بیٹی کا دل خوش کر دیا ہے۔ میں ساری عمر آپ کی احسان مند رہوں گی۔ آپ نے میری چاہت اور محبت کا خیال رکھتے ہوئے مجھے آزادی دی۔ اے میرے باپ میں آج ہی سے زریون سے بات کر کے کوساک کو اپنی طرف مائیل کرنے کا کام شروع کروں گی۔ اور مجھے امید ہے کہ بہت جلد میں اپنی

اس نئی مہم میں کامیاب ہوں گی۔ اور ایک روز آپ کو ایسی خوشخبری دوں گی کو یقیناً آپ کے اطمینان اور خوشی کا باعث ہو گی۔ اٹیلا نے پھر کچھ سوچا اور دوبارہ اپنی بیٹی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

دیکھ میری بیٹی اگر تو کوساک سے شادی کرنے میں کامیاب ہو جائے تو میں سمجھوں گا کہ یہ تیری بہت بڑی کامیابی ہو گی اور دیکھ میری بیٹی اگر تو کوساک سے شادی کر لے تو پھر تیرے باپ کو بھی تقویت اور طاقت حاصل ہو گی۔ ذاتی اور عسکری طور پر بھی اس پر جو فینا نے چونک کر اٹیلا کی طرف دیکھا اور پوچھا وہ کیسے میرے باپ۔ اٹیلا کہنے لگا۔

جو فینا میری بیٹی دیکھ کوساک ساہیر قبیلے کا سردار ہے۔ اور ہمارے قبیلے قطری غور کے بعد ساہیر قبیلہ سب سے بڑا اور طاقتور قبیلہ ہے۔ تیسرے نمبر پر طاقت کے لحاظ سے کوشان قبیلہ آتا ہے اس کا سردار عیوان کوساک کا ماموں زاد ہے۔ لہٰذا ساہیر اور کوشان سمجھو ایک ہی قبیلے کے دو رخ ہیں۔ اگر تو کوساک کے ساتھ شادی کر لیتی ہے تو پھر میری بیٹی ایک طرح سے تین قبیلوں قطری غور' ساہیر اور کوشان قبیلے کا اتحاد ہو جائے گا۔ اور دیکھ بیٹی اگر شلان کی بیٹی زریون کی شادی بھی کوساک سے ہو جاتی ہے تو اس سے بھی ہمیں تقویت ملے گی۔ اس لئے کہ شلان کا تعلق عیوان کے قبیلے سے ہے اور جب شلان کی بیٹی زریون کوساک کی زندگی کی ساتھی بنے گی تو اس طرح تین قبیلوں کے درمیان اخوت اور یک جہتی کے رشتے اور مضبوط ہوں گے۔

جو فینا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی دیکھ میرے باپ میں آج سے ہی اپنے اس کام کی ابتدا کرتی ہوں۔ اپنا شاہی لباس اتار کر دوسرے کپڑے پہنتی ہوں اور اس سلسلے میں زریون سے بات کرتی ہوں پھر کوساک کے پاس جاؤں گی۔ جو فینا کے اس فیصلے پر اٹیلا کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہو گئی تھی۔ جو فینا خیمے کے پشتی دروازے سے اپنے ذاتی خیمے کی طرف گئی۔ جلدی جلدی اس نے لباس تبدیل کیا پھر وہ اپنے خیمے سے نکل گئی تھی۔

○

کیداری قبیلے کا سردار کردم خان جب اپنے خیمے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ

خیمے میں ایک شخص بیٹھا ہوا تھا۔ اسے دیکھتے ہی کردم خان بڑی بشاشت میں اسے کہنے لگا۔ دیکھ تکائی کیا تو کسی خاص کام کے تحت میرے خیمے میں بیٹھا میرا انتظار کر رہا ہے۔ اس پر تکائی نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کردم خان کا استقبال کیا۔ جب کردم خان آگے بڑھ کر نشست پر بیٹھ گیا تو تکائی بھی بیٹھا اور کہنے لگا۔ دیکھ سردار میں ایک انتہائی اہم موضوع پر تمہارے ساتھ گفتگو کرنے کے لئے آیا ہوں۔ یوں جانو کہ جس موضوع پر میں تم سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں اس میں مجھے میری جان کا بھی خطرہ ہے۔ اس پر کردم خان نے عجیب سے انداز میں تکائی نام کے اس جوان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

تمہیں کس کی طرف سے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ اس پر تکائی بولا اور کہنے لگا۔

دیکھ سردار کردم خان اگر میرا ایک راز فاش ہو گیا تو مجھے خطرہ ہے کہ خاقان اٹیلا اور ساہیر قبیلے کا سردار کوساک مجھے موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔ تکائی کے اس انکشاف پر کردم خان نے چبھتے ہوئے انداز میں تکائی کی طرف دیکھا پھر کسی قدر تلخی میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

کھل کر کہو تکائی تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ یہاں کوئی ایسا معاملہ مت کرنا جس کی بنا پر میں اپنے خاقان اٹیلا کی نگاہوں سے گر جاؤں۔ اگر ایسا ہوا تو یاد رکھنا میں اپنے قبیلے ہی میں نہیں سارے ہن قبائیل کے سامنے رسوا و ذلیل ہو کر رہ جاؤں گا۔ تیرا تعلق چونکہ میرے قبیلے سے ہے لہٰذا تیری بے عزتی میری بے عزتی اور تیرا دکھ میرا دکھ ہے اب کہو معاملہ کیا ہے۔ یہاں تک کہنے کے بعد کردم خان جب خاموش ہوا تو تکائی بولا اور ہچکچاتے ہوئے کہنے لگا۔

دیکھ سردار کردم خان میں ساہیر قبیلے کے اس شخص بشکاک کا مقروض تھا۔ میں نے اس سے ایک بھاری رقم قرض لے رکھی تھی اس پر وہ اچھا خاصا مجھ سے سود وصول کرتا تھا۔ میری بدقسمتی کہ وہ رقم میں نے کسی اچھے کام کے لئے لی تھی لیکن میں نے اسے اپنی عیاشیوں پر خرچ کر دیا اور میرے پاس کچھ نہ رہا۔ پھر جب وہ ساہیر قبیلے کا وہ شخص بشکاک جس سے میں نے وہ رقم ادھار لی تھی وہ رقم کی واپسی کا تقاضا کرنے لگا تب میرے دل میں اس کے خلاف نفرت اور کھولن پیدا ہوتی چلی گئی۔

کردم خان بیچ میں بولا اور کہنے لگا پھر کیا ہوا۔ تکائی بولا پھر یوں ہوا کہ جس وقت

گذشتہ دن سورج غروب ہونے کے بعد ہمارا لشکر خیمہ زن ہونے کے لئے ان وادیوں میں پیش قدمی کر رہا تھا تو اس وقت بشکاک کے پہلو بہ پہلو اپنے گھوڑے کو ہانک رہا تھا۔ پھر ایک موقع ایسا آیا کہ بشکاک کا گھوڑا ایک کوہستانی سلسلے کے بالکل کنارے چل رہا تھا اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے رات کی تاریکی میں میں نے ایک زور دار دھکا بشکاک کو دیا وہ اپنا توازن کھو بیٹھا اور اپنے گھوڑے سے نیچے گہری کھڈ میں پتھروں پر گرا اور مرگیا۔

کردم خان چونک جانے والے انداز میں بولا اور پوچھنے لگا۔ گذشتہ شب جو راستے میں ایک شخص مارا گیا تھا اس پر اٹیلا اور سابیر قبیلے کے سردار نے گہرے رنج اور دکھ کا اظہار کیا تھا تو وہ تمہاری ہی وجہ سے مارا گیا تھا۔ سب لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ اس کے گھوڑے کا پاؤں پھسلا اور وہ توازن قائم نہ رکھ سکا اور نیچے پتھروں پر گر کر ہلاک ہو گیا۔ اب میری سمجھ میں آیا اس کی ہلاکت کے تم ذمہ دار ہو۔ پر تکائی یہ تو کہو اس سلسلے میں تمہیں فکر مندی کس بات کی ہے جب تم پر کسی نے شک بھی نہیں کیا معاملہ بھی رفع دفع ہو چکا ہے۔ اور نہ ہی اس حادثے کے بعد میں اٹھایا گیا ہے پھر تم خود کیوں میرے سامنے یہ معاملہ اٹھا رہے ہو۔ تم احمق اور بے وقوف ہو۔ تمہیں اس حقیقت کا مجھ سے بھی ذکر نہیں کرنا چاہئے تھا۔ بلکہ جب یہ معاملہ دفن ہی ہو چکا تھا تو اسے تم اپنے دل میں بھی دفن کر دیتے اور کسی کے سامنے اس کا اظہار نہ کرتے۔

اس پر تکائی بولا اور کہنے لگا دیکھ سردار کاش ایسا ہی ہوتا۔ جیسا تم سوچ رہے ہو لیکن میری بدقسمتی جس وقت میں نے اندھیرے میں بشکاک کو اچانک دھکا دے کر اس کے گھوڑے سے گرایا اور وہ مرگیا میرے اس فعل' میری اس حرکت کو سردار کوساک کے قبیلے سابیر کے ایک شخص نے دیکھ لیا۔ اس شخص کا نام سوبار ہے۔ جس وقت وہ حادثہ رونما ہوا۔ اٹیلا اور سابیر قبیلے کا سردار کوساک دکھ اور افسوس کرتے ہوئے پھر لشکر کو کوچ کرنے کا حکم دے چکے تھے اور جس وقت لشکر ان وادیوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ سوبار اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا میرے پاس آیا اور بڑی رازداری میں میرے کان میں وہ کہنے لگا جس وقت تم نے بشکاک کو دھکا دے کر نیچے گرایا تھا وہ مرگیا تھا میں سارا معاملہ دیکھ رہا تھا اور تمہارے قریب اور نزدیک ہی تھا۔

دیکھ سردار کردم خان جس وقت میں نے بشکاک کو دھکا دے کر گرایا اس وقت سوبار نام کا یہ جوان کہیں ہمارے قریب ہی تھا لیکن میری بدقسمتی کہ میں اس پر نگاہ نہ رکھ سکا۔ لہٰذا اس نے میری حرکت کو دیکھ لیا۔ اس پر کردم خان نے فکر مندی سے تکائی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا پھر سوبار تمہیں کیا کہنے لگا۔ تکائی بولا اور کہنے لگا۔ دیکھ سردار کردم خان جس وقت سوبار نے مجھ پر یہ انکشاف کیا کہ جس وقت میں نے بشکاک کو دھکا دیا وہ مجھے دیکھ رہا تھا تو اس وقت میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔ سوبار نے مجھے یہ بھی دھمکی دی کہ اگر تم نے چند شرائط پر میرے ساتھ معاہدہ نہ کیا تو میں اس معاملے کی اطلاع خاقان اور سابیر قبیلے کے سردار کوساک کو دے دوں گا اور وہ دونوں یقیناً" تمہاری گردن کاٹ کر رکھ دیں گے۔

کردم خان نے پھر بیچ میں بولتے ہوئے بڑی بے چینی سے پوچھا۔ اس نے تمہارے سامنے کیا شرائط پیش کیں۔ تکائی کہنے لگا۔

دیکھ کردم خان سوبار نام کے اس جوان نے جس کا تعلق سابیر قبیلے سے ہے اس نے مجھ سے کہا کہ آئندہ جنگوں میں مال غنیمت کے طور پر جس قدر مجھے ملے گا اس میں سے آدھا حصہ میں سوبار کے حوالے کر دوں۔ اس پر کردم خان بولا اور کہنے لگا اس طرح تو آسانی سے تمہاری جان چھوٹ رہی ہے۔ آئندہ جنگوں میں جو کچھ تمہارے حصے میں آتا ہے تم آدھا سوبار کو دیدینا اور اپنی جان بچا لینا۔ اس پر تکائی بولا اور کہنے لگا۔

سردار کردم خان بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ آنے والی جنگوں میں جو کچھ مجھے ملتا ہے اس کا آدھا میں اسے دے دیتا ہوں تو معاملہ یہاں ختم تو نہیں ہو جائے گا بلکہ یہ سوبار بار بار مجھے استعمال کرے گا اس کے تقاضے بڑھیں گے اور اگر کسی موقع پر میں نے اس کے ساتھ تلخ کلامی کی تو یقیناً" وہ اس معاملے کی اطلاع خاقان اور کوساک کو کردے گا۔ اور معاملہ پھر وہاں پہنچ جائے گا جہاں سے یہ شروع ہوا تھا۔ اس لئے اگر میں جنگوں میں اپنے حصے میں آنے والے مال میں سے نصف اسے دیتا ہوں تب بھی معاملہ رفع دفع تو نہیں ہوتا۔ اس کے بعد بھی وہ مجھ پر پابندیاں لگاتا رہے گا اور نئی نئی شرائط پیش کرتا رہے گا۔ اور مجھ سے رقم اینٹھنے کی کوشش کرتا رہے گا۔ بس یوں جانو

سردار یہ سوبار پوری زندگی کے لئے ایک روگ اور مرض بن جائے گا۔

تکائی کی اس گفتگو پر کردم خان نے کچھ سوچا پھر وہ فکر مند سے لہجے میں کہنے لگا۔ تکائی تمہارا اندازہ درست ہے۔ اگر تم نصف مال اسے دے بھی دیتے ہو تب وہ بعد میں تم سے مختلف رقوم کا تقاضا کرتا رہے گا اور اگر تم نے اس کے تقاضوں کو پورا نہ کیا تو یقیناً" بشکاک کے تمہارے ہاتھوں قتل ہونے کی اطلاع وہ خاقان اور کوساک کو ضرور کرے گا۔ اور تمہیں ہر صورت میں سزا مل کر رہے گی۔ اب بتاؤ تمہارے ذہن میں کوئی ایسا معاملہ کوئی ایسی تدبیر ہے جسے کام میں لاتے ہوئے سوبار سے ہمیشہ کے لئے تمہاری جان چھوٹ جائے اور وہ تمہارے دل اور اور ذہن پر ساری عمر کے لئے بوجھ نہ بنا رہے۔ اس پر تکائی فوراً" بولا اور کہنے لگا۔

دیکھ کردم خان میرے ذہن میں سوبار سے چھٹکارا حاصل کرنے کا صرف ایک ہی حل ہے اور وہ یہ کہ سوبار کو قتل کر دیا جائے۔ اس پر کردم خان چونک کر بولا اور کہنے لگا۔

دیکھ تکائی فی الحال ایسا مت کرنا۔ وقت گذرنے دو معاملے کو سرد اور ٹھنڈا ہونے دو۔ تم سوبار سے اپنے تعلقات بہتر اور خوشگوار رکھو اور جب جنگوں میں تمہارے حصے مال آئے اور سوبار اس کا تم سے تقاضا کرے تو تم کہنا تمہارے حصے کا مال قبیلے کے سردار کردم خان کے پاس ہے اس نے کچھ عرصہ بعد مجھے رقم دینے کا وعدہ کیا ہے۔ جونہی مجھے رقم ملے گی میں آدھی تمہارے حوالے کر دوں گا۔ اس سلسلے میں سوبار اگر تم پر بھروسہ اور اعتماد نہ کرے تو تم اسے میرے پاس لے آنا میں اسے سمجھا دوں گا کہ اس کی رقم میرے پاس ہے اور میں اسے کچھ عرصے بعد ادا کروں گا۔ سوبار یقیناً" اعتماد کر لے گا اسی دوران سوبار کو ہلاک کرنے کی کوشش کر دیں گے اور دیکھ اس کی ہلاکت میں تم حصہ مت لینا۔ اس کو تم مت قتل کرنا۔ ورنہ خواہ مخواہ میں پکڑے اور مارے جاؤ گے۔ یہ بات میں تمہیں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ تمہارا تعلق صرف میرے قبیلے سے نہیں بلکہ تم میرے عزیز اور رشتے دار بھی ہو۔ دیکھ اس کے علاوہ تم سوبار کو قتل کرنے کا کام بخوبی ادا بھی نہیں کر سکو گے۔ اس پر تکائی نے جستجو کے انداز میں کردم خان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا پھر کون سوبار کو قتل کرے گا۔ کردم خان کہنے

لگا۔

دیکھ میں اپنے قبیلے کے دو جوانوں کے نام تمہیں بتا دوں گا تم میرا نام مت لینا انہیں معمولی سی ایک رقم کا لالچ دینا اور وہ اس کام کو کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ وہ پیشہ ور قاتل ہیں اور سوبار کو اس طرح قتل کریں گے کہ کسی کو کان و کان خبر بھی نہ ہونے پائے گی۔ تکائی کردم خان کی اس گفتگو پر اطمینان اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔ سردار کردم خان اگر ایسا ہو جائے تو میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔ جواب میں کردم خان مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

یقیناً" ایسا ہی ہو گا میں تمہارے دل اور ذہن سے سوبار کا بوجھ یقیناً" اتار کے رہوں گا۔ اب تم بالکل مطمئن اور بے فکر ہو جاؤ اور جاؤ اپنے خیمے میں جا کر آرام کرو۔ تکائی اپنی جگہ سے اٹھا ایک بار اس نے بڑی ممنونیت سے کردم خان کی طرف دیکھا پھر وہ اس کے خیمے سے نکل گیا تھا۔

○

اٹیلا کی بیٹی جوفینا خیموں کے اس شہر میں تیز تر چلتی ہوئی خیموں کے بیچوں بیچ چلتی ہوئی اٹیلا کے لشکر کے شامان کے خیمے کے سامنے آئی۔ یہ شامان طبیب ہونے کے ساتھ ساتھ ساحر بھی ہوتے تھے اور وحشی قبائل کا یقین تھا کہ ان کے شامان نہ صرف یہ کہ جڑی بوٹیوں کو استعمال کرتے ہوئے ان کا علاج کر سکتے ہیں بلکہ اپنی روحانی قوتوں کو بھی حرکت میں لاتے ہوئے وہ انہیں مختلف بیماریوں سے نجات دے سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ وحشی قبائل کا یہ بھی یقین تھا کہ ان شامانوں کا تعلق روحوں اور شیاطین سے ہوتا ہے جس کی بنا پر وہ ایسے ایسے کام کر گزرتے ہیں جو عام انسان نہیں کر سکتے۔

جوفینا جب شامان کے خیمے میں داخل ہوئی تو اس نے دیکھا کہ خیمے میں شامان کی بیٹی زریون اکیلی بیٹھی ہوئی تھی اور وہ موٹی گھاس کی بنی ہوئی ایک ٹوکری میں کھانے کی کچھ اشیاء اور پھل جما رہی تھی۔ جوفینا کو اپنے خیمے میں دیکھتے ہوئے زریون جس کی پشت خیمے کے دروازے کی طرف تھی جوفینا کے اندر داخل ہونے پر چونک سی پڑی۔ اپنی جگہ سے وہ اٹھی اور مڑ کر جوفینا کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ جوفینا کی طرح زریون

بھی کمال درجہ کی حسین و جمیل دراز قد اور پرکشش تھی۔ جو فینا کی طرف دیکھتے ہوئے کسی قدر حیرت اور تعجب میں زریون نے پوچھا۔ خاقان کی بیٹی تم یہاں میرے خیمے میں؟ جو فینا آگے بڑھی اور بڑے پیار سے زریون کو گلے لگاتے ہوئے کہنے لگی زریون تم میرے یہاں آنے پر اس قدر تعجب اور حیرت زدہ کیوں ہو رہی ہو۔ کیا میرا تمہارے خیمے میں آنا کوئی عجوبہ اور انوکھی و نرالی بات ہے۔

اس پر زریون بولی اور کہنے لگی ہاں بالکل نئی بات ہے تم بے شک بچپن کی میری سہیلی ہو لیکن آج تک جب کبھی بھی لشکر حرکت میں آتے رہے ہیں تو میں ہی تمہارے خیمے میں آکر تم سے ملتی رہی ہوں۔ میرے خیال میں زندگی میں بہت کم تم ہمارے خیمے میں آئی ہو گی اس پر جو فینا مسکرائی اور کہنے لگی چلو آج تو آئی ہوں لیکن میں آئی ایک کام سے ہوں۔ زریون نے جو فینا کو ایک نشست پر بیٹھنے کو کہا۔ جو فینا جب بیٹھی تو زریون خود بھی اس کے سامنے بیٹھ گئی پھر پوچھنے لگی کہو تم کس کام سے آئی ہو۔ جواب میں جو فینا بولی اور کہنے لگی جو کچھ میں پوچھنا چاہتی ہوں وہ تو میں بعد میں پوچھوں گی پہلے یہ بتاؤ یہ جو تم کھانے پینے کی اشیاء اور خشک پھل رکھ رہی ہو یہ کس کے لئے ہیں۔ جو فینا کے ان الفاظ پر زریون کچھ شرما سی گئی تھی اس کی نگاہیں لمحہ بھر کے لئے جھک گئیں پھر مدہم دھیمی سی آواز میں کہنے لگی۔ ساہیر قبیلے کے سردار کوساک کے لئے۔ جو فینا نے پھر کسی قدر تعجب سے پوچھا میں دیکھتی ہوں کہ ان کھانے پینے کی اشیاء میں خشک گوشت کے علاوہ تازہ پنیر ہے اور خشک پھل ہیں یہ تم نے کہاں سے لئے اس پر زریون کسی قدر سنبھلتے ہوئے بولی اور کہنے لگی۔

ان میدانوں کی طرف آتے ہوئے راستے میں جو قریب ترین بستی پڑی تھی اس بستی سے یہ سامان میرے بابا نے خریدا تھا۔ اب تم بتاؤ کس کام سے آئی ہو۔ اس پر جو فینا بولی اور کہنے لگی جس کام سے میں آئی ہوں کیا میرا وہ کام تم کرو گی۔ زریون کہنے لگی میرے بس میں ہوا تو ضرور کروں گی چاہئے تمہاری خاطر مجھے اپنی جان ہی کیوں نہ دینی پڑے۔ اس پر جو فینا تڑپ کر بولی اور کہنے لگی۔

نہیں زریون ایسا نہیں ہو گا جس طرح مجھے اپنی جان عزیز ہے ایسے ہی ایک بہن کی حیثیت سے مجھے تمہاری جان بھی عزیز ہے۔ میں تم اسے ایک سوال کرتی ہوں اس

کا جواب دینا۔ زریون کہنے لگی پوچھو جو فینا بولی اور کہنے لگی دیکھ زریون فرض کرو میں اور تم دونوں بھوکی ہیں، سخت بھوک محسوس کر رہی ہیں تمہارے پاس صرف ایک روٹی ہے تم اس کا کیا کرو گی۔ زریون جھٹ بولی اور کہنے لگی میں اس روٹی کو موٹی گھاس کے بنے ہوئے تنکوں کی پلیٹ میں رکھوں گی اور پھر اپنے اور تمہارے درمیان جما کر کہوں گی کہ آؤ دونوں مل کے اسے کھائیں۔ زریون کے اس جواب پر جو فینا کے چہرے پر خوشگوار مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ پھر وہ دوبارہ بولی اور پوچھنے لگی۔

دیکھ زریون میرا دوسرا سوال یہ ہے کہ یوں جانو تمہارے قبضے میں ایک چیز ہے اور تم اس سے بے پناہ محبت کرتی ہو اسے چاہتی ہو اسی چیز سے اگر میں بھی بے پناہ محبت کروں اور اسے چاہوں تو پھر تمہارا کیا ردعمل ہو گا اس پر زریون نے لمحہ بھر کے لئے کچھ سوچا اور کہنے لگی میرا جواب یہ ہو گا کہ جس چیز پر میں جتنا اپنا حق استعمال کروں گی ایسے ہی تمہارا حق بھی اس پر تسلیم کروں گی۔

زریون کے اس جواب پر تھوڑی دیر تک جو فینا خاموش رہ کر کچھ سوچتی رہی پھر وہ زریون کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

دیکھ زریون میں جانتی ہوں تو ساہیر قبیلے کے سردار کوساک کو پسند کرتی ہے اس سے محبت کرتی ہے اسے چاہتی ہے اور جواب میں کوساک بھی تم سے محبت کرتا ہے۔ اگر اس موقع پر میں تم پر یہ انکشاف کروں کہ تمہاری طرح میں بھی کوساک کو پسند کرتی ہوں تو پھر تمہارا کیا ردعمل ہو گا۔

جو فینا کے اس انکشاف پر لمحہ بھر کے لئے زریون نے عجیب اور انوکھے سے انداز میں جو فینا کی طرف دیکھا تھوڑی دیر کے لئے اس کی گردن جھک گئی پھر کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ اس سے پہلے ہی جو فینا بول پڑی اور دوبارہ کہنے لگی۔

دیکھ زریون میری بہن آج جبکہ میرے بابا نے مجلس مشاورت طلب کی تو اس کے بعد انہوں نے کیداری قبیلے کے سردار کروم خان سے کہا کہ وہ خیمے سے باہر رک کر انتظار کرے پھر مجھ سے انہوں نے کہا کہ وہ میری شادی کروم خان سے کرنا چاہتے ہیں لیکن میں نے بابا کے سامنے انکار کر دیا کہ میں کروم خان کو ناپسند کرتی ہوں اور کوساک سے محبت کرتی ہوں اسی دوران میں خیمے کے دروازے پر آئی اور کروم خان کو چلے

جانے کے لئے کہا۔ میرے انکشاف پر میرے بابا نے حیرت زدہ ہو کر کہا کہ کوساک پہلے ہی زریون کو چاہتا ہے اور زریون اسے پسند کرتی پھر کیوں کر تم یہ راستہ اختیار کر سکو گی۔ دیکھ زریون جانتی ہو میں نے اپنے بابا سے کیا کہا میں نے بابا سے کہا کہ اس سلسلے میں میں زریون سے بات کروں گی اگر مجھے وہ اس میں حصہ دار بنانے پر رضا مند ہو گئی تو میں پھر کوساک کو آہستہ آہستہ اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کروں گی اور پھر ہم دونوں بہنیں کوساک کے حرم میں داخل ہو جائیں گی۔ بابا نے مجھے ایسا کرنے کی اجازت دیدی ہے۔ آج میں تم سے اجازت لیتی ہوں دیکھ زریون کیا ایسا میں کر سکتی ہوں کیا ایسا ممکن ہے۔

خیمے میں تھوڑی دیر تک خاموشی طاری رہی اس کے بعد زریون نے جو فینا کی طرف دیکھا اس موقع پر زریون کے خوبصورت اور حسین چہرے پر دلفریب اور گہری مسکراہٹ تھی پھر وہ بڑی فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہنے لگی۔

دیکھ جو فینا میری بہن ایسا ممکن ہے اور تم ایسا کر سکتی ہو میں تمہیں خود اس کی اجازت دیتی ہوں مجھے اس سے انکار نہیں کہ میں کوساک سے بے پناہ محبت کرتی ہوں اور وہ مجھے بھی چاہتا ہیں۔ ہاں اگر تم بھی کوشش کر کے کوساک کے دل میں اپنے لئے جگہ بنا لو تو میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ ہم دونوں مل کر کوساک کی زندگی کی ساتھی بن سکتی ہیں اس لئے کہ ہمارے ہاں ایک سردار اور بابان ایک وقت میں کئی کئی بیویاں اپنے حرم میں رکھ سکتا ہے پھر ہم کوساک کو اس حق سے کیوں محروم کریں گے۔ میرے علاوہ کوساک اگر تم سے بھی شادی کرنا چاہیں گے تو سن قسم کو انتی دیوتا کی میں آڑے نہیں آؤں گی بلکہ میں کوساک کے گھر میں تمہیں خوش آمدید کہوں گی۔ اس لئے کہ وہ گھر اس کے بعد میرا اور تیرا برابر کا ہو گا۔

زریون کا یہ جواب سن کر جو فینا خوش ہو گئی تھی۔ اپنی جگہ سے وہ اٹھی پھر پوری قوت اور طاقت کے ساتھ زریون کو اس نے اپنے ساتھ لپٹاتے ہوئے اس کی پیشانی اس کے گال چوم لئے تھے۔ پھر جو فینا علیحدہ ہوئی اور بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی دیکھ زریون تو نے میری ساری مشکل حل کر دی میری ساری دشواریوں کو لمحوں کے اندر تو نے رفع کر دیا ہے تم سے اجازت ملنے کے بعد اب میں کوساک سے

ملتی رہوں گی اور کوشش کروں گی کہ ان کے دل میں اپنے لئے گھر بنا سکوں دیکھ زریون میرے بابا نے بھی مجھے کوساک سے ملنے اس کے پاس اٹھنے بیٹھنے اور اس کے پاس رہنے کی اجازت دیدی ہے۔ دیکھ زریون یہ جو تم نے کھانے پینے کی اشیاء کوساک کے لئے رکھی ہیں کیا یہ تم انہیں دینے نہیں جاؤ گی میں چاہتی ہوں کہ اس موقع پر میں بھی تمہارے ساتھ چلوں۔ زریون کہنے لگی۔

ہاں تم ضرور میرے ساتھ چلو میں سمجھتی ہوں کہ کوساک تمہیں اپنے خیمے میں دیکھ کر بے حد خوش ہوں گے۔ پر بابا کو آنے دو پھر چلتے ہیں۔ اس پر جو فینا پوچھنے لگی تمہارے بابا کہاں گئے ہوئے ہیں زریون نے جھٹ کہا۔ وہ مجلس مشاورت میں ہی حصہ لینے گئے تھے ابھی تک لوٹے نہیں۔ جو فینا کہنے لگی مجلس مشاوت میں تو میں خود موجود تھی وہ تو کب کی ختم ہو چکی ہو گی سب لوگ اپنے اپنے خیموں میں جا چکے ہیں جواب میں زریون کہنے لگی۔

ہو سکتا ہے راستے میں کسی تکلیف میں مبتلا یا کسی بیمار نے انہیں روک لیا ہو۔ میرے خیال میں وہ جلدی آ جائیں گے پھر ہم دونوں بہنیں کوساک کی طرف چلتی ہیں۔ جو فینا جواب میں کچھ کہنے ہی والی تھی کہ شامان اپنے خیمے میں داخل ہوا اسے دیکھتے ہی زریون اور جو فینا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ جو فینا کو اپنے خیمے میں دیکھتے ہوئے لحہ بھر کے لئے شامان کو تعجب ہوا پھر آگے بڑھا اور بڑے پیار اور شفقت میں وہ جو فینا کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ جو فینا میری بیٹی میں بے حد خوش ہوں کہ آج تمہیں اپنے خیمے میں دیکھ رہا ہوں۔ میں یوں بھی خوش ہوں کہ تم اور میری بیٹی زریون ہنس ہنس کے اور خوشی خوشی گفتگو کر رہی تھیں اس پر جو فینا بولی اور کہنے لگی۔ بزرگ شامان زریون میری بہن ہے میں جب چاہوں اس کے پاس آ سکتی ہوں۔ جو فینا شاید مزید کچھ کہتی کہ زریون اپنے باپ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

بابا آپ بیٹھیں میں یہ کھانے پینے کی اشیاء کوساک کو دے کے آتی ہوں۔ جو فینا بھی میرے ساتھ جا رہی ہے اس پر شامان نے دونوں کو باری باری گہری نگاہوں سے دیکھا اس نے اثبات میں گردن ہلا دی تھی تب جو فینا اور زریون دونوں خیمے سے نکل گئی تھیں۔

کوساک کے خیمے کی طرف جاتے ہوئے راستے میں زریون بولی اور جو فینا کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگی۔ جو فینا میری بہن ایک کام نہ کریں جو فینا نے جھٹ پوچھ لیا کیا زریون کہنے لگی دیکھ میں اور تو دونوں بہنیں کوساک کے خیمے میں جائیں گی۔ وہاں تھوڑی دیر بیٹھیں گی پھر تم کوساک سے اجازت لے کر خیمے سے نکل جانا میں تمہاری غیر موجودگی میں تمہارے متعلق کوساک سے تفصیل سے بات کروں گی تم خیمے سے نکل کر یہاں میرے خیمے میں آ کر بیٹھ جانا میں بھی یہاں آؤں گی پھر اس گفتگو کے نتائج سے تمہیں آگاہ کروں گی۔ جو فینا نے زریون کی اس تجویز سے اتفاق کیا پھر وہ دونوں تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی کوساک کے خیمے کی طرف جا رہی تھی۔

مختلف خیموں کے بیچوں بیچ گزرتی ہوئی دونوں کوساک کے خیمے میں داخل ہوئیں وہ اس وقت اپنے خیمہ کے وسط میں چپ چاپ بیٹھا تھا اور اس کے سامنے مٹی کی ایک چھوٹی سی انگیٹھی میں آگ کے کوئلے دہک رہے تھے اور ان کے اوپر اس نے ہاتھ پھیلا رکھے تھے۔ شاید وہ اپنے آپ کو گرم کرنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ جونہی زریون اور اس کے ساتھ جو فینا اس کے خیمے میں داخل ہوئیں کوساک اپنی جگہ پر کھڑا ہوا اور ایک طرح سے اس نے دونوں کا استقبال کیا پھر اس نے جو فینا کی طرف دیکھتے ہوئے کسی قدر تعجب میں پوچھا۔

خاقان کی بیٹی آج تم زریون کے ساتھ میرے خیمے میں کیسے۔ اس پر جو فینا بولی اور کہنے لگی میں آپ کے اس طرح مخاطب کرنے پر احتجاج کرنا چاہتی ہوں۔ کوساک نے فوراً" پوچھا۔ کیسے مخاطب پر اور کیسا احتجاج اس پر جو فینا اپنے لبوں پر زہد شکن مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے کہنے لگی میرا نام خاقان کی بیٹی نہیں جو فینا ہے اور یہ نام کہنا اتنا مشکل بھی نہیں کہ آپ اسے ادا نہ کر سکیں۔ آپ مجھے خاقان کی بیٹی کے بجائے جو فینا کہہ کر بھی پکار سکتے ہیں جو فینا کے ان الفاظ پر کوساک کے چہرے پر خوشگوار مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر وہ کہنے لگا چلو یوں ہی سہی جو فینا آج تمہارا میرے خیمے میں کیسے آنا ہوا اس پر جو فینا نئی ترنگ اور جذبے میں کہنے لگی۔

کیا سابیر قبیلے کے سردار کوساک کے خیمے میں میرا آنا منع ہے۔ یا یہ کہ آپ کا میرے ساتھ یا میری آپ کے ساتھ کوئی دشمنی ہے اس پر کوساک نے قہقہہ لگایا اور

کہنے لگا نہیں ہرگز نہیں تمہیں حق پہنچتا ہے تم جب چاہو اس خیمے میں آ سکتی ہو اس پر کوساک نے کوئلوں بھری انگیٹھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ بیٹھو سردی بہت ہو رہی ہے جو فینا اور زریون آگے بڑھ کر بیٹھ گئیں جبکہ موٹی گھاس کے تنکوں سے بنی وہ ٹوکری جس میں کھانے پینے کی اشیاء تھیں وہ زریون نے کوساک کے آگے رکھ دی۔ کوساک نے ساری چیزوں کا جائزہ لیا۔ پھر بڑی فراخدلی کا وہ مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

دیکھ زریون میں تیرا شکر گزار ہوں کہ تو میرا اس قدر خیال رکھتی ہے ویسے بھی سب لوگوں کو پتا ہے کہ ہم ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ یہ چیزیں جو تم لائی ہو میں اکیلے کھا کر مرنا نہیں چاہتا آؤ تینوں اکٹھے بیٹھ کر کھاتے ہیں۔ کوساک کے ان الفاظ پر زریون اور جو فینا دونوں خوش ہو گئی تھیں پھر انگاروں بھری انگیٹھی کے پاس بیٹھ کر تینوں مل کر وہ اشیاء کھانے لگے تھے۔

جو فینا تھوڑی دیر تک وہاں بیٹھ کر زریون اور کوساک کے ساتھ گفتگو کرتی رہی پھر چہکنے کے انداز میں اس نے کوساک سے اجازت لی اور خیمے سے چلی گئی تھی۔ جو فینا کے جانے کے بعد خیمے میں تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر زریون نے ایک گہری نگاہ کوساک پر ڈالی اور کہنے لگی۔

اگر آپ برا نہ مانیں تو میں جو فینا کے حوالے سے آپ کے ساتھ ایک گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔ کوساک بولا اور کہنے لگا جو کچھ تم جو فینا کے حوالے سے کہنا چاہتی ہو وہ بے دھڑک کہو میں تمہاری ساری گفتگو غور اور انہماک اور توجہ سے سنوں گا۔ اس پر زریون بولی اور کہنے لگی۔

دیکھیں کوساک آج جب خاقان نے اپنے خیمے میں مجلس مشاورت طلب کی تو آپ کو یاد ہو گا مجلس مشاورت کے خاتمہ پر خاقان نے کیداری قبیلے کے سردار کردم خان کو رکنے اور اپنے خیمے کے باہر انتظار کرنے کے لئے کہا تھا کیا آپ کو یاد پڑتا ہے۔ اس پر کوساک بولا اور کہنے لگا ہاں میں نے سنا تھا خاقان نے کردم خان کو اپنے خیمے سے باہر رکنے اور انتظار کرنے کے لئے کہا تھا۔ پر اس سے جو فینا یا میرا یا تمہارا کیا تعلق زریون جھٹ بولی اور کہنے لگی۔

آپ پہلے میری پوری گفتگو سنیں اور اس کے بعد بولیں۔ کردم خان کو جب

خاقان نے اپنے خیمے سے باہر انتظار کرنے کو کہا تو آپ کو یہ بھی معلوم ہو گا اس وقت جو فینا بھی وہاں بیٹھی ہوئی تھی اس پر کوساک بولا ہاں بیٹھی ہوئی تھی۔ پھر کیا ہوا۔ زریون کہنے لگی۔

خاقان نے اپنی بیٹی جو فینا کو مخاطب کر کے کہا کہ اس نے کردم خان کو اپنے خیمے کے باہر اس لئے روکا ہے اور انتظار کرنے کو کہا ہے کہ وہ کردم خان سے جو فینا کی شادی کی بات پکی کرنا چاہتا ہے لیکن سن کوساک جو فینا نے خاقان کے سامنے صاف انکار کر دیا کہ وہ کردم خان سے ہرگز شادی نہیں کرنا چاہتی بلکہ وہ اسی وقت خیمے سے باہر نکلی اور کردم خان سے کہا کہ وہ جائے اپنے خیمے میں جا کر آرام کرے جس مسئلے کے لئے خاقان نے اسے روکا تھا وہ حل ہو گیا ہے۔ کردم خان چلا گیا تو جو فینا کا کہنا ہے کہ اس نے اپنے بابا کے سامنے اس بات کا اقرار کیا کہ وہ کردم خان کو ناپسند کرتی ہے اور کوساک سے محبت کرتی ہے۔

جو فینا کا کہنا ہے کہ اس کے انکشاف پر اس کے بابا یعنی خاقان اٹیلا کو بڑا تعجب ہوا اور اس نے جو فینا سے یہ بھی کہا کہ کوساک کو پہلے ہی زریون پسند کرتی ہے اور کوساک زریون کو چاہتا ہے پھر کیونکر تمہاری محبت اپنے انجام کو پہنچ سکے گی۔ اس پر جو فینا کہنے لگی کہ قبائل میں ایک سردار اپنے حرم میں بیک وقت کئی بیویاں رکھ سکتا ہے جو فینا نے یہ بھی کہا کہ اسی بنا پر میں کوساک کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کروں گی اگر میں ان کے دل میں اپنے لئے جگہ بنا سکی تو ان سے شادی کر لوں گی۔ اس کا کہنا ہے کہ خاقان نے اسے ایسا کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ خاقان نے اسے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ وہ جب اور جس وقت چاہے کوساک کے خیمے میں جا سکتی ہے اس کے پاس بیٹھ سکتی ہے اور اس کے پاس رہ سکتی ہے۔ اب بولیں اس سلسلے میں آپ کا کیا جواب ہے۔

کوساک بولا اور زریون کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا پہلے یہ بتاؤ اس سلسلہ میں تمہارا کیا خیال ہے۔ زریون مسکراتے ہوئے کہنے لگی میرا خیال یہ ہے کہ آپ کو منفی نہیں مثبت رویہ اختیار کرنا چاہئے۔ جب جو فینا دل کی گہرائیوں سے آپ کو پسند کرتی ہے اور اپنی اس پسند کا اظہار اس نے اپنے خاقان سے بھی کر دیا ہے تو آپ کو اس کی محبت کا

جواب محبت سے دینا چاہئے۔ میں اور جو فینا دونوں آپ کی بیویوں کی حیثیت سے خوشگوار زندگی بسر کر سکتی ہیں۔ زریون کے اس جواب پر کوساک کی گردن جھک گئی تھی اور وہ کچھ سوچنے لگا تھا اس پر زریون جھٹ بولی اور پوچھنے لگی۔

میرا جواب سن کر آپ کس سوچ بچار میں پڑ گئے ہیں۔ آپ نے میرا عندلیہ معلوم کرنا چاہا سو میں نے اپنے ارادے سے آپ کو آگاہ کر دیا ہے۔ اب آپ بتائیں اس سلسلہ میں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ اس پر کوساک نے اپنی جھکی ہوئی گردن سیدھی کی اس کے بعد وہ غور سے زریون کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

دیکھ زریون تیری میری محبت لافانی ہے۔ ہم ایک دوسرے کے مزاج کے آشنا اور ایک دوسرے کی طبیعت کو سمجھتے ہیں اگر خاقان کی بیٹی جو فینا مجھے چاہتی ہے مجھ سے محبت کرتی ہے اور کردم خان سے شادی نہیں کرنا چاہتی تو میں اس کے جذبے کی قدر کروں گا اسے اپنے خیمے میں خوش آمدید کہوں گا لیکن دیکھ زریون پہلے میں اس کے مزاج کا جائزہ لوں گا اگر اس کا میرا مزاج ایک جیسے ہوئے اگر میری اس کی طبیعت آپس میں میل کھا گئی تو دیکھ تیرے ساتھ میں اسے بھی اپنی زندگی کا ساتھی بنا کر رکھوں گا اور دونوں کے ساتھ ایک جیسا سلوک کروں گا۔ دونوں کے ساتھ انصاف کروں گا کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں کروں گا۔

کوساک کا یہ جواب سن کر حسین و جمیل زریون کے چہرے پر خوشگوار مسکراہٹیں بکھر گئیں تھیں پھر کہنے لگی میں اب جاتی ہوں۔ یہاں سے نکلنے کے بعد جو فینا ہمارے خیمے میں بیٹھ کر بڑی بے چینی سے میرا انتظار کر رہی ہو گی۔ آپ کے خیمے کی طرف آتے ہوئے میں نے اسے کہا تھا کہ تھوڑی دیر بیٹھ کر کوساک سے اجازت لیکر چلی جانا میں تمہارے معاملے میں کوساک سے بات کروں گی۔ پھر جو نتائج نکلیں گے وہ میں تمہیں آ کر بتاؤں گی۔ اب میں جاتی ہوں وہ بڑی بے چینی سے ہمارے خیمے میں میرا انتظار کر رہی ہو گی۔ اسے جا کر یہ خوشخبری سناؤں گی کہ کوساک تمہیں قبول کرنے کے لئے تیار ہے بشرطیکہ تمہارا اور اس کا مزاج مل گیا اور مجھے امید ہے کہ وہ ہر صورت میں اپنے مزاج اپنی طبیعت اپنے رویہ کو آپ کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرے گی۔ اس کے ساتھ ہی زریون بڑی تیزی سے چلتی ہوئی خیمے سے نکل گئی تھی۔

دوسری طرف جب جو فینا اکیلی شامان کے خیمے میں داخل ہوئی تو شامان اس وقت اپنے خیمے میں اکیلا تھا۔ جو فینا کو آتے دیکھ کر اس نے پوچھا جو فینا میری بیٹی زریون کہاں رہ گئی۔ اس پر جو فینا بولی اور کہنے لگی۔ وہ اپنی کسی جاننے والی کے خیمے میں گئی ہے بس تھوڑی دیر تک آتی ہو گی۔ شامان جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک شخص خیمے کے دروازے پر نمودار ہوا اور کسی قدر بلند آواز میں کہنے لگا بزرگ شامان ہمارے خیمے میں ایک شخص انتہائی بیمار ہے۔ اس کے پیٹ میں درد اور مروڑ اٹھتا ہے اسے یہاں نہیں لایا جا سکتا لہٰذا آپ میرے ساتھ اس کے خیمے تک چلئے۔ شامان نے جواب میں کچھ بھی نہ کہا۔ چپ چاپ اپنی جگہ سے اٹھا چمڑے کا ایک تھیلا جس میں وہ مختلف انواع کی دوائیاں رکھتا تھا وہ اس نے اٹھایا اور اس شخص کے ساتھ چلا گیا تھا۔

جو فینا خیمے میں اکیلی بیٹھ کر بڑی بے چینی سے زریون کا انتظار کرنے لگی بار بار اس کی نگاہیں خیمے کے دروازے کی طرف اٹھ جاتی تھیں یہاں تک کہ زریون خیمے میں داخل ہوئی اسے دیکھتے ہی جو فینا کے چہرے پر رونق اور خوشیاں بکھر گئی تھیں۔ جونہی زریون جو فینا کے سامنے آکر بیٹھی جو فینا نے پر تجسس نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ کوساک کے ساتھ اگر تم نے میرے حوالے سے بات کی ہے تو کوساک نے کیا جواب دیا ہے۔

زریون بولی اور کہنے لگی دیکھ جو فینا ان کا جواب بڑا خوش کن اور مثبت ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں کہ تم دونوں بیک وقت میرے حرم میں داخل ہو پر وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ جو فینا کو صرف اس صورت میں قبول کریں گے جب جو فینا کی طبیعت اور مزاج ان سے مل جائے اس پر جو فینا آگے بڑھی پوری قوت کے ساتھ وہ زریون کے ساتھ لپٹ گئی اور بڑی بے تابی اور والہانہ سے انداز میں وہ لگاتار اس کی پیشانی چومنے لگی تھی پھر وہ علیحدہ ہوئی اور کہنے لگی میں ہر صورت میں اپنی طبیعت اور اپنے مزاج کو کوساک کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کروں گی۔ دیکھ زریون کوساک اب میری منزل ہیں اور میں اپنی منزل کھو نہیں سکتی لہٰذا میں اپنے ہر طور اپنے ہر اطوار کو کوساک کی خواہش کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کروں گی۔ دیکھ اب مجھے اجازت دے اب میں جاتی ہوں اس کے ساتھ ہی جو فینا اپنی جگہ سے اٹھی

اور زریون کے خیمے سے نکل گئی تھی۔

جو فینا جب شاہی خیمہ کے نزدیک آئی تو اس نے دیکھا اس کا باپ اٹیلا شاہی خیمہ کے دروازے پر اپنے کسی سردار سے گفتگو کر رہا تھا جوں ہی اس نے اپنی بیٹی جو فینا کو آتے دیکھا اس نے اس سردار کو فارغ کر دیا اپنے باپ کو کسی سردار سے گفتگو کرتے دیکھ کر جو فینا نے شاہی خیمہ کے بجائے اپنے ذاتی خیمہ کا رخ کیا جو شاہی خیمہ کے پہلو میں نصب کیا جاتا تھا پر اٹیلا نے آواز دے کر جو فینا کو اپنی طرف بلایا اس وقت تک اٹیلا سے گفتگو کرنے والا ہن سردار جا چکا تھا۔ جوں ہی جو فینا اٹیلا کے قریب آئی اٹیلا نے بڑی دھیمی آواز اور رازدارانہ لہجہ میں پوچھا۔

دیکھ میری بیٹی تیری ذاتی مہم کی ابتداء کیسی ہوئی اٹیلا کے اس سوال پر جو فینا کے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر وہ کہنے لگی اے میرے باپ یوں جانیں میں نے ایک کامیاب ابتداء کی بنیاد رکھی ہے اور مجھے امید ہے کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب رہوں گی اس لئے کہ اس سلسلہ میں شامان کی بیٹی زریون میرے ساتھ پورا تعاون کر رہی ہے میرے سلسلہ میں زریون نے سردار کوساک سے بات کی ہے کوساک کا جواب یہ ہے کہ اگر اس کی اور میری طبیعت اور مزاج آپس میں مل گئے تب مجھے وہ زریون کے ساتھ اپنی زندگی کا ساتھ بنانے پر رضامند ہو جائے گا۔

جو فینا کی یہ گفتگو سن کر اٹیلا کے چہرے پر خوشگوار مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی پھر وہ کہنے لگا دیکھ بیٹی میری دعا ہے کہ کوانتی دیوتا تجھے تیرے مقصد میں کامیاب و کامران رکھے۔ مجھے امید ہے کہ اگر تمہارا مزاج تمہاری طبیعت کوساک سے نہیں ملتی تب بھی تم اپنے مزاج اپنی طبیعت کو کوساک کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرو گی اس پر جو فینا کہنے لگی۔ یقیناً" میرے باپ ایسا ہی کروں گی۔ اس کے ساتھ ہی جو فینا وہاں سے ہٹی اور شاہی خیمہ سے ملحق اپنے ذاتی خیمہ میں چلی گئی تھی۔

○

دوسرے روز اٹیلا نے اس کوہستانی سلسلہ سے اپنے لشکر کے ساتھ کوچ کیا اور دریائے ڈینیوب کی طرف اس نے پیش قدمی کی۔ اٹیلا اس سمت نہیں آیا جہاں رومنوں نے دریائے ڈینیوب کو عبور کرنے کے لئے لکڑی کا پل بنایا تھا بلکہ وہ ایک

ویران اور سنسان علاقے میں دریائے ڈینیوب کے کنارے نمودار ہوا۔ لشکر کو اس نے وہاں پڑاؤ کرنے کا حکم دیا اور پھر دریا پر لکڑی کا پل تعمیر کرنے کے احکامات اس نے جاری کر دیئے تھے۔ اٹیلا کی طرف سے یہ حکم ملتے ہی کوہستانی سلسلوں سے بڑے بڑے درخت کاٹ کر دریائے ڈینیوب پر متحرک پل بنانے کا کام شروع ہو گیا تھا۔

ایک روز جبکہ ساہیر قبیلے کا سردار کوساک پل بنانے میں مصروف اپنے قبیلے کے جوانوں کی نگرانی کر رہا تھا اٹیلا اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا اس کے قریب آیا۔ کوساک کے قریب آ کر وہ اپنے گھوڑے سے اترا کوساک کے قریب آیا بڑے پیار اور شفقت آمیز انداز میں اس نے کوساک کے شانے پر ہاتھ رکھا پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

دیکھ کوساک میں تیرے ساتھ آج ایسی گفتگو کرنا چاہتا ہوں جو اس سے پہلے کبھی نہیں کی شاید تجھے علم ہو چکا ہو گا کہ میں اپنی بیٹی جوفینا کی شادی پہلے کیداری قبیلے کے سردار کردم خان سے کرنا چاہتا تھا لیکن جوفینا اسے ناپسند کر چکی ہے اور تمہارے ساتھ اپنی محبت اور چاہت کا اظہار کر چکی ہے۔ جوفینا نے مجھے بتایا ہے کہ تم اسے قبول کرنے کے لئے تیار ہو بشرطیکہ اس کا مزاج اس کی طبیعت تمہارے ساتھ مل جائے۔ دیکھ کوساک مجھے امید ہے کہ جوفینا اپنے مزاج کو تمہارے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرے گی اس لئے کہ میں جان چکا ہوں وہ تم سے بے پناہ محبت کرتی ہے اب جبکہ معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے تو کوساک اب تم صرف ساہیر قبیلے کے سردار ہی نہیں اٹیلا کے بیٹے بھی ہو۔

اٹیلا کی اس گفتگو پر کوساک بڑا خوش ہوا پھر وہ بڑی ممنونیت سے کہنے لگا خاقان میں آپ کی اس گفتگو پر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں مجھے امید ہے کہ میں اور جوفینا زندگی کے دو اچھے ساتھی ثابت ہوں گے اٹیلا کے چہرے پر ان الفاظ سے ایک بار پھر مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر اس نے کوساک کا شانہ تھپتھپایا۔ دوبارہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور جدھر سے آیا تھا ادھر ہی کو چلا گیا۔

○

چند ہی روز میں دریائے ڈینیوب کے قریب لکڑی کا متحرک پل تعمیر ہو گیا تھا جس

کے ذریعہ اٹیلا نے اپنے لشکر کے ساتھ دریائے ڈینیوب کو عبور کیا لکڑی کے اس پل کی حفاظت کے لئے اس نے اپنے چند دستے وہاں مقرر کر دیئے تھے جبکہ اپنے لشکر کے ساتھ اس نے رومنوں کی سلطنت کی اندرونی حصہ کی طرف پیش قدمی کی اور دریائے ڈینیوب سے چند میل دور اس نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر لیا۔

○

ادھر شرقی رومن سلطنت کے شہنشاہ تھیوڈوسیس کو بھی اٹیلا کی پیش قدمی کی اطلاعات مل چکی تھیں رومن جاسوس اس وقت ہی تھوڈوسیس کو اٹیلا کے حملہ آور ہونے کی اطلاع دینا شروع ہو گئے تھے جس وقت اٹیلا نے اپنی سلطنت سے نکلتے ہوئے دریائے ڈینیوب کا رخ کیا تھا۔ اس وقت سے ہی تھیوڈوسیس نے ہن قبائل کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنی تیاریاں عروج پر کر لی تھیں پہلے اس نے ہن قبائل کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا پھر اس نے شرقی رومن سلطنت میں ہنگامی صورتحال کا اعلان کرتے مزید جوانوں کو لشکر میں شامل کرتے ہوئے ان کی تربیت کا کام شروع کر دیا تھا تاکہ ہن قبائل کے ساتھ جنگ اگر طول پکڑ جائے تو کمک کے طور پر تازہ لشکری بروقت میسر آ سکیں۔

ہن قبائل کا سامنا کرنے کے لئے رومن شہنشاہ تھیوڈوسیس نے تاخیر نہیں کی بلکہ وہ ایسا جرار لشکر لے کر بڑی تیزی کے ساتھ دریائے ڈینیوب کی طرف بڑھا اور عین اٹیلا کے لشکر کے سامنے وہ خیمہ زن ہوا۔

دوسرے دن دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے صف آراء ہوئے تھیوڈوسیس نے اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا لشکر کا وسطی حصہ اس نے اپنی کمانداری میں رکھا۔ لشکر کا دایاں پہلو اس نے اپنے بہنوئی مارسینوس کی کمانداری میں دیا اور لشکر کے بائیں پہلو کو ایک انتہائی خونخوار اور دلیر جرنیل لیو کی سرکردگی میں رکھا گیا یہی لیو بعد میں شرقی رومن سلطنت کا شہنشاہ بھی بنا تھا۔

دوسری طرف اٹیلا کے لڑنے کا انداز رومنوں سے کچھ عجیب اور نرالا تھا بظاہر اس نے رومنوں کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے لشکر کو تین حصوں میں ہی تقسیم کیا۔ قطری غور قبائل کے لشکر کو اٹیلا نے دو حصوں میں تقسیم کیا یہ وہ قبیلہ تھا جس سے

خود اٹیلا اور اس کے نائب خوش نواز کا تعلق تھا۔ ایک حصہ کو اٹیلا نے اپنی کمانداری میں رکھتے ہوئے لشکر کے وسطی حصے کے طور پر استعمال کیا جبکہ قطری غور قبیلے کے دوسرے حصہ کو اٹیلا نے اپنے نائب خوش نواز کی سرکردگی میں رکھا اور خوش نواز کو اس کے حصے کے لشکر کے ساتھ اٹیلا نے اپنے دائیں طرف رکھا تھا جبکہ اپنے بائیں پہلو پر اٹیلا نے کیداری قبیلے کے لشکر کو ان کے سردار کردم خان کے ساتھ رکھا تھا۔

کردم خان کے پیچھے کوشان قبیلہ تھا جس کی کمانداری ان کا سردار عیوان کر رہا تھا۔ جبکہ خوش نواز کے پیچھے اٹیلا کا مشہور و معروف جرنیل کوساک اپنے سابیر قبیلہ لشکر کی کمانداری سنبھالے ہوئے تھا۔

کوساک اور عیوان جو ایک دوسرے کے ماموں زاد اور پھوپھی زاد تھے ان کے لئے اٹیلا کا یہ حکم تھا کہ جب جنگ اپنے عروج پر آئے تو وہ اپنے اپنے لشکروں کو لے کر پشتی حصہ سے نکل کر کردم خان اور خوش نواز کے پہلو سے گزرتے ہوئے رومنوں کے لشکر پر دائیں اور بائیں پہلو پر حملہ آور ہوتے ہوئے کچل کے رکھ دیں۔

بہرحال دریائے ڈینیوب کے قریب ہن قبائل اور رومنوں کے درمیان جنگ کی ابتداء ہوئی۔ حملہ آور ہونے کی ابتداء خود ہن قبائل کے بادشاہ اٹیلا نے کی تھی۔ ہن قبائل کے حوصلے بڑے بلند تھے اس لئے کہ وہ ماضی میں مختلف وحشی قبائل کو اپنے سامنے زیر کرتے ہوئے انہیں اپنا ماتحت بنا چکے تھے ان قبائل میں گاتھ بھی شامل تھے اور سیتھین بھی۔ فرینک بھی تھے اور ماساجات بھی۔ بہرحال اٹیلا نے اپنے حصہ کے لشکر کے ساتھ جنگ کی ابتداء کی اور وہ دشت جنوں میں آندھیوں کے حریف اور تعصبات کی سرسر کی طرح رومنوں پر حملہ آور ہوا تھا اٹیلا کی طرف دیکھتے ہوئے اس کے سردار خوش نواز اور کردم خان بھی موت کی کھلی آغوش اور زہر بھری فضاؤں میں آندھیوں میں ڈوبی موت کی طرح رومنوں پر حملہ آور ہو گئے تھے۔

دوسری طرف رومنوں کے حوصلے بھی بڑے بلند تھے اس لئے کہ وہ بھی ماضی میں گاتھ قبائل کے علاوہ فرینک اور وحشی گال قبائل کو شکستیں دے کر اپنی سلطنت کو محفوظ رکھ رہے تھے۔ اور انہیں امید تھی کہ جس طرح وہ ماضی میں شمال کی طرف سے نمودار ہونے والے وحشی برفانی قبائل کو مار بھگاتے رہے ہیں اس طرح وہ ہن

قبائل کے مقابلے میں بھی کامیاب رہیں گے اور انہیں اپنی سرزمینوں سے نکال باہر کریں گے۔

انہی حالات کے تحت رومنوں کے شہنشاہ تھیوڈوسیس نے جوابی کاروائی شروع کی۔ تھیوڈوسیس نے پہلے اٹیلا کے حملے کو روکا اور اپنے دفاع تک محدود رہا۔ جب اس نے محسوس کیا کہ اس نے اٹیلا کے حملوں کو کلیتاً" روک کے رکھ دیا ہے تب وہ دفاع سے جارحیت پہ اترا اور جوابی کاروائی کرتے ہوئے وہ اٹیلا کے حصہ کے لشکر پر آندھیوں کی دستک اور جگر نا آسودہ کے عزائم کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

اپنے شہنشاہ کے اس طرح حملہ آور ہوتے ہی اس کے دونوں سالار مارسینوس اور لیو بھی اپنے اپنے حصہ کے لشکر کے ساتھ روح کے آتشی تلاطم، صحرا میں نفرتوں کے سیلاب اور رگ رگ کو چوستی صلیب کی طرح ہن قبائل پر ٹوٹ پڑے تھے۔

دریائے ڈینیوب کے قریبی میدانوں میں ہولناک جنگ کی ابتداء ہو گئی تھی۔ ہن اور رومن دونوں ہی ایک دوسرے پر بڑھ چڑھ کر حملہ آور ہو رہے تھے اور دونوں ہی کی یہ کوشش تھی کہ وہ اپنے مد مقابل کو شکست دینے میں کامیاب ہو جائیں۔ رومن یہ خیال کرتے تھے کہ ان کے ہتھیار ہن قبائل کے ہتھیاروں کی نسبت زیادہ جدید ہیں اس کے علاوہ ہن قبائل کے لشکریوں کی نسبت ان کے لشکری بہتر تربیت یافتہ ہیں لہٰذا وہ ہن قبائل کو مار بھگانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ لیکن جنگ لڑنے کا جو طریقہ کار اٹیلا نے اختیار کیا تھا وہ رومنوں کی سمجھ میں نہ آیا رومن یہی سمجھ بیٹھے تھے کہ اٹیلا نے اپنی پوری قوت آزما دیکھی ہے اور یہ کہ جو کچھ اس نے کرنا تھا کر بیٹھا ہے۔ اب مزید اس کے پاس کچھ نہیں رکھا ہے جسے وہ جنگ کی بھٹی میں جھونکے گا۔ پر یہ رومنوں کا دھوکہ فریب اور ان کی غلط فہمی تھی۔

اس لئے کہ جنگ جب اپنے عروج پر آئی چاروں طرف دھول اور خون کی بو پھیلنے لگی انسانی اعضاء کٹ کٹ کر گرنے لگے اور گھوڑے بری طرح ہنہنانے لگے تب اس کہرام اس قیامت خیزی میں سابیر قبیلہ کا سردار کوساک اور کوشان قبیلہ کا سردار عیوان اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ حرکت میں آئے دونوں جنگ کی ابتداء ہی سے اپنے لشکر کی پشت پر تھے لہٰذا جنگ کے عروج پر آتے ہی کوساک اپنے حصہ کے

لشکر کے ساتھ خوش نواز کے جنگ میں مصروف لشکر کے پہلو کے پاس سے گزرتا ہوا رومنوں کے پہلو کی طرف بڑھا جبکہ کوشان قبیلہ کا سردار عیوان بھی کردم خان کے لشکر کے پاس سے گزرتا ہوا رومنوں کے لشکر کے پہلو پر حملہ آور ہونے کے لئے بڑی تیزی سے آگے بڑھا تھا۔

پھر تھوڑی ہی دیر بعد میدان جنگ میں ایک نیا کہرام اٹھ کھڑا ہوا تھا اس لئے کہ کوساک اپنے لشکر کے ساتھ رومنوں کے بائیں پہلو پر تباہی کی غم انگیزی اور لاہوتی مسائل کے بحر بیکراں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔ عین اسی وقت کوشان قبیلہ کا سردار عیوان بھی رومنوں کے دائیں پہلو پر مجروح اہرمنوں کے پھندوں اور آتش فشاں پھٹنے والی آوازوں کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

کوساک اور عیوان کے اس طرح رومن لشکر کے پہلوؤں پر حملہ آور ہونے سے لمحوں کے اندر میدان جنگ کی صورت حال بڑی تیزی کے ساتھ بدلنے لگی تھی۔ میدان جنگ میں پہلے کی نسبت زیادہ شور و غوغاں اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ میدان جنگ میں مرنے والوں اور زخمی ہونے والوں کی چیخ و پکار تھی جو تھمنے کا نام ہی نہ لیتی تھی گھوڑے زخمی ہو کر گر رہے تھے اور بری طرح ہنہنا رہے تھے پر یہ صورتحال زیادہ دیر تک نہ رہی اس لئے کہ ہن اب رومنوں پر غالب ہوتے دکھائی دے رہے تھے۔ سامنے کی طرف سے اٹیلا' خوش نواز اور کردم خان نہ رکنے والے طوفانوں کی طرح رومنوں کے اندر گھستے چلے جا رہے تھے جبکہ رومنوں کے دونوں پہلوؤں پر کوساک اور عیوان بے روک آندھیوں کی طرح رومنوں کی صفوں کی صفیں الٹنے کا عمل شروع کر چکے تھے۔

تھوڑی ور کی مزید جنگ کے بعد رومنوں کی حالت اب ہن قبائل کے حملوں کے سامنے چتاؤں کے دھوئیں کی چادر' بے جہت اذیت اور رقص دمادم جیسی ہو کے رہ گئی تھی۔ رومن لشکری جو اس سے پہلے بڑھ چڑھ کر حملہ آور ہو رہے تھے اور یہ امید رکھتے تھے کہ وہ ہن قبائل کو مار بھگانے میں کامیاب ہو جائیں گے اب وہ اگلی صفوں کی طرف جاتے ہوئے خوفزدہ ہو رہے تھے اور ہر کوئی لشکر کے وسطی حصہ میں رہنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس صورتحال سے ہن قبائل نے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور

اگلی صفوں پر تابڑ توڑ اور خوفناک حملے کرتے ہوئے انہوں نے رومنوں کی اگلی صفوں کو تقریباً" ادھیڑ کے رکھ دیا تھا۔

پھر یہ حالت بھی آئی کہ ہن قبائل نے تین اطراف سے رومنوں کی اگلی صفوں کا مکمل طور پر صفایا کر دیا جو اگلی صفوں کے لشکری بچے وہ اپنی جانیں بچا کر لشکر کے وسطی حصہ کی طرف بھاگے پر انہیں ایسا نصیب نہ ہوا اس لئے کہ ہن ان کے پیچھے موت کے سایوں کی طرح لگ گئے تھے اور اب وہ اگلی صفوں کے خاتمہ کے بعد رومنوں کے وسطی حصہ پر مردار پر ٹوٹنے والے بھوکے گدوں کی طرح نزول کرنے لگے تھے۔

شرقی روما سلطنت کے شہنشاہ تھیوڈوسیس نے اپنے لشکر کی جب یہ حالت دیکھی تو اس نے اندازہ لگا لیا کہ اگر جنگ کچھ دیر مزید جاری رہی تو وحشی ہن قبائل اپنے بادشاہ اٹیلا کی سرکردگی میں رومن لشکر کا پوری طرح قتل عام کر کے رکھ دیں گے پس اپنے بچے کھچے لشکر کو بچانے کے لئے تھیوڈوسیس نے پسپائی کا حکم دیا پھر تھیوڈوسیس شکست اٹھا کر میدان جنگ سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اٹیلا نے اپنے سارے لشکر کے ساتھ کچھ دور تک رومنوں کے بھاگتے ہوئے شہنشاہ تھیوڈوسیس کا تعاقب کرتے ہوئے رومن لشکر کا قتل عام کیا پھر وہ اس جگہ لوٹ آیا جہاں جنگ ختم ہوئی تھی۔

اٹیلا نے سب سے پہلے جنگ میں مارے جانے والے اپنے لشکریوں کی تدفین کا انتظام کیا اس کے بعد اس نے جس قدر اس کے سپاہی زخمی ہوئے تھے ان کی مرہم پٹی کا سامان کرتے ہوئے انہیں سنبھالا اس کے بعد اٹیلا نے رومن شہنشاہ تھیوڈوسیس کے پڑاؤ پر قبضہ کر لیا تھا۔

رومنوں کے اس پڑاؤ سے اٹیلا کو باربرداری کے ان گنت جانوروں کے علاوہ لشکر کے لئے خوراک کے طور پر استعمال ہونے والے ریوڑ' اناج کے وسیع ذخائر' نقدی کے بورے' ہتھیاروں کے ذخیرے اور دوسری کارآمد اشیاء حاصل ہوئیں اور یہی وہ چیزیں تھیں جن کی خاطر اٹیلا رومن سلطنت پر حملہ آور ہوا تھا۔ بہرحال دریائے ڈینیوب کے کنارے رومن شہنشاہ تھیوڈوسیس کو پہلی شکست دے کر اٹیلا نے وہ کچھ حاصل کر لیا تھا جس کی وہ توقع اور امید لگائے ہوئے تھا۔

دریائے ڈینیوب کے قریبی میدانوں میں رومنوں کو بد ترین شکست دینے کے بعد کچھ روز تک اٹیلا نے اپنے لشکر کو ستانے کا موقع دیا جس قدر مال و دولت اور دوسری اشیاء رومنوں کے پڑاؤ سے حاصل ہوئی تھیں وہ ایک جگہ جمع کر کے ان کی نگرانی کے لئے چند دستے مقرر کر دیئے گئے تھے پھر چند روز ستانے کے بعد اٹیلا نے رومن سلطنت کے اندرونی حصوں کی طرف پیش قدمی کرنا شروع کر دی تھی۔

ادھر رومن شہنشاہ تھیوڈوسیس اٹیلا کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد بڑی تیزی سے قسطنطنیہ کی طرف گیا۔ اس کے تباہ حال لشکر کا بچا کھچا وہ حصہ جو میدان جنگ میں اس کے ساتھ بھاگا تھا اسے کچھ روز تک اس نے آرام کرنے کا موقع فراہم کیا اتنی دیر تک تھیوڈوسیس نے اس لشکر کو منظم کرنا شروع کر دیا جو نئے بھرتی کئے گئے جوانوں پر مشتمل تھا اور جن کی تربیت مکمل ہو چکی تھی اس طرح رومن شہنشاہ تھیوڈوسیس کو نیا لشکر تیار کرنے میں کوئی زیادہ دقت اور دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑا تھا یہ نیا لشکر اس لشکر سے بھی کہیں بڑا تھا جسے دریائے ڈینوب کے قریبی میدانوں میں شکست ہوئی تھی۔ اس لشکر کو لے کر رومن شہنشاہ تھیوڈوسیس پھر قسطنطنیہ سے نکلا تاکہ ہن قبائل کی راہ روکے اور انہیں شکست دے کر اپنی سرزمینوں سے مار بھگائے۔

اٹیلا اپنے لشکر کے ساتھ ایک بار رومنوں کو شکست دینے کے بعد رومن سلطنت کے اندرونی حصے کی طرف بڑھا۔ راستے میں جو بھی شہر، قصبہ اور بستی آئی ہن قبائل آگ کے بادلوں کی طرح اس پر چھا جاتے ہر شہر ہر قصبے کو لوٹا۔ قتل عام کیا اور انہوں نے آگ لگائی۔ آگ اور خون کا یہ کھیل کھیلتے ہوئے برف کے یہ دیوتا رومنوں کے دوسرے بڑے شہر اینڈریا نوپل جا پہنچے۔ اتنی دیر تک رومن شہنشاہ تھیوڈوسیس بھی نئے لشکر کے ساتھ اینڈریا نوپل پہنچا اور اٹیلا کے لشکر کے سامنے خیمہ زن ہوا تھا۔

رومن ہن قبائل کے لشکر کے سامنے آکر خیمہ زن ہوئے ہی تھے کہ برف باری شروع ہو گئی۔ زمین کی سطح بڑی تیزی سے سفید ہونے لگی تھی۔ تاہم رومنوں نے بڑی مہارت اور سرعت کے ساتھ اٹیلا کے لشکر کے سامنے اپنے خیموں کا شہر آباد کر لیا تھا۔ لشکر کے سامنے اور لشکر کے اندر جگہ جگہ آگ کے بڑے بڑے الاؤ روشن

دیئے گئے تھے۔ اٹیلا کے لشکر میں بھی ایسا سماں تھا شاید آنے والی وہ رات دونوں لشکروں نے ایک دوسرے سے نہ ٹکرانے کا عہد کیا تھا۔

○

اسی رات کوساک اپنے خیمے میں اس انگیٹھی کے پاس بیٹھا اپنے آپ کو گرم کرنے کی کوشش میں مصروف تھا جس میں آگ جل رہی تھی کہ اس کے خیمے میں اٹیلا اور اس کی بیٹی جو فینا دونوں داخل ہوئے اپنے خاقان اٹیلا کو یوں اچانک اپنے خیمے میں دیکھ کر کوساک اچانک اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا خیمے کے دروازے کی طرف بڑھ کر اس نے اٹیلا اور اس کی بیٹی جو فینا کا استقبال کیا۔ اپنے ساتھ دونوں کو لے کر وہ خیمے کے وسطی حصے میں آیا۔ اٹیلا اور اس کی بیٹی دونوں چپ چاپ آگ بھری انگیٹھی کے قریب بیٹھ گئے تھے۔ خیمے کے اندر چھوٹی چھوٹی دو شمعیں روشن تھیں۔ جنہوں نے خیمے کی ہر چیز کو واضح اور روشن کر رکھا تھا۔ جو فینا بڑی تیز اور میٹھی نگاہوں سے بس کوساک کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ کوساک ان دونوں باپ بیٹی کے سامنے بیٹھ گیا تب اٹیلا بولا اور کہنے لگا۔

دیکھ میرے عزیز میں دو کاموں کے سلسلے میں تمہاری طرف آیا ہوں۔ پہلا کام تو میں یہی جو فینا کی موجودگی میں تم سے کہوں گا اور دوسرا میں تمہیں تمہارے خیمے سے باہر لے جا کر کہوں گا۔ اس پر کوساک نے کچھ متفکر نگاہوں سے اٹیلا کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا خاقان کہیں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ اس پر اٹیلا حرکت میں آیا۔ اپنی کمر سے بندھی ہوئی ایک چرمی تھیلی سے اس نے انتہائی قیمتی دو سونے کے ہار نکالے جن کے اندر نایاب قسم کے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ وہ دونوں ہار کوساک کی طرف بڑھائے۔ اٹیلا کہنے لگا۔

کوساک میرے بیٹے۔ میرے فرزند۔ اپنے لشکریوں اور تمام سالاروں سے احوال جاننے کے بعد میں اور تمہارے ساتھی سردار اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ گذشتہ جنگ میں سب سے اچھی اور بہتر کارکردگی تمہاری تھی۔ لہٰذا تمہاری اس کارکردگی کی بناء پر یہ دو نایاب اور انتہائی قیمتی ہار میں تمہیں انعام کے طور پر پیش کرتا ہوں۔ تمہارے علاوہ ان ہاروں کا اور کوئی حقدار نہیں ہے اس لئے کہ تمہاری کارکردگی ہی ایسی تھی

کہ تم نے اپنے آپ کو اس قابل کیا۔ میری طرف سے ان دونوں ہاروں کو اپنی کارکردگی کے صلے میں قبول کرو۔

اٹیلا جب خاموش ہوا تو کوساک تھوڑی دیر تک عجیب سے انداز میں اسے دیکھتا رہا پھر اس نے اپنے خاقان اٹیلا سے وہ دونوں ہار لے لئے اور اپنی کمر کے ساتھ بندھی ہوئی چرمی تھیلی میں ڈال لئے اس کے بعد وہ کہنے لگا۔ خاقان شاید یہ ایک کام ہو گا اب دوسرا کام کون سا ہے۔ اس پر اٹیلا بولا اور کہنے لگا۔ دوسرے کام کے لئے میں نے تمہیں کہا تھا کہ میں تمہیں علیحدگی میں کہوں گا۔ جو فینا کو یہیں بیٹھے رہنے دو تم میرے ساتھ آؤ۔ اس لئے کہ دوسرا کام جو میں تم سے کہنا چاہتا ہوں وہ میرے اور تمہارے علاوہ کسی کو خبر نہیں ہونی چاہئے۔ اٹیلا کے ان الفاظ پر کوساک نے متفکر سے انداز میں اس کی طرف دیکھا اتنی دیر تک اٹیلا اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔ کوساک بھی کھڑا ہو گیا اٹیلا نے اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور کوساک اٹیلا کے پیچھے پیچھے اپنے خیمے سے نکل گیا تھا۔ جو فینا وہیں آگ بھری انگیٹھی کے پاس بیٹھی رہی تھی۔

خیمے سے نکلنے کے بعد اٹیلا بولا اور انتہائی رازدارانہ اور دھیمی آواز میں وہ کوساک کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

دیکھ کوساک۔ میرے بیٹے دوسرا کام جو میں تمہیں سونپنا چاہتا ہوں وہ انتہائی اہم ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ صرف تم ہی اس کام کے لائق ہو۔ دیکھ میرے عزیز فرزند کل صبح سے جنگ کی ابتدا کرنے کے لئے دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے صف آراء ہوں گے تم دشمن کے سامنے نہیں آؤ گے بلکہ آج ہی رات کے پچھلے حصے میں دشمن کے بائیں جانب جو چھوٹے موٹے ٹیلوں پر مشتمل کوہستانی سلسلہ ہے اس میں جا کر گھات میں بیٹھ جانا۔ اگلے روز جب جنگ اپنے عروج پر آئے گی تو تم گھات سے نکل کر رومنوں کی پشت کی طرف سے حملہ آور ہو جانا۔ اس طرح تمہارے پشت کی طرف سے بھیانک حملے سے رومنوں کو نہ صرف یہ کہ ناقابل تلافی نقصان اٹھانا پڑے گا بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ ان کے جنگ جوؤں کے حوصلے بھی پست ہو جائیں گے۔ یہاں تک تمہارے کام کا ایک پہلو ختم ہو جائے گا۔ دوسرا پہلو جو تم نے نگاہ میں رکھنا ہے کہ پشت پر حملہ آور ہونے کے بعد تم جنگ جاری رکھنا۔ اس موقع پر سامنے کی

طرف سے میں بھی اپنی پوری عسکری طاقت کو رومنوں کے سامنے جنگ کی بھٹی میں جھونک دوں گا۔ مجھے امید ہے ایسا کرنے سے دشمن پسپا ہو گا اگر دشمن پسپا ہو کر قسطنطنیہ کی طرف جانے والی شاہراہ کی طرف بھاگے تو پھر تمہارے کام کا دوسرا مرحلہ ہم سے مختلف نہیں ہو گا جبکہ تم ہمارے ساتھ مل جاؤ گے تھوڑی دور دشمن کا تعاقب کریں گے اس کے بعد واپس لوٹ کر دشمن کے پڑاؤ پر قبضہ کریں گے اور اس کے بعد اینڈریا نوپل شہر پر قبضہ کرنے کی کوشش کریں گے۔

اور اگر رومن ہمارے ہاتھوں شکست اٹھانے کے بعد اینڈریا نوپل شہر میں داخل ہو کر محصور ہونے کی کوشش کریں تو تم بھی اپنے لشکر کے ساتھ ان کے پیچھے پیچھے شہر میں داخل ہو جانا تاکہ وہ شہر کے دروازے نہ بند کر سکیں۔ شہر کے اندرونی حصوں کی طرف مت جانا۔ بلکہ جس دروازے سے تم اینڈریا نوپل میں داخل ہو گے اسی دروازے کے آس پاس رہتے ہوئے دروازے پر قبضہ رکھتے ہوئے اسے کھلا رکھنے کی کوشش کرنا۔ اتنی دیر تک میں بھی باقی لشکر کے ساتھ وہاں پہنچ جاؤں گا اور پھر سارے اکٹھے مل کر شہر کے اندر کاروائی کریں گے۔

یہاں تک کہنے کے بعد اٹیلا لمحہ بھر کے لئے رکا پھر وہ اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ دیکھ کوساک میرے عزیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رومن لشکر دو حصوں میں تقسیم ہو جائے۔ کچھ قسطنطنیہ کی طرف بھاگ جائیں اور کچھ اینڈریا نوپل شہر میں داخل ہونے کی کوشش کریں۔ اس صورت میں بھی تم اینڈریا نوپل شہر کی طرف بڑھنا اور شہر کے ایک دروازے پر قابض ہونے کی ضرور کوشش کرنا۔ اب تمہارا کام یہ ہے کہ تھوڑی دیر ستا لو اور آدھی رات کے بعد اپنے لشکر کو لے کر بائیں ہاتھ کے کوہستانی سلسلے میں گھات لگا کر بیٹھ جانا۔

یہاں تک گفتگو کرتے کرتے اٹیلا اور کوساک اپنے خیموں میں شہر سے کافی آگے نکل آئے تھے اور اٹیلا کا شاہی خیمہ اب قریب آ گیا تھا۔ اس موقع پر اٹیلا پھر بولا اور کوساک کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ دیکھ کوساک میرے فرزند جو کچھ میں نے تمہیں کہنا تھا کہہ دیا۔ اب تم واپس جاؤ اور جو فینا کو میرے پاس بھیج دو۔ اس کے ساتھ ہی اٹیلا آگے بڑھ گیا جبکہ کوساک پلٹ گیا تھا۔

اپنے خیمے کی طرف آتے ہوئے کوساک اچانک ایک جگہ رک گیا پھر وہ بائیں جانب مڑا اور خیموں میں آگے بڑھتا چلا گیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ لشکر کے طبیب اور ساحر جسے شامان کہہ کر پکارا جاتا تھا' کے خیمے کے سامنے رکا۔ جب کوساک دروازے پر آیا تو اس نے دیکھا کہ شامان اور اس کی بیٹی زریون دونوں بیٹھے ہوئے تھے۔ جوں ہی کوساک کھانستا ہوا خیمے میں داخل ہوا شامان اور زریون دونوں باپ بیٹی نے اپنی جگہ سے اٹھ کر بے پناہ خوشیوں کا اظہار کرتے ہوئے کوساک کا استقبال کیا۔ پھر شامان بولا اور کوساک کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

کوساک میرے بیٹے بڑے اچھے وقت پر آئے ہو۔ آؤ ہم دونوں باپ بیٹی کے پاس بیٹھو۔ تمہارے یہاں بیٹھنے سے میرے خیمے میں رونق رہے گی۔ اس پر کوساک بولا اور کہنے لگا۔ بزرگ شامان میں بیٹھوں گا نہیں۔ دراصل خاقان میرے ساتھ کسی اہم موضوع پر گفتگو کر رہا تھا جس کے مطابق اب مجھے حرکت میں آنا ہے لہٰذا میں زریون کو کچھ دینے آیا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی کوساک نے اپنی کمر سے بندھی ہوئی چرمی تھیلی میں سے اٹیلا کے دیئے ہوئے دونوں ہار نکالے اور زریون کی طرف بڑھاتے ہوئے وہ کہنے لگا یہ دونوں ہار میری طرف سے تحفے کے طور پر قبول کرو۔ دونوں ہار تھوڑی دیر پہلے مجھے خاقان نے دیئے ہیں اس کا کہنا تھا کہ گذشتہ جنگ میں چونکہ میری کارکردگی سب سے اچھی اور بہتر رہی ہے لہٰذا یہ دونوں ہار اس نے مجھے میری کارکردگی کی بناء پر دیئے ہیں۔

زریون نے ہاتھ بڑھا کر دونوں ہار لے لئے تھوڑی دیر تک وہ ان ہاروں کا بغور جائزہ لیتی رہی پھر ایک ہار اس نے اپنے گلے میں ڈال لیا دوسرا اس نے واپس کوساک کی کمر سے لٹکتی ہوئی چرمی تھیلی میں ڈال دیا تھا۔ زریون کے ایسا کرنے پر کوساک نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا وہ کچھ پوچھنا ہی چاہتا تھا کہ زریون پہلے ہی بول پڑی اور اس سے کہنے لگی۔

سردار کوساک میں اور میرا باپ دونوں جانتے ہیں کہ آپ مجھ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں اور یہ بات بھی سب پر عیاں ہے کہ آپ کی محبت سے بڑھ کر میں آپ کو چاہتی ہوں۔ پر میں صرف ایک ہی ہار کی حقدار ہوں دوسرے ہار پر خاقان اٹیلا کی بیٹی

جو فینا کا حق بنتا ہے اس لئے کہ وہ بھی اپنی ذات اپنے جسم کو آپ سے منسوب کر چکی ہے اور یہ سارے حالات میں نے اپنے باپ سے تفصیل کے ساتھ کہہ دیئے ہیں اور میرے باپ کو اس پر کوئی اعتراض نہیں کہ اگر میں اور جو فینا بہ یک وقت آپ کی زندگی کی ساتھی بنیں۔

سردار کوساک میں بے انصافی اور لالچ کا اظہار نہیں کروں گی۔ انصاف کروں گی چونکہ جو فینا اپنے آپ کو آپ سے منسوب کر چکی ہے اور اس سلسلے میں اس نے مجھ سے صلاح مشورہ بھی کیا ہے۔ لہٰذا جس طرح آپ پر میرا اور مجھ پر آپ کا حق بنتا ہے ایسا ہی حق آپ اور جو فینا کے درمیان بھی ہے۔ پس میری خواہش اور آرزو ہے کہ دوسرا ہار آپ اپنے ہاتھوں سے جو فینا کو پیش کریں۔ اسی میں میری خوشی اسی میں میری طمانیت ہے۔ زریون کی اس گفتگو سے کوساک کے چہرے پر خوشگوار مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ پھر وہ شامان کے خیمے سے نکل گیا تھا۔

کوساک جب اپنے خیمے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ جو فینا اسی طرح اس کے خیمے کے وسط میں انگارے بھری انگیٹھی کے پاس بیٹھی اس کے اوپر اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے تھی۔ کوساک جب خیمے میں داخل ہوا تو جو فینا اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے چہرے پر مسکراہٹ اور گہری بشاشت بکھیرتے ہوئے اس نے خیمے میں کوساک کا استقبال کیا تھا۔ کوساک نے اسے بیٹھنے کو کہا۔ خود بھی وہ جو فینا کے سامنے بیٹھ گیا پھر کوساک نے اپنی کمر سے بندھی ہوئی چرمی تھیلی میں سے دوسرا ہار نکال کر جو فینا کو پیش کیا اور کہنے لگا دیکھ جو فینا اب جبکہ تو اپنی ذات اور اپنے جسم کو مجھ سے منسوب کر چکی ہے تو یہ ہار میں تجھے تحفتاً" پیش کرتا ہوں۔ یہ ہار میرے اور تیرے درمیان تعلقات اور ربط کی نشاندھی کرتا رہے گا۔ کوساک کی آمد سے پہلے گہری سوچوں اور تفکرات میں ڈوب کر بیٹھی ہوئی جو فینا اچانک بدل کر رہ گئی تھی۔ کوساک کے الفاظ سے وہ صوت و آہنگ کے جذب اور نغموں کی غنائیت جیسی پرکشش' رنگ و نور کی بساط رقص اور گیتوں کے جلال و جمال جیسی حسین تر ہو کر رہ گئی تھی پھر وہ بولی اور گہری رات کے سکوت میں اچانک بج اٹھنے والی گھنٹیوں کی سی آواز میں کوساک کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

آپ نے اپنے الفاظ سے مجھے اپنی بے دام کنیز بنا کر رکھ دیا ہے۔ میں آپ سے عہد کرتی ہوں کہ میں اپنے آپ کو آپ کے لئے شبنم سے دھلی شمیم، مہکتے پھولوں کی باس جیسا ثابت کر کے رہوں گی۔ میں اپنی ذات کو آپ کے لئے تریاق اپنے جسم کو آپ کے لئے امرت بنا کر رکھ دوں گی۔

یہاں تک کہنے کے بعد جوفینا چند لمحوں کے لئے رکی پھر وہ دوبارہ کہہ رہی تھی۔ کوساک اپنے رویئے اپنے سلوک اپنے الفاظ سے آپ نے میری زیست کے یخ تودوں کو شعلہ، غبار راہ کو کہکشاں بجھے شعلوں کو برق تپاں اور خار زاروں کو گلستاں بنا کر رکھ دیا ہے۔ آپ نے میرے احساس کے صحرا میں چاہتوں کی حدت، محبتوں کا سرور بھر دیا ہے۔ اس کے لئے میں عمر بھر آپ کی ممنون اور مشکور رہوں گی۔

جوفینا تھوڑی دیر پھر خاموش رہی اس کے بعد اس نے عجیب سے انداز میں کوساک کی طرف دیکھا اس کے لبوں پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ بھی نمودار ہوئی پھر وہ کہنے لگی یہ ہار مجھے دے کر آپ یوں جانیں کہ آپ نے اپنی زندگی کے ایک امتحان اور آزمائش میں کامیابی بھی حاصل کر لی ہے۔ اس پر کوساک نے چونک کر جوفینا کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ کیسی آزمائش۔ کیسا امتحان۔ اس پر جوفینا نے پہلے ہلکا سا ایک قہقہہ لگایا پھر وہ اپنی شہد بھری آواز میں کہنے لگی۔

میرے بابا دو ہار آپ کے پاس لے کر آئے تھے اور وہ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ ان دو ہاروں کی تقسیم آپ کیسے اور کس طرح کرتے ہیں۔ آپ نے مجھے جو ایک ہار دیا ہے تو دوسرا یقیناً" میری بہن زریون کو دیا ہو گا۔ اس پر کوساک فوراً" بولا۔ ہاں۔ ایسا ہی ہے۔ تمہارے بابا کو شاہی خیمے کے قریب چھوڑ کر انہوں نے مجھے پلٹ جانے کے لئے کہا۔ وہاں سے میں زریون کے خیمے میں گیا ایک ہار اسے دیا اور ایک ہار تمہیں دے دیا ہے۔ اس پر جوفینا کہنے لگی تو پھر آپ اپنی آزمائش میں کامیاب رہے۔ بابا بھی یہی دیکھنا چاہتے تھے کہ آپ ان دو ہاروں کی تقسیم کیسے کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اگر ایک ہار زریون کو اور ایک مجھے دیا تو یہ اس بات کی غمازی ہے کہ آپ ہم دونوں کو اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اب آپ مجھے اجازت دیں میں جاتی ہوں میرے بابا بڑی بے چینی سے میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ میں جا کے انہیں

خوشخبری سناؤں گی کہ مجھے کوساک نے ایک ہار تحفے میں دے کر مجھے اپنی خوشیوں اپنے غموں اپنی زیست کے دنوں اور سایوں کا ہمسفر بنا لیا ہے۔ جوفینا کے ان الفاظ سے کوساک کے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ پھر جوفینا نے کسی قدر بے باکی کا اظہار کیا۔ وہ آگے بڑھی اور کوساک کے دونوں ہاتھوں کو اس نے اپنے نرم گداز اور ریشمی ہاتھوں میں لیا اور جذبات میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہنے لگی آج سے آپ میری منزل میرے ارادوں کے رفعت و بلندی ہیں اس کے ساتھ ہی جوفینا نے کوساک کے ہاتھ چھوڑ دیئے اس کی گردن کسی قدر شرم کے باعث جھک گئی تھی پھر وہ بھاگتی ہوئی کوساک کے خیمے سے نکل گئی تھی۔

جوفینا کے جانے کے بعد کوساک اپنے بستر میں گھس کر آرام کرنے لگا تھا جبکہ رات آدھی گزرنے کے بعد کوساک اپنے لشکر کے ساتھ حرکت میں آیا اور اپنے لشکر کو لے کر وہ بائیں جانب کے کوہستانی سلسلوں میں گھات لگا کے بیٹھ گیا تھا۔

دوسرے روز دونوں لشکر اینڈریا نوپل شہر سے نکلے میدانوں میں ایک دوسرے کے سامنے صف آراء ہوئے۔ آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے اور برفباری کا بھی خطرہ تھا اس لئے کہ سرما کا موسم اپنے عروج پر تھا۔ جب دونوں لشکر اپنی صفیں درست کر چکے تب رومنوں کے شہنشاہ تھیوڈوسیس نے حملہ کی ابتدا کی۔ اس جنگ میں شاید تھیوڈوسیس حملہ کی ابتداء کر کے اپنے لئے فوائد حاصل کرنا چاہتا تھا لہٰذا پہلے خود تھیوڈوسیس اپنے لشکر کے وسطی حصہ کے ساتھ حرکت میں آیا اور اٹیلا کے لشکر پر وہ بحر بیکراں کے تلاطم اور دشت در دشت پھیلتی بیبا کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔ تھیوڈوسیس کے حملہ آور ہونے کے ساتھ ہی اس کے بائیں پہلو کے کماندار اور اس کے بہنوئی مارسینوس نے بھی اپنے حصہ کے لشکر کو حرکت میں لاتے ہوئے آگے بڑھنا شروع کیا اور اٹیلا کے لشکر پر یم بہ یم سیل رواں اور قطرہ قطرہ طوفان کھڑے کرنے والے عزائم کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔ ان دونوں کے بعد تیسرا رومن جرنیل لیو بھی حرکت میں آیا اور وہ اپنے لشکر کے دائیں پہلو کو لے کر جدائی کے زخم ثبت کرتی آندھیوں اور اجنبی قدموں کی چاپ کے طوفانوں کی طرح حملہ آور ہوتے ہوئے اپنے سامنے آنے والے ہنوں کو زخم زخم کرنے لگا تھا۔

اٹیلا کے لشکر کی تنظیم کچھ یوں تھی کہ وسطی حصہ میں اٹیلا خود تھا اور اس کے ساتھ اس کا نائب خوش نواز تھا۔ دائیں جانب کوشان قبیلہ کا سردار عیوان کمانداری سنبھالے ہوئے تھا اور بائیں پہلو میں کیداری قبیلے کا سردار کردم خان اپنے حصہ کے لشکر کا سربراہ تھا۔ تینوں ہنوں نے مل کر بڑی مہارت اور بڑی جراتمندی سے رومنوں کے حملوں کو روک دیا تھا۔ اس کے بعد اٹیلا کے اشارے پر اٹیلا کے ماتحت کام کرنے والے لشکر کے علاوہ کردم خان اور عیوان کے لشکر بھی حرکت میں آئے اور دفاع سے نکل کر وہ جارحیت پر اترے پھر وہ رومنوں پر دکھ اور ملول کے حیرت کدوں' تادیب کے روگ اور تکذیب کے سرمکتوم کی طرح حملہ آور ہونے لگے تھے۔

جنگ اپنے عروج اور شباب پر آ گئی تھی چاروں طرف دھول ہی دھول اور گرد و غبار کے بادل تیر رہے تھے۔ گھوڑوں کے ہنہنانے مرنے والوں کی آہوں اور زخمی ہونے والوں کی چیخ و پکار سے میدان جنگ کے اندر قیامت صغرا کا سا سماں برپا ہو کے رہ گیا تھا۔ اسی موقع پر بائیں جانب کے قریبی کوہستانی سلسلہ کے اندر سے ساہیر قبیلے کا سردار کوساک اپنے حصہ کے لشکر کے ساتھ اچانک نمودار ہوا پھر وہ رومنوں کے لشکر پر پشت کی طرف سے عمر کے ویران گوشوں میں سنگدل ناموافق موسموں اور شام و سحر کی تڑپ کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔ کوساک کے پشت کی طرف سے حملہ آور ہونے کے باعث رومن اب دو طرف سے پسنے لگے تھے۔ سامنے کی طرف سے اٹیلا نے اپنے سردار خوش نواز' عیوان اور کردم خان کے ساتھ ایک خونخوار ہلچل مچا کے رکھ دی تھی جبکہ پشت کی طرف سے کوساک نے رومنوں کو لحہ بہ لحہ موت اور مرگ کے گڑھوں میں پھینکنا شروع کر دیا تھا۔ ہن قبائل کے اس دو طرفہ حملہ کے باعث میدان جنگ فعلوں کی بے زری' حرف و قلم کی قدغن' اندھے بگولوں اور آنکھیں مانگتی تاریکیوں کی سی صورت اختیار کر گیا تھا۔

ہنوں کے ان دو طرفہ خون آلود اور جان لیوا حملوں کے سامنے رومن زیادہ دیر تک ٹھہر نہ سکے۔ رومنوں کے شہنشاہ تھیوڈوسیس کو یقین ہو گیا تھا کہ اگر جنگ کچھ دیر اور جاری رہی تو رومنوں کے مقدر میں شکست بربادی اور خونخواری کے سوا کچھ نہ رہے گا لہٰذا اس نے تیز رفتار سوار بھجوا کر اپنے کماندار مارسینوس اور لیو کو یہ

احکامات جاری کر دیئے تھے کہ فوراً" پسپا ہو کر بھاگ کھڑے ہوں۔ یہ حکم ملنا تھا کہ تھیوڈوسیس اور اس کے دونوں جرنیل اس شاہراہ پر بھاگ کھڑے ہوئے جو قسطنطنیہ کی طرف جاتی تھی اس موقع پر کوساک نے بڑی دانشمندی کا ثبوت دیتے ہوئے بھاگتے ہوئے دشمن کے لشکر کے وسطی حصہ پر حملہ کر دیا تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ رومنوں کا لشکر دو حصوں میں بٹ کے رہ گیا ایک حصہ تو تھیوڈوسیس لیو اور مارسینوس کے ساتھ قسطنطنیہ کی طرف بھاگ گیا اور دوسرا حصہ بد حواسی کے عالم میں اینڈریا نوپل شہر کی طرف بھاگا۔

کوساک نے ایسا شاید جان بوجھ کر کیا تھا تاکہ سارے کا سارا رومن لشکر قسطنطنیہ کی طرف نہ بھاگ جائے ایسا ہونے کی صورت میں انہیں اینڈریا نوپل شہر پر قبضہ کرنے کے لئے اس کا محاصرہ کرنا پڑتا اور اس کے لئے انہیں چند ہفتے درکار ہوتے۔ لشکر کو دو حصوں میں بانٹ کر ایک حصہ کو جو اس نے اینڈریا نوپل شہر کی طرف بھاگنے پر مجبور کیا تو اس کا مدعا اور مقصد یہ تھا کہ اس لشکر کے پیچھے پیچھے وہ بھی شہر میں داخل ہو جائے گا اور یوں آسانی سے شہر پر قبضہ ہو جائے گا۔

دوسری طرف اٹیلا بھی شاید اپنے جرنیل کوساک کی اس دانشمندی کو سمجھ چکا تھا لہٰذا اس نے کردم خان کو اپنے ساتھ لیا اور قسطنطنیہ کی طرف بھاگنے والے رومن لشکر کا بڑی خونخواری سے تعاقب شروع کر دیا جبکہ دوسرے ہن سالار اور کوساک کے ماموں زاد بھائی عیوان کو اٹیلا نے حکم دیا کہ وہ اپنے لشکر کے ساتھ کوساک سے جا ملے یوں اٹیلا اور اس کے نائب خوش نواز کے علاوہ کردم خان قسطنطنیہ کی طرف بھاگنے والے رومن لشکر کے پیچھے یوں پڑ گئے تھے جیسے بھوکے بھیڑیئے بے بس لومڑیوں کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوتے ہیں۔

ادھر باقی بچنے والا لشکر انتہائی بے بسی کے عالم میں اینڈریا نوپل شہر کی طرف بھاگا۔ اینڈریا نوپل شہر کی فصیل پر جو محافظ لشکر تھا اس نے جب دیکھا کہ اس کے لشکر کا ایک حصہ شہر کی طرف بھاگا آ رہا ہے تو انہوں نے فوراً" اس سمت کا دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھلنا تھا کہ ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ اس لئے کہ اس رومن لشکر کے پیچھے پیچھے کوساک اور عیوان بھی اپنے لشکروں کے ساتھ شہر میں داخل ہو گئے۔ ایسا

ہونا تھا کہ دونوں ہن سرداروں نے شہر کے اندر ایک خونی انقلاب اور جان لیوا ہلچل برپا کر دی لمحوں کے اندر انہوں نے شہر کے اندر محافظ لشکر کا قتل عام کرتے ہوئے فصیل پر چڑھنا شروع کیا اور فصیل کے اوپر بھی جتنے رومن محافظ تھے انہیں بھی قتل کر کے انہوں نے فصیل کے نیچے پھینک دیا۔ کوساک اپنے حصہ کے لشکر کے ساتھ فصیل کے اوپر برجوں کے اندر پھیل گیا تھا۔ جبکہ اس کا ماموں زاد عیوان اور کوشان قبیلہ کا سردار شہر کے اندر اپنے لشکر کے ساتھ شہر کا نظم و ضبط سنبھال چکا تھا۔

دوسری طرف اٹیلا خوش نواز اور کردم خان نے تھوڑی دیر تک رومن شہنشاہ تھیوڈوسیس کے علاوہ اس کے جرنیلوں مارسینوس اور لیو کا بدترین تعاقب کیا۔ اس تعاقب میں اٹیلا' خوش نواز اور کردم خان کے ہاتھوں ان گنت رومن مارے گئے۔ یہاں تک کہ اٹیلا نے یہ تعاقب ترک کر دیا اور اس جگہ واپس آیا جہاں جنگ ہوئی تھی۔

سب سے پہلے اٹیلا نے بھاگنے والے رومن شہنشاہ کے پڑاؤ پر قبضہ کیا اس پڑاؤ میں اسے بہت کچھ ملا نقدی' خوراک کے وسیع ذخائر کے علاوہ اسے ہتھیار بھی کافی تعداد میں ملے۔ یہ سب کچھ سمیٹنے کے بعد اٹیلا اپنے لشکر کے ساتھ اینڈریا نوپل شہر میں داخل ہوا۔ شہر میں داخل ہوتے ہی اس نے قتل عام کا حکم دے دیا بس یہ حکم ملنا تھا کہ وحشی ہن حرکت میں آئے لمحوں کے اندر انہوں نے قتل عام کرتے ہوئے شہر کو خون میں ڈبو کے رکھ دیا اور جی بھر کے شہر کو لوٹا۔

اینڈریا نوپل شرقی رومن سلطنت کا دوسرا بڑا شہر تھا۔ اس شہر میں قتل و غارت اور لوٹ مار سے اٹیلا کو بہت کچھ ہاتھ لگا۔ چند روز تک اس نے اس شہر میں اپنے لشکر کے ساتھ قیام کئے رکھا جب وہ شہر کی ہر چیز کو سمیٹ چکا تب وہ اپنے لشکر کے ساتھ شہر کو کھنڈر کرنے کے بعد نکلا اب اس نے اپنا رخ رومنوں کے تیسرے بڑے شہر فلپوپولس جا پہنچا۔

اٹیلا کے فلپوپولس پہنچنے سے پہلے ہی رومن شہنشاہ تھیوڈوسیس ایک اور لشکر ترتیب دے چکا تھا اور اٹیلا سے پہلے ہی پہلے اپنے نئے لشکر کے ساتھ اپنے تیسرے بڑے شہر فلپوپولس کی حفاظت کے لئے پہنچ چکا تھا۔ اٹیلا جب اپنے لشکر کے ساتھ فلپوپوس کے نواح میں پہنچا تو اس نے دیکھا تھیوڈوسیس اپنے لشکر کے ساتھ فلپوپولس میں اس کی راہ روک کھڑا ہوا اس طرح تیسری جنگ کے لئے رومن اور ہن ایک بار پھر ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ہوئے۔

اس بار رومنوں نے ہن قبائل پر حملہ آور ہونے میں پہل کرنے کی کوشش نہ کی نہ ہی حملہ آور ہونے کے لئے انہوں نے اپنے لشکر کی صفوں کو آگے بڑھایا بلکہ وہ اپنی جگہ پر جمے رہے۔ یہ صورتحال دیکھتے ہوئے اٹیلا اپنے لشکر کے ساتھ فضا کے ماتم اور ہوا کے نوحوں کی طرح آگے بڑھا اور رومنوں پر اس نے جبر کی دھول اور بھنور کی منہ زوری کی طرح حملہ کر دیا تھا۔

رومنوں نے اٹیلا کے ان جان لیوا حملوں کا دفاع کرتے ہوئے ایک تاب تواں' جذبہ جواں' دکھ کے سمندر میں مصائب کے ہجوم اور سکڑے لمحوں کی طرح مقابلہ کیا شاید رومنوں کے شہنشاہ تھیوڈوسیس اور ان کے دونوں جرنیلوں نے رومن لشکریوں کو یہ تاکید کر رکھی تھی کہ ہن کیسے بھی خونخوار جان لیوا حملے کریں انہوں نے دفاع کے عمل کو کسی بھی صورت ہاتھ سے نہیں جانے دینا۔ اسی صورتحال کے تحت رومنوں نے اپنے آپ کو دفاع تک ہی محدود رکھا۔

ہنوں نے جب دیکھا کہ رومنوں نے اپنے آپ کو صرف دفاع تک محدود کر لیا ہے اور یہ کہ وہ جارحیت پر اترنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے تو ان کی حالت بدل گئی وہ پہلے سے بھی زیادہ جوش و جذبے سے حملہ آور ہونے لگے اب وہ بڑی تیزی سے اندھی جدائی کی کالی آندھیوں اور موسموں کی شدت کی طرح رومنوں پر ٹوٹ پڑے تھے۔

رومنوں کا خیال تھا کہ کچھ دیر تک وہ اپنے لشکر کو دفاع تک محدود رکھیں گے جب وہ اٹیلا اور اس کے جرنیلوں کے لشکروں کو بالکل روکنے میں کامیاب ہو جائیں گے تب دفاع سے اتر کر جارحیت پر اتریں گے لیکن رومنوں کے شہنشاہ اٹیلا اور ان کے جرنیلوں نے رومنوں کو ایسا موقع ہی فراہم نہ کیا اس لئے کہ بہت جلد اپنے تیز حملوں سے ہنوں نے رومنوں کی حالت ٹوٹی کہانیوں' بکھرے قمقموں اور درد کے بستر میں موت کی اندھی چاپ جیسی بنا کے رکھ دی تھی۔ رومن شہنشاہ اور اس کے دونوں

جرنیلوں نے بڑی کوشش کی کہ اپنے لشکر کو دفاع سے نکال کر جارحیت پر اتاریں لیکن اب ایسا ممکن نہ تھا۔ سامنے کی طرف سے خود اٹیلا خوش نواز اور کردم خان رومنوں کی صفوں کو ادھیڑ رہے تھے۔ دائیں جانب سے کوساک اور بائیں جانب سے عیوا اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ لمحہ بالمحہ قتل و غارتگری کرتے ہوئے رومنوں کی تعداد کو بڑی تیزی سے کم کرتے جا رہے تھے۔

تھوڑی دیر تک جب اور جنگ ہوئی تو رومن بالکل ہی پس کر رہ گئے ان کے لشکر کی اگلی صفیں بالکل ادھیڑ کے رکھ دی گئیں۔ پچھلی صفوں کے لشکری اگلی صفوں میں جانے کے لئے تیار نہ تھے لہٰذا ہن قبائل نے اگلی صفوں کا قتل عام کرنے کے بعد پچھلی صفوں پر ٹوٹنا شروع کر دیا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لشکر میں بڑی تیزی سے ابتری اور افراتفری کا عالم برپا ہو گیا۔ اس افراتفری میں ہن قبائل نے اپنے حملوں میں اور زیادہ تیزی پیدا کر لی نتیجہ یہ نکلا کہ رومنوں کو بدترین شکست ہوئی اور وہ اپنے شہنشاہ تھیوڈوسیس اور جرنیلوں کے ساتھ قسطنطنیہ کی طرف بھاگ گئے تھے۔

اٹیلا نے اس بار اپنے آگے بھاگ نکلنے والے رومن شہنشاہ تھیوڈوسیس کا تعاقب نہیں کیا بلکہ اس نے میدان جنگ ہی میں اپنے لشکر کے ساتھ قیام کیا رومنوں کے پڑاؤ پر اس نے قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد وہ رومنوں کے تیسرے بڑے شہر فلیوپولس کی طرف بڑھا۔

فلیوپولس میں رومنوں کا ایک چھوٹا سا لشکر شہر کی حفاظت کے لئے مامور تھا وہ لشکر ہن قبائل کے سامنے شہر کا دفاع نہ کر سکا لہٰذا تھوڑی سی کوشش کے بعد اٹیلا نے فلیوپولس کو فتح کر لیا۔

ایک فاتح کی حیثیت سے اٹیلا فلیوپولس شہر میں داخل ہوا۔ شہریوں کا جی بھر کے اس نے قتل عام کیا اور شہر کی ہر چیز کو اس نے لوٹ لیا۔ فلیوپولس کی لوٹ مار کے بعد ہن قبائل کے لشکریوں کے پاس اس قدر سامان ہو گیا تھا کہ لشکر کی پیش قدمی کرنے کی رفتار کافی حد تک سست پڑ گئی تھی۔

فلیوپولس کو لوٹنے اور تباہ و برباد کرنے کے بعد اٹیلا ایک بار پھر وہاں سے نکلا اور اس شاہراہ کی طرف بڑھا جو فلیوپولس سے قسطنطنیہ کی طرف جاتی تھی۔ راستے میں

آنے والے ہر چھوٹے شہر اور قصبے کو جی بھر کے اٹیلا نے لوٹا اب اٹیلا کے لشکر میں اس قدر سامان اور دولت کے انبار ہو گئے تھے کہ اٹیلا کے لشکر کی آگے بڑھنے کی رفتار خاصی سست ہو گئی تھی اس موقع پر قسطنطنیہ سے ایک وفد اٹیلا کی خدمت میں حاضر ہوا یہ وفد رومنوں کے شہنشاہ تھیوڈوسیس نے روانہ کیا تھا۔

رومن شہنشاہ تھیوڈوسیس کو یقین ہو چکا تھا کہ تین جنگوں میں لگاتار ہن قبائل کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد اب وہ اس قابل نہیں رہا کہ بزور ہن قبائل کو اپنی سلطنت سے نکال باہر کرے لہٰذا وفد بھیج کر اس نے اٹیلا سے صلح کی گذارش کی ساتھ ہی اس نے اٹیلا کو سات سو پونڈ سونا دینے کی پیش کش کی۔

دریائے ڈینیوب سے فلیوپولس اور اسے بھی آگے تک اٹیلا نے اپنے لشکر کے ساتھ خوب لوٹ مار کر لی تھی اور یہی اس کا مدعا اور مقصد تھا۔ اس لوٹ مار میں جہاں اسے بیشمار اموال، ہتھیار ملے وہاں ان گنت جانور بھی اس کے ہاتھ لگے۔ یہی کچھ وہ چاہتا تھا۔ اس نے رومن شہنشاہ کی صلح کی پیش کش کو قبول کر لیا۔ سات سو پونڈ سونا اس نے رومنوں سے لے لیا۔ قسطنطنیہ کی طرف پیش قدمی اس نے ترک کر دی اور اپنے لشکر کے ساتھ وہ دریائے ڈینیوب کی طرف بڑھا ڈینیوب کے جس مقام پر اس نے لکڑی کا پل تعمیر کروایا تھا اسی پل کے ذریعہ اس نے دریائے ڈینیوب کو پار کیا اور دریا کے اس پار اس نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر لیا تھا۔

شرقی رومن سلطنت کے شہروں اور قصبوں کو لوٹنے سے جس قدر مال و متاع اٹیلا کے ہاتھ لگا تھا وہ سارا مال و متاع اس نے کچھ حصوں میں تقسیم کیا۔ یہ کام اس نے اس وقت کیا جب وہ دریائے ڈینیوب کو عبور کر کے کوہستانی سلسلہ میں پڑاؤ کر گیا تھا۔ اس مال و متاع کے زیادہ حصے اس نے اپنے لشکریوں میں تقسیم کر دیئے کچھ حصے چند محافظ دستوں کی نگرانی میں اس نے اپنی سلطنت کے مرکزی شہر کی طرف روانہ کر دیئے تھے۔ جو لشکری جنگ کے نتیجہ میں ملنے والے اموال اپنے گھر والوں کو بھجوانا چاہتے تھے وہ بھی انہی محافظ دستوں کے ذریعہ سے روانہ کر دیئے گئے تھے۔ اس طرح شرقی رومن سلطنت کے خلاف اپنی کامیاب مہموں کے بعد دریائے ڈینیوب کے کنارے پڑاؤ کر کے اٹیلا نے اپنے لشکر کو ستانے اور آرام کرنے کے موقع فراہم کیا

تھا۔

○

کیداری قبیلے کا سردار کردم خان ایک روز اپنے خیمے میں اکیلا بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے خیمے میں اس کا قریبی رشتہ دار تکائی داخل ہوا اسے دیکھتے ہی کردم خان کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اپنے بائیں جانب ہاتھ مارتے ہوئے اس نے تکائی کو اپنے قریب بیٹھنے کو کہا۔ تکائی آگے بڑھا کردم خان کے پہلو میں بیٹھ گیا پھر کردم خان نے اسے مخاطب کر کے پوچھا کہو کیسے آنا ہوا اس پر تکائی ذرا تشویش ناک سے لہجہ میں بولا اور کہنے لگا۔

دیکھ سردار وہی پرانی مصیبت مجھ پر آن پڑی ہے۔ ساہیر قبیلے کا سوبار جو میرے ہاتھوں شکاک کے مرنے کا راز جانتا ہے وہ اب مجھ سے جنگ کے نتیجہ میں ملنے والے مال میں سے آدھا مانگتا ہے اب آپ ہی بتائیں میں اسے کیا جواب دوں۔ اس پر کردم خان بڑی خفگی اور بڑے غصے میں کہنے لگا۔

لگتا ہے ساہیر قبیلہ کے اس نوجوان سوبار کے قتل کا وقت قریب آ گیا ہے بہرحال تم فکرمند مت ہو اسے تم میرے پاس لے آؤ اسے کہو کہ میرے قبیلے کا سردار کردم خان تمہیں بلاتا ہے دیکھ جب تک میں نہ کہوں اس وقت تک اس سوبار کو قتل نہیں کرنا میں کسی مناسب موقع کی تلاش میں ہوں جوں ہی مجھے کوئی ایسا موقع ملا میں تجھے قبیلے کے ایسے آدمیوں کی طرف روانہ کروں گا جو قتل کرنے میں اپنا جواب نہیں رکھتے انہیں کچھ رقم دینا سو وہ سوبار کو قتل کر کے تمہارے سر سے یہ بوجھ اتار دیں گے۔ ابھی تم جاؤ اور سوبار کو لے کر میرے پاس آؤ میں اسے سمجھا دوں گا میرے خیال میں یہ معاملہ ٹل جائے گا اس کے بعد کوئی ایسا موقع ضرور آئے گا کہ اس سوبار کو ہم قتل کر دیں گے۔

کردم خان کا یہ جواب سن کر تکائی خوش ہو گیا تھا اس کے چہرے پر مسکراہٹ بھی نمودار ہوئی تھی پھر وہ ایک دم کھڑا ہوا اور کردم خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ سردار میں ابھی جاتا ہوں اور ابھی سوبار کو بلا کے لاتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی تکائی بڑی تیزی کے ساتھ خیمے سے باہر نکل گیا تھا۔

خیمے سے جانے کے بعد تکائی ایک بار پھر مڑ کے اندر آیا اور کردم خان کے قریب آ کر وہ کہنے لگا میں اس کے سامنے کیا جواز پیش کروں کہ کیداری قبیلے کا سردار کردم خان اسے کیوں بلاتا ہے۔ کردم خان بولا۔ ہاں تیرا یہ سوال بھی قابل غور ہے تھوڑی دیر تک کردم خان سوچتا رہا پھر کہنے لگا۔

دیکھ تکائی تو اس سوبار سے کہنا کہ اس جنگ میں جو کچھ مجھے حاصل ہوا ہے وہ ابھی تک میرے سردار کردم خان کے پاس ہے تو اسے یہ بھی کہنا کہ میرا ہی نہیں بلکہ قبیلے کے اور بہت سے لوگوں نے بھی اپنے حصے کا مال و متاع کردم خان کے پاس جمع کرا دیا ہے۔ باقی گفتگو میں کر لوں گا تمہیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ اب تم جاؤ اور اسے بلا کر لاؤ۔ کردم خان کا یہ جواب سن کر مطمئن انداز میں تکائی اس کے خیمے سے نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد تکائی سوبار کے خیمے کے پاس آیا اس کی خوش قسمتی کہ سوبار اس وقت خیمے میں اکیلا ہی تھا۔ اشارے سے سوبار کو تکائی نے باہر بلایا۔ سوبار جب اس کے قریب آیا تو تکائی بولا اور کہنے لگا دیکھ سوبار تو میرے ساتھ میرے قبیلے کے سردار کردم خان کے پاس چل۔ وہ تجھے بلاتا ہے۔ سوبار نے تھوڑی دیر کے لئے بڑی فکرمندی اور پریشانی کے عالم میں سوالیہ انداز میں تکائی کی طرف دیکھا۔ پھر وہ کپکپاتی سی آواز میں پوچھنے لگا تمہارے کردم خان نے مجھے کیوں بلایا ہے۔ خیریت تو ہے۔ تکائی اس کی ڈھارس بندھاتے ہوئے کہنے لگا دیکھ فکرمند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے وہ تم سے کچھ کہنا چاہتا ہے اور وہ جو کچھ کہنا چاہتا ہے اس میں میری اور تمہاری دونوں ہی کی بھلائی ہے۔ سوبار نے کچھ سوچا پھر وہ چپ چاپ تکائی کے ساتھ ہو لیا تھا۔

تکائی اور سوبار دونوں باہم کسی موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے خیمے کے قریب نمودار ہوئے سوبار کو ایک جگہ روکتے ہوئے تکائی نے کہا تم ذرا یہاں رکو میں دیکھوں خیمے میں کوئی اور تو نہیں۔ تکائی خیمے کے دروازے پر آیا اس نے دیکھا کردم خان اندر اکیلا بیٹھا ہوا تھا۔ تکائی نے سوبار کو اپنے ساتھ لیا اور کردم خان کے خیمے میں داخل ہوا۔ کردم خان نے دونوں کو اپنے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ جب وہ بیٹھ گئے تب کردم

خان بولا اور کہنے لگا۔

دیکھ سوبار اس تکائی نے مجھے بتایا ہے کہ اس نے کچھ رقم تمہاری لوٹائی ہے اور تم اس رقم کے لئے اس سے تقاضہ کر رہے ہو۔ دیکھ سوبار رومنوں کے خلاف گزشتہ جنگوں میں جو کچھ اس تکائی کے حصہ میں آتا ہے وہ ابھی اس کے پاس نہیں بلکہ میرے پاس جمع ہے۔ صرف اسی کا حصہ نہیں ہے بلکہ میرے قبیلے کے اور بہت سے لوگوں کے حصے بھی میرے پاس ہی وہ سب امانت کے طور پر میں نے اپنے قبیلے کے چند لوگوں کی حفاظت و نگرانی میں دے رکھے ہیں اگر وہ رقم جو تمہارے اور تکائی کے درمیان طے شدہ ہے تمہیں لینے میں جلدی نہیں تو پھر یہ رقم تمہیں بعد میں بھی ادا کی جا سکتی ہے اس کے لئے میں اپنے آپ کو ضمانت کے طور پر پیش کر سکتا ہوں اور یہ کہہ سکتا ہوں کہ تمہاری رقم کوئی ہڑپ نہیں کر سکتا۔ جو تمہارا حق بنتا ہے وہ ہر صورت میں تمہیں مل کے رہے گا۔

یہاں تک کہنے کے بعد کردم خان لمحہ بھر کے لئے رکا کچھ سوچا پھر سوبار کو چکر دینے کے لئے وہ دوبارہ کہہ رہا تھا۔

دیکھ سوبار ہمارا لشکر صرف چند روز تک یہاں دریائے ڈینیوب کے کنارے پڑاؤ کرے گا اس کے بعد غربی رومن سلطنت پر حملہ آور ہونے کے لئے مغرب کی طرف پیش قدمی کرے گا۔ کیا ایسا ممکن نہیں کہ غربی رومن سلطنت پر حملہ آور ہونے کے بعد جو کچھ اس تکائی کے حصہ میں آئے وہ ملنے کے بعد تکائی کے کل حصہ میں سے آدھا آدھا لو تو اس طرح تمہیں دو فائدے ہوں گے۔ اول یہ کہ تمہیں خاصی بڑی رقم مل جائے گی۔ دوئم یہ کہ اگر رقم تم اب لیتے ہو تو تم اسے کہاں اٹھائے اٹھائے پھرو گے اس کی حفاظت کی ذمہ داری تم پر پڑے گی اور وہ چوری بھی ہو سکتی ہے یا کہیں کھو بھی سکتی ہے میرے پاس وہ رقم محفوظ ہے خود میں ضامن ہوں اور تمہیں ضمانت دیتا ہوں کہ تمہاری رقم ضائع نہیں ہو گی۔

یہاں تک کہنے کے بعد کردم خان خاموش ہو گیا تھا سوبار نے تھوڑی دیر خاموش رہ کر شاید کردم خان کی اس تجویز کے متعلق سوچ و بچار کی پھر وہ کہنے لگا۔

سردار کردم خان اگر جو کچھ مجھے ملنا چاہئے اس کے لئے آپ ضامن بنتے ہیں

پھر مجھے کسی چیز کی پرواہ نہیں میں آپ کی اس تجویز سے اتفاق کرتا ہوں کہ غربی سلطنت پر حملہ آور ہونے کے بعد جو کچھ وہاں سے تکائی کے حصہ میں آئے گا وہ بھی آدھا اور ان جنگوں کا بھی آدھا میں اکٹھا ہی آپ سے لے لوں گا۔ سوبار کا یہ جواب سن کر کردم خان اور تکائی دونوں خوش ہو گئے تھے پھر کردم خان اپنی جگہ سے اٹھا سوبار کی پیٹھ اس نے تھپتھپائی اور کہنے لگا۔

دیکھ سوبار میں نہیں جانتا تمہارے اور تکائی کے درمیان پہلے سے کیا طے شدہ ہے۔ بہرحال تم مطمئن رہنا رقم تمہیں اکٹھی مل جائے گی اب جاؤ جا کر اپنے خیمے میں آرام کرو۔ اس پر سوبار اٹھا اور کردم خان کے خیمے سے نکل گیا تھا۔ سوبار کے جانے کے بعد خیمے میں تھوڑی دیر تک خاموشی رہی اس کے بعد تکائی بولا اور کہنے لگا۔

سردار کردم خان میں آپ کے لئے ایک نئی اور پریشان کن خبر رکھتا ہوں اس پر کردم خان نے چونکتے ہوئے پوچھا ابھی تھوڑی دیر پہلے تو تم میرے پاس سے گئے ہو یہ مجھے چونکا دینے والی اور پریشان کر دینے والی خبر تمہیں کہاں سے مل گئی اس پر تکائی سنجیدگی میں بولا اور کہنے لگا جو بات میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں یہ بات آپ کی طرف آتے ہوئے راستے میں مجھے سوبار نے بتائی تھی۔ کردم خان فوراً بولا اور کہنے لگا۔ اگر وہ خبر میرے لئے اہمیت کی حامل ہے تو پھر رکتے کیوں ہو کہو وہ کیا خبر ہے اس پر تکائی فوراً بولا اور کہنے لگا۔

دیکھ سردار کردم خان وہ خبر یہ ہے کہ اٹیلا کی بیٹی جوفینا ساہیر قبیلے کے سردار کوساک کو پسند کرتی ہے۔ سوبار کا کہنا ہے کہ کوساک بھی اس میں دلچسپی رکھتا ہے۔ خود اٹیلا نے بھی جوفینا اور کوساک کے اس رشتے کی منظوری دے دی ہے بلکہ سوبار یہاں تک کہہ رہا تھا کہ اٹیلا نے اپنی بیٹی جوفینا کو کوساک کے خیمے میں آنے جانے کے علاوہ اسے کوساک کے پاس قیام کرنے کی بھی اجازت دے دی ہے۔ دیکھ سردار کردم خان بات یہیں تک ختم نہیں ہوئی بلکہ رومنوں کے خلاف پہلی جنگ میں کوساک کی بہترین کارکردگی کو دیکھتے ہوئے اٹیلا نے دو انتہائی قیمتی اور نایاب ہار انعام کے طور پر کوساک کو دیئے تھے۔ ان دو ہاروں میں سے ایک ہار کوساک نے جوفینا کو اور دوسرا شامان کی بیٹی زریون کو دیا ہے۔ جوفینا اور زریون دونوں ہی عنقریب کوساک

گی بیویاں بنیں گے۔

تکائی کے اس انکشاف پر کردم خان چونک سا پڑا۔ تھوڑی دیر تک وہ کچھ نہ کہہ پایا تھا اس کے چہرے پر تلاش اور ریاضت کے پس منظر میں عذاب و قہر جابر و قاہر جذبے جوش مار گئے تھے۔ اس کی آنکھوں کے اندر حرص و ستم کے سیل فنا' جسموں کا آشوب۔ اور ان گنت عذابوں کی کہانیاں اپنا رنگ جما گئی تھیں۔ یہ خبر سن کر کردم خان کے چہرے کا رنگ طیش اور غضبناکی میں تانبہ ہو کر رہ گیا تھا۔ کچھ دیر تک وہ سوچ و بچار کرتا رہا پھر وہ کھولتے ہوئے لہجے اور انتقام سے بھرپور آواز میں تکائی کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا۔

دیکھ تکائی جو خبر تو نے مجھے سنائی ہے وہ واقعی میرے لئے پریشان کن ہے۔ اگر اٹیلا نے اپنی بیٹی جو فینا کو کوساک کے ساتھ منسوب کر دیا ہے اس سے ملنے جلنے اس سے خیمے میں قیام کرنے کی اسے اجازت دے دی ہے تو میں سمجھتا ہوں ایسا کر کے اٹیلا نے میری کمر میں چھرا گھونپا ہے۔

دیکھ تکائی اٹیلا ایسا نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ ماضی میں وہ مجھے میری شادی اپنی بیٹی جو فینا کے ساتھ کرنے کے کئی بار اشارے دے چکا ہے۔ بلکہ میں یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ وہ مجھے جو فینا کے ساتھ منسوب بھی کرنے والا تھا۔ اس کی گفتگو سے مجھے یوں ہی لگتا تھا۔ دیکھ تکائی جس روز شرقی رومن سلطنت پر حملہ آور ہونے سے پہلے دریائے ڈان کے اس طرف اسی کوہستانی سلسلے میں اٹیلا نے مجلس طلب کی تھی تو مجلس شوریٰ کے خاتمے پر اٹیلا نے مجھے اپنے خیمے سے باہر رکنے کے لئے کہا تھا اس وقت اٹیلا کے پاس صرف اس کی بیٹی جو فینا ہی تھی۔

اس روز مجھے یقین تھا کہ اٹیلا جو فینا کے ساتھ مجھے منسوب کرے گا اور باقاعدہ اس کا اعلان کرے گا لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ میں خیمے سے باہر کھڑا انتظار کر رہا تھا کہ جو فینا باہر آئی اور مجھے یہ کہہ کر خیمے کے باہر سے چلے جانے کو کہا کہ اٹیلا کو ایک مسئلہ درپیش تھا جو اس نے خود ہی حل کر دیا ہے۔

دیکھ تکائی میں اب سمجھا ہوں میرے خیال میں اٹیلا نے میرا رشتہ جو فینا کے ساتھ طے کرنے کے لئے اس کا ذکر جو فینا سے کیا ہو گا۔ جو فینا نے انکار کر دیا ہو گا

اور کوساک سے اپنی محبت اور چاہت کا اظہار اٹیلا سے کیا ہو گا جس پر اٹیلا نے اپنی بیٹی کی محبت سے مجبور ہو کر اسے کوساک سے ملنے جلنے اور اس کے پاس قیام کرنے کی اجازت دے دی ہو گی۔ پر دیکھ تکائی میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ میں جو فینا کو کسی بھی صورت کوساک کی ہمسفر اور بیوی بننے نہ دوں گا خواہ مجھے اس کے لئے آگ اور خون کے سمندر ہی سے کیوں نہ گزرنا پڑے۔

کردم خان شاید مزید کچھ کہتا کہ اس کے خیمے سے باہر کسی کے باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دی۔ اس پر کردم خان چونکا اور تکائی کو مخاطب کر کے کہنے لگا دیکھ تکائی تو میرے خیمے کے پشتی دروازے سے نکل جا۔ تجھے یہاں میرے پاس کوئی نہ دیکھے اور جب کبھی بھی تم مجھ سے ملنے کے لئے آؤ تو رات کی تاریکی میں آنا۔ اس لئے کہ حالات اب پیچیدہ اور ابتر ہوتے جا رہے ہیں کسی بھی وقت میں کوئی بڑا قدم اٹھا سکتا ہوں۔ لہٰذا کسی کو بھی میرے تمہارے اس گہرے میل جول کی خبر نہ ہونی چاہئے۔ اس پر تکائی فوراً" حرکت میں آیا اور کردم خان کے خیمے کے پشتی دروازے سے نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد کیداری قبیلے کے چھوٹے سالار کردم خان سے صلاح و مشورہ کے لئے اس کے خیمے میں آئے اس کے پاس بیٹھ کر گفتگو کرنے لگے تھے۔

○

دریائے ڈینیوب کے کوہستانی سلسلے کے اندر چند یوم تک قیام کرنے کے بعد اٹیلا اپنے لشکر کو حرکت میں لایا پھر وہ دریائے ڈینیوب کے کنارے کنارے مغرب کی طرف بڑھا تھا۔ اب اس کا ہدف اس کی اگلی منزل رومنوں کی غربی سلطنت تھی جس کا مرکزی شہر روم تھا۔ جس وقت اٹیلا نے اپنے لشکر کے ساتھ دریائے ڈینیوب کے کنارے کنارے مغرب کی طرف پیشقدمی شروع کی تھی موسم انتہائی ناقص اور ناموافق تھا۔ راستے میں شدید برفباری شروع ہو گئی تھی پر اٹیلا برفباری کی پرواہ کئے بغیر مغربی رومن سلطنت کی طرف پیشقدمی کرتا رہا اس موسم میں برفباری بھی اس قدر ہوئی کہ آگے بڑھتے ہوئے ہن قبائل کے گھوڑے گھٹنوں سے بھی اوپر تک برف میں دھنسے جاتے تھے۔ لیکن یہ ہن قبائل جو ایشیا کے شمالی برف زاروں سے تعلق رکھتے تھے برفانی دیوتا خیال کئے جاتے تھے لہٰذا اس شدید برفباری کی پرواہ کئے بغیر وہ

آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ اٹیلا اپنے لشکر کے ساتھ دریائے رائن کے کنارے خیمہ زن ہوا۔

مغربی رومن سلطنت کا شہنشاہ ان دنوں **والنٹینئن** تھا۔ اسے جب خبر ہوئی کہ شرقی رومن سلطنت کو اپنے سامنے زیر اور مغلوب کرنے کے بعد ہن قبائل کا بادشاہ اب دریائے رائن کے کنارے اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن ہو چکا ہے اور غربی رومن سلطنت کو اپنا ہدف بنانا چاہتا ہے تو وہ بڑا فکرمند ہوا اور فوراً اس نے اپنی مجلس حربی کا اجلاس طلب کیا۔

جب یہ اجلاس شروع ہوا تو رومن شہنشاہ **والنٹینئن** نے حربی مجلس کے ممبران سے اٹیلا کی آمد اور اس کے حملہ آور ہونے کے خدشات سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ کافی دیر تک اس موضوع پر بحث ہوتی رہی۔ آخر صلاح و مشورہ کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ ہن قبائل سے اگر ٹکراؤ نہ ہو تو اسی میں غربی رومن سلطنت کی بہتری اور بھلائی ہے۔ حربی رومن مجلس کے اراکین کو یہ بھی ڈر تھا کہ اس سے پہلے ہن قبائل اپنے بادشاہ اٹیلا کی سرکردگی میں شرقی رومن سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجا چکے ہیں اور اگر انہوں نے ہن قبائل سے ٹکرانے کی کوشش کی تو وہ غربی سلطنت کی بھی ویسی ہی حالت کریں گے جیسی انہوں نے شرقی روم کی کی ہے۔ لہٰذا مجلس حربی کے کچھ ارکان نے رومن شہنشاہ **والنٹینئن** کو ایک تجویز پیش کی۔

اور وہ تجویز کچھ یوں تھی کہ **والنٹینئن** اپنی بہن حنوریا کو اٹیلا کے حرم میں داخل کر دے اور اٹیلا کو کچھ رقم بھی دے دلا کر واپس جانے پر مجبور کر دے۔ مجلس حربی کے ان ارکان کا خیال تھا کہ اٹیلا **والنٹینئن** کی بہن حنوریا کے حسن و جمال ارشباب میں کھو کر رہ جائے گا جس کی وجہ سے وہ غربی رومن سلطنت پر حملہ آور ہونے کی کوشش نہ کرے گا۔ رومن شہنشاہ **والنٹینئن** نے اپنی مجلس حربی کے ان ارکان کی اس تجویز کو قبول کر لیا اور اپنی بہن حنوریا کو مجلس میں طلب کر لیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد قیصر روم **والنٹینئن** کی بہن حنوریا حربی مجلس کے اس کمرے میں داخل ہوئی۔ جس قدر لوگ وہاں بیٹھے ہوئے تھے وہ اسے دیکھتے رہ گئے تھے۔ اس لئے کہ اس کا بدن لچکیلی ڈال آتش سیال جیسا تھا۔ اس کا شباب شعلہ سوزاں شفق د

برق جیسا' اس کا روپ طراوت شبنم' صبح کی انگڑائی کی مانند اس کا جمال سنہرے دھندلکوں' ہنستے ستاروں سے بھی زیادہ اپنے اندر جذب رکھتا تھا۔ وہ نوخیز اور نوجوان' حنوریا کسی مغنی کی نوا جیسی پرکشش' حدی خواں کی حلاوت جیسی خوصورت اور پرجمال تھی۔ مجلس کے اس کمرے میں آنے کے بعد حنوریا اپنے بھائی اور قیصر روم **والنٹینئن** کے قریب بیٹھ گئی۔ سب لوگوں کی نگاہیں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ یوں جیسے کوئی انتہائی خلاف توقع بات نمودار ہو گئی ہو۔ حقیقت یہ تھی کہ سب حنوریا کے حسن اس کے جمال اس کے روپ اس کی زیبائی اس کی وجاہت اس کی شکل و صورت اس کی آب و تاب اس کی جوانی اس کے جوبن' اس کے شباب' اس کی خوش اندامی سے مسحور ہو کر رہ گئے تھے۔

تھوڑی دیر تک ایسا ہی سماں رہا۔ پھر قیصر روم **والنٹینئن** انتہائی رازدارانہ اور دھیمی آواز میں اپنی بہن حنوریا کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

دیکھ حنوریا میری بہن۔ تو جانتی ہو گی کہ وحشی ہن قبائل کا بادشاہ اٹیلا اس وقت اپنے لشکر کے ساتھ دریائے رائن کے کنارے خیمہ زن ہے اور وہ کسی بھی وقت دریائے رائن عبور کر کے ہماری سلطنت پر حملہ آور ہو سکتا ہے۔ اس کے ان حملوں کی روک تھام کے لئے میں نے اپنی مجلس حربی کا اجلاس طلب کیا تھا۔ خوب بحث و مباحث اور سوچ و بچار کے بعد ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہن قبائل سے جنگ اور لڑائی میں پہلو تہی کی جائے اور یہ کام صرف تمہاری وجہ ہی سے انجام کو پہنچ سکتا ہے۔ اس پر حنوریا نے تیز نگاہوں سے اپنے بھائی کی طرف دیکھا پھر پوچھا۔

میری وجہ سے کیسے یہ کام سرانجام ہو سکتا ہے۔ اگر میں اپنے ملک کو بچانے اور اس کی حفاظت کے لئے کچھ کر سکتی ہوں تو میں کر گزروں گی۔ آپ کہیں مجلس حربی نے میرے حوالے سے کیا فیصلہ کیا ہے۔ اس پر **والنٹینئن** نے کچھ سوچا پھر وہ دوبارہ بولتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ دیکھ حنوریا میری بہن۔ ہم سب نے مل کر یہ فیصلہ کیا ہے کہ تجھے اٹیلا کے حرم میں داخل کر دیا جائے۔ مجھے امید ہے کہ تیرے حسن تیرے شباب تیری خوبصورتی کو دیکھ کر وہ ضرور تجھ سے شادی پر آمادہ ہو جائے گا اور اگر ایسا ہو گیا تو پھر تم اسے رومن سلطنت پر حملہ آور ہونے سے روک سکتی ہو۔ دیکھ حنوریا میری

بہن۔ تم یقیناً" ان وحشی قبائل میں زندگی بسر کرنا پسند نہیں کرو گی لیکن یہ ملک اور سلطنت کی حفاظت کا سوال ہے۔ میں جانتا ہوں تو نے روم میں بڑے ناز و نعم بڑی عیش و عشرت میں پرورش پائی ہے لیکن ملک پر جب کوئی مصیبت یا آشوب آئے تو اس وقت ہر ایک کو قربانی دینا ہی پڑتی ہے۔ اگر تم اپنی ذات کی یہ قربانی دینے پر آمادہ ہو جاؤ تو میں سمجھوں گا تم سے بڑھ کر رومن سلطنت کی کسی نے خدمت ہی نہیں کی۔ ویسے بھی اٹیلا کوئی گیا گذرا نہیں ہے۔ وہ شمال کے وسیع علاقے کی سلطنت کا انتہائی جابر و قاہر اور انتہائی طاقتور اور پر قوت شہنشاہ ہے۔ اگر اس وقت تم رومن شہنشاہ کی بہن ہو تو اٹیلا سے شادی کرنے کے بعد تمہاری قدر و قیمت میں اضافہ نہیں ہو گا بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ تمہارا صحیح مقام مل جائے گا اس لئے کہ رومن شہنشاہ کی بہن کی حیثیت سے تم ہن سلطنت کی ملکہ بن کر نہ صرف اٹیلا بلکہ ساری ہن قوم پر حکومت کرتی رہو گی۔ کہو حنوریا میری بہن کیا تم اس تجویز پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو۔

حنوریا نے تھوڑی دیر تک خاموشی اختیار کئے رکھی۔ شاید وہ کچھ سوچ رہی تھی۔ کچھ دیر اس نے معنی خیز انداز میں اپنے بھائی والنٹینئن کی طرف دیکھا پھر فیصلہ کن انداز میں وہ کہنے لگی۔ دیکھ میرے بھائی میں یہ قربانی دینے کے لئے تیار ہوں۔ یہ تو بہت معمولی قربانی ہے رومن سلطنت کو بچانے کے لئے اگر مجھے اپنا جسم بھی قربان کرنا پڑے تو ہرگز دریغ نہ کروں گی۔ یہ تو مجھے ایک طرح سے اپنے موجودہ مقام سے بلند اور بہتر مرتبہ مل رہا ہے۔ دیکھ میرے بھائی۔ میں اٹیلا کے حرم میں داخل ہونے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن اس کا طریقہ کار کیا ہو گا۔ اس پر والنٹینئن بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

دیکھ حنوریا میری بہن۔ کل ہم ایک وفد اٹیلا کی خدمت میں دریائے رائن کی طرف روانہ کریں گے۔ اس وفد میں تم بھی شامل ہو گی اور تمہاری خدمت کے لئے کچھ اور لڑکیاں بھی اس وفد میں شامل کی جائیں گی۔ تم اس وفد کے ساتھ دریائے رائن کی طرف جانا۔ وفد کا سربراہ اٹیلا سے گفتگو کرے گا اور یہ پیشکش کرے گا کہ رومن سلطنت کے شہنشاہ کی بہن کو حرم میں داخل کر لے اور واپس چلا جائے اور

رومن سلطنت پر حملہ آور نہ ہو۔

تمہاری خوبصورتی کی وجہ سے اٹیلا اس پر تیار ہو جائے گا اور اگر ایسا ہوا اور اٹیلا نے اسی وقت تم سے شادی کرنا چاہی اور تمہیں اپنے حرم میں داخل کرنا چاہا تم کسی ہچکچاہٹ کا اظہار نہ کرنا فوراً" اس کے حرم میں داخل ہو جانا اور اگر وہ اسی وقت تمہیں اپنی سلطنت میں لے جانا چاہے تم روانہ ہو جانا۔ اسی میں رومن سلطنت کی بقا اور حفاظت ہے۔ اس پر حنوریا مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

میرے بھائی آپ کو فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو وفد آپ اٹیلا کی طرف روانہ کریں گے میں کل اس کے ساتھ اٹیلا کی طرف روانہ ہوں گی اور جو تجویز آپ لوگوں نے پیش کی ہے اس کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کروں گی۔ یہ گفتگو کے بعد رومن شہنشاہ والنٹینئن نے سارے اراکین مجلس حربی کو اپنی بہن حنوریا کے فیصلے سے آگاہ کیا۔ حنوریا کا مثبت جواب سن کر اراکین مجلس حربی انتہائی خوش اور مسرور ہوئے لہٰذا یہ فیصلہ ہوا کہ اگلے روز ہن قبائل کے شہنشاہ اٹیلا کی طرف صلح کے لئے وفد روانہ کیا جائے اس کے ساتھ ہی والنٹینئن نے مجلس حربی کا اجلاس برخاست کر دیا تھا۔

دوسرے روز ایک وفد ہن قبائل کے بادشاہ اٹیلا کی طرف روانہ کیا گیا تھا۔ اس وفد میں والنٹینئن کی حسین و جمیل بہن حنوریا کے علاوہ اس کی کچھ کنیزیں بھی شامل تھیں۔

اٹیلا کو بھی خبر ہو گئی تھی کہ رومنوں نے اس کے ساتھ گفت و شنید کے لئے ایک وفد روانہ کیا ہے لہٰذا اس وفد کا استقبال کرنے کے لئے اٹیلا نے اپنے کیداری قبیلے کے سردار کروم خان کو مقرر کیا۔ کروم خان نے اپنے چند محافظ دستوں کے ساتھ دریائے رائن کو عبور کیا اور بہترین انداز میں اس نے رومن وفد کا استقبال کیا۔ کروم خان پہلے اس وفد کو لے کر اپنے خیمے میں گیا۔ وفد کے ارکان کی خوب خاطر مدارت کی۔ کچھ دیر اپنے خیمے میں بٹھا کر وہ وفد کے سارے اراکین کے ساتھ گفتگو کرتا رہا۔ جب سورج غرب ہو گیا اور رات چھا گئی تب کروم خان وفد کے ان اراکین کو لے کر اٹیلا کے شاہی خیمے کی طرف روانہ ہوا۔

جس وقت رومنوں کا یہ وفد اٹیلا کے محل نما خیمے میں داخل ہوا اس وقت خیمے میں پہلے سے اٹیلا کے علاوہ خوش نواز' کوساک' عیوان' لشکر کا شامان اور کچھ دیگر سالار اور سردار بیٹھے ہوئے تھے۔ اس بار اٹیلا کے ساتھ اس کی بیٹی جو فینا نہ بیٹھی تھی وفد کے ارکان جب خیمے میں داخل ہوئے تو سب نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کا استقبال کیا اٹیلا نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں ان نشستوں پر بیٹھنے کے لئے کہا جو اٹیلا کے قریب ہی وفد کے ارکان کے لئے رکھی گئی تھیں۔

اٹیلا کے کہنے پر وفد کے سارے ارکان ان خالی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ وفد میں جو لڑکیاں شامل تھیں ان سب نے اپنے اپنے چہرے ڈھانپ رکھے تھے صرف ان کی آنکھیں ننگی تھیں۔ جب وفد کے سارے ارکان بیٹھ گئے تب اٹیلا بولا اور انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

سنو۔ رومنوں کی طرف سے صلح کے لئے آنے والو۔ کیا میں تم سے پوچھ سکتا ہوں کہ تم لوگوں کا سربراہ کون ہے اور اس کا کیا نام ہے۔ اس پر درمیانی سی عمر کا ایک شخص اٹھا اور اٹیلا کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

اے عظیم بادشاہ۔ رومنوں کے اس وفد کا میں سربراہ ہوں۔ میرا نام لوزرک ہے۔ جس پر اٹیلا نے پھر پوچھا تمہارے بادشاہ **والنٹینئن** نے کن شرائط کے عوض تمہیں میرے ساتھ گفتگو کے لئے روانہ کیا ہے۔ اس پر وفد کے سربراہ لوزرک نے تھوڑی دیر کے لئے کچھ سوچا پھر وہ کہنے لگا۔

اے بادشاہ جو کچھ مجھے کہا گیا ہے اس کے مطابق غربی رومن سلطنت کے شہنشاہ **والنٹینئن** اور سارے اراکین مجلس حربی کا خیال ہے آپ رومن شہنشاہ **والنٹینئن** کی حسین و جمیل بہن حنوریا سے شادی کر لیں اس طرح رومنوں اور آپ کے درمیان ایک رشتہ ہو جائے گا۔ اس شادی کے موقع پر رومن شہنشاہ آپ اور آپ کی ہونے والی بیوی حنوریا کو ان گنت تحائف سے بھی نوازیں گے اور آپ رومن سلطنت پر حملہ آور ہونے کا خیال ترک کر دیں۔

لوزرک کے ان الفاظ پر اٹیلا تھوڑی دیر خاموش رہ کر غور کرتا رہا۔ پھر وہ بولا اور وفد کے سربراہ لوزرک کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ دیکھ لوزرک تمہاری حکومت کی

پیشکش تو اچھی ہے لیکن میں **والنٹینئن** کی بہن حنورا کو دیکھے بغیر کیسے اپنے حرم میں داخل کر سکتا ہوں۔ ہاں اگر اسے میرے سامنے پیش کیا جائے اور میں اسے اپنے لئے پسند کروں تو پھر میں اس شرط پر غور کر سکتا ہوں اس پر لوزرک بولا اور کہنے لگا اے بادشاہ آپ کو زیادہ دیر زحمت نہ اٹھانا پڑے گی ہم حنوریا کو اپنے ساتھ لے کر آئے ہیں وہ ہمارے وفد میں شامل ہے لیکن اس وقت اسے ہم آپ کے سامنے نہیں پیش کریں گے پہلے آپ ہمیں اجازت دیجئے کہ ہمارے وفد میں ایک رقاصہ ہے وہ آپ کے سامنے اپنے فن کا مظاہرہ کرے۔ اس کے بعد ہم قیصر روم **والنٹینئن** کی بہن حنوریا کو آپ کے سامنے پیش کریں گے۔

وفد کے سربراہ لوزرک کی اس گفتگو پر اٹیلا کے چہرے پر خوشی اور اطمینان بھرے جذبے نمودار ہوئے تھے۔ وہ بڑی نرم آواز میں لوزرک کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ دیکھ لوزرک اگر تم لوگوں کا ایسا ہی خیال ہے تو میں تمہیں ایسا کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔ اٹیلا کا یہ جواب سن کر لوزرک خوش ہو گیا تھا۔ پھر لوزرک نے ہاتھ کے اشارے سے وفد میں شامل ایک لڑکی کو مخصوص اشارہ کیا وہ لڑکی سفید رنگ کی عبا پہنے ہوئے تھی اور اپنا چہرہ بھی اس نے سفید رنگ کے نقاب میں ڈھانپ رکھا تھا۔ اس کے چہرے پر رومال بندھا ہوا تھا صرف آنکھیں اس کی ننگی تھیں۔ لوزرک کا اشارہ پاتے ہی وہ لڑکی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اٹیلا کے سامنے اور دائیں بائیں بیٹھے ہوئے ہن قبائل کے سرداروں اور سالاروں کے درمیان جو خالی جگہ تھی اور جس پر بھاری اور موٹا قالین بچھا ہوا تھا وہ وہاں آن کھڑی ہوئی تھی۔

پہلے اس لڑکی نے اپنے سر کو جھکا کر سامنے بیٹھے ہوئے اٹیلا کو تعظیم دی۔ پھر اس نے اپنے جسم پر سفید رنگ کی جو عبا پہنی ہوئی تھی وہ وفد کے سربراہ لوزرک کے حوالے کر دی تھی اب وہ جالی جیسے باریک لباس میں تھی اور خیمے میں جلتی ہوئی ان گنت شعلوں کی روشنی میں اس کا جوان خوبصورت اور گلاب جیسا جسم اس باریک لباس میں نمایاں اور واضح طور پر جھلکیاں دیتا تھا۔

ایسا ہونے کے بعد وفد میں شامل کچھ لوگوں نے ساز بجانے شروع کئے اور ان سازوں کی لے پر اس رقاصہ رومن لڑکی نے رقص شروع کیا۔

بجتے سازوں کی لے پر وہ لڑکی اپنے نیم عریاں جسم کو وقت کی سرمئی آہٹوں میں تلاش کرتی خواہشوں اور لرزتے وقت کی چشم بیدار میں پیار کی محبت بھری کہانیوں کی طرح خم دے دے کر پیش کرتی رہی۔ بار بار وہ رومن رقاصہ اپنے سرخ و سفید اور لعل بدخشاں جیسے جسم کو ہرے بید کی شاخ کی طرح خم دے دے کے لہراتی اور اٹیلا کے سامنے وہ اپنے جسم کو ہر زاویئے ہر اعضاء اور جوادلے کو خوب نمایاں اور واضح کرنے کی کوشش کر رہی تھی رقص کرنے کے دوران یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے اس رومن لڑکی نے اٹیلا کے سامنے اپنے جسم کو ہوس کا نگار خانہ اور قیامت کا ہنگامہ بنا کر رکھ دیا ہو۔

رقص کرتے ہوئے اس لڑکی کے لب میگوں پر دل موہ لینے والی مسکراہٹ رخ گلگوں پر سپردگی کا احساس نمایاں تھا۔ اس کے رقص کرنے سے اٹیلا کے شاہی خیمے میں کچھ ایسا سماں بندھ گیا تھا گویا طلسمات کی دنیا میں خوشبوئے عروساں چاروں طرف پھیل گئی ہو۔ وہ رومن لڑکی کچھ دیر تک ماضی کے تاریک دامن میں صبح نور کی صداقت اور کوہسار سے پھوٹتے جھرنے کی طرح لہک کر رقص کرتی رہی۔ رقص کرنے کے دوران اس کا خوبصورت چھریرہ کسیلا پھیلا اور مہکیلا بدن کچھ ایسا سماں باندھ رہا تھا جیسے غنچے جامہ شبنم پہن کر نغمہ ریز گونجوں پر جھوم اٹھتے ہوں۔

تھوڑی دیر تک بڑی محنت بڑی جانفشانی سے وہ رومن لڑکی رقص کرتی رہی۔ پھر اس نے رقص کرنا بند کر دیا اور سر کو جھکا کر اٹیلا کے سامنے کھڑی ہو گئی تھی۔ اس کے ایسا کرنے سے اٹیلا شاید یہ سمجھا تھا کہ وہ اس کی طرف سے انعام کی طلبگار ہے لہٰذا اس نے نقدی کی ایک تھیلی اس کی طرف پھینک دی تھی اس رقاصہ لڑکی نے قالین پر گرنے والی نقدی کی تھیلی کو اٹھایا نہیں بلکہ اپنی جگہ پر ویسی کی ویسی کھڑی رہی تھی۔ اٹیلا اس کے ردعمل کو سمجھ نہ پایا تھا سلسلے کو آگے بڑھانے کے لئے وہ وفد کے سربراہ لوزرک سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا۔

دیکھ لوزرک اب جبکہ تمہاری رقاصہ لڑکی اپنا رقص ختم کر چکی ہے۔ تو قیصر روم ویلنٹینن کی بہن حنوریا کو میرے سامنے پیش کرو۔ جسے تم میرے حرم میں داخل کرنا چاہتے ہو کہ میں رومن سلطنت پر حملہ آور نہ ہوں۔ اس پر لوزرک بولا اور کہنے لگا

اے بادشاہ حنوریا تو آپ کے سامنے کھڑی ہے۔ لوزرک کے ان الفاظ پر اس رقاصہ لڑکی نے اپنے چہرے سے سفید نقاب ہٹا دیا تھا۔ وہ رومن شہنشاہ ویلنٹینن کی بہن حنوریا تھی۔ اٹیلا اس کے حسن اس کے شباب اس کے جمال اس کی خوبصورتی کو دیکھتے ہوئے کھو گیا تھا۔ اس کا قد کاٹھ۔ اس کی جسمانی ساخت ایسی تھی کہ اٹیلا کچھ دیر تک زبان سے کچھ نہ کہہ سکا اور اس کی شاہین جیسی نگاہیں اپنے سامنے کھڑی حنوریا پر جم کر رہ گئیں تھیں۔

تھوڑی دیر تک ایسا ہی سماں رہا۔ حنوریا شاید جان بوجھ کر باریک اور نیم برہنہ سے لباس میں وہاں کھڑی رہی شاید ایسا کر کے وہ زیادہ سے زیادہ دیر تک اٹیلا کو اپنے جسم سے لطف اندوز کرنا چاہتی تھی پھر وہ وہاں سے ہٹی۔ لوزرک سے اس نے سفید رنگ کی عبا لے کر پہن لی اور پہلے کی طرح اپنے چہرے کو سفید رنگ کے نقاب سے ڈھانپتے ہوئے وہ اپنی نشست پر بیٹھ گئی تھی۔

حنوریا کے اپنی نشست پر بیٹھ جانے کے بعد اٹیلا کچھ دیر تک سوچ و بچار کرتا رہا۔ اس دوران ہاتھ کے اشارے سے اس نے خوش نواز' کوساک' کردم خان' عیوان اور اپنے قبیلے کے شامان کو اپنے قریب آنے کو کہا جب وہ سب اس کے پہلو کے قریب آن کر کھڑے ہوئے تو تھوڑی دیر تک اٹیلا ان سے بڑی رازداری سے صلاح و مشورہ کرتا رہا پھر وہ سب سردار اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے تب اٹیلا بولا اور رومن وفد کے سردار لوزرک کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

دیکھ لوزرک میں ویلنٹینن کی بہن حنوریا کو اپنے حرم میں داخل کرنے کے لئے تیار ہوں لیکن میں سچی بات کروں گا۔ فریب نہیں دوں گا جہاں حنوریا کے حسن و شباب اس کی جوانی' اس کے قد کاٹھ اس کی جسمانی ساخت نے متاثر کیا ہے وہاں میں اس کے رقص سے بھی بڑا لطف اندوز ہوا ہوں۔ میں اسے اپنے حرم میں داخل کرنے کے لئے تیار ہوں۔ پر رومن سلطنت پر حملہ آور نہ ہونے کے لئے بھی میری ایک شرط ہے۔ اس پر وفد کے سربراہ لوزرک نے چونک کر پوچھا۔ اے بادشاہ آپ کی شرط کیا ہے۔

اس پر اٹیلا بولا اور کہنے لگا دیکھ لوزرک اب جبکہ میں اپنا عندیہ دے چکا ہوں کہ

میں حنوریا کو اپنے حرم میں داخل کر لوں گا تو رومنوں کو چاہئے کہ اپنی غربی سلطنت کا آدھا حصہ جہیز کے طور پر حنوریا کو دے دیں۔ بس یہی میری شرط ہے کہ رومن شہنشاہ ویلنٹینن ایسا کرنے پر تیار ہو جائے تو میں حنوریا کو اپنے حرم میں داخل کر لوں گا۔ غربی سلطنت پر حملہ آور نہ ہوں گا اور اپنے لشکر کو لے کر واپس اپنے مرکز کی طرف لے جاؤں گا۔

اٹیلا کی اس شرط پر وفد کا سربراہ تھوڑی دیر تک گہری سوچوں میں ڈوبا رہا۔ پھر بولا۔ مجھے ایسا کرنے کی اجازت نہیں ہے مجھے یہی کہا گیا تھا کہ حنوریا کو آپ کے حرم میں داخل کر دیا جائے گا اور اس کے بدلے میں آپ رومن سلطنت پر حملہ آور نہ ہوں۔ اب جبکہ آپ حنوریا کے جہیز کے طور پر رومن سلطنت کا آدھا حصہ مانگتے ہیں تو یہ شرط مجھے واپس جا کر شہنشاہ کے سامنے پیش کرنا ہو گی۔ پھر وہ کیا جواب دیتا ہے اس سے قاصدوں کے ذریعے آپ کو آگاہ کر دیا جائے گا۔ اس پر اٹیلا فیصلہ کن انداز میں بولا اور کہنے لگا۔

مجھے یہ منظور ہے۔ آج کی رات تم ہمارے شاہی مہمان خانے میں مہمان کے طور پر گزارو۔ اگلی صبح سویرے تم یہاں سے کوچ کر جانا۔ جو شرط میں نے پیش کی ہے اپنے شہنشاہ ویلنٹینن کے سامنے پیش کرنا اور جو وہ جواب دے مجھے آگاہ کر دینا۔ جب تک مجھے تمہارے بادشاہ کا فیصلہ نہیں ملتا اس وقت تک میں دریائے رائن کو عبور کر کے رومن سلطنت پر حملہ آور نہیں ہوں گا۔ یہیں پڑاؤ کر کے تم لوگوں کے جواب کا انتظار کروں گا۔ اب تم لوگ جاؤ۔ میرا سردار کردم خان تم سب کی رہائش، خوراک اور آرام کا انتظام کر دے گا۔ اس کے ساتھ اٹیلا اپنی جگہ سے اٹھا اور خیمے کے پشتی دروازے سے خیمے کے دوسرے حصے کی طرف چلا گیا تھا۔ کردم خان وفد کے سارے ارکان کو لے کر شاہی مہمان خانے کی طرف لے گیا تھا جبکہ دوسرے سب سردار اور سالار اٹیلا کے خیمے سے چلے گئے تھے۔

دوسرے روز اٹیلا کے حکم پر کردم خان رومنوں کے وفد کو الوداع کہنے کے لئے آیا۔ اس نے دیکھا رومن وفد کے اراکین وہاں سے کوچ کرنے کے لئے اپنا سامان سمیٹ چکے تھے۔ مہمان خانے سے باہر ان کے گھوڑے کھڑے تھے کردم خان نے

انہیں ان کے گھوڑے پیش کئے۔ سوار ہونے میں مدد دی۔ اپنے گھوڑے پر سوار ہونے کے بعد حسین و پر جمال حنوریا اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر اس جگہ لائی جہاں کردم خان کھڑا تھا۔ اپنے ہونٹوں پر زہد شکن مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے دل موہ لینے والے انداز میں کردم خان سے پوچھنے لگی کیا آپ ہمیں الوداع کرنے کے لئے دریائے رائن کے کنارے تک نہیں جائیں گے۔ دریا یہاں سے چند ہی فرلانگ کے فاصلے پر ہے۔ اس پر کردم خان بڑی بے خودی کے عالم میں حنوریا کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا میں ضرور تم لوگوں کو الوداع کہنے دریائے رائن تک جاؤں گا اس لئے کہ ایسا کرنے کے لئے مجھے میرے خاقان اٹیلا نے حکم بھی دے رکھا ہے۔ پر یہ تو کہو کہ یہ جو تم مجھے دریائے رائن تک چلنے کو کہہ رہی ہو تو کیا تمہیں مجھ سے کوئی ضروری کام ہے اس پر حنوریا پھر اسی انداز اور ویسے ہی دل موہ لینے والے انداز میں کہنے لگی اگر ضروری کام نہ ہوتا تو میں آپ سے دریائے رائن تک چلنے کو کیوں کہتی۔ کردم خان نے اس سے آگے کچھ نہ کہا بس وہ قریبی کھڑے اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور حنوریا کے ساتھ ہو لیا تھا کردم خان کے محافظ دستے بھی رومن وفد کے پیچھے پیچھے ہو لئے تھے۔

تھوڑا سا آگے جا کر حنوریا اپنے گھوڑے کو مزید کردم خان کے قریب لائی پھر وہ بڑے رازدارانہ انداز اور شیریں آواز میں کردم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگی کردم خان اٹیلا نے مجھے اپنے حرم میں داخل کرنے کے لئے ایک شرط رکھی ہے اگر ہماری سلطنت نے وہ شرط منظور کرنے سے انکار کر دیا تب۔ اس پر کردم خان بولا اور کہنے لگا اگر تمہاری حکومت مغربی رومن سلطنت کا آدھا حصہ اٹیلا کے حوالے کر دے تو اٹیلا یقیناً" تمہیں اپنے حرم میں داخل کر لے گا۔ اس کے بعد رومنوں سے کسی طرح کی جنگ نہ ہو گی۔ اس پر حنوریا اپنی بات پر کسی قدر زور دیتے ہوئے کہنے لگی۔ میں نے آپ سے یہ پوچھا ہے کہ اگر ہماری سلطنت نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ تب کیا ہو گا۔ اس پر کردم خان کہنے لگا۔

اگر تمہاری سلطنت نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تو پھر جنگ کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے۔ اس پر خوبصورت حنوریا نے گہری اور نیلی آنکھیں کردم خان کی آنکھوں میں

ڈالتے ہوئے بڑے پیار بڑی چاہتوں بھری آواز میں پوچھا۔ کردم خان اگر ہمارا
سلطنت اٹیلا کی شرط ماننے سے انکار کر دیتی ہے تو تم رومن سلطنت کو اٹیلا کی تباہی
بربادی سے بچانے کے لئے کچھ کر سکتے ہو۔ اس پر کردم خان نے بھی بڑی ہوس خیز
نگاہوں سے حنوریا کی طرف دیکھا اور پھر کہنے لگا دیکھ حنوریا اگر تو مجھ سے ربط و ضبط
اور تعلق اسی طرح برقرار رکھے تو مجھے امید ہے کہ میں تمہارے حق میں کچھ نہ کچھ
گزروں گا۔ کردم خان کا جواب سن کر حنوریا خوش ہو گئی تھی۔ پھر وہ فیصلہ کن انداز
میں کہنے لگی دیکھ کردم خان ابھی تو میں کچھ نہیں کہہ سکتی لیکن امید ہے کہ میں اور تم
عنقریب ملیں گے اور بہتر انداز میں میری اور تمہاری ملاقات ہو گی۔ حنوریا کے ان
الفاظ پر کردم خان کھو سا گیا تھا۔ شاید کردم خان نے یہ امید لگا لی تھی کہ اٹیلا کے
بجائے حنوریا اسے مل سکتی ہے وہ دریائے رائن کی طرف جاتے ہوئے حنوریا کا زیادہ
سے زیادہ قرب حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

ہن سردار کردم خان نے دریائے رائن تک رومن وفد کا ساتھ دیا اس کے بعد
رومن وفد اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا جبکہ کردم خان اپنے محافظ دستے کے ساتھ
اپنے لشکر میں لوٹ گیا تھا۔

لوزرک کی سرکردگی میں رومن وفد جب واپس روم پہنچا اور اٹیلا کی شرط پیش کی
گئی تو رومن شہنشاہ والنیٹینن نے یہ شرط قبول کرنے سے انکار کر دیا تاہم انکار کا
پیغام ابھی تک اس نے اٹیلا کو نہیں بھجوایا تھا بلکہ اس نے اپنے جرنیل اورلین کو
طلب کیا اور اسے اپنے لشکروں کا سپہ سالار بنا دیا اورلین رومن جرنیلوں میں ایک
انتہائی جنگجو اور خونخوار جرنیل خیال کیا جاتا تھا اور ماضی میں اورلین شمال کے برگنڈین
فرنیک، گاتھ سیتھین قبائل کے خلاف بہترین کامیابیاں اور فتوحات حاصل کر چکا تھا
لہٰذا رومن شہنشاہ والنیٹینن کو پکا اور پختہ یقین تھا کہ برگنڈین، فرنیک گاتھ اور
سیتھین قبائل کی طرح اس کا جرنیل اورلین ہن قبائل کو بھی شکست دے کر
بھگانے میں کامیاب ہو جائے گا لہٰذا رومن شہنشاہ والنیٹینن نے اورلین کو اپنے
لشکروں کا سپہ سالار بنانے کے بعد اپنی جنگی تیاریاں عروج پر پہنچا دی تھیں اس کے
ساتھ ہی اس نے اٹیلا کی طرف قاصد بھجوائے اور یہ پیغام دیا کہ رومن سلطنت

اٹیلا کی شرط منظور نہیں ہے۔

یہ پیغام ملتے ہی اٹیلا نے اپنے لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔ دریائے رائن کے کنارے
سے اٹیلا نے اپنا پڑاؤ اٹھایا اپنے لشکر کے ساتھ اس نے دریائے رائن کو عبور کیا اور
رومن سلطنت میں داخل ہو کر ایک کوہستانی سلسلہ میں پڑاؤ کیا۔ کہ اس کے مخبروں
نے یہ اطلاع کر دی کہ رومن جرنیل اورلین ایک بہت بڑا لشکر لے کر ہن قبائل کی
راہ روکنے کے لئے دریائے رائن کی طرف بڑی تیزی سے پیش قدمی کر رہا ہے اسی
بناء پر ایک کوہستانی سلسلہ کی طرف اٹیلا نے اپنے لشکر کو خیمہ زن ہونے کا حکم دے
دیا تھا۔

مجرم ذہن کا مالک تکائی بڑی تیزی سے سردار کردم خان کے خیمے میں داخل ہوا
تھا۔ کردم خان اس وقت اپنے خیمے میں اکیلا بیٹھا تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی کسی قدر
فکرمندی میں تکائی بولا اور کردم خان کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔

سردار آپ نے مجھے طلب کیا کردم خان نے ہاتھ کے اشارے سے تکائی کو اپنے
سامنے بیٹھنے کے لئے کہا تکائی جب بیٹھ گیا تب کردم خان بولا اور کہنے لگا ہاں میں نے
تمہیں ایک انتہائی اہم کام کے سلسلہ میں بلایا ہے اس کے ساتھ ہی کردم خان نے
تالی بجائی اور کردم خان کے خیمہ میں جو پردے لگا کر خیمے کو مختلف کمروں اور حصوں
میں بانٹا گیا تھا تو ساتھ والے حصہ سے دو انتہائی کرخت چہروں والے جوان نمودار
ہوئے اور کردم خان کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ کردم خان نے تکائی کو مخاطب کر کے
پوچھا کیا تم ان دونوں جوانوں کو جانتے ہو اس پر تکائی فوراً" بولا اور کہنے لگا ہاں میں
ان دونوں کو جانتا ہوں ان کا تعلق میرے ہی قبیلے سے ہے ایک کا نام عانیو اور
دوسرے کا سمورا ہے اس پر کردم خان بولا اور کہنے لگا بس یہی دونوں جوان تمہارا کام
کریں گے اس پر تکائی بڑے تجسس آمیز انداز میں کردم خان کی طرف دیکھتے ہوئے
پوچھنے لگا۔ پر کیسے! کردم خان بولا اور کہنے لگا۔

دیکھ تکائی تیرا کام یہ ہے کہ تو ان دونوں کے ساتھ جا اور انہیں سوبار کا خیمہ
دکھا دے۔ تو دیکھتا ہے کہ ان دنوں چاند راتیں ہیں۔ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ لشکر کا
شامان اور اس کی بیٹی زریون اس وقت چاندنی رات میں لشکر سے باہر کوہستانی سلسلہ

میں چہل قدمی کرنے گئے ہوئے ہیں جب تو ان دونوں کو سوبار کا خیمہ دکھائے گا تو
سوبار کو باہر بلائیں گے اور اس سے کہیں گے کہ چاندنی رات میں لشکر کی ضروریات
کے لئے شامان کچھ جڑی بوٹیاں اکٹھی کر رہا ہے۔ اٹیلا نے حکم دیا ہے کہ اس کام میں
اس کی مدد کی جائے لہٰذا تمہارے لئے بھی یہی حکم ہے کہ تم ہمارے ساتھ چلو تاکہ
جڑی بوٹیاں اکٹھی کرنے کے لئے شامان کی مدد کی جائے مجھے امید ہے کہ سوبار یقیناً
ان دونوں کے ساتھ ہو لے گا۔ یہ دونوں اسے کوہستانی سلسلہ میں لے جائیں گے
اور وہاں اس کا کام تمام کر دیں گے۔ اس کا کام تمام ہوتے ہوئے نہ مجھ پر حرف گیری
آئے گی نہ تمہارا نام آئے گا اور یوں سوبار سے تمہاری جان بھی چھوٹ جائے گی۔
آئندہ جنگوں سے جو کچھ تمہیں حاصل ہو وہ سب کچھ تم اس عانیو اور سمورا کے
حوالے کر دو گے کیا تمہیں یہ سب کچھ منظور ہے۔

اس پر تکائی بے پناہ خوشی اور اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا سردار کردم
خان مجھے یہ بالکل منظور اور قبول ہے۔ اگر اس طرح سوبار کا خاتمہ ہو جائے تو میں
سمجھوں گا میرے کندھوں سے سارا بوجھ سارے خطرے اور سارے اندیشے رفع ہو
گئے ہیں اس پر کردم خان ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں کہنے لگا اگر ایسا ہے تو پھر جاؤ عانیو اور
سمورا کو اپنے ساتھ لے جاؤ تاکہ یہ اپنے کام کی ابتداء کریں۔ اس پر تکائی اٹھ کھڑا
ہوا پھر وہ عانیو اور سمورا کو لے کر کردم خان کے خیمے سے نکل گیا تھا۔

تکائی نے عانیو اور سمورا دونوں کو سوبار کا خیمہ دکھا دیا اور خود وہاں سے چلا گیا
تھا۔ عانیو اور سمورا نے جب دیکھا کہ تکائی خیموں کے شہر میں ان کی نگاہوں سے
اوجھل ہو گیا ہے تو سمورا سوبار کے خیمے کے دروازے پر آیا اور کھانس کر اپنی
موجودگی کا اظہار کیا سوبار اس وقت خیمے میں اکیلا تھا۔ اس نے جب سمورا کو اپنے
خیمے کے دروازے پر دیکھا تو وہ دروازے پر آیا اور سمورا سے پوچھا کیا بات ہے مجھ
سے کوئی کام ہے۔ اتنی دیر تک عانیو بھی قریب آ گیا تھا۔ سمورا کچھ کہنے ہی والا تھا کہ
عانیو بولا اور کہنے لگا۔ سوبار اس وقت لشکر کا شامان لشکر کے کام آنے والی جڑی بوٹیاں
اکٹھی کرنے کے لئے لشکر کے پچھواڑے میں جو کوہستانی سلسلہ ہے وہاں گیا ہوا ہے
لشکر کے کچھ جوان بھی اس کے ساتھ ہیں۔ تمہارے قبیلے کے سردار کوساک نے تم

دیا ہے کہ تم بھی ہمارے ساتھ چلو تاکہ جڑی بوٹیاں اکٹھی کرنے میں شامان کی مدد کی
جا سکے۔ اس پر سوبار نے کچھ سوچا پھر کہنے لگا۔ تم یہیں رکو پہلے میں سردار کوساک
سے بات کر کے آتا ہوں پھر تمہارے ساتھ چلتا ہوں اس پر سمورا بولا اور کہنے لگا کیا
تمہیں ہم دونوں کی بات پر اعتبار نہیں ہے اس پر سوبار کہنے لگا نہیں بات اعتبار کی
نہیں۔ مجھے بہرحال اپنے سردار کوساک سے اجازت لینی چاہئے۔

عانیو اور سمورا نے جب دیکھا کہ سوبار اپنے سردار کوساک سے اجازت لینے پر
بضد ہے تو انہیں احساس ہو گیا کہ اگر سوبار اپنے سردار کوساک کے پاس گیا تو سارا
معاملہ بگڑ کے رہ جائے گا لہٰذا سمورا آگے بڑھا اس نے سوبار کو گردن سے پکڑا اور پھر
اسے اس کے خیمے کے وسط میں لے گیا تھا۔ ساتھ ہی اس نے عانیو کو مخصوص اشارہ
کیا عانیو خیمے کے دروازے پر ہی کھڑا رہا۔ پھر سمورا نے سوبار کی گردن پر آہنی گرفت
ایسی سخت کی کہ سوبار پھڑپھڑا کے رہ گیا۔ سمورا نے اس کا گلا گھونٹ کر اسے مار دیا
تھا۔ ایک بورے کے اندر سمورا نے سوبار کی لاش کو بند کر دیا۔ لاش کو اپنے کندھوں
پر اٹھا کر وہ خیمے سے باہر نکلا تھا عانیو آگے آگے تھا تاکہ وہ سمورا کے لئے راستہ صاف
کرتا چلا جائے۔ سردی کا موسم اپنے عروج پر تھا۔ رات ابھی گہری نہیں ہوئی تھی زیادہ
تر لشکری جاگ رہے تھے ہر کوئی چونکہ اپنے خیمے کے اندر تھا لہٰذا عانیو اور سمورا کو
کوئی حادثہ پیش نہ آیا عانیو اور سمورا سوبار کی لاش کو لے کر کیداری خیموں کی طرف
آئے اب وہ اپنے آپ کو محفوظ خیال کرتے تھے اس لئے کہ وہ اپنے قبیلے میں تھے اور
کوئی ان پر گرفت نہیں کر سکتا تھا اس لئے کہ خود قبیلے کا سردار کردم خان ان کے
ساتھ تھا۔ بہرحال اپنے قبیلے کے خیموں سے نکل کر عانیو اور سمورا سوبار کی لاش کو
لے کر لشکر کے پچھواڑے میں کوہستانی سلسلے کی طرف چلے گئے تھے۔

سمورا سوبار کی لاش کو لے کر ایک قدرے کم بلندی والے ٹیلے کے اوپر چڑھنے
لگا تھا جبکہ عانیو ٹیلے کے نیچے ہی کھڑا رہا ٹیلے کے اوپر جا کر سمورا نے سوبار کی لاش کو
بورے کے اندر سے نکالا اس کے بعد سمورا نے سوبار کی لاش کو اس ٹیلے سے نیچے
بڑے بڑے پتھروں پر زور سے پھینک دیا تھا۔

جہاں سوبار کی لاش گری تھی اس سے قریب ہی شامان کی بیٹی زریون رفع حاجت

کے لئے بیٹھی ہوئی تھی اس کے قریب ہی جب لاش گری تب وہ بدحواس ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی عانیو نے اسے قریب سے اٹھتے دیکھ لیا تھا اسے خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ جو کوئی بھی وہاں سے اٹھا ہے اس نے ضرور انہیں یہ حرکت کرتے دیکھ لیا ہے لہٰذا یہ سارے معاملے کی اطلاع وہ اٹیلا کو کر دے گا اور اٹیلا ان دونوں کی گردنیں کاٹ کے رکھ دے گا لہٰذا عانیو کسی خونخوار چیتے کی طرح پشت کی طرف سے زریون کی طرف بڑھا زریون چونکہ ابھی تک اپنا لباس وغیرہ درست کر رہی تھی لہٰذا اس نے شور شرابا نہیں کیا تھا اتنی دیر تک عانیو اس کی پشت پر پہنچ گیا پھر عانیو نے ایک ہاتھ پوری قوت سے زریون کے منہ پر رکھا تاکہ وہ شور نہ کرے دوسرے ہاتھ سے اس نے اپنا خنجر نکالا اور پوری قوت سے اس نے اپنا خنجر زریون کے سینے میں گھونپ دیا تھا۔

زریون بے چاری نے عانیو کی آہنی گرفت سے بچنے کی بہت کوشش اور جدوجہد کی لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکی اور پھر جب عانیو نے اپنا خنجر اس کے سینے میں اتار دیا تو وہ تھوڑی دیر کے لئے ذبح کئے جانے والے مرغ کی طرح پھڑپھڑائی اس کے بعد ٹھنڈی ہو کے رہ گئی تھی۔ عانیو نے اس کی لاش کو اٹھایا اور اسی ٹیلے پر لے گیا تھا۔ عانیو جب زریون کی لاش کو لے کر اوپر گیا تو سمورا ابھی تک اوپر ہی تھا۔ وہ بڑی رازداری اور فکرمندی میں عانیو سے پوچھنے لگا یہ کون ہے کسے اٹھا لائے ہو اس پر عانیو بڑی رازداری میں بولا اور کہنے لگا آہستہ بول جو کچھ میں کہنے والا ہوں اسے غور سے سن۔ یہ شامان کی بیٹی زریون ہے جہاں تم نے سوبار کی لاش پھینکی ہے یہ اس کے قریب ہی کہیں رفع حاجت کے لئے بیٹھی ہوئی تھی میرے خیال میں اس نے ہم دونوں کی کاروائی کو دیکھ لیا ہے لہٰذا میں نے اس کا خاتمہ کر دیا ہے اگر یہ زندہ رہتی تو اٹیلا سے جا کے شکایت کرتی اور اٹیلا ہم دونوں کی گردنیں کاٹ دیتا۔ میں نے اس کا خاتمہ کر دیا ہے سوبار کی طرح اس کی لاش بھی نیچے پھینکتے ہیں اور بھاگ چلتے ہیں سمورا نے اپنے ساتھی عانیو کی اس تجویز سے اتفاق کیا دونوں نے زریون کی لاش کو اٹھا کر نیچے پھینکا پھر انہوں نے بورا اٹھایا اور دبے پاؤں بھاگتے ہوئے خیموں کے شہر میں داخل ہو گئے تھے۔

سمورا اور عانیو دونوں پہلے اپنے خیمے کے وسط میں انہوں نے تنور کھود رکھا تھا۔ جس میں آگ روشن تھی سب سے پہلے اس تنور میں انہوں نے وہ بورا پھینکا جس میں وہ سوبار کی لاش لے کر گئے تھے اس کے بعد دونوں نے اپنا لباس تبدیل کیا اور جو لباس وہ پہن کر کاروائی کرنے گئے تھے ان لباسوں کو بھی انہوں نے تنور میں ڈال کر

جلا دیا تھا اس کے بعد وہ دونوں اپنے خیمے سے نکل کر اپنے سردار کردم خان کے خیمے کی طرف روانہ ہوئے تھے۔

سمورا اور عانیو جب کردم خان کے خیمے میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ کردم خان اور تکائی بیٹھے باہم گفتگو کر رہے تھے لگتا تھا وہ دونوں بڑی بے چینی سے عانیو اور سمورا کا انتظار کر رہے ہوں جوں ہی وہ دونوں داخل ہوئے کردم خان نے اشارے سے انہیں اپنے سامنے جلتی ہوئی آگ کے پاس بیٹھنے کو کہا۔ عانیو اور سمورا جب بیٹھ گئے تب بڑی رازداری سے کردم خان نے پوچھا جس مہم پر تم گئے تھے اس کا کیا کر کے آئے ہو۔ سمورا اور عانیو نے لمحہ بھر کے لئے ایک دوسرے کی طرف معنی خیز انداز میں دیکھا۔ پھر انہوں نے شاید آنکھوں ہی آنکھوں میں کوئی فیصلہ کیا اس کے بعد سمورا بولا اور کردم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

سردار کردم خان' جو مہم آپ نے ہمیں سونپی تھی اسے ہم کامیابی سے مکمل کر آئے ہیں پر ہم سے ایک زیادتی ہو گئی ہے۔ جو ہمارے لئے ناگزیر ہو گئی تھی۔ اس پر کردم خان نے چونک کر پوچھا۔ وہ کیسے۔ جواب میں سمورا پھر بولا اور کہنے لگا۔

دیکھ سردار کردم خان۔ جب ہم سوبار کے پاس گئے اور اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہا۔ ہم نے اسے کہا کہ شامان جڑی بوٹیاں جمع کرنے کے لئے کوہستانی سلسلے کی طرف گیا ہے لہٰذا تمہارے سردار نے بھی یہ حکم دیا ہے کہ تم بھی ہمارے ساتھ چلو تاکہ شامان کی مدد کی جا سکے۔ سوبار کہنے لگا کہ پہلے میں اپنے سردار کوساک سے اس کی اجازت لوں گا پھر جاؤں گا۔ ہم نے اسے اپنے ساتھ لے جانے پر بڑا آمادہ کیا لیکن جب وہ نہ مانا تو ہم نے اس کے خیمے میں اس کا گلا گھونٹ کر اسے ہلاک کر دیا اس کی لاش بورے میں بند کی اور اسے پہلے ہم اپنے قبیلے کے خیموں میں لائے پھر ہم کوہستانی سلسلے کی طرف چلے گئے۔

اس کے بعد سردار کردم خان ایسا ہوا کہ عانیو تو نیچے ہی کھڑا رہا میں لاش کو لے کر ایک ٹیلے کے اوپر چڑھا اور بورے سے نکالا اور اسے ٹیلے کے اوپر سے نیچے پھینک دیا۔ ہماری بدقسمتی کہ اس وقت قریب ہی کہیں شامان کی بیٹی زریون رفع حاجت کے لئے بیٹھی ہوئی تھی لاش کے گرتے ہی وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی عانیو کا کہنا ہے

کہ اس نے ہم دونوں کو دیکھ لیا تھا لہٰذا عانیو آگے بڑھا اور اس نے زریون کو قتل کر دیا۔ پھر زریون کی لاش کو بھی ٹیلے کے اوپر لے گئے اور اسے نیچے پھینک دیا۔ دیکھ کردم خان اگر ہم ایسا نہ کرتے تو زریون یقیناً" اس کی اطلاع اٹیلا کو کرتی اور اٹیلا ہم دونوں کی گردنیں کاٹ دیتا۔

سمورا کے اس انکشاف پر کردم خان دم بخود رہ گیا تھا۔ پھر وہ بولا اور کہنے لگا۔ جو کچھ تم نے کیا ہے حالات کا تقاضہ یہی تھا۔ تم نے زریون کو قتل کیا اسی میں تمہاری بہتری اور بھلائی تھی۔ لیکن زریون کے قتل ہونے سے ایک برا بھی ہوا۔ اس پر عانیو نے فکرمندی سے کردم خان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ سردار' وہ کیسے۔ کردم خان کہنے لگا۔ دیکھ سابیر قبیلے کا سردار کوساک زریون کو پسند کرتا تھا۔ زریون بھی اسے چاہتی اور محبت کرتی تھی اور دونوں کی شادی متوقع تھی۔ اسی دوران اٹیلا کی بیٹی جو فینا بھی کوساک کی طرف متوجہ ہو گئی اور اسے پسند کرنے لگی۔ اب زریون کے مارے جانے سے جو فینا کے کوساک کی طرف بڑھنے کے سارے ہی میدان صاف ہو گئے۔ جبکہ تم جانتے ہو اٹیلا کی بیٹی جو فینا کو میں خود پسند کرتا ہوں اور اس سے شادی کرنے کا خواہش مند ہوں۔ لہٰذا جہاں زریون کو قتل کرنا تم دونوں کے لئے بہتر تھا وہاں اس کا قتل میرے لئے دشواریوں کا بھی باعث بن سکتا ہے۔ بہرحال جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ اب تم تینوں اپنی جگہ سے اٹھو اپنے خیمے میں چلے جاؤ اور اپنے روزمرہ کے کاموں میں لگ جاؤ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دینا کہ اس معاملے میں تم ملوث تھے یا میری کوئی رضامندی تھی۔ کردم خان کا حکم سن کر وہ تینوں اس کے خیمے سے نکل گئے تھے۔

○

لشکر کا شامان روتا اپنے سر کو پیٹتا اور آہ و زاری کرتا ہوا کوساک کے خیمے میں داخل ہوا تھا۔ رات چونکہ اس وقت گہری ہوتی جا رہی تھی۔ کوساک بستر پر آرام کرنے والا تھا اس کے ہاتھ میں موٹا کمبل تھا۔ جوں ہی شامان آہ و زاری کرتا ہوا کوساک کے خیمہ میں داخل ہوا۔ گھبراہٹ اور پریشانی میں کوساک کے ہاتھ سے وہ کمبل گر گیا تھا وہ بھاگ کر شامان کی طرف بڑھا اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا پھر بڑی نرمی میں اس سے پوچھا۔

میرے بزرگ شامان کیا ہوا۔ تم روتے کیوں ہو۔ اس پر شامان نے اپنے آپ کو سنبھالا پھر وہ روتی بین کرتی آواز میں کہنے لگا۔

سردار کوساک میرے ساتھ بڑا ظلم' میرے ساتھ بڑا جبر اور ستم ہوا ہے۔ شام کے وقت میں اور میری بیٹی زریون دونوں خیموں کے قریب ہی کوہستانی سلسلے کے ساتھ ساتھ گھومنے گئے تھے۔ پھر زریون رفع حاجت کے لئے ایک جگہ بیٹھ گئی جبکہ میں ذرا فاصلے پر اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ جب کافی دیر تک نہ لوٹی تب مجھے فکر ہوئی اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر میں نے اسے کئی بار آوازیں دیں۔ بار بار پکارا۔ لیکن جب اس کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا تو پھر پریشانی اور بے قراری کی حالت میں اس سمت بھاگا جدھر زریون گئی تھی۔

دیکھ سردار کوساک۔ وہاں جا کر میں نے دیکھا کچھ پتھروں کے قریب میری بیٹی زریون کی لاش پڑی تھی۔ شامان یہیں تک کہنے پایا تھا کہ کوساک چیختی اور چلاتی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔ بزرگ شامان۔ یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ کس نے کب اور کیسے زریون کو مار دیا۔ اس پر شامان پھر بولا اور کہنے لگا۔

مجھے اگر اس کے قاتلوں کا پتہ ہوتا تو انتہائی بے بسی اور لاچارگی کی حالت میں میں تمہارے پاس کیوں آتا۔ دیکھ سردار کوساک میری بیٹی زریون کی لاش کے پاس ایک اور لاش بھی پڑی ہے جو تمہارے قبیلے کے ایک نوجوان سوبار کی ہے۔ میں نے ابھی دونوں لاشوں کو نہیں اٹھایا۔ میں پہلے تمہیں اطلاع کرنے آیا ہوں تاکہ تم حالات کا جائزہ لو کہ کون ہمارے خلاف حرکت میں آیا ہے اور کس نے میری بیٹی اور تمہارے قبیلے کے نوجوان سوبار کو قتل کیا ہے۔

یہاں تک کہنے کے بعد شامان جب خاموش ہوا تب کوساک خیمے کی خلاؤں میں گھورتے ہوئے کچھ سوچنے لگا۔ پھر وہ کسی قدر تلخی اور غضبناکی ملی جلی آواز میں کہنے لگا۔ بزرگ شامان۔ لگتا ہے کوئی میرے قبیلے کے خلاف سازش میں مصروف ہے۔ سوبار اور تمہاری بیٹی زریون کا اس طرح مارا جانا میرے دل میں شکوک اور شبہات پیدا کر گیا ہے اس پر شامان نے چونک کر پوچھا۔ سردار کوساک کیسے شکوک اور شبہات۔ اس پر کوساک کہنے لگا۔

سن بزرگ شامان۔ تمہیں یاد ہو گا جس وقت شرقی رومن پر حملہ آور ہونے کے لئے ہمارا لشکر کوہستانی سلسلے میں پیش قدمی کر رہا تھا تو میرے قبیلے کا ایک شخص کوہستانی سلسلے کے اوپر سے گر کر ہلاک ہو گیا تھا اور بظاہر یہی بتایا گیا تھا کہ اس کا گھوڑا کوہستانی سلسلے کے انتہائی خطرناک کنارے پر جا رہا تھا وہاں اس کے گھوڑے کا پاؤں پھسلا جس کی وجہ سے .شاک نام کا میرے قبیلے کا وہ جوان گھوڑے کے اوپر اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور گھوڑے سے نیچے گہری کھائی میں پتھروں کے اوپر گرا اور ہلاک ہو گیا۔ بزرگ شامان۔ اب مجھے شک پڑ گیا ہے کہ میرے قبیلے کے اس نوجوان کو بھی ہلاک کیا گیا تھا۔ وہ یوں ہی اپنے گھوڑے پر سے گر کر نہیں مرا تھا۔ سن شامان اب اس معاملے کو میں بہت دور تک لے کر جاؤں گا اور میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ قاتل کوئی بھی ہو خواہ وہ ہمارے قبیلے کا خاقان ہی کیوں نہ ہو۔ میرے ہاتھ ایک بار اس کی گردن تک ضرور پہنچیں گے۔ دیکھ شامان قاتل فضاؤں کی طرف پرواز کیوں نہ کر جائیں۔ چاہے کتنا بھی اوپر جائیں تب بھی میں انتقام لینے کی خاطر ایک دراز دست انسان کی حیثیت سے ان کا تعاقب کروں گا اور ان کے اس فعل بد کی ہر صورت میں سزا دے کر رہوں گا۔

اس کے ساتھ ہی کوساک نے زور زور سے کسی کو پکارا اس کے ساتھ ہی ایک جوان بھاگتا ہوا آیا۔ کوساک نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا اپنے قبیلے کے چند جوانوں کو تیار کرو۔ شامان کی بیٹی زریون اور ہمارے قبیلے کے جوان سوبار کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔ ان کی لاشیں کوہستانی سلسلے کے قریب پڑی ہوئی ہیں۔ میں ان لاشوں کا جائزہ لوں گا اور یہ کہ آس پاس جس قدر انسانوں کے پاؤں کے نشان ہوں گے ان میں سے جو مشکوک ہوں گے ان سب کو میں محفوظ کر لینا چاہتا ہوں۔ ان کے ذریعے سے میں قاتلوں تک ضرور پہنچ کر رہوں گا۔

کوساک کا یہ حکم سن کر وہ نوجوان بھاگ گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ان گنت مسلح جوان کوساک کے خیمے کے گرد جمع ہو گئے تھے اور پھر آن کی آن میں زریون اور سوبار کے مارے جانے کی خبر پورے لشکر میں پھیل گئی تھی۔ کوساک نے شامان کو اپنے ساتھ لیا اور پھر ان مسلح جوانوں کے ساتھ اس کوہستانی سلسلے کی طرف روانہ ہو گیا تھا

جہاں زریون اور سوبار کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔

اپنے قبیلے کے مسلح جوانوں کے ساتھ کوہستانی سلسلے کے پاس پہنچ کر کوساک نے دونوں لاشوں کا جائزہ لیا۔ تھوڑی دیر تک چاندنی رات میں انہیں غور سے دیکھتا رہا۔ پھر قریب کھڑے شامان سے وہ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ رک گیا۔ اس لئے کہ چاندنی رات میں اس نے دیکھا اس کے سامنے قریب ہی اس کا خاقان اٹیلا' سلطنت کا نائب خوش نواز اس کا ماموں زاد اور کوشان قبیلے کا سردار عیوان' کردم خان چند دوسرے سرداروں' سالاروں اور مسلح جوانوں کے ساتھ ادھر ہی آ رہے تھے۔ لہٰذا کوساک کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔ اٹیلا بڑی تیزی سے اس جگہ آیا تھوڑی دیر تک کوساک کے سامنے پڑی ہوئی دونوں لاشوں کا اس نے جائزہ لیا۔ پھر انتہائی غضبناکی' انتہائی قہرمانی میں اس نے کوساک کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

کوساک میرے بیٹے۔ میرے فرزند۔ ان دونوں کو کس نے قتل کیا ہے۔ زریون کو قتل کر کے میں سمجھتا ہوں کہ کسی نے تمہارے گھر پر شبخون مارا ہے۔ قاتل۔ مجرم کوئی بھی ہو یاد رکھو وہ اٹیلا کی سزا سے بچ نہیں سکے گا۔ دیکھ کوساک اپنے قبیلے کے نوجوان سوبار اور اپنی منسوبہ زریون کے سلسلے میں تم کسی پر شک کرتے ہو۔ اس پر کوساک بولا۔ ابھی کسی پر میں شک نہیں کرتا۔ لیکن اب یہ کہانی پھیلنے لگی ہے۔ داستان طویل ہونے لگی ہے۔ مجھے شک پڑ گیا ہے۔ شرقی رومن سلطنت پر حملہ آور ہونے کے لئے جس وقت ہم کوہستانی سلسلے میں پیشقدمی کر رہے تھے تو وہاں گھوڑے سے گر کر .شکاک نام کا ایک نوجوان میرے قبیلے کا ہلاک ہوا تھا وہ بھی خود ہی گھوڑے سے نہیں گرا تھا بلکہ گرایا گیا تھا۔ خاقان میں سمجھتا ہوں کہ کوئی اندر ہی اندر میرے قبیلے کے خلاف سازش میں مصروف ہے۔ اس پر اٹیلا نے پہلے سے بھی زیادہ قہرمانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا جو کوئی بھی ہے سن رکھنا جس وقت اس کا پتہ چل گیا میں اس کی گردن کاٹنے میں ایک لمحے کی تاخیر نہیں کروں گا۔ سن کوساک۔ میرے بیٹے۔ میرے فرزند میں جانتا ہوں تو زریون کو پسند کرتا تھا اور اس سے شادی کرنا چاہتا تھا قسم کوانتی دیوتا کی زریون کے مارے جانے سے مجھے ایسا ہی لگا ہے جیسے کسی نے میری بیٹی جو فینا کو ہلاک کر دیا ہو۔ مجھے تمہارے اس غم اس دکھ کا پورا احساس ہے۔

اٹیلا کی اس گفتگو کے جواب میں کوساک کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اس دوران کوساک کا ماموں زاد اور کوشان قبیلے کا سردار عیوان آگے بڑھا۔ کوساک کو اس نے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ پھر اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہنے لگا۔ کوساک میرے بھائی فکرمند مت ہونا۔ تمہارا دکھ تمہارا غم میرا دکھ اور غم ہے۔ قاتل کہیں بھی چلے جائیں بچ کر نہیں جائیں گے۔ اس موقع پر خوش نواز اور کردم خان بھی آگے بڑھے اور انہوں نے بھی باری باری کوساک کو اپنے ساتھ لپٹایا۔ پھر اس سے ہمدردی اور غم اور دردمندی کا اظہار کرنے لگے تھے۔

اس موقع پر قریب ہی کھڑا شامان بولا اور اٹیلا کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ خاقان کیا ایسا ممکن نہیں کہ میری بیٹی زریون اور سوبار کی لاشیں اٹھانے کے بعد یہاں مسلح جوان کا پہرہ لگا دیا جائے۔ تاکہ ادھر کوئی پھٹکنے نہ پائے صبح دن کی روشنی میں میں خود اس طرف آؤں گا اور ان مسلح جوانوں کی موجودگی میں یہاں جو قدموں کے نشان ہیں وہ میں محفوظ کروں گا اور پھر ان نشانوں کو میں آگ پر پکا کر سخت کروں گا اور پاؤں کے ان نشانوں سے مجھے امید ہے کہ ہم قاتلوں تک پہنچنے میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔ اس پر اٹیلا بولا اور کہنے لگا۔ شامان یہ بات تم نہ کہتے تو میں خود بھی کہنے والا تھا۔ پھر اٹیلا نے اپنے قریب ہی کھڑے ہوئے خوش نواز کو مخاطب کر کے کہا۔ خوش نواز میرے بھائی ابھی اور اسی وقت چند مسلح دستے اس جگہ کے آس پاس پہرہ دینے کے لئے لگا دو۔ سنو ان لاشوں کی حالت سے پتہ چلتا ہے کہ سوبار اور زریون دونوں کو یہاں سامنے والے ٹیلے سے گرا کر مارا گیا ہے۔ پچھلی برفباری کی وجہ سے زمین ابھی تک گیلی گیلی ہے پاؤں کے نشانات خوب واضح ہو کر اس پر لگتے ہیں یہ سامنے والے ٹیلے کے اردگرد بھی پہرہ لگا دو تاکہ کل دن کی روشنی میں مشکوک پاؤں کے نشانات کو محفوظ کرنے میں شامان کو کوئی دقت نہ ہو۔

اٹیلا کا حکم سن کر اس کا نائب خوش نواز فوراً" حرکت میں آیا اور اس جگہ اور ٹیلے کے آس پاس اس نے مسلح جوان مقرر کر دیئے تھے پھر تدفین کے لئے زریون اور سوبار کی لاشوں کو وہاں سے اٹھا کر لشکر کی طرف لے جایا جا رہا تھا۔ دوسرے روز شامان نے اس سارے علاقے میں گھوم پھر کر اس کا جائزہ لیا پھر اس نے پاؤں کے چند

نشانات ڈھونڈ کر محفوظ کر لئے اور آگ پر انہیں پکا کر پکا اور پختہ کر لیا تھا۔ اس دوران تک کردم خان کے کہنے پر اس کے قبیلے کے کچھ لوگوں نے پورے لشکر کے اندر لمحوں کے اندر یہ خبر مشہور کر دی تھی کہ زریون کو قتل کرنے میں اٹیلا کی بیٹی جو فینا کا ہاتھ ہے اس لئے کہ کوساک سے شادی کرنے کے لئے وہ چاہتی تھی کہ زریون اس کی ہمسفر نہ بنے۔

زریون اور سوبار کی تدفین کے بعد جس وقت کوساک اپنے خیمے میں آیا حسین و جمیل جو فینا نے اسے اپنے خیمے کی طرف جاتا ہوا دیکھ لیا تھا لہٰذا زریون کا افسوس کرنے کے لئے وہ اس کے پیچھے پیچھے ہو لی تھی۔ کوساک نے اسے اپنے پیچھے آتے ہوئے نہیں دیکھا تھا اس لئے وہ چپ چاپ اپنے خیمے میں چلا گیا تھا اس کے پیچھے پیچھے جو فینا جب کوساک کے خیمے کے قریب پہنچی تو خیمے سے ذرا دور ہی کوساک کے ساہیر قبیلے کی ایک بوڑھی خاتون جو فینا سے ملی اور بڑی محبت اور چاہت میں پوچھنے لگی خاقان کی بیٹی اس وقت تم کہاں جا رہی ہو۔ اس پر اس بوڑھی خاتون کی طرف جو فینا نے بڑے غور سے دیکھا پھر نرمی میں کہنے لگی۔

میں ذرا سردار کوساک سے ملنے جا رہی ہوں ان سے مل کر میں زریون کے مرنے کا دکھ اور افسوس کروں گی۔ اس پر بوڑھی خاتون بولی اور کہنے لگی۔ نہیں میرے خیال میں اس وقت تمہارا سردار کوساک سے ملنا اچھا نہیں ہے۔ جو فینا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پوچھا وہ کیوں بوڑھی عورت کہنے لگی اس لئے کہ لشکر میں یہ خبر ہر خیمے میں مشہور ہو چکی ہے کہ زریون کو خاقان کی بیٹی جو فینا نے قتل کروایا ہے۔ تاکہ کوساک سے شادی کرنے کے لئے اس کے سارے راستے صاف ہو جائیں اور اس کے ساتھ زریون کوساک کی ہمسفر نہ بن سکے۔ اس پر جو فینا نے غصے اور قہرانی میں چلتے ہوئے کہا۔

دیکھ میری مہربان خاتون' یہ جھوٹ' فریب' دھوکہ اور عیاری اور بے ایمانی ہے زریون کو میں اپنی بہن خیال کرتی تھی میں اور وہ دونوں ہی کوساک سے شادی کرنے والی تھی۔ اس سلسلے میں میرے اور اس کے درمیان معاہدہ بھی ہو چکا تھا کہ ہم دونوں بہنوں کی طرح زندگی بسر کریں۔ پھر میں کیوں زریون کو قتل کرنے لگی۔ وہ میری بہن

تھی میں کیوں اپنی بہن کو مارنے لگی۔ اس پر وہ بوڑھی خاتون کہنے لگی بہتر یہی ہے کہ اس وقت تم کوساک سے نہ ملو ہو سکتا ہے اس کے دل میں بھی اس وقت تمہارے خلاف شکوک و شبہات ہوں۔ بعد میں جب یہ معاملہ کچھ نرم اور ٹھنڈا پڑ جائے تو تم کوساک سے ملنا۔ اس پر جو فینا بولی اور کہنے لگی۔

نہیں ہرگز نہیں۔ میں ابھی اور اسی وقت کوساک سے ملوں گی۔ اگر میں اس وقت اپنی بہن زریون کا ان سے افسوس نہیں کروں گی تو پھر کس سے کروں گی۔ میں زریون کے باپ شامان سے مل کر آ رہی ہوں ان سے بھی میں زریون کے مرنے کا افسوس کر کے آئی ہوں اور کوساک سے بھی مل کر رہوں گی۔ میں دیکھوں گی کوساک کے میرے متعلق کیا خیالات ہیں۔ اس کے ساتھ ہی جو فینا مزید کچھ کہے بغیر آگے بڑھ گئی تھی۔

جو فینا سردار کوساک کے خیمے کے دروازے پر نمودار ہوئی۔ اندر کوساک خیمے میں اکیلا گردن جھکائے بیٹھا تھا۔ دروازے پر کھڑے ہی کھڑے جو فینا نے کھانسا جس پر کوساک نے چونک کر جو فینا کی طرف دیکھا اس موقع پر جو فینا بولی اور اپنی شہد برساتی آواز میں وہ کہنے لگی کیا میں اندر آ سکتی ہوں۔ اس پر کوساک اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ دیکھ جو فینا یہ خیمہ تمہارا ہی ہے تمہیں اس میں آنے کے لئے مجھ سے اجازت طلب کرنے کی تو ضرورت نہیں ہے۔ کوساک کا یہ جواب سن کر جو فینا ایسی خوش ایسی شاداں ہوئی کہ وہ کسی متوحش ہرنی کی طرح بھاگی اور پھر پوری طاقت اور قوت کے ساتھ وہ آگے بڑھ کر کوساک سے لپٹ گئی تھی۔

پھر جو فینا علیحدہ ہوئی۔ انتہائی دکھی آواز میں وہ کوساک کو مخاطب کر کے کہنے لگی کوساک میرے حبیب مجھے زریون کے مرنے کا انتہائی دکھ اور افسوس ہے۔ وہ میری بہن تھی کاش اس کے قاتلوں کا پتہ چل جائے تو میں خود اپنے خنجر سے ان کا پیٹ چاک کروں۔ دیکھ کوساک مجھے راستے میں تمہارے قبیلے کی ایک بوڑھی خاتون نے بتایا ہے کہ لشکر میں یہ افواہ پھیلا دی گئی ہے کہ زریون کے قتل میں میرا ہاتھ ہے۔ قسم کوانتی دیوتا کی میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔ زریون میری بہن تھی۔ اس لئے کہ میں اسے اپنی بہن کہہ چکی تھی۔ پھر میں اپنی بہن کا ایسا حشر کیسے کر سکتی ہوں۔

یہاں تک کہنے کے بعد جو فینا جب خاموش ہوئی تو کوساک نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے پہلو میں بٹھایا پھر وہ کہنے لگا جو کوئی خبریں اڑا رہا ہے اسے اڑانے دو۔ میرے خیال میں جن لوگوں نے یہ خبر اڑائی ہے وہی سوبار اور زریون کے قتل میں ملوث ہیں اور عنقریب میں ان لوگوں کا پتہ چلا کر رہوں گا۔ دیکھ جو فینا۔ لوگ بھلے تم پر شک و شبہ کرتے رہیں لیکن میرا دل ان تمام شکوک و شبہات سے پاک ہے۔ میں جانتا ہوں تو زریون کو قتل نہیں کروا سکتی۔ نہ تو نے ایسا کیا ہے۔ لہٰذا لشکر میں جیسی چاہے خبریں گشت کرتی رہیں تیرے میرے تعلقات تیرے میرے روابط میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

کوساک تھوڑی دیر تک خاموش رہا اس کے بعد اس نے بڑے پیار سے اپنا ہاتھ جو فینا کی کمر کے گرد لپیٹتے ہوئے کہا۔ دیکھ جو فینا جب تو پہلی بار مجھ سے ملی اور محبت کا اظہار کیا تھا تو میں نے تجھ سے کہا تھا کہ میں تجھے اپنی زندگی کا ساتھی اس شرط پر بناؤں گا کہ میرے اور تمہارے مزاج کو میل کھانا چاہئے۔ میں تجھ پر انکشاف کرتا ہوں کہ میری تمہاری طبیعت آپس میں ملتی ہے اور ہم دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے بہترین اور کامیاب زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ دیکھ جو فینا اب تیرے میرے سامنے سب سے پہلا کام یہ ہے کہ زریون کے قاتلوں سے انتقام لیں اس کے بعد میں اور تم شادی کر لیں گے اور خوشگوار زندگی کی ابتدا کریں گے۔

کوساک کے ان الفاظ سے جو فینا پر ایک نشہ ایک سرور طاری ہو گیا تھا۔ ایک بار پھر وہ پوری قوت سے کوساک سے لپٹ گئی تھی اور پرسکون انداز میں اپنا سر اس نے کوشاک کے شانے پر رکھ دیا تھا۔ اس موقعہ پر کوساک بولا اور کہنے لگا دیکھ جو فینا جو لوگ خبریں اڑا رہے ہیں اور تمہیں قتل میں ملوث کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ان خبروں کی وجہ سے تو اپنا دل میلا نہ کرنا۔ مجھے امید ہے کہ عنقریب ہم قاتلوں کو تلاش کر لیں گے۔ دیکھ جو خبر تو راستے میں سن کر آئی ہے یہ خاقان نے بھی سن لی ہوگی لہٰذا تو خاقان کے پاس جا اسے میری طرف سے تسلی دے لوگ بھلے لشکر میں جھوٹی خبریں اڑاتے رہیں لیکن ان خبروں سے میرے اور جو فینا کے تعلقات پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اس پر جو فینا فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور پھر وہ بھاگتی ہوتی کوساک کے خیمے

سے نکل گئی تھی۔

○

دریائے رائن کے کنارے دوسرے روز دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے صف آراء ہوئے۔ حسب سابق اٹیلا نے اپنے لشکر کو چار حصوں ہی میں تقسیم رہنے دیا۔ لشکر کا وسطی حصہ جس میں ہن قبائل کا قبیلہ قطری غور شامل تھا وہ اٹیلا اور خوش نواز کی کمانداری میں کام کر رہا تھا۔ دوسرے حصے کو دائیں طرف رکھا گیا اس کا کماندار عیوان تھا اور اس کے تحت اس کے قبیلے کوشان کا لشکر تھا۔ بائیں طرف تیسرے حصے کی سرکردگی کردم خان کے ہاتھ میں تھی اور اس کے ماتحت اس کا کیداری قبیلہ کام کر رہا تھا۔ لشکر کا چوتھا حصہ سابیر قبیلے پر مشتمل تھا۔ سابیر قبیلے کا سردار کوساک اس کا کماندار تھا۔ اسے اٹیلا نے محفوظ لشکر کے طور پر رکھا تھا اور کہا تھا کہ جنگ کے عروج کے موقع پر وہ جہاں چاہے مناسب سمجھتے ہوئے رومنوں پر ضرب لگائے اور انہیں میدان سے بھاگنے پر مجبور کرے۔

ہن قبائل کی طرف دیکھتے ہوئے رومن جرنیل اورلین نے بھی اپنے لشکر کی تقسیم کی تاہم چونکہ اٹیلا کا محفوظ لشکر جو کوساک کی سرکردگی میں تھا اور لشکر کے پچھلے حصے میں تھا وہ اورلین کو چونکہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ سامنے والے تین حصے اسے دکھائی دیتے تھے لہٰذا اس نے بھی اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ وسطی حصہ اورلین نے اپنی کمانداری میں رکھا جبکہ دو دوسرے جرنیلوں کو اس نے لشکر کے دائیں بائیں حصے کی کمانداری سونپی تھی۔

اورلین چونکہ ماضی میں رومنوں کے لئے بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کر چکا تھا اس سے پہلے وحشی گاتھ برگنڈین فرینک' آلانی اور سیکسین قبائل کو کوئی مقام پر شکست دے کر رومن سلطنت کی حفاظت کر چکا تھا۔ لہٰذا اس کی سرکردگی میں لڑتے ہوئے رومنوں کے حوصلے بلند تھے اور انہیں امید تھی کہ اورلین ہن قبائل کو شکست دینے میں بھی کامیاب ہو جائے گا۔

جنگ کی ابتدا اٹیلا نے کی اور وہ اپنے وسطی لشکر کے ساتھ فضائے درد و الم کی بے رحم وسعتوں کی طرح رومنوں پر حملہ آور ہوا تھا۔ اٹیلا کے حرکت میں آتے اور

حملے کی ابتدا کرتے ہی دائیں جانب سے اس کا سردار عیوان ٹڈی دل کی یلغار اور بائیں جانب سے کروم خان قحط کے آزار کی طرح رومنوں پر ٹوٹ پڑے تھے۔ ادھر رومنوں کا جرنیل اورلین بھی اپنے جرنیلوں اور لشکریوں کے ساتھ دکھ کے استعارے اور تعبیر کے روگ کی طرح ہن قبائل پر ٹوٹ پڑا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو دفاع تک ہی محدود نہیں رکھا تھا بلکہ شروع ہی میں وہ ہن قبائل کے سامنے جارحیت پر اتر آیا تھا۔

دریائے رائن کے کنارے کافی دیر تک ہن قبائل اور رومنوں کے درمیان ہولناک جنگ ہوتی رہی۔ جوں جوں جنگ طول پکڑتی جا رہی تھی رومنوں کا جرنیل اورلین جو انتہائی بہادر اور جنگجو خیال کیا جاتا تھا۔ وہ اپنے آپ کو اٹیلا کے سامنے عمروں کی بے جہت مسافتوں میں زندگی کی تلخ گردشوں میں گرتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ پھر وہ لمحہ بھی آیا کہ ہن قبائل کی پشت کی طرف سے کوساک اپنے لشکر کے ساتھ نمودار ہوا۔ پھر وہ برسوں کے پیاسے صحرا اور صدیوں کی تشنہ لب آندھیوں کی طرح رومن لشکر کے ایک پہلو پر حملہ آور ہو گیا تھا۔ کوساک کے اس طرح حملہ آور ہونے سے رومنوں کی رہی سہی طاقت اور قوت بھی جواب دے گئی تھی۔ اب ان کے لشکری ادھر ادھر بھاگ کر افراتفری اور بد نظمی کا شکار ہونے لگے تھے۔

تھوڑی دیر کی مزید جنگ کے بعد رومنوں کو مکمل طور پر بدترین شکست ہوئی۔ اس شکست کے نتیجے میں رومن جرنیل اورلین بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر بھاگا تھا اس لئے کہ اٹیلا بڑے خونخوار انداز میں اس کو اپنا ہدف بنانے کے لئے بڑھا تھا۔ اورلین اگر تھوڑی دیر اور میدان جنگ میں جما رہتا۔ تو خدشہ تھا کہ اٹیلا خود اس پر حملہ آور ہو کر اس کی گردن کاٹ دیتا۔ اپنی جان بچانے کے لئے اورلین فوراً پیچھے ہٹا اور اپنی شکست تسلیم کرتے ہوئے اپنے لشکر کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوا۔ اب وہ اس شاہراہ پر بھاگا جا رہا تھا جو روم کی طرف جاتی تھی۔

رومنوں کو شکست دینے کے بعد اٹیلا نے ان کے پڑاؤ کی ہر چیز پر قبضہ کر لیا۔ پھر اٹیلا اپنے لشکر کے ساتھ جست و خیز کرتا ہوا ایک شہر سے دوسرے شہر ایک بستی سے دوسری بستی اور ایک قصبے سے دوسرے قصبے کی طرف بڑھتا چلا گیا تھا۔ جہاں بھی:

گیا خاک و خون آگ و مرگ کا کھیل کھیلتا چلا گیا تھا۔

رومن شہنشاہ بھی بیکار نہ بیٹھا ہوا تھا۔ اسے جب خبر ملی کہ دریائے رائن کے کنارے اس کے بہترین جرنیل اورلین کو ہن قبائل نے بد ترین شکست دی ہے تو اس نے ایک نیا لشکر تیار کرنا شروع کیا۔

اس کے علاوہ رومن شہنشاہ ویلنٹینن نے اپنے تیز رفتار قاصد وحشی گاتھ برگنڈینین، فرینک، سیتھین اور آلانی قبائل کی طرف بھجوائے اور ہن قبائل کے خلاف اس نے مدد طلب کی۔ ان وحشی قبائل نے رومنوں کی اپیل کا خاطر خواہ جواب دیا۔ سارے وحشی قبائل نے مل کر ایک متحدہ لشکر تیار کیا اس متحدہ لشکر کا سپہ سالار انہوں نے وحشی سیتھین قبائل کے ایک جرنیل یوتھارک کو بنایا تھا۔ یوں یہ یوتھارک وحشی قبائل کا بہت بڑا اور متحدہ لشکر لے کر قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

اس طرح ہن قبائل کی تند خو یلغار کا مقابلہ کرنے کے لئے قیصر روم ویلنٹینن نے ایک بہت بڑا لشکر ترتیب دیا اس لشکر کی تعداد اس سے کہیں زیادہ تھی جو اس سے پہلے رومن جرنیل اورلین کے ماتحت تھا اور جسے اٹیلا کے ہاتھوں شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

ادھر ہن قبائل کا بادشاہ اٹیلا ایک سے دوسرے شہر کو فتح کرتا ہوا رومنوں کے دوسرے بڑے شہر کالون کی طرف بڑھا۔ اس وقت تک اورلین بھی نئے لشکر کو لے کر کالون پہنچ چکا تھا اور یہاں وہ اٹیلا کی راہ روک کھڑا ہوا۔ اورلین اب مطمئن اور حوصلہ مند تھا کہ اس بار اسے جو لشکر مہیا کیا گیا تھا۔ ایک تو اس لشکر کی تعداد اٹیلا کے لشکر سے کئی گنا زیادہ تھی جسے دریائے رائن کے کنارے شکست ہوئی تھی۔ اس لئے کہ اس لشکر میں ہن قبائل کا مقابلہ کرنے کے لئے ان ہی جیسے وحشی قبائل شامل تھے۔ جو ہن قبائل کے لوگوں کے جنگی انداز کو جانتے اور سمجھتے تھے۔ لہٰذا اورلین کو امید تھی کہ وہ وحشی قبائل اس کے لئے سود مند ثابت ہو گے اور ان کی مدد سے وہ اٹیلا کو شکست دے کر اس کو اپنی سلطنت سے نکالنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ بہرحال دونوں لشکر کالون شہر کے باہر پھر ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ہوئے۔

حسب سابق اٹیلا نے اپنے لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ وسطی حصہ جو قطری

غور قبیلے پر مشتمل تھا اس میں خود اٹیلا اور اس کا نائب خوش نواز' دائیں طرف سایہ قبیلے کو رکھا گیا تھا اس کی کمانداری اس کا سردار کوساک کر رہا تھا۔ جبکہ بائیں جانب ہن سردار عیوان اور کردم خان کو اپنے اپنے قبیلے کے لشکر کے ساتھ رکھا گیا تھا۔

اٹیلا کے بر خلاف رومنوں کے سپہ سالار اورلین نے اپنے لشکر کو صرف دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ رومنوں پر مشتمل تھا جن کی کمانداری خود رومن جرنیل اورلین کر رہا تھا۔ دوسرا حصہ وحشی سیتھین' گاتھ' گال' فرینک' آلائی اور دیگر قبائل پر مشتمل تھا اور ان کی کمانداری ایک انتہائی خونخوار سردار یوتھارک کر رہا تھا جو سیتھین قبائل سے تھا۔

رومن جرنیل اورلین کو پوری پوری امید تھی کہ کولان کے باہر کھلے میدانوں میں وہ ہن قبائل کو شکست دینے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اس لئے کہ اس کے ساتھ جو وحشی قبائل اسکے لشکر میں شامل تھے وہ ہن قبائل کے حملہ آور ہونے اور ان کے طریقہ جنگ سے خوب واقف تھے اور ماضی میں وہ ان کے ساتھ ہی رہ کر کام کرتے رہے تھے۔ لہٰذا اورلین اپنی فتح کی امید لگانے میں حق بجانب تھا۔

جنگ کی ابتداء کرنے سے پہلے اورلین نے وحشی قبائل کے کماندار یوتھارک پر واضح کر دیا تھا کہ ہن قبائل کے آدھے لشکر پر اورلین حملہ آور ہو گا اور باقی آدھے لشکر پر یوتھارک ضرب لگائے گا۔ دونوں نے مل کر یہ بھی طے کیا تھا کہ شروع میں دونوں اپنے اپنے لشکر کے ساتھ دفاع تک محدود رہیں گے اور جب ہن قبائل ان کے خلاف یلغار کرتے کرتے تھک جائیں گے تو وہ جارحیت پر اتریں گے اور ہن قبائل کو اپنے سامنے سے مار بھگائیں گے۔

اورلین اور یوتھارک دونوں نے چونکہ اپنے آپ کو جنگ کے دوران دفاع تک رکھنے کا فیصلہ کیا تھا لہٰذا ان دونوں نے جنگ کی ابتداء نہیں کی اور خود اٹیلا کو ہی جنگ کی ابتدا کرنی پڑی۔ سب سے پہلے خود اٹیلا اپنے لشکر کے وسطی حصے کو حرکت میں لایا اور غم کا مداوا بننے والی رگوں میں سرایت کر جانے والی دکھ کے نگر کی طرح وہ رومن لشکر پر حملہ آور ہوا تھا۔

اٹیلا کے حملہ آور ہونے کے ساتھ ہی دونوں ہن سردار عیوان اور کردم خان نے

اپنے اپنے حصے کے لشکروں کو حرکت میں لائے اور جس طرح پردیسی سرزمینوں میں یادوں کے سلگتے تیر پیوست ہوتے ہیں اس طرح انہوں نے بھی رومنوں کی اگلی صفوں میں گھسنا شروع کر دیا تھا۔

دائیں جانب سے کوساک اپنے قبیلے کے لشکر کے ساتھ دل کے گوشوں کو ریزہ ریزہ کر دینے والے تقدیر کے کھردرے ہاتھوں کی طرح حرکت میں آیا اور وہ وقت کے حجلہ تاریک میں ہجرت کے اندھے سفر کی طرح وحشی قبائل کے اس لشکر پر حملہ آور ہوا تھا جس کی کمانداری یوتھارک کر رہا تھا۔

ہن قبائل کے اس مجموعی حملے میں طلسمات کی دنیا کی طرح خندہ روی و چشم ساحر کی سی سحر انگیزی تھی۔ رومن اور ان کے اتحادی وحشی قبائل بحر انقلاب میں بے رنگ و نام قصوں اور راز مشیت کی ساگر کی سی گہرائی کی طرح رک رک کر اپنے آپ کو دفاع تک محدود رکھ کر ہن قبائل کے حملوں کو روکے ہوئے تھے۔

اٹیلا نے جب دیکھا کہ رومنوں نے ان کے مقابلے میں اپنے لشکر کو صرف دو ہی حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے تو اس نے بھی اپنی ترتیب بدل لی۔ عیوان اور کردم خان کو اس نے حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے لشکر کے ساتھ رومن جرنیل اورلین کو اپنا ہدف بنائیں جبکہ خود اٹیلا اپنے نائب خوش نواز کے ساتھ حرکت میں آیا اور وہ کوساک کے ساتھ مل گیا اس طرح لشکر کے دونوں حصے وحشی قبائل پر نزول کرنے لگے تھے۔

رومن جرنیل اورلین اور وحشی قبائل کے سالار یوتھارک کا خیال تھا کہ جلد ہی ہن تیز حملے کرتے ہوئے اپنی پوری قوت صرف کر کے تھکاوٹ کا شکار ہوں گے اور پھر وہ جوابی حملے کرتے ہوئے ان کے سارے دم خم نکال دیں گے۔ لیکن ہر کام ان کی امیدوں کے خلاف ہوا۔ اس لئے کہ جوں جوں جنگ طول پکڑتی جا رہی تھی توں توں ہن غول بدروحوں' آسیب و چھلاووں وہموں کے ہجوم اور خناس کے وسوسوں کی طرح اپنے حملوں میں اور زیادہ تیزی خونخواری پیدا کرتے چلے گئے تھے۔

اورلین اور وحشی قبائل کے سپہ سالار یوتھارک نے اندازہ لگا لیا کہ اسی طرح وہ اگر دفاع تک محدود رہے اور ہن قبائل اپنے حملوں میں تیزی پیدا کرتے رہے تو پھر وہ وقت دور نہیں جب متحدہ رومن لشکر کو بدترین شکست ہو گی لہٰذا انہوں نے دفاع

سے نکل کر جارحیت پر اترنے کا فیصلہ کیا۔

یہ فیصلہ ہوتے ہی سب سے پہلے خود رومن جرنیل اورلین بادبانوں میں گرہیں ڈل دینے والی تیز طوفانی آندھیوں اور سوچوں کو زنگ آلود کر دینے والے جذبوں کے تحت جبر و استبداد کی سختیوں کی طرح ہن قبائل پر حملہ آور ہونا شروع ہو گیا تھا۔ دوسری طرف متحدہ وحشی قبائل کا سردار بھی جس کا نام یوتھارک تھا۔ ظالم ہاتھوں والے طوفانوں کی طرح حرکت میں آیا اور ذات کی محرومیوں' نا مہربان گردشوں اور زیست کے ہنگاموں کی قیامت خیزی کی طرح اپنے سامنے آنے والے لشکریوں پر ٹوٹ پڑا تھا۔

رومنوں کے جرنیل اورلین اور وحشی متحدہ لشکر کے قبائل کے سردار یوتھارک نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی۔ ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ وہ کسی نہ کسی طرح ہن قبائل کو پسپا کرنے میں کامیاب ہو جائیں لیکن ان کی ہر کوشش ہر جتن ناکام رہا۔ جوں جوں وہ دونوں سالار ہن قبائل پر تیز حملے کرتے توں توں ہن قبائل کی خونخواری اور مشق بربریت میں اضافہ ہوتا چلا گیا تھا اور وہ پہلے سے بھی زیادہ قیامت خیزی کے ساتھ رومنوں اور دوسرے وحشی قبائل پر حملہ آور ہونے لگے تھے۔ جلد ہی صورتحال یہ نمایاں ہو کے سامنے آئی کہ وحشی ہن قبائل نے رومنوں کے علاوہ گاتھ' سیتھین' گال' فرینک اور آلانی قبائل کے اندر گھس کر جنگ کا ایسا مظاہرہ کیا کہ لمحوں کے اندر انہوں نے اپنے دشمنوں کا قتل عام شروع کر دیا تھا۔

کولون کے باہر کھلے میدانوں میں کچھ دیر تک ہن متحدہ رومن لشکر کا قتل عام کرتے رہے پھر جب رومن جرنیل اورلین اور وحشی قبائل کے سردار یوتھارک نے دیکھا کہ تھوڑی دیر تک مکمل طور پر ان کے لشکریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے تو وہ اپنی شکست تسلیم کرتے ہوئے بچے کھچے لشکر کو لے کر میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

یوں ایک بار پھر کولون کے میدانوں میں اٹیلا کے مقابلے میں رومنوں کے متحدہ لشکر کو بدترین شکست ہوئی۔ رومن اٹیلا کے مقابلے میں بھاگ کھڑے ہوئے جبکہ اٹیلا نے اپنے لشکر کے ساتھ بدترین انداز میں اپنے سامنے شکست اٹھا کر بھاگتے رومنوں کا

تعاقب کیا تھا۔

اس تعاقب میں اٹیلا نے ایسی خونخواری' وحشت' درندگی اور بربریت کا مظاہرہ کیا کہ اپنے آگے آگے بھاگتے ہوئے رومنوں کے علاوہ وحشی گاتھوں' سیتھین فرینک' پرگنڈیوں اور آلانیوں کے علاوہ رومنوں کی اکثریت کو اس نے موت کے گھاٹ اتار دیا رومنوں کا سپہ سالار اورلین اور وحشی متحدہ قبائل کا کماندار یوتھارک اور دونوں کے چھوٹے سالار اٹیلا کے حملوں سے ایسا خوفزدہ ہوئے ان پر ایسی وحشت طاری ہوئی کہ وہ اٹلی کی سرزمین سے نکل کر قسطنطنیہ کی طرف بھاگ گئے تھے۔

اس لئے کہ وہ جانتے تھے اٹلی میں جہاں کہیں وہ پناہ لیں گے اٹیلا اپنے لشکر کے ساتھ ان کا تعاقب کرے گا اور ہر صورت میں سائے کی طرح ان کے پیچھے لگ کر انہیں موت کے گھاٹ اتارے گا۔ قسطنطنیہ پہنچ کر مغربی رومن سلطنت کے سپہ سالار اورلین نے مشرقی رومن سلطنت سے اٹیلا کے خلاف مدد چاہی لیکن انہوں نے اٹیلا کے مقابلے میں کوئی مدد کرنے سے انکار کر دیا۔ اس لئے کہ وہ جانتے تھے اگر اٹیلا کے مقابلے میں انہوں نے مغربی رومن سلطنت کی مدد کی تو اٹیلا مغربی سلطنت کو چھوڑ کر ایک بار پھر مشرقی سلطنت کی طرف آئے گا اور پہلے کی طرح دوبارہ ان کی اینٹ سے اینٹ بجا کے رکھ دے گا۔

اب اٹلی کے اندر کوئی ایسی طاقت نہ رہی تھی جو آندھیوں جیسے منہ زور اور طوفانوں جیسے دراز دست اٹیلا کو روکتی۔ اٹیلا اپنی مرضی سے اپنے سامنے آنے والے ہر شہر کو لوٹ کر آگ لگاتا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے رومن سلطنت کے مرکزی شہر روم کو چھوڑ کر ہر شہر کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ اس کے لشکر کے پاس اس قدر ساز و سامان جمع ہو گیا تھا کہ اٹیلا کے لشکر کا حرکت کرنا انتہائی مشکل اور دوبھر ہو کے رہ گیا تھا۔

اٹلی پر ان حملوں کے دوران اٹیلا اور اس کے لشکریوں کے ہاتھ اس قدر ساز و سامان اور مال و دولت لگا جس کی گنت اور شمار تک نہ کیا جا سکتا تھا پھر ان سارے اموال و جانور اور دوسرے سامان کو سمیٹتا ہوا اٹیلا اپنے لشکر کے ساتھ پلٹا اور دریائے ڈینیوب کے اس پار جا کے اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن ہوا تھا۔

اسی پڑاؤ کے دوران ایک روز اٹیلا کی حسین و جمیل بیٹی جو نینا کوساک کے خیمے کے دروازے پر آئی اس نے دیکھا اس وقت خیمے میں کوساک کے علاوہ لشکر کا شامان اور سابیر قبیلے کے کچھ چھوٹے سالار بیٹھے ہوئے تھے شاید وہ کسی اہم موضوع پر گفتگو کرنے والے تھے۔ جو نینا نے ایک بار اندر جھانکا اور صورتحال دیکھتے ہوئے اس نے واپس چلے جانا چاہا۔ اس پر کوساک نے اسے آواز دے کر بلایا۔ جو نینا پلٹی دوبارہ وہ دروازے کے سامنے آئی اسے دیکھتے ہی کوساک کھڑا ہو گیا۔ کہنے لگا۔ جو نینا تم واپس کیوں لوٹ گئیں۔ خیمے کے اندر آؤ تم کیا کہنا چاہتی ہو۔ جو نینا اندر آئی اور اپنی شیریں اور قند بھری آواز میں کہنے لگی۔

آپ شاید اپنے چھوٹے سالاروں اور شامان کے ساتھ کسی اہم موضوع پر گفتگو کرنا چاہتے تھے۔ لہٰذا میں لوٹ گئی۔ آپ گفتگو کر لیں میں بعد میں آ جاؤں گی۔ اس پر کوساک بڑی خندہ پیشانی اور چاہت میں بولا جو بھی ہم گفتگو کرنا چاہتے ہیں اس کا تم سے کوئی پردہ نہیں۔ دیکھ جو نینا اب کسی بھی موضوع پر کسی بھی سلسلے میں تم سے کوئی رازداری نہیں برتی جا سکتی تم بیٹھو۔ جو گفتگو ہم کرنے والے ہیں وہ تمہاری موجودگی میں ہی کریں گے۔

کوساک کی یہ گفتگو سن کر جو نینا خوش ہو گئی تھی پھر وہ آگے بڑھی اور کوساک کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر خیمے میں کاٹ کھانے والی خاموشی رہی اس کے بعد کوساک بولا اور اپنے سامنے بیٹھے اپنے سالاروں اور قبائل کے شامان کو مخاطب کر کے کہنے لگا میرے بزرگ شامان کیا پاؤں کے وہ نشانات جو تم نے کوہستانی سلسلے سے حاصل کئے تھے اور جنہیں تم نے پکا کر محفوظ کر لیا تھا۔ انہیں تم نے اپنے خیمے میں احتیاط اور حفاظت سے رکھ دیا ہے اس پر شامان بولا اور کہنے لگا۔ میں نے ان کی حفاظت کا خوب سامان کیا ہے۔ سردار کوساک ان سے متعلق تم فکرمند مت ہو۔

شامان کا یہ جواب سن کر کوساک تھوڑی دیر تک خاموش رہا اس کے بعد وہ اپنے سالاروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ سنو میرے عزیزو میرے بھائیو! آج سے نہیں بلکہ ابھی تھوڑی دیر بعد تک پورے لشکر میں پھیل جاؤ اور ہر جگہ یہ بات مشہور کر دو کہ شامان نے سابیر قبیلے کے نوجوان سوبار اور اپنی بیٹی زریون کے قاتلوں کے جو پاؤں کے

نشان پکا کر محفوظ کر لئے تھے ان کی مدد سے شامان دو تین روز تک قاتلوں کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائے گا اور پھر ان قاتلوں کا سر قلم کرنے کے لئے اٹیلا کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اس پر شامان بولا اور پوچھنے لگا۔

دیکھ سردار کوساک ایسا کرنے سے کیا ہو گا زیادہ سے زیادہ یہ کہ جن لوگوں نے قتل کیا ہے اور جن لوگوں کے پاؤں کے نشان میرے پاس محفوظ ہیں وہ محتاط ہو جائیں گے اس پر کوساک بولا اور کہنے لگا نہیں بزرگ شامان بات یہیں تک ختم نہیں ہو جائے گی بلکہ جہاں تک میرا خیال ہے وہ چوری چھپے تمہارے خیمے میں داخل ہو کر اپنے پاؤں کے نشانات کو چرا لے جانے کی کوشش کریں گے تاکہ ان پاؤں کے نشانات سے وہ پہچانے نہ جا سکیں۔ میں آج ہی تمہارے خیمے کے اردگرد خفیہ پہرہ لگا دوں گا جو کوئی بھی خیمے میں داخل ہو کر ان نشانات کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا اسے گرفتار کر لیا جائے گا اور جو گرفتار ہو گا اس سے ہمیں بڑی آسانی سے پتہ چل جائے گا کہ میرے قبیلے کے جوانوں ،شگاک' سوبار کے علاوہ تمہاری بیٹی زریون کے قاتل کون ہیں۔

کوساک کے ان الفاظ سے جو نینا اور شامان ہی نہیں بلکہ کوساک کے سارے سالاروں کے چہرے پر بھی اطمینان اور خوشی بکھر گئی تھی۔ اس موقع پر شامان کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اس سے پہلے ہی حسین و جمیل جو نینا بول پڑی اور کوساک کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

میں آپ کی اس تدبیر اور پیش بندی کی داد دیتی ہوں مجھے امید ہے کہ اگر یہ طریقہ کار کامیاب رہا تو ہم ہر صورت میں زریون کے علاوہ آپ کے قبیلے کے جوانوں کے قاتلوں کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ایک بار قاتل ہمارے ہاتھ لگ جائیں پھر دیکھیں خاقان ان کی کیا حالت کرتا ہے۔

یہاں تک کہنے کے بعد جو نینا جب خاموش ہوئی تو کوساک بولا اور کہنے لگا۔ تم سب لوگ جاؤ اور اپنے اپنے کام کی ابتداء کر دو اس کے ساتھ ہی شامان کے ... سابیر قبیلے کے سالار بھی کوساک کے خیمے سے نکل گئے تھے جبکہ کوساک اور جو نینا دونوں اکٹھے بیٹھ کر باہم گفتگو کرنے لگے تھے۔

○

سورج غروب ہونے کے بعد جب فضاؤں میں اندھیرا پھیل کر خوب گہرا ہوا اس وقت کردم خان اپنے خیمے میں اکیلا ہی تھا۔ تکائی بڑا گھبرایا ہوا اور پریشان تھا۔ اس کی حالت دیکھتے ہوئے کردم خان نے بڑی فکرمندی سے پوچھا تکائی کیا بات ہے تم پریشان کیوں ہو اس پر تکائی آگے بڑھ کر کردم خان کے پاس بیٹھ گیا اور بکھری بکھری سی آواز میں کہنے لگا۔

سردار کردم خان لگتا ہے ہمارے لئے ایک اور مصیبت کھڑی ہونے والی ہے اس پر کردم خان نے بڑی فکرمندی سے کہا۔ پہیلیاں مت بجھواؤ جو کچھ کہنا ہے صاف صاف اور تفصیل کے ساتھ کہو۔ جواب میں تکائی پھر بولا اور کہنے لگا۔

دیکھ سردار کردم خان لشکر کے شامان نے اعلان کر دیا ہے کہ اس نے جو قاتلوں کے پاؤں کے نشان پکا کر محفوظ کر لئے تھے ان کی مدد سے وہ دو تین دن تک قاتلوں کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ شامان کا دعویٰ ہے کہ دو تین دن تک وہ قاتلوں کو پکڑ کر اٹیلا کے سامنے پیش کر دے گا اور اگر قاتل اٹیلا کے سامنے پیش ہو گئے تو پھر سردار کردم خان ان کی گردن کے ساتھ سورہ میری بھی گردن کاٹ دی جائے گی اور آپ پر بھی حرف گیری ہو گی لہٰذا اس کا کوئی حل تلاش کرنا چاہئے۔

تھوڑی دیر کی سوچ و بچار کے بعد کردم خان کے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر وہ بڑے اطمینان آمیز انداز میں تکائی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ دیکھ تکائی اس کا حل کوئی مشکل تو نہیں ہے۔ اس تباہی اور آنے والی بربادی سے بچنے کے لئے بس ایک ہی ترکیب ہے کہ شامان کے خیمے سے پاؤں کے ان نشانات کو ضائع کر دیا جائے۔ ان نشانات کو شامان کے خیمے سے چرا کر توڑ پھوڑ دیا جائے اس طرح نہ بانس رہے گا نہ بانسری بجے گی۔ پاؤں کے نشانات کے ختم ہو جانے کے بعد شامان کسی بھی صورت قاتلوں کو تلاش نہیں کر سکے گا۔

دیکھ تکائی اب تو جا اور عانیو اور سمورا دونوں کو بلا کے میرے خیمے میں لا۔ تکائی نے جواب میں کچھ نہ کہا بس چپ چاپ وہ اٹھا اور بھاگتا ہوا خیمے سے نکل گیا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد تکائی لوٹا دوبارہ کردم خان کے خیمے میں داخل ہوا۔ اس کے ساتھ دونوں قاتل عانیو اور سمورا بھی تھے۔ کردم خان کے اشارے پر تینوں کردم خان کے ساتھ بیٹھ گئے۔ پھر کردم خان بولا اور انتہائی رازداری میں عانیو اور سمورا کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

دیکھ عانیو اور سمورا۔ کیا تم نے لشکر میں اٹھنے والی خبروں کو سنا ہے کہ شامان دو تین دن تک پاؤں کے نشانات کی مدد سے قاتلوں کو تلاش کر کے اٹیلا کے سامنے پیش کر دے گا اس پر سمورا بولا اور کہنے لگا ہاں۔ سردار کردم خان ہم نے بھی یہ خبر سنی ہے اور تب سے میں اور عانیو دونوں فکرمند اور پریشان ہیں۔ اس پر کردم خان بولا اور کہنے لگا۔

فکرمند اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم دونوں آج ہی حرکت میں آؤ۔ دیکھ تکائی تو اپنے کسی جاننے والے اپنے کسی دوست سے کہنا کہ وہ جھوٹ موٹ کا بیمار بن جائے یا اپنے پیٹ میں تکلیف کا اظہار کر دے پھر تم لشکر کے شامان کو اس کے خیمے سے بلا کر اپنے بیمار بننے والے ساتھی کے پاس لے جانا۔ اس کی غیر موجودگی میں سمورا اور عانیو دونوں حرکت میں آئیں گے اور شامان کے خیمے سے پاؤں کے پکے ہوئے نشانات تلاش کر کے لے جائیں گے اور انہیں توڑ کر پھینک دیں گے۔ تم سب کی خوش قسمتی کہ شامان کے خیمے سے نکلنے کے بعد وہاں کوئی نہ ہو گا کیونکہ اس کی بیٹی پہلے ہی مر گئی ہے۔ لہٰذا یہ کام اب پہلے کی نسبت زیادہ آسان ہو گیا ہے۔

یہاں تک کہتے کہتے کردم خان اچانک رک گیا وہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اس کے خیمے میں رومن شہزادی حنوریا داخل ہوئی تھی اس کے ساتھ اس کے کچھ محافظ بھی تھے۔ حنوریا کو غیر متوقع طور پر رات کی تاریکی میں اپنے خیمے میں دیکھ کر کردم خان ہکا بکا رہ گیا تھا۔ وہ اس کی آمد پر خوش بھی تھا پھر وہ ایک دم بولا اور تکائی کو مخاطب کر کے کہنے لگا اب تم سب جاؤ جس طرح میں نے کہا ہے ایسا ہی کرو۔ اس پر تکائی، عانیو اور سمورا کردم خان کے خیمے سے نکل گئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد رومن حسین و جمیل شہزادی جو اپنے چہرے کو ڈھانپے ہوئے تھی اس نے چہرے سے نقاب ہٹا دیا پھر وہ آگے بڑھ کر کردم خان کے پاس بیٹھ گئی تھی۔ اس کے محافظ بھی اردگرد بیٹھ گئے تھے پھر کردم خان اور شہزادی حنوریا آپس میں بڑی رازدارانہ گفتگو کرنے لگے تھے۔

رات بڑی تیزی سے بھاگتی جا رہی تھی۔ اٹیلا اپنے شاہی خیمے میں اکیلا بیٹھا تھا کہ خیمے کا ایک محافظ اندر آیا اور اٹیلا کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ خاقان۔ رومن شہزادی حنوریا آپ سے ملنا چاہتی ہے اپنے پہریدار کے ان الفاظ سے اٹیلا ایک طرح سے اپنی جگہ اچھل پڑا تھا۔ پھر اس نے عجیب طرح سے اس پہریدار کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ رومن شہزادی حنوریا یہاں کیسے۔ اس پر پہریدار بے بسی میں کہنے لگا۔

دیکھ خاقان میں یہ تو نہیں جانتا کہ وہ یہاں کیسے اور کس طرح آئی۔ لیکن وہ آپ کے خیمے سے باہر کھڑی ہے اور آپ سے ملاقات کے لئے منتظر ہے۔ اس کے ساتھ اس کے کچھ مسلح ساتھی بھی ہیں جن کے ساتھ اس نے روم سے یہاں تک سفر کیا ہے۔ اس پر اٹیلا بولا اور کہنے لگا۔

حنوریا کو اندر بھیجو لیکن اس کے ساتھیوں کو باہر ہی روکے رکھو۔ میں اس سے بات کرتا ہوں۔ کہ وہ کیوں آئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی پہریدار چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد حنوریا داخل ہوئی اسے دیکھتے ہی اٹیلا دنگ رہ گیا تھا۔ حنوریا شب خوابی کا باریک جالی کا لباس پہنے ہوئے تھی اور خیمے میں جلتی ہوئی بڑی بڑی تیز مشعلوں کی روشنی میں وہ خیمے کے اندر داخل ہوتے یوں لگ رہی تھی جیسے زیست کے قیامت خیز ہنگامے اور اندھے جنگل کے اندر جگنو لہرا اٹھے ہوں۔ وہ کلیوں کی گنگناہٹ' پتوں کی سرسراہٹ کی طرح خیمے میں داخل ہوئی اور اٹیلا کے سامنے آن کھڑی ہوئی تھی۔ اٹیلا نے اس کی طرف غور سے دیکھا۔ باریک جالی کے لباس میں طلسمات کی کہانیوں جیسا اس کا گلابی جسم' لالہ سحر جیسی اس کی خوبصورت معجزات و عجائبات جیسا اس کا جمال۔ بڑی بڑی زہد شکن جھلکیاں دے رہا تھا۔ اٹیلا کے سامنے کھڑی حنوریا شاید اٹیلا کو اپنی طرف راغب کرنے کے لئے بار بار سحر خیز چاندنی' رقص کرتی شمع کی لو اور الاؤ کے اٹھتے شعلوں کی طرح اپنے جسم کو بل دیتے ہوئے اپنے اعضاء جوارے کو اٹیلا کے سامنے خوب نمایاں کر رہی تھی۔ اس وقت رات کی تاریکی اور کمرے میں جلتی ہوئی شمعوں کی روشنی میں وہ اٹیلا کے سامنے محبت کے ریشم پر لکھے ناشنیدہ نغموں کی طرح لگ رہی تھی۔

اٹیلا تھوڑی دیر اسے بڑے عجیب اور سحر خیز سے انداز میں دیکھتا رہا پھر وہ بولا اور

حنوریا کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔

کیا مجھے اپنی بصارت پر اعتبار نہیں رہا۔ یا یہ کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ شہزادی حنوریا اس وقت واقعی میرے خیمے میں کھڑی ہے۔ اس پر حنوریا حرکت میں آئی اور بے خواب راتوں میں سنہری گھنٹیوں' دل کے معبد کے نغمے اور کسی صومعہ کے ناقوس کی طرح وہ بولی اور اٹیلا کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

دیکھ خاقان یہ آپ کی نظر کا فریب نہیں ہے بلکہ حقیقت میں میں رومن شہزادی آپ کے خیمے میں موجود ہوں۔ آپ مجھے اچھی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں اس لئے کہ میں پہلے بھی ایک بار آپ کی خدمت میں حاضر ہو چکی ہوں۔ مجھے انتہائی دکھ اور افسوس ہے کہ آپ نے مجھ سے شادی کی جو شرط پیش کی تھی اسے رومن حکمرانوں نے ماننے سے انکار کر دیا تھا اور اس کے نتیجے میں انہیں آپ کے حملوں کی وجہ سے ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ اب میں رومن حکمرانوں کے بھیجنے پر نہیں بلکہ خود اپنی مرضی سے اپنے محافظوں کے ساتھ آپ کے پاس آئی ہوں حنوریا یہیں تک کہنے پائی تھی کہ اٹیلا بیچ میں بول پڑا اور پوچھنے لگا۔

دیکھ حنوریا۔ میں تمہارے یہاں آنے کی وجہ پوچھ سکتا ہوں۔ اس پر حنوریا پھر اپنے گلابی جسم کو بل دیتے ہوئے کہنے لگی۔ خاقان میں اپنی مرضی سے آپ کے پاس آئی ہوں اور اپنے آپ کو آپ کے حرم میں داخل کرنا چاہتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ اپنی باقی زندگی آپ کی خدمت گزار بیوی کی حیثیت سے گزار دوں۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ آپ میری محبت میری چاہت میری رفاقت اور سنگت پر ہمیشہ فخر کریں گے۔ حنوریا کی اس پیشکش پر اٹیلا کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس نے تالی بجائی۔ خیمے میں اس کا ایک محافظ اندر داخل ہوا۔ اسے دیکھتے ہی اٹیلا کہنے لگا اپنے کسی پہریدار کو بھیجو۔ وہ قبائل کے سارے سرداروں کو اسی وقت میرے پاس بلا کر لائے۔ اٹیلا کا یہ حکم سنتے ہی وہ محافظ باہر نکل گیا تھا۔

اس کے محافظ کے جانے کے بعد اٹیلا نے ہاتھ کے اشارے سے حنوریا کو اپنے پہلو میں بیٹھنے کو کہا۔ حنوریا کے لبوں پر گہری اور ستم برپا کر دینے والی مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر وہ آگے بڑھی اور اپنے جالی دار لباس کو سمیٹتی ہوئی اٹیلا کے پہلو میں بیٹھ گئی

تھی۔ تھوڑی دیر بعد ہن قبائل کے سردار خیمے میں داخل ہونا شروع ہوئے سب سے پہلے خوش نواز آیا۔ اس کے بعد کردم خان اور بعد میں کوساک اور عیوان دونوں اکٹھے خیمے میں داخل ہوئے تھے۔

جب سارے سردار اٹیلا کے سامنے بیٹھ گئے تب اٹیلا بولا اور پوچھنے لگا۔ میرے ساتھیو۔ میرے عزیزو۔ میرے پاس اس وقت رومن شہزادی حنوریا بیٹھی ہے جسے تم سب لوگ جانتے اور پہچانتے ہو۔ یہ اپنے کچھ محافظوں کے ساتھ میرے پاس آئی ہے اور میرے حرم میں داخل ہونا چاہتی ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ میں اس سے شادی کروں اور اسے اپنی بیوی بنا کر رکھوں۔ یہ یقین دلاتی ہے کہ ساری عمر یہ میری خدمت کو اپنے لئے فخر جانے گی۔ میں آج ہی اس سے شادی کر رہا ہوں کیا تم میں سے کسی کو اعتراض ہے۔ اگر ہو تو اٹھ کر بولے۔ اس پر سارے سرداروں نے ایک بار سوالیہ انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر وہ باہر صلاح و مشورہ کرنے لگے۔ اس کے بعد ان سب کی نمایندگی کرتے ہوئے خوش نواز اپنی جگہ سے اٹھا اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

دیکھ خاقان۔ اگر آپ رومن شہزادی حنوریا سے شادی کرتے ہیں تو یہ یقیناً" ہمارے لئے فخر اور خوشی کی بات ہے کہ آپ رومن شہزادی کو اپنے حرم میں داخل کر رہے ہیں اور ہمیں اس حنوریا کی ذات پر بھی فخر ہے کہ یہ آپ سے آپ آپ کے حرم میں داخل ہونے کے لئے یہاں پہنچ گئی ہے۔ خوش نواز کا یہ جواب سن کر اٹیلا خوش ہو گیا تھا۔ پھر کہنے لگا۔

اگر یہ بات ہے اور اس معاملے میں مجھے تم سب سرداروں کی بھی تائید ہے تو پھر میں آج ہی اس سے شادی کر رہا ہوں۔ اٹیلا کے اس فیصلے کی سارے سرداروں نے تائید کی۔ اس کے بعد اسی وقت اٹیلا اور حنوریا کو ازدواجی بندھن میں باندھ دیا گیا پھر سارے سردار اٹیلا کے خیمے سے نکل گئے تھے۔

○

رات تیزی سے بھاگتی جا رہی تھی۔ کردم خان کے خیمے میں طے ہونے والی سازش کے مطابق تکائی لشکر کے شامان کو اپنے دوست کی بیماری کا بہانہ کر کے اس

کے خیمے سے اپنے قبیلے کی طرف لے گیا۔ جوں ہی تکائی شامان کو لے کر گیا۔ شامان کے خیمے مین عانیو اور سمورا دونوں داخل ہو گئے اور خیمے میں جلتی ہوئی چھوٹی سی مشعل کی روشنی میں وہ بڑی تیزی کے ساتھ شامان کے خیمے کی ایک ایک چیز کی تلاشی لینے لگے تھے۔

تلاشی کا یہ سلسلہ ابھی جاری ہی تھا کہ خیمے کے دروازے پر کچھ مسلح جوان نمودار ہوئے پھر ان میں سے ایک للکارتے ہوئے قہر بھری آواز میں کہنے لگا۔ تم دونوں کی جد و جہد اور کوشش تمام ہوئی۔ اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو۔ اگر تم دونوں نے بھاگنے کی کوشش کی تو مفت میں ہمارے ہاتھوں مارے جاؤ گے۔

اس صورتحال پر عانیو اور سمورا دونوں نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا یہاں سابیر قبیلے کے مسلح جوانوں کو دیکھ کر وہ بدحواس ہو گئے تھے پھر وہ بدکے اور خیمے کے دوسرے دروازے کے ذریعے سے انہوں نے بھاگ نکلنا چاہا لیکن وہ مزید دنگ رہ گئے اس لئے کہ خیمے کے اس دروازے پر بھی مسلح جوان کھڑے تھے اب کسی بھی سمت بھاگ نہ سکتے تھے اس لمحہ ان کی بے بسی دیکھنے کے قابل تھی۔ دونوں نے اپنی تلواریں کھینچ لی تھیں عین اسی وقت دونوں دروازوں سے کچھ مسلح جوان اپنی تلواریں لہراتے ہوئے خیمے میں داخل ہوئے پھر ایک مسلح جوان کڑکتی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔

سنو عانیو اور سمورا۔ اپنی تلواریں پھینک دو۔ ورنہ یاد رکھنا ہم تمہاری ہی تلواروں سے تم دونوں کے حلقوں کاٹ کر رکھ دیں گے۔ سمورا اور عانیو ایسے وحشت زدہ ہوئے کہ انہوں نے فوراً" اپنی تلواریں پھینک دیں اور ان مسلح جوانوں نے آگے بڑھ کر دونوں کے ہاتھ ان کی پشت پر باندھ دیئے تھے۔

عین اسی وقت سابیر قبیلے کا سردار کوساک اس خیمے میں داخل ہوا۔ وہ اپنے قبیلے کے ان جوانوں کی کارگزاری پر بے حد خوش ہوا۔ جنہیں اس نے شامان کے خیمے کی حفاظت پر مامور کیا تھا۔ پہلے اس نے سمورا اور عانیو کو بڑے غور سے دیکھا۔ پھر وہ کہنے لگا بس مجھے ان دونوں ہی کا انتظار تھا۔ ان دونوں کے ہاتھ اچھا ہوا تم نے پشت پر باندھ دیئے ہیں۔ اب ان دونوں کے منہ پر کپڑے کس کر باندھ دو اور انہیں اپنے بڑے ان چھکڑوں میں سے ایک کے اندر بند کر دو جس کے اوپر اطراف میں لوہے

کے مضبوط تالے لگے ہوئے ہیں۔ وہ چھکڑا ان دونوں کے لئے زندان کا کام دے گا جب تک میں ان کے متعلق اٹیلا سے فیصلہ حاصل نہیں کر لیتا اسی چھکڑا نما زندان میں بند رہیں گے۔ سنو۔ ان دونوں کو تھوڑی دیر تک یہیں رکھو میں ابھی آتا ہوں۔ اس کے ساتھ کوساک بڑی تیزی سے خیمے سے نکل گیا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد کوساک خوش نواز کے خیمے کے سامنے نمودار ہوا۔ خیمے کے باہر پہرہ دینے والے محافظ نے کوساک کو دیکھتے ہی تعظیماً" اپنا سر جھکا دیا اور خیمے سے ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ کوساک بڑی تیزی سے اندر داخل ہوا اندر خوش نواز ابھی جاگ رہا تھا اور آگ کی انگیٹھی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ کوساک اس کے قریب گیا تھوڑی دیر تک اس نے خوش نواز کے کانوں میں سرگوشی کی جسے سن کر خوش نواز کا چہرہ غصے اور غضبناکی میں تپ گیا تھا۔ پھر وہ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور کوساک کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

کوساک میرے بھائی۔ میں ابھی اور اسی وقت تمہارے ساتھ چلتا ہوں تم نے یہ بہت اچھا کیا ورنہ کل کو یہ لوگ ہمارے لئے زیادہ نقصان کا باعث بن سکتے تھے۔ اس پر کوساک بولا اور کہنے لگا۔

خوش نواز میرے بھائی مجھے یہ خبر اٹیلا کو دینی چاہئے تھی لیکن ابھی تھوڑی دیر پہلے اس نے رومن شہزادی حوریا سے شادی کی ہے اور اس وقت وہ اپنی نئی نویلی بیوی کے ساتھ ہو گا لہٰذا میں اسے زحمت نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس پر خوش نواز خوش ہوتے ہوئے کہنے لگا۔

دیکھ کوساک میرے بھائی۔ میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم نے مجھے اسقدر اہمیت دی۔ یاد رکھو قبائل کے اندر جو بھی مجرم ہیں انہیں سزا دینے میں میں پورا پورا تمہارا ساتھ دوں گا اس کے ساتھ ہی خوش نواز اور کوساک بڑی تیزی سے خیمے سے نکل گئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد خوش نواز اور کوساک شامان کے خیمے میں داخل ہوئے۔ کوساک کے قبیلے کے جوان ابھی تک عانیو اور سمورا کو گھیرے ہوئے تھے۔ کوساک اور خوش نواز ان دونوں کے سامنے آن کھڑے ہوئے خوش نواز تھوڑی دیر تک انہیں بڑی قہرانی سے گھورتا رہا۔ پھر خوش نواز نے کوساک کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا

شروع کیا۔

کوساک میرے بھائی میری موجودگی میں ان سے پوچھو تم کیا پوچھنا چاہتے ہو۔ اگر انہوں نے غلط بیانی سے کام لیا تو میں تمہارے قبیلے کے ان جوانوں کو حکم دوں گا کہ کلہاڑے پکڑ لیں ان دونوں کو خیمے میں لٹا دیں اور ان کا ایک ایک اعضاء کاٹ کر ان سے سچی بات اگلوانے کی کوشش کریں۔

خوش نواز کی یہ گفتگو اور اس کے زہریلے الفاظ سن کر عانیو اور سمورا دونوں چونک سے پڑے تھے۔ پھر سمورا بڑی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے خوش نواز سے کہنے لگا۔ آپ ہم سے پوچھیں کیا پوچھتے ہیں میں اور میرا ساتھی جھوٹ نہیں بولیں گے۔ اس پر کوساک بولا اور پوچھنے لگا۔

تمہیں شامان کے خیمے سے قاتلوں کے پاؤں کے نشانات چوری کرنے کے لئے کس نے مامور کیا تھا۔ اس پر سمورا اور عانیو نے لمحہ بھر کے لئے ایک دوسرے کی طرف دیکھا ان کے تردد کو دیکھتے ہوئے خوش نواز دھاڑتی ہوئی آواز میں بولا جلدی بولو ورنہ یاد رکھو تم لوگوں کے جسموں کے ساتھ کلہاڑے ایسے حرکت میں آئیں گے کہ تمہارا ایک ایک عضو کاٹ کر میں علیحدہ کروا دوں گا۔ اس پر سمورا فوراً" بول پڑا۔

یہ کام ہمیں کیدار قبیلے کے تکائی نے کرنے کے لئے کہا تھا۔ اس پر کوساک پھر بولا اور پوچھنے لگا۔ دیکھ جھوٹ مت بولنا سچ کہنا۔ ورنہ میں تم دونوں کو یہیں کاٹ کر رکھ دوں گا۔ یہ بتاؤ کہ میرے قبیلے کے نوجوان سوبار اور شامان کی بیٹی زریون کو کس نے قتل کیا تھا۔ اس پر سمورا اور عانیو نے پھر ایک دوسرے کی طرف بڑی بے بسی سے دیکھا اور اس بار عانیو بڑی لاچارگی میں کہنے لگا۔ دیکھ سابیر قبیلے کے سردار، شامان کی بیٹی زریون اور آپ کے قبیلے کے جوان سوبار کو ہم دونوں ہی نے قتل کیا تھا اور یہ قتل ہم نے تکائی کے کہنے پر کیا تھا۔ تکائی نے اس کے لئے ہمیں معقول معاوضہ دیا تھا۔ یہ کام سونپنے سے پہلے تکائی ہمیں اپنے سردار کروم خان کے خیمے میں لے گیا تھا اور وہیں یہ سارا معاملہ طے ہوا تھا۔ کروم خان خود اس سازش میں شریک ہے۔ کوساک تھوڑی دیر خاموش رہ کر کچھ سوچتا رہا اس کے بعد وہ دوبارہ بولا اور پوچھنے لگا۔

کیا تم دونوں بتا سکتے ہو کہ کیداری قبیلے کے تکائی اور میرے قبیلے کے سوبار کی دشمنی تھی۔ کیوں تکائی نے تم دونوں کو سوبار کو قتل کرنے کے لئے کہا اور یہ زریون کے ساتھ تمہاری کیا دشمنی تھی۔ اس پر سوبار پھر بولا اور کہنے لگا۔

دیکھ سردار کوساک' شامان کی بیٹی زریون سے ہماری کوئی دشمنی نہیں۔ وہ چاری بس غلط فہمی میں ہی ہمارے ہاتھوں ماری گئی۔ اصل میں ہم نے سوبار کو اس کے خیمے میں گلا گھونٹ کر ختم کر دیا تھا پھر ہم نے اسے ایک بورے میں بند کیا تو جس جگہ لشکر نے پڑاؤ کیا تھا اس کے قریب کو ہستانی ٹیلے کے اوپر چڑھ کر ہم نے اس کی لاش کو نیچے پھینک دیا تھا۔ ایسا کرتے ہوئے ہم نے اطراف کا جائزہ نہیں لیا تو ہماری بدقسمتی کہ جہاں ہم دونوں نے سوبار کی لاش کو پھینکا وہاں قریب ہی رفع حاجت کے لئے زریون بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے چاندنی رات میں ہم دونوں کو دیکھ لیا۔ ہمیں خدشہ تھا کہ اگر وہ ہمیں پہچان گئی تو اٹیلا سے ہماری شکایت کرے گی اور اٹیلا ہماری گردنیں کاٹ دے گا لہٰذا ہم نے اپنے بچاؤ کے لئے زریون کو بھی قتل کر دیا اس پر کوساک پھر بولا اور پوچھنے لگا۔

تم نے میرے سوال کا صحیح جواب نہیں دیا۔ چلو زریون تو تمہارے ہاتھوں یوں ہی بیچ میں آکر ماری گئی لیکن تم نے یہ نہیں بتایا کہ تکائی کی سوبار کے ساتھ کیا دشمنی تھی۔ سمورا فوراً" بولا اور کہنے لگا۔ تکائی کی سوبار کے ساتھ بالکل کوئی دشمنی نہ تھی۔ کوساک نے پھر اس کی طرف گھورتے ہوئے پوچھا کہ پھر تکائی کے کہنے پر تم نے سوبار کو کیوں قتل کیا۔ تکائی کیوں اسے قتل کرانا چاہتا تھا۔ اسے اس سے کیا دشمنی اور عداوت تھی۔ اس پر سمورا بولا اور کہنے لگا۔ دیکھ سردار کوساک میں تمہیں اصل حالات سناتا ہوں آپ کے قبیلے کا ایک شخص .شکاک تھا۔ اس سے تکائی نے کچھ رقم سود پر لے رکھی تھی۔ .شکاک اس سے رقم کی واپسی کا تقاضہ کرنے لگا جس وقت لشکر دریائے ڈینیوب کی طرف کوچ کر رہا تھا تکائی نے عین اس موقع پر جب .شکاک کا گھوڑا ایک کنارے پر چل رہا تھا .شکاک کو دھکا دے کر اس کے گھوڑے سے گرا دیا۔ .شکاک نیچے پتھروں پر گرا اور ہلاک ہو گیا۔ تکائی کا خیال تھا کہ .شکاک کو اس نے قتل کر کے معاملہ اپنے حق میں کر لیا ہے اس لئے کہ جس وقت اسنے .شکاک کو

دھکا دیا تھا اس وقت وہ دونوں باربرداری کے جانوروں پر سفر کر رہے تھے اور ان کے دائیں بائیں اور کوئی نہ تھا۔ تکائی اپنی جگہ مطمئن تھا لیکن ان کے پیچھے ہی سوبار سفر کر رہا تھا اس نے تکائی کو دھکا دیتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ لہٰذا جب .شکاک کو دفن کر دیا گیا تو سوبار تکائی کے پاس آیا اور اس پر انکشاف کیا کہ اس نے تکائی کو اس وقت دیکھ لیا تھا جب اس نے .شکاک کو دھکا دیا اور .شکاک مر گیا۔

اس پر تکائی بڑا فکرمند ہوا سوبار سے وہ سودے بازی کرنے لگا آخر معاملہ اس بات پر طے ہوا کہ آنے والی جنگوں میں جو کچھ مال تکائی کے حصے میں آئے گا اس کا وہ آدھا حصہ سوبار کو دے گا تب سوبار اس راز کو راز ہی رہنے دے گا اور .شکاک کے قتل کی اصل وجہ کسی پر ظاہر نہ کرے گا تکائی چونکہ اسے اپنے مال کا آدھا حصہ دینے پر رضامند نہ تھا لہٰذا اس نے اس معاملے کو اپنے سردار کردم خان کے سامنے پیش کیا۔ کردم خان نے اس سے تعاون کیا اور کہا کہ جب کوئی مناسب موقع ہو گا سوبار کو قتل کر دیا جائے گا۔ آخر کردم خان نے تکائی کو مشورہ دیا کہ وہ ہم دونوں سے ملے ہمیں معقول رقم دے۔ تاکہ ہم سوبار کو قتل کر دیں۔ اس طرح اپنے سردار کردم خاں کے کہنے پر تکائی نے ہمیں معقول رقم دی جس کی بناء پر ہم نے سوبار کو قتل کر دیا اور اب کردم خان اور تکائی ہی کے کہنے پر شامان کے خیمے میں اپنے پاؤں کے نشانات چرانے آئے تھے۔ ہمارے یہاں آنے سے پہلے تکائی نے بھی ہمارے ساتھ تعاون کیا اور اپنے کسی ساتھی کو جھوٹ موٹ کا بیمار بنا کر شامان کو اس لئے علاج کرنے کے لئے بلا کر لے گیا تاکہ شامان کی غیر موجودگی میں ہم اس کے خیمے میں گھس کر اپنے پاؤں کے نشانات تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔

یہاں تک کہنے کے بعد سمورا جب خاموش ہوا تو کوساک نے خوش نواز کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ خوش نواز میرے بھائی میں نے ارادہ کیا ہے کہ میرے قبیلے میں جو چھکڑا نما زندان ہے ان میں سے ایک میں ان دونوں کو بند کر دیا جائے اور صبح یہ معاملہ اٹیلا کے سامنے پیش کیا جائے۔ اس پر خوش نواز بولا اور کہنے لگا۔ ان دونوں ہی کا معاملہ نہیں۔ اب کردم خان کا معاملہ بھی اٹیلا کے سامنے پیش کیا جائے گا اور ہاں کسی نہ کسی طرح تکائی کو بھی اٹھا کر یہاں لاؤ تاکہ ان سارے فسادات کی جڑ

تو یہ تکائی ہے اس نے .شاک کو قتل کیا۔ اسی کے کہنے پر ان دونوں نے تمہارے قبیلے کے جوان سوبار کو موت کے گھاٹ اتارا اور بے گناہ زریون کے خون سے ہاتھ رنگے۔ اس پر کوساک نے وہاں کھڑے اپنے قبیلے کے مسلح جوانوں میں سے تین کو حکم دیا کہ وہ جائیں شامان کو اپنے ساتھ لے کر آئیں اور تکائی کو زبردستی اٹھا لائیں۔ کوساک کا یہ حکم ملتے ہی اس کے قبیلے کے وہ تینوں جوان خیمے سے نکل گئے تھے پھر ایک اور مسلح جوان کی طرف دیکھتے ہوئے کوساک نے کہا جاؤ۔ کوشان قبیلے کے سردار اور میرے بھائی عیوان کو بھی بلا کر لاؤ اور ہاں جو حالات یہاں پیش آ رہے ہیں عیوان کو ان سارے حالات کی تفصیل سے آگاہ کر دینا۔ اس کے ساتھ ہی وہ جوان بھی بھاگتا ہوا خیمے سے نکل گیا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد کوشان قبیلے کا سردار اور کوساک کا ماموں زاد عیوان شامان کے خیمے میں داخل ہوا۔ وہ سارا معاملہ دیکھتے ہوئے دنگ رہ گیا تھا بلا کے لانے والے نے اسے پوری تفصیل بتا دی تھی۔ عیوان مزید کچھ پوچھنا ہی چاہتا تھا کہ اسی وقت کوساک کے بھیجے ہوئے اس کے قبیلے کے تینوں مسلح جوان خیمے میں داخل ہوئے ان کے ساتھ شامان بھی خیمے میں داخل ہوا تھا۔ تینوں مسلح جوان اپنے ہاتھوں میں تکائی کو اٹھائے ہوئے تھے۔ اسے لا کر انہوں نے خوش نواز کے سامنے پھینک دیا تھا۔ تکائی کے ہاتھ انہوں نے کس کر پشت پر باندھے ہوئے تھے۔

جوں ہی تکائی نے خیمے میں خوش نواز' کوساک اور عیوان کو دیکھا وہ دنگ رہ گیا تھا۔ اپنی جگہ سے وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ جوں ہی پشت کی طرف اس کی نظر عانیو اور سمورا پر پڑی ماس کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے تھے۔ اس کا رنگ سورج مکھی ہو کر رہ گیا تھا۔ اس موقع پر خوش نواز بولا اور درندوں کی سی آواز میں دھاڑتے ہوئے اس نے پوچھا۔

دیکھ کیداری قبیلے کے غدار اور فتنہ پرور تکائی۔ کیا تو ان دونوں جوانوں کو جانتا ہے۔ جن کے نام سمورا اور عانیو ہیں۔ جواب میں تکائی منہ سے کچھ نہ بولا تاہم اس نے گردن جھکا لی تھی۔ اس موقع پر خوش نواز حرکت میں آیا اس نے دائیں ہاتھ کا ایسا بھرپور اور زوردار تمانچہ تکائی کے منہ پر مارا کہ تکائی کئی بل کھاتا ہوا زمین پر گر

گیا تھا۔ پھر بالوں سے پکڑ کر خوش نواز نے ایک جھٹکے کے ساتھ تکائی کو اٹھایا اور پوچھا۔

جو کچھ میں پوچھتا ہوں اس کا جواب دو ورنہ یاد رکھو میں اپنا خنجر نکال کر تمہاری شہہ رگ کاٹ دوں گا۔ اس پر تکائی فوراً بولا اور کہنے لگا ہاں میں ان دونوں کو جانتا ہوں۔ خوش نواز نے پھر پوچھا کیا تو نے ہی انہیں سوبار کے قتل پر مامور کیا تھا اور اس کے لئے تو نے کردم خان کے خیمے میں انہیں معقول رقم دینے کا معاہدہ کیا تھا۔ جواب میں پھر تکائی نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ اس پر خوش نواز نے اسکے منہ کے دوسرے حصے پر ایک زوردار تمانچہ مارا اور پھر وہ کوساک کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

کوساک میرے بھائی۔ ان تینوں کو اپنے چھکڑے کے زندانوں میں سے ایک میں بند کر دو اور ان پر کڑا پہرہ لگا دو۔ صبح یہ معاملہ خاقان کے سامنے پیش کریں گے۔ ایسے لوگوں سے ہمارے قبیلے کے اندر فتنہ و فساد کھڑا ہونے کا خدشہ ہے۔ لہٰذا میں خاقان سے کہہ کر صبح ان تینوں کی گردنیں کٹوا دوں گا اور سنو کوساک میرے بھائی۔ فکرمند مت ہونا۔ میں کردم خان کو بھی معاف نہیں کروں گا اسے بھی اس کے کئے کی سزا ضرور ملے گی۔ وہ بے شک کیداری قبیلے کا سردار ہے۔ لیکن مجرم ہے۔ مجرم خواہ لشکر کا سپاہی ہو یا سردار بہرحال اس کے جرم کی سزا اسے ضرور ملنی چاہئے۔ اب تم دونوں بھائی بھی آرام کرو۔ اس کے ساتھ ہی خوش نواز' کوساک اور عیوان شامان کے خیمے سے نکل گئے تھے جبکہ کوساک کے مسلح جوان تکائی' سمورا اور عانیو کو زندان میں بند کرنے کے لئے لے جا رہے تھے۔

دوسرے روز ہن قبائل کے لشکر میں ایک شور ایک قیامت اٹھ کھڑی ہوئی ہر طرف یہ خبر گشت کرنے لگی تھی کہ رومن شہزادی حنوریا نے شادی کے بعد رات جو اٹیلا کے ساتھ رات بسر کی تو رات کو اٹیلا کو ہلاک کر کے وہ فرار ہو گئی اور اس کے ساتھ جو ساتھی تھے وہ بھی فرار ہو چکے تھے۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے لشکر میں پھیل گئی تھی لشکری بھاگ بھاگ کر اٹیلا کے خیمے کی طرف جانے لگے تھے جبکہ قبائل کے سردار بھی اٹیلا کے شاہی خیمے کی طرف بھاگ رہے تھے۔

خوش نواز' کوساک' عیوان اور کردم خان لشکر کے شامان اور کچھ دوسرے

سالاروں کے ساتھ ایک ساتھ اٹیلا کے خیمے میں داخل ہوئے انہوں نے دیکھا خیمے کے وسطی اور بڑے کمرے میں جہاں اٹیلا اپنے سرداروں کا اجلاس طلب کیا کرتا تھا اس میں اٹیلا کی لاش پڑی ہے اور اٹیلا کی حسین و جمیل بیٹی جو فینا اٹیلا کی لاش سے لپٹ کر دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی۔

جب سب سردار اور سالار خیمے میں داخل ہوئے تو جو فینا نے نگاہ اٹھا کر ایک سب کی طرف دیکھا وہ سسکیاں لے رہی تھی اس کے آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ کر دامن کو بھگو رہے تھے۔ اس موقع پر کوساک آگے بڑھا شانوں سے پکڑ کر اس نے جو فینا کو اٹھایا وہ اسے تسلی و تشفی دینا چاہتا تھا کہ اس کے ایسا کرنے سے جو فینا بیچاری مزید پھٹ پڑی اور کوساک سے لپٹ کر وہ بلک بلک کر رونے لگی تھی' قریب ہی کھڑا کردم خان اس کے چہرے پر غصے اور غضبناکی کے تاثرات تھے اور وہ قہرمانی میں ہونٹ کاٹے چلا جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر تک جو فینا کوساک سے لپٹی رہی کوساک اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے تسلی دیتا رہا۔ کوساک کے کہنے پر جو فینا نے اپنے آپ کو سنبھال لیا پھر کوساک نے اس کے کان میں بڑی رازداری میں کہنا شروع کیا۔

دیکھ جو فینا میری بات غور سے سن تیرے باپ کے خلاف سازش کی گئی ہے جن لوگوں نے اسے قتل کیا ہے میں انہیں جانتا ہوں فکر نہ کر میں نے انہیں بھاگنے نہیں دیا۔ کوساک کے اس انکشاف پر جو فینا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ کوساک نے پھر رازداری میں کہا۔ ابھی مجھ سے کچھ مت پوچھنا جو فینا۔ بس عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ تمہارے باپ کے قاتلوں کو عبرت خیز سزا دی جائے گی۔ ابھی تم ایسا کرو کہ صبر سے کام لیتے ہوئے رونا دھونا بند کرو تاکہ ہم اٹیلا کی تدفین کا کام سرانجام دے سکیں۔ کوساک کے کہنے پر جو فینا نے اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔

تھوڑی دیر تک ہن قبائل کے لوگ اپنے خاقان اٹیلا کے مرنے کا سوگ کرتے رہے پھر اٹیلا کی تدفین کر دی گئی۔ تدفین کے فوراً بعد اٹیلا کے شاہی خیمے میں ہن قبائل کے سرداروں کا اجلاس ہوا جس میں متفقہ طور پر خوش نواز کو اٹیلا کی جگہ خاقان مقرر کر دیا گیا تھا۔ یہ سب کام ہونے کے بعد سب سردار اپنے خاقان خوش نواز خان کے خیمے سے نکل گئے خیمے سے تھوڑی دور جا کر جس وقت کردم خان اپنے

خیمے کی طرف چلا گیا تو کوساک رک گیا۔ اپنے ساتھ چلتے ہوئے اپنے ماموں زاد بھائی اور کوشان قبیلے کے سردار عیوان کو بھی اس نے رک جانے کے لئے کہا۔ کوساک کا اشارہ پا کر عیوان رک گیا پھر کوساک بولا اور کہنے لگا۔

دیکھ عیوان میرے بھائی میرے ساتھ آؤ میں خوش نواز سے ایک اہم موضوع پر گفتگو کرنا چاہتا تھا لیکن یہ گفتگو میں کردم خان کی موجودگی میں نہیں کرنا چاہتا تھا لہٰذا تم میرے ساتھ آؤ اس وقت خوش نواز اکیلا ہے لہٰذا میں اس کے ساتھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں تمہارا اس گفتگو میں شامل ہونا انتہائی ضروری ہے یہ گفتگو انتہائی اہم اور دور رس نتائج کی حامل ہو گی۔ کوشان قبیلے کے سردار عیوان نے کچھ بھی نہ کہا اور وہ چپ چاپ کوساک کے ساتھ ہو لیا تھا۔

نئے خاقان خوش نواز کے خیمے کی طرف جانے سے پہلے کوساک اٹیلا کی بیٹی جو فینا کے ذاتی خیمے کے سامنے رک گیا پھر اس نے آواز دے کر جو فینا کو باہر آنے کے لئے کہا۔ پہلی ہی آواز پر جو فینا بھاگتی ہوئی آئی کوساک کو دیکھ کر وہ خوش ہو گئی اور پوچھا آپ نے مجھے بلایا اس پر کوساک بولا اور کہنے لگا ہاں جو فینا میرے ساتھ آؤ میں عیوان کو بھی اپنے ساتھ لایا ہوں میں نے ایک انتہائی اہم موضوع پر خوش نواز سے بات کرنی ہے اور اس گفتگو میں تمہارا ہونا بہت ضروری ہے۔ جواب میں جو فینا بڑی عاجزی بڑے پیار اور محبت میں کہنے لگی آپ جیسا کہیں گے میں ویسا ہی کروں گا چلیں میں آپ کے ساتھ چلتی ہوں یوں جو فینا کوساک کے ساتھ ہو لی تھی۔

تینوں خوش نواز کے خیمے میں داخل ہوئے خیمے کے بڑے کمرے میں خوش نواز ابھی اکیلا ہی بیٹھا ہوا تھا۔ تینوں کو اپنے خیمے میں دیکھ کر چونکا۔ تینوں آگے بڑھے پھر کوساک خوش نواز کے قریب جا کر بولا اور کہنے لگا۔ خاقان میں ایک انتہائی اہم گفتگو آپ سے کرنا چاہتا ہوں اس پر خوش نواز نے بڑی فراخدلی بڑی نرمی میں کوساک کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

دیکھ کوساک میرے بھائی تو جانتا ہے کہ تیرے اور میرے درمیان ایک انتہا درجہ کا اعتماد بھروسہ اور باہمی تعاون ہے پھر تو اس قدر عاجزی سے میرے ساتھ کیوں گفتگو کرتا ہے میں خاقان ہو کے بھی تیرا بڑا بھائی ہوں بس تو مجھے بڑا بھائی ہی سمجھتے ہوئے

جو کچھ کہنا ہے کہہ ڈال اس کے لئے مجھ سے تمہیں اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

کوساک اور عیوان دونوں کا خوش نواز کی اس گفتگو سے حوصلہ بڑھا پھر وہ دونوں جو فینا کے ساتھ خاقان کے سامنے بیٹھ گئے پھر کوساک بولا اور کہنے لگا۔

دیکھ خاقان آپ کے ساتھ گفتگو کرنے سے پہلے اب تک جو واقعات گزرے ہیں میں چاہتا ہوں جو فینا کو بتا دوں تاکہ جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں اسے یہ آسانی سے سمجھ سکے اس پر خوش نواز بولا اور کہنے لگا ہاں یہ بات میں بھی کہنے والا تھا۔ تاکہ جو فینا سے کسی بات کا پردہ اور راز نہ رہے۔ جواب میں کوساک نے بڑی تفصیل کے ساتھ اپنے قبیلے کے دونوں نوجوانوں کے علاوہ زریون کے مارے جانے کے حالات قاتلوں کی گرفتاری اور کردم خان کے اس سے ملوث ہونے کی تفصیل سنا ڈالی تھی۔

یہ ساری تفصیل سننے کے بعد غصے اور غضبناکی میں جو فینا کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا پھر وہ کہنے لگی آپ پہلے مجھے بتائیں کہ قاتل کون ہے جنہوں نے میری بہن زریون و قتل کیا ہے۔ وہ اس قابل ہیں کہ انہیں ابھی اور اسی وقت یہاں بلا کر ان کی گردن کاٹی جائے اس پر کوساک ہلکی سی مسکراہٹ میں کہنے لگا دیکھ جو فینا جذباتی نہ ہو ابھی ہم نے اور بہت سے ملوث لوگوں کو پکڑا ہے لہٰذا جو کچھ ہم کرتے ہیں بس تم اسے دیکھتی جاؤ۔ کوساک کے کہنے پر جو فینا نے اپنے آپ کو سنبھالا اور خاموش ہو گئی تھی۔

جو فینا کے خاموش ہونے کے بعد کوساک بولا اور خوش نواز کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

دیکھ خاقان جو کچھ اب تک ہو چکا ہے اس کے علاوہ میں دو اور سازشوں سے تمہارے سامنے پردے اٹھاتا ہوں۔ اس پر خوش نواز نے عجیب سی جستجو اور پریشانی میں کوساک کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ دیکھ کوساک میرے بھائی تو مزید کن دو سازشوں سے پردہ اٹھانا چاہتا ہے۔ اس پر کوساک بولا اور کہنے لگا۔ دیکھ خاقان پہلی سازش تو اٹیلا کو قتل کرنے سے متعلق ہے اور دوسری پورے قبیلے کے خلاف ایک بغاوت کھڑی کرنے کے متعلق ہے۔ کوساک کے ان انکشافات پر خوش نواز عیوان اور جو فینا تینوں ہی سرسوں اور سورج مکھی کے پھولوں کی طرح پیلے ہو کر رہ گئے تھے قبل اس کے کہ

ان تینوں میں سے کوئی کوساک سے کچھ پوچھتا کوساک پھر بولا اور کہنے لگا۔

دیکھ خاقان جس وقت رومن شہزادی حنوریا اپنے محافظ دستوں کے ساتھ مرنے والے خاقان اٹیلا کے حرم میں داخل ہونے کے لئے آئی تھی تو میرے کچھ مخبروں نے مجھے یہ اطلاع کی تھی کہ خاقان اٹیلا کے پاس آنے سے پہلے حنوریا اپنے محافظوں کے ساتھ کردم خان کے خیمے میں گئی تھی کافی دیر تک وہاں صلاح و مشورہ ہوتا رہا اس کے کافی دیر بعد حنوریا اپنے محافظوں کے ساتھ خاقان اٹیلا کے خیمے کی طرف آئی تھی۔

حنوریا کی اس حرکت سے مجھے کچھ شک ہوا لہٰذا میں نے اپنے قبیلے کے کچھ مسلح جوانوں کو اپنے لشکر کے اردگرد پھیلا دیا تھا تاکہ حنوریا اور اس کے ساتھ ہمارے لشکر میں کوئی تخریب کاری یا سازش کر کے بھاگنے نہ پائیں۔

دیکھ خاقان میرے اندازے درست ثابت ہوئے۔ کاش مجھے یہ خبر ہوتی کہ حنوریا اور اس کے محافظ دستے اٹیلا کو قتل کرنا چاہتے ہیں تو میں پہلے ہی اٹیلا کی حفاظت کا سامان کر لیتا۔ ایسا نہ ہوتا جیسا ہو چکا ہے۔ پر رات کی تاریکی میں اٹیلا کو ختم کرنے کے بعد حنوریا اور اس کے ساتھی جب بھاگنے لگے تو میرے ان دستوں نے جو میں نے لشکر کے اطراف میں مقرر کر رکھے تھے انہیں روکا۔ جواب میں حنوریا کے محافظ دستے کے لوگ میرے مسلح جوانوں کے ساتھ الجھ پڑے جس کے جواب میں سارے رومن محافظ تو مارے گئے لیکن حنوریا کو انہوں نے زندہ گرفتار کر لیا اور اسے دوسرے مجرموں کے ساتھ زندان میں بند کر رکھا ہے۔

دیکھ خاقان رات کی تاریکی میں جب میرے پہریداروں نے رومن شہزادی حنوریا کو گرفتار کیا اور میرے سامنے پیش کیا تو میں نے اس سے پوری تفصیل طلب کی۔ میری جان سے مار دینے کی دھمکی کے جواب میں اس نے پوری تفصیل بتا دی کہ اس سازش میں کردم خان اس کے ساتھ شریک تھا۔ کردم خان نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ اٹیلا کو ختم کر دے تو اٹیلا کی موت کے بعد کردم خان کا خیال تھا کہ وہ جو فینا سے شادی کر لے گا اور مزید فیصلہ اس نے حنوریا پر چھوڑا اس نے حنوریا سے کہا تھا کہ وہ اٹیلا کو قتل کر کے واپس روم چلی جائے اور وہاں بیٹھ کر انتظار کرے پھر جب کردم خان اسے یہ اطلاع دے کہ اٹیلا کی موت کے بعد کردم خان ہن قبائل کا خاقان

بنا دیا گیا ہے تو حنوریا روم سے کردم خان کے پاس آئے اور جو فینا کے ساتھ وہ اسے بھی اپنے حرم میں داخل کر لے گا۔ اسی لئے اٹیلا کو قتل کرنے کے بعد حنوریا اپنے محافظوں کے ساتھ واپس روم بھاگی تھی۔ بہرحال اس کے محافظ مارے گئے اور حنوریا کو زندہ گرفتار کر کے میں نے زندان میں ڈال دیا ہے۔

کوساک کے اس انکشاف پر خوش نواز' عیوان اور جو فینا دنگ رہ گئے تھے اور ان کے چہرے پر غصے اور غضبناکی کے آثار بھی دیکھے جا سکتے تھے قبل اس کے کہ ان تینوں میں سے کوئی کوساک کی گفتگو کے جواب میں کچھ کہتا۔ کوساک پھر بولا اور کہنے لگا۔

دیکھ خاقان یہ تو پہلی سازش ہے جس کا میں نے انکشاف کیا ہے اب میں تمہیں دوسری سازش سے آگاہ کرتا ہوں۔ اس پر تینوں ہمہ تن گوش ہو کر کوساک کو سننے لگے تھے۔ کوساک کہہ رہا تھا۔

دیکھ خاقان آج رات ہی کی تاریکی میں میرے قبیلے کے ان محافظ دستوں نے جنہیں میں نے لشکر کے اطراف میں احتیاطاً" مقرر کیا تھا کردم خان کے قبیلے کے چار ایسے جوانوں کو بھی پکڑا ہے جو کردم خان کا پیغام لے کر ایسینا قبائل کے خاقان کی طرف جا رہے تھے جس میں ایسینا قبائل کے خاقان کو کردم خان نے پیغام بھجوایا تھا کہ وہ اگر اس کا ساتھ دے تو اس کی مدد سے وہ ہن قبائل کا خاقان بن سکتا ہے ایسی صورت میں ایسینا کے خاقان کو سارے متحدہ ہن قبائل کا نائب خاقان بنایا جائے گا اور اسکے علاوہ اس تعاون کے صلہ میں ایسینا(۱) کے خاقان کو بھاری نقدی اور قیمتی جواہرات کی صورت میں خوب معاوضہ بھی دیا جائے گا ان چاروں قاصدوں کو بھی میرے قبیلے کے جوانوں نے پکڑ لیا ان چاروں کو بھی میں نے زندان میں ڈال رکھا ہے۔

یہاں تک کہنے کے بعد کوساک جب خاموش ہوا تو خوش نواز غصے اور قہرانی میں اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور کوساک کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا کوساک میرے بھائی میرے عزیز کردم خان کی طرف سے اب حد ہو گئی ہے اب وقت آ گیا ہے کہ ہم کردم خان کے خلاف حرکت میں آئیں اور اسے اس کی سازش اور غداری کی ہر صورت میں سزا دے کے رہیں۔ اس پر کوساک بولا اور کہنے لگا۔

دیکھ خاقان یوں نہیں اس طرح قبائل کے اندر بغاوت اٹھ کھڑی ہو گی پہلے کردم خان کے قبیلے کے لوگوں کو ہمیں اپنی مٹھی میں لینا ہو گا۔ اس کے بعد کردم خان کے خلاف کاروائی کرنی ہو گی۔ پہلے خاقان تم میرے ساتھ آؤ۔ جن لوگوں کو میں نے زندان میں ڈالا ہے۔ ان سے خود تفصیلات معلوم کرو اس کے بعد میں تمہیں کردم خان سے نپٹنے کا طریقہ بتاتا ہوں۔

کوساک کی اس گفتگو پر خوش نواز مطمئن ہو گیا تھا پھر کوساک' خوش نواز' عیوان اور جو فینا کو لے کر چھکڑوں پر مشتمل اس زندان کی طرف چل دیا تھا جس میں اس نے سازش کرنے والوں کو ڈال رکھا تھا۔

کوساک ان چاروں کو اپنے قبیلے کے وسطی حصے میں لایا جہاں کچھ چھکڑے کھڑے تھے اور ان چھکڑوں کے چاروں طرف مسلح محافظ پہرا دے رہے تھے ایک چھکڑے کے قریب آ کر کوساک نے اپنے ساتھیوں کو کہا اس کا پردہ ہٹاؤ۔ جب اس کا پردہ ہٹایا گیا تو چار نوجوان اندر بند تھے چاروں کا تعلق کردم خان کے کیداری قبیلے سے تھا۔ خوش نواز نے ان سے تفصیلات حاصل کیں اور جو کچھ کوساک نے کہا تھا اس کی انہوں نے تائید کر دی تھی۔ اس کے بعد کوساک خوش نواز کو دوسرے چھکڑے کی طرف لے گیا تھا۔ جب پردہ ہٹایا گیا تو اس کے اندر رومن شہزادی حنوریا بند تھی۔ حنوریا کو دیکھتے ہی قہر بھرے انداز میں جو فینا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ تم میرے باپ اٹیلا کی قاتل ہو تم ایک سازش اور چال کے تحت میرے باپ کے حرم میں داخل ہوئیں اور پہلی ہی رات تم نے میرے باپ کا خاتمہ کر دیا دیکھ تیری زندگی کا خاتمہ بھی قریب ہی ہے جو فینا کی اس گفتگو سے حنوریا کا رنگ ہلدی ہو کر رہ گیا تھا۔ خوش نواز نے اس موقع پر حنوریا سے بھی گفتگو کی اور اس نے بھی یہ اگل دیا کہ اٹیلا کو قتل کرنے

۱۔ ایسینا ہن قبائل ہی کی ایک شاخ تھے لیکن یہ اٹیلا سے سرگرداں تھے اور خانہ بدوشوں کی سی حیثیت سے آزادانہ زندگی بسر کر رہے تھے جن دنوں کردم خان نے ان سے سازش کی ان دنوں وہ ایشیا کے برفانی کوہستانی سلسلوں میں سرگرداں تھے بعد میں انہی ایسینا قبائل نے ایران کے شہنشاہ نوشیر عادل سے اتفاق کیا اور اسی قبیلے کے خاقان کی بیٹی نوشیروان کی بیوی بنی اور اسی سے نوشیروان کا ولی عہد پیدا ہوا۔ اسی ایسینا قبیلے نے بعد میں نوشیروان سے رومنوں کے ساتھ مل کر جنگی بھی کیں۔

کی سازش میں کردم خان شریک ہے۔

یہ سارے احوال جاننے کے بعد خوش نواز پیچھے ہٹا اور کوساک کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔

کوساک میرے بھائی میرے عزیز اب بتا کردم خان کے خلاف کیسے حرکت میں آنا چاہئے اس پر کوساک بولا اور کہنے لگا۔

دیکھ خاقان کردم خان کے خلاف ہمیں ایسے حرکت میں آنا چاہئے کہ لاٹھی بھی نہ ٹوٹے اور سانپ بھی مر جائے۔ کردم خان کا قبیلہ ہم سے ناراض ہو کر نہ بغاوت کرے اور نہ علیحدہ ہو اور کردم خان کا بھی خاتمہ کر دیا جائے۔ اس پر خوش نواز بولا اور پوچھنے لگا وہ کیسے۔ کوساک کہنے لگا۔

دیکھ خاقان قطری غور' سابیر اور کوشان قبیلے کے کچھ مسلح جوانوں کو کردم خان کے خیمے کے باہر محافظ کے طور پر مقرر کر دیا جائے اور انہیں حکم دے دیا جائے کہ تاوقت ثانی کردم خان کو خیمے سے باہر نہ نکلنے دیا جائے اس کے بعد کیداری قبیلے کے سارے چھوٹے بڑے سالاروں کو بلا کر ایک اجلاس طلب کیا جائے۔ اور یہ اجلاس یہیں طلب کیا جائے جہاں اس وقت ہم کھڑے ہیں اور ان کے سامنے یہ سارا معاملہ پیش کرتے ہوئے انہیں اپنا ہم خیال بنایا جائے جب ہم ایسا کر چکیں تب کردم خان کو اس کے خیمے سے باہر نکال کر بڑی بے فکری اور بغیر کسی پریشانی اور خطرے کے ہم سزا دے سکتے ہیں۔

کوساک کی اس تجویز کو خوش نواز نے پسند کیا اور پھر فوراً حرکت میں آیا۔ تینوں قبیلوں کے مشترکہ جوانوں کو اس نے محافظوں کے طور پر کردم خان کے خیمے کے باہر پہرا دینے کے لئے لگا دیا تھا اور سختی سے حکم دیا تھا کہ کردم خان کو خیمے سے باہر نہ نکلنے دیا جائے اور نہ کسی کو اس کے خیمے میں آنے دیا جائے اس کے بعد اس نے کردم خان کے کیداری قبیلے کے سارے چھوٹے بڑے سرداروں اور سالاروں کا اجلاس طلب کر لیا تھا۔

جب کیداری قبیلے کے سارے چھوٹے بڑے سردار ان چھکڑوں کے پاس آ کر جمع ہو گئے' جو زندان کے طور پر استعمال کئے گئے تھے تو خوش نواز نے ان سب کے

سامنے ان ساری سازشوں کا اظہار کیا جو کردم خان نے کی تھیں اور اس کے ثبوت پر ان سارے چھوٹے بڑے سرداروں اور سالاروں کو چھکڑوں میں بند قیدیوں اور رومن کی شہزادی حنوریا سے بھی گفتگو کرنے کا موقع فراہم کیا گیا تھا۔ کیداری قبیلے کے سالاروں نے تفصیل کے ساتھ سارے قیدیوں سے گفتگو کی اس میں نہ صرف رومن شہزادی حنوریا شامل تھی بلکہ اس میں وہ قاصد بھی شامل تھے جن کو کردم خان نے ایسینا قبیلے کے خاقان کی طرف روانہ کیا تھا۔ ان میں تکائی بھی شامل تھا ان میں تکائی کے کہنے پر زریون اور سوبار کو قتل کرنے والے سمورا اور عانیو بھی شامل تھے ان سب کے ساتھ کیداری قبیلے کے سالاروں نے تفصیل کے ساتھ گفتگو کی پھر وہ اس بات کے قائل ہو گئے کہ واقعی کردم خان سازش غداری اور بغاوت میں ملوث ہے۔ یہ سارے احوال جاننے کے بعد کیداری قبیلے کے سالاروں نے خود خوش نواز خاں سے مطالبہ کیا کہ کردم خان کے خلاف کاروائی کی جائے۔

یہ سارا فیصلہ ہونے کے بعد جو مسلح جوان کردم خان کے خیمے کے اردگرد حفاظت کے لئے مقرر کئے گئے تھے انہیں حکم دیا گیا کہ کردم خان کو پکڑ کر زندان کے لئے استعمال ہونے والے چھکڑوں کے پاس لایا جائے۔ کردم خان کو وہاں لایا گیا اس کے سامنے اس کے سارے جرائم پیش کئے گئے۔ کردم خان ان کا کوئی معقول جواب نہ دے سکا۔ اپنی گردن اس نے جھکائے رکھی اسی دوران اس کے سامنے رومن شہزادی حنوریا کو بھی پیش کیا گیا۔ ان چاروں قاصدوں کو بھی پیش کیا گیا جنہیں کردم خان نے ایسینا قبائل کے خاقان کی طرف روانہ کیا تھا۔ تکائی بھی پیش ہوا دونوں قاتل سمورا اور عانیو کو بھی کردم خان کے سامنے لایا گیا اور سب نے کردم خان کے جرائم کی تصدیق کی جس کے بعد کیداری قبیلے کے سب سے بڑے سردار اوستا نے بغاوت کے جرم میں اپنے ہاتھ سے کردم خان کی گردن کاٹ دی تھی۔ اوستا ہی نے رومن شہزادی حنوریا چاروں قاصدوں کے علاوہ تکائی اور دونوں قاتلوں کی گردنیں کاٹ دی تھیں۔ اس کے بعد چاروں قبائل کے سالاروں کا اجلاس طلب کیا گیا اور اس اجلاس میں اتفاق رائے سے کردم خان کی جگہ اوستا کو قبیلے کا سردار مقرر کیا گیا تھا۔

جب یہ سارے کام ہو چکے تو خاقان خوش نواز نے اپنے سامنے بیٹھے اپنے

سارے سالاروں کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

میرے ساتھیو۔ میرے رفیقو۔ اپنے مرنے والے محترم اور شیر دل خاقان اٹیلا کی سرکردگی میں ہم نے پے در پے رومنوں کی دونوں سلطنتوں کو شکست دے کر اپنے سامنے زیر اور مغلوب کیا۔ اب جبکہ اپنے قبائل کی بھی تطہیر کر چکے ہیں اور جو غداری اور بغاوت کی طرف مائل تھے ان کا خاتمہ کر دیا گیا ہے تو کہو ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ واپس اپنے مرکزی شہر کی طرف جانا چاہئے یا کسی نئی سمت حملہ آور ہونے کے لئے نکلنا چاہئے۔

مجلس کے سارے اراکین تھوڑی دیر تک خاموش رہے اس کے بعد قطری غور قبیلے کا ایک بوڑھا سالار جس کا نام فاردس تھا وہ خوش نواز کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

دیکھ خاقان اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم نے رومنوں کی مشرقی اور مغربی دونوں سلطنتوں کو اپنے سامنے زیر کیا اور اپنی خواہش اور اپنی مرضی کے مطابق انہیں صلح پر مجبور کیا۔ لیکن ابھی ایک اور قوت ہے جو ہمارے حملوں کی منتظر ہے اور جہاں سے ہم بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں اور یہ قوت ایران کی سلطنت ہے۔ ہمیں یہاں سے مشرق کی طرف کوچ کرنا چاہئے اور ایرانی سلطنت کو اپنا ہدف بنانا چاہئے۔

اپنے اس بوڑھے سالار فاردس کی اس تجویز پر خوش نواز نے اپنے سارے سالاروں سے مشورہ کیا۔ سب کا یہی جواب تھا کہ دریائے رائن کے کنارے سے کوچ کر کے ایران پر حملہ آور ہونے کے لئے پیش قدمی کی جائے۔ خوش نواز نے بھی اس تجویز کو پسند کیا اس کے بعد مجلس شوریٰ کا وہ اجلاس ختم کر دیا گیا تھا تاہم خوش نواز نے ساہیر قبیلے کے سردار کوساک، کاشان قبیلے کے سردار عیوان، کیداری قبیلے کے نئے سردار اوستا کو وہیں روک لیا تھا۔ جب دوسرے سارے سردار چلے گئے تو اپنے قبائل کے ان تینوں سرداروں کو مخاطب کرتے ہوئے خوش نواز کہنے لگا۔

سنو۔ میرے بھائیو۔ میرے رفیقو۔ یہ مت خیال کرنا کہ میں تمہارا حکمران ہوں اور اپنی مرضی تم پر مسلط کروں گا۔ نہیں۔ تم میرے بھائی ہو۔ میرے بازو ہو تمہارے بغیر میں کچھ بھی نہیں۔ ریت کا ڈھیر اور مٹی کا ایک ٹیلا ہوں۔ جو کسی بھی وقت گر

سکتا ہے۔ تمہاری قوت ہی سے میری قوت ہے تمہاری طاقت ہی سے میں طاقتور ہوں۔ لہٰذا میں جو بھی قدم اٹھاؤں گا تمہاری صلاح اور مشورے سے ہی اٹھاؤں گا۔ میں نے تم تینوں کو اس لئے روکا ہے کہ میں ایک انتہائی اہم موضوع پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔

دیکھو میرے رفیقو۔ اٹیلا نے اپنی زندگی ہی میں اپنی بیٹی جو فینا کو ایک طرح سے کوساک کے ساتھ منسوب کر دیا تھا اس نے جو فینا کو اجازت دے دی تھی کہ وہ جب جس وقت چاہے کوساک کے خیمے میں جا سکتی ہے اس سے مل سکتی ہے اس کے پاس قیام کر سکتی ہے۔ افسوس اٹیلا مر گیا اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اپنے ہاتھوں سے جو فینا کی شادی کوساک سے کرتا۔

سنو اب جبکہ اٹیلا مر چکا ہے تو اس کے مرنے کے سوگ میں فی الفور تو جو فینا کی شادی کوساک سے نہیں کی جا سکتی۔ جو فینا سے میں نے صلاح و مشورہ کیا ہے اس کی مرضی ہے کہ دو ماہ کے سوگ کے بعد وہ کوساک سے شادی کرے گی۔ کیا اس سلسلے میں تم میں سے کسی کو کوئی اعتراض ہے۔

چونکہ یہ معاملہ کوساک کا تھا لہٰذا اس موقع پر عیوان اور نئے سردار اوستا نے آپس میں صلاح و مشورہ کیا پھر عیوان بولا اور کہنے لگا دیکھ خاقان۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں میں اور اوستا خوش ہوں گے اگر جو فینا کی شادی ہمارے بھائی کوساک سے ہو جائے۔ خوش نواز یہ جواب سن کر خوش ہو گیا تھا۔ تھوڑی دیر تک اس نے سوچا پھر وہ دوبارہ بولا اور کہنے لگا۔

دوسری بات جو میں تم سے کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ جب تک اٹیلا زندہ تھا اس کی بیٹی جو فینا اپنی حفاظت سے متعلق بالکل بے فکر تھی۔ اب جبکہ کردم خان کی وجہ سے ہمارے لشکر میں ایک طرح سے بدمزگی پیدا ہوئی تو جو فینا خوفزدہ ہے کہ کہیں کردم خان کا کوئی بچا کھچا ساتھی انتقام لینے کی خاطر اس پر حملہ آور نہ ہو جائے جو فینا سے صلاح و مشورہ کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جو فینا چونکہ اب کوساک کی منسوبہ ہے لہٰذا اسے کوساک کے خیمے میں رہنے کی اجازت دے دی جائے۔ خود بھی جو فینا کی یہی مرضی ہے کہ اسے کوساک کے پاس رہنے دیا جائے۔ کیا اس سلسلے میں عیوان

اور اوستا تم دونوں کو کوئی اعتراض ہے۔ عیوان پھر بولا اور کہنے لگا اے خاقان ہمیں کوئی اعتراض نہیں بلکہ ہم دونوں خوش ہوں گے اگر جو فینا میرے بھائی کوساک کے خیمے میں قیام کرے۔ اس پر خوش نواز بولا اور کہنے لگا۔ بس میں یہی تم سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ اب عیوان اور اوستا تم جاؤ۔ میں جو فینا کو بلا کر کوساک اور جو فینا دونوں سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی عیوان اور اوستا دونوں خاقان کے خیمے سے نکل گئے تھے۔

اس کے بعد خوش نواز نے کسی قدر بلند آواز میں پکارتے ہوئے کہا۔ جو فینا میری بہن اب تم ادھر میرے پاس آ جاؤ۔ تھوڑی ہی دیر بعد خیمے کے پشتی حصے سے جو فینا نمودار ہوئی۔ مسکراتی ہوئی وہ آگے بڑھی اور کوساک کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی۔ اس موقع پر خوش نواز بولا اور کہنے لگا۔

دیکھ جو فینا میری بہن۔ تیرے متعلق میں نے تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ دو ماہ بعد تیری شادی کو ساک سے کر دی جائے گی۔ اس دوران تو کوساک کے خیمے میں رہے گی۔ اس طرح وہاں تو محفوظ رہے گی اس لیے کہ کوساک کے خیمے کے باہر ہر وقت اس کے قبیلے کے لشکری پہرہ دیتے ہیں۔ وہاں تجھ پر کسی کے حملہ آور ہونے کا خطرہ یا اندیشہ نہیں ہے۔ کیا اس کے علاوہ بھی تو اپنے بھائی خوش نواز سے کچھ چاہتی ہے۔

خوش نواز کی اس گفتگو پر حسین و جمیل جو فینا کے چہرے پر محبت بھری خواہشوں میں شاداب و صال رتیں رقص کر گئی تھیں۔ اس کی وقت کے منجدھار جیسی گہری آنکھوں میں مہک و باس کی کہانیاں پھول اور شبنم کے قصے جنم لے گئے تھے۔ اس کے دل میں گدگداہٹ۔ ذہن میں خرماں و خنداں جذبے سینے میں سنسناہٹ اور ہونٹوں پر کشش انگیز حروف مچل جانے کو تڑپ رہے تھے۔ اس کی سانسوں کے سرگم میں نغمہ ریز گونجیں۔ جھرنوں کی جلترنگ اپنا نطق حاصل کرنے کے لیے کوشاں تھیں۔

تھوڑی دیر تک جو فینا اسی لطف و لذت میں ڈوبی رہی۔ اس کے بعد بولی اور کہنے لگی۔ خوش نواز میرے بھائی آپ نے مجھے سب کچھ ہی دیدیا اب میرے پاس کوئی سوال نہیں جو پورا ہونے کو رہ گیا ہو۔ خوش نواز میرے بھائی آپ جانتے ہیں میرے

مرنے والے خاقان باپ کی خواہش تھی کہ میری شادی کو ساک سے ہو جائے۔ بس میری یہ آرزو پوری ہو چکی ہے۔ اپنی حفاظت کے لیے چاہتی تھی کہ میں کوساک کے خیمے میں رہوں میری یہ خواہش بھی پوری کر دی گئی ہے۔ اب مجھے کچھ نہیں چاہیے۔

جو فینا کا یہ جواب سن کر خوش نواز اور کوساک دونوں خوش ہو گئے تھے پھر خوش نواز نے تالی بجائی جس کے جواب میں خیمے کے باہر پہرہ دینے والے جوانوں میں سے ایک جوان بھاگتا ہوا اندر آیا اسے دیکھتے ہی خوش نواز نے کہا اپنے قبیلے کے کچھ ساتھیوں کو مقرر کرو کہ وہ جو فینا کا سارا سامان کوساک کے خیمے میں پہنچا دیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ پہریدار باہر نکل گیا تھا۔ خوش نواز نے کوساک کی طرف دیکھتے ہوئے کہا کوساک تم جو فینا کو ساتھ لے جاؤ اور اپنے خیمے میں جا کر آرام کرو۔ اس کے ساتھ ہی کوساک اور جو فینا بھی باہر نکل گئے تھے۔ دوسرے روز خوش نواز نے ایرانی سلطنت پر حملہ آور ہونے کے لیے اپنے لشکر کے ساتھ ایران کی طرف کوچ کیا تھا۔

ہن قبائل کا خاقان خوش نواز اب اپنے لشکر کے ساتھ بڑی تیزی سے پیش قدمی کرتا ہوا ایرانی سرحد پر اپنے لشکر کے ساتھ آ کر خیمہ زن ہوا۔ ایران کا شہنشاہ ان دنوں فیروز تھا۔ اسے بھی اس کے جاسوسوں نے خبر دے دی تھی کہ ہن قبائل شرقی اور غربی دونوں رومن سلطنت کو اپنا مفتوح بنانے کے بعد مشرق کی طرف بڑھے ہیں اور وہ ایران کی سلطنت پر حملہ آور ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یہ خبریں سنتے ہی ایران کے شہنشاہ فیروز نے بڑی تیزی اور بڑی جانفشانی کے ساتھ اپنی جنگی تیاریوں کو عروج پر پہنچا دیا تھا۔ اس نے اپنے لشکر میں خاطر خواہ اضافہ کیا بار برداری کے اموال کے علاوہ اس نے خوراک کے ذخائر جمع کئے اور جب ہن قبائل کا خاقان خوش نواز اپنے لشکر کے ساتھ ایرانی سرحد پر آ کر خیمہ زن ہوا تب ایرانی شہنشاہ بھی اپنے لشکر کے ساتھ حرکت میں آیا وہ اپنی سرحدوں پر ہن قبائل کے لشکر کے سامنے آ کر خیمہ زن ہوا تھا۔

دوسرے روز دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہوئے ہن قبائل کے خاقان خوش نواز نے اپنے لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ وسطی حصے میں وہ خود قطری غور قبیلے کے ساتھ تھا اور اپنے ساتھ اس نے ساہیر قبیلے کے سردار کوساک

کو ملا لیا تھا۔ اس طرح خوش نواز اور کوساک کا متحدہ لشکر قلب کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ دائیں طرف عیوان کو اس کے لشکر کے ساتھ رکھا گیا تھا۔ اور بائیں طرف کیداری قبیلے کے نئے سردار اوستا کو کمانداری سونپی گئی تھی۔ دوسری طرف ایران کے شہنشاہ فیروز نے ہن قبائیل کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ اس نے اپنے پاس رکھا اور اس حصے میں ایران کے شہنشاہ فیروز نے اپنے نائب کے طور پر اپنی بیٹی لامیدن کو رکھا تھا۔ لامیدن جہاں حسن و جمال میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی وہاں وہ حرب و ضرب کے فنون میں بھی ایرانی مملکت میں لاجواب خیال کی جاتی تھی۔ لشکر کا دوسرا حصہ فیروز نے اپنے بھائی بلاش کی سرکردگی میں دیا اور بلاش کو اس نے اپنے ساتھ رکھا۔ اس طرح لشکر کے دو حصے قلب کی صورت اختیار کر گئے تھے کہ قلب کے دائیں حصے میں جو لشکر رکھا گیا تھا اس کا کماندار فیروز نے اپنے بہترین جرنیل اور سردار سوفرا کو بنایا اور چوتھا حصہ جو قلب کے بائیں جانب رکھا گیا تھا اس کا کماندار سوفرا جیسا ہی بہترین جرنیل شاہ پور کو بنایا گیا تھا۔ جب دونوں لشکروں کی صفیں درست ہو گئیں تب جنگ کا آغاز ہوا حملہ آور ہونے میں پہل ایران کے شہنشاہ فیروز نے کی تھی۔

فیروز اپنی بیٹی لامیدن اور اپنے بھائی بلاش کے ساتھ لشکر کے قلب کو حرکت میں لایا اور اپنے سامنے آنے والے ہن قبائیل پر وہ کڑی راتوں پریشاں دنوں۔ رگ رگ لہو کے لاوے اور اجل کے کار کشا کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔ اپنے شہنشاہ کی طرف دیکھتے ہوئے فیروز کے جرنیل سوفرا اور شاہ پور بھی حرکت میں آئے وہ بھی اپنے لشکروں کو آگے بڑھاتے ہوئے خوش نواز کے لشکر پر خاک و خاکستر کر دینے والی خونخوار امنگوں اور فنا اور موت کے گرداب کی طرح ٹوٹ پڑے تھے۔

خوش نواز اور اس کے سارے سردار اپنے حربی تجربوں کو سامنے رکھتے ہوئے زندگی کی پوری تڑپ کے ساتھ ایقان کی جستجو اور اوہام کی کشمکش کی طرح ایرانیوں کے حملے کو روکتے رہے۔ لگتا تھا کہ ہن قبائیل کے خاقان خوش نواز نے ایک طوفان ایک سیلاب کو روکا ہوا تھا۔ جو کسی بھی وقت ایک دم نزول کر کے تباہی و بربادی کا کھیل شروع کر سکتا تھا۔

خوش نواز اور اس کے سالاروں نے تھوڑی دیر تک اپنے لشکر کو دفاع تک ہی محدود رکھا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ایران کے شہنشاہ اور اس کے جرنیل حملہ آور ہونے میں پہل کرتے ہوئے اپنی ساری قوت اور اپنی ساری طاقت کو جنگ کی بھٹی میں جھونک چکے ہیں تب ان قبائل نے دفاع سے نکل کر جارحیت پر اترنے کا عزم کر لیا تھا۔

سب سے پہلے خود خوش نواز اور ساہیر قبیلے کا سردار کوساک بادلوں کی گرج۔ بجلیوں کی تڑپ۔ آتش مزاجی و قساوت قلبی اور واہمہ بن کر گونجتی کالی لمبی رات کی طرح حرکت میں آئے اور وہ ایران کے شہنشاہ فیروز۔ اس کے بھائی بلاش اور فیروز کی بیٹی لامیدن کے لشکر پر لہو کے آنچل اڑاتی موت۔ جسموں کو تار تار کرتی مرگ۔ ہڈیوں میں بے قراری دلوں میں کراہ بھر دینے والی انتقام کی بھیانک عداوتوں کی طرح ٹوٹ پڑے تھے۔

اپنے خاقان خوش نواز اور اپنے سردار کوساک کو دیکھتے ہوئے دوسرے ہن سالار عیوان اور اوستا بھی اپنے اپنے لشکر کے ساتھ جنونی جبلت کی بھڑکتی آگ۔ خونخوار قہر میں مہیب پر پھیلاتی آندھیوں اور تیزی سے پھیلتے بنجرپن کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

میدان جنگ وقت کے منجدھار میں خونی رفتار' گھمبیر رات' ہیبت ناکی اور انقلاب کے لہو لہو قافلوں کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ لمحے صدیوں میں اور صدیاں لمحوں میں بڑی تیزی سے تبدیل ہونے لگی تھیں۔

ایرانی شروع میں بڑی تیزی بڑی خونخواری سے ہن قبائیل پر حملہ آور ہوئے تھے۔ جتنی دیر ہن قبائیل نے اپنے آپ کو دفاع تک محدود رکھا اتنی دیر تک ایرانیوں کے حوصلے بڑے بلند اور زور آور رہے لیکن جونہی دفاع سے نکل کر ہن قبائیل نے جارحیت اختیار کی۔ لمحوں کے اندر وحشی اور خونخوار ہن نے ایرانی لشکر کی سادہ شیرازہ بندی سادہ ذہنی اور نسلی یکجہتی توڑ کر رکھ دی اب وہ وحشی اور خونخوار قرنوں کے سموں اور اداوو کو مصلوب کر دینے والی موت کے رقص کی طرح ایرانی لشکر کے اندر گھس کر ان کا قتل عام کرنے لگے تھے۔

بہت جلد خونخوار اور وحشی ہن قبائیل نے ایرانی لشکر کی اگلی صفوں کو مکمل طور پر تباہ و برباد کر کے رکھ دیا اور اب وہ انتہائی خونخواری اور وحشت کے ساتھ ایرانی لشکر کی پچھلی صفوں پر ضربیں لگانے لگے تھے۔

یہ صورت حال دیکھتے ہوئے ایران کے شہنشاہ نے اندازہ لگا لیا تھا کہ جنگ اگر اسی طرح جاری رہی تو چند ہی لمحوں بعد ہن قبائیل اس کے لشکر کو بدترین شکست دینے میں کامیاب ہو جائیں گے لہٰذا اس نے اپنی شکست تسلیم کرتے ہوئے اپنے قاصد ہن قبائیل کے خاقان خوش نواز کی طرف بھجوائے اور صلح کی درخواست کی۔ خوش نواز نے صلح کی اس درخواست کو فوراً قبول کرتے ہوئے جنگ رکوا دی اس کے ساتھ ہی اس نے اپنی مجلس شوریٰ طلب کر لی تھی۔

میدان جنگ میں ہی کھلی جگہ خوش نواز کے سامنے اس کے سردار کوساک عیوان۔ اوستا اور چھوٹے بڑے سالاروں کے علاوہ فطری غور قبیلے کا بوڑھا اور معمر سردار فاروس بھی خوش نواز کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ خوش نواز تھوڑی دیر تک بڑے غور سے اپنے سارے سالاروں کی طرف دیکھتا رہا پھر وہ بولا اور کہنے لگا۔

سنو میرے عزیزو۔ ایران کے شہنشاہ فیروز نے اپنی شکست تسلیم کر لی ہے اور اس نے صلح کی درخواست کی ہے۔ کہو صلح کرنے کے لیے ہمیں اس کے سامنے کیا شرائط پیش کرنا چاہیے خوش نواز کی اس گفتگو کے جواب میں اس کے سارے سالار و سردار غور و فکر کرنے لگے تھے کہ اس دوران فطری غور قبیلے کا بوڑھا سردار فاروس بولا اور خوش نواز کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

خاقان مجھے کچھ کہنے کی اجازت ہے میں ایک تجویز پیش کرتا ہوں اگر وہ میرے ساتھی سرداروں کو قبول ہو تو اس پر عمل کیا جائے۔ ورنہ کوئی اور تجویز پیش کی جائے اس پر خوش نواز نے مسکراتے ہوئے فاروس کی طرف دیکھا اور کہا کہ کہو میرے بزرگ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ اس پر بوڑھا ہن سردار فاروس بولا اور کہنے لگا۔

دیکھ خاقان۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمارے ہاتھوں ایران کے شہنشاہ فیروز کو شکست ہوئی ہے اور وہ ہم سے صلح کی درخواست کرنے پر مجبور ہوا ہے۔ میرے خیال میں اس کے سامنے صلح کے لیے دو چیزیں پیش کی جائیں۔ پہلی یہ کہ وہ اپنی

حسین و جمیل شہزادی لامیدن کی شادی ہمارے خاقان خوش نواز سے کر دے۔ اس طرح ہمارے اور ایرانیوں کے تعلقات مستقبل میں مستحکم اور مضبوط رہیں گے اور دونوں مملکتوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرانے کی نوبت پیش نہیں آئے گی۔

صلح کی تکمیل کے لیے ایران کے شہنشاہ فیروز کے سامنے دوسری شرط یہ پیش کی جائے کہ وہ ہمیں خراج ادا کرے۔ اس کے علاوہ میرا کوئی دوسرا ساتھی سردار اگر اور کوئی تجویز پیش کرنا چاہے جو اس سے بہتر ہو تو میرے خیال میں وہ ضرور قابل قبول ہو گی۔ یہاں تک کہنے کے بعد بوڑھا سردار فاروس خاموش ہو گیا تھا۔

اس موقع پر خوش نواز بولتے ہوئے اپنے دوسرے سالاروں سے کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ کوساک بولا اور خوش نواز کو مخاطب کر کے کہنے لگا دیکھ خاقان ہمارے بزرگ فاروس نے جو دو شرائط پیش کی ہیں میرے خیال میں انہی شرائط کے عوض ایرانیوں سے صلح کر لینی چاہیے۔ میرے دوسرے سردار اور سالار ساتھی بھی ان شرائط پر متفق ہیں۔ خوش نواز نے بڑے اطمینان میں کہا اگر تم سب میرے بھائی ان دو شرائط پر صلح کرنے پر آمادہ ہو تو میں انہی شرائط کے ساتھ ایران کے شہنشاہ سے صلح کرتا ہوں پر پہلے میں فاروس سے یہ پوچھتا ہوں کہ یہ اس نے کیسے جانا کہ ایران کے شہنشاہ کی ایک حسین و جمیل بیٹی بھی ہے جس کا نام لامیدن ہے اس پر فاروس پھر بولا اور کہنے لگا۔

دیکھ خاقان مجھے ایک ایرانی جنگی قیدی نے بتایا ہے کہ اس کے شہنشاہ فیروز کی بیٹی ہے جو اپنے حسن و جمال میں کوئی جواب نہیں رکھتی اور بہترین جنگجو اور جنگی تجربہ بھی رکھتی ہے اور اس جنگ میں اپنے باپ کے دوش بدوش اس نے حصہ لیا ہے۔ وہ ایرانی جنگی قیدی بہت اچھا انسان ہے۔ میرے خیال میں اس نے جنگ میں کوئی خاص حصہ نہیں لیا اور اس نے خود ہی اپنے آپ کو میرے حوالے کر دیا۔ وہ میرے ساتھ ہی رہنا چاہتا ہے میرے خیال میں وہ ایران کے شہنشاہ اور اس کے خاندان سے بڑا نالاں ہے اس کا کہنا تھا کہ ایران کی شہزادی لامیدن کی ایک کنیز ہے وہ جنگی قیدی اس کنیز پر مرتا تھا اور اس سے شادی کا خواہاں تھا لیکن فیروز کی بیٹی لامیدن اور خود ایران کے شہنشاہ فیروز نے اس کنیز کی شادی اس قیدی کے ساتھ کرنے سے انکار کر دیا جس

پر یہ قیدی جس کا نام زارہ ہے اپنی مرضی اور اپنی خواہش سے میرے پاس پناہ لینے کے لیے آگیا ہے اس پر خوش نواز بڑے پر سکون انداز میں بولا اور کہنے لگا۔

دیکھ فاروس اگر تم زارہ نام کے اس جنگی قیدی کو اپنے پاس رکھنا چاہو تو رکھ سکتے ہو تمہیں ایسا کرنے کی اجازت ہے اس جنگی قیدی زارہ نے اگر فیروز کی بیٹی کے حسن و جمال کی تعریف کی ہے تو پھر ہم ان دونوں شرائط پر ایران کے شہنشاہ سے صلح کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مجلس شوریٰ کا اجلاس ختم کر دیا گیا تھا۔

اس اجلاس کے بعد طے ہونے والی دونوں شرائط ایران کے شہنشاہ فیروز کو روانہ کر دی گئی تھیں۔ فیروز نے ان دونوں شرائط کو تسلیم کر لیا۔ اس نے خراج دینا قبول کیا اور اپنی بیٹی لامیدن کی شادی اس نے خاقان خوش نواز کے ساتھ کر دینے کا بھی وعدہ کیا۔

اس معاہدے کے بعد ایران کا شہنشاہ فیروز اپنی بیٹی لامیدن کے خیمے میں داخل ہوا لامیدن اس وقت اپنی ذاتی لونڈی کرزیم کے ساتھ اپنے خیمے میں کسی موضوع پر گفتگو کر رہی تھی۔ فیروز کو جونہی انہوں نے خیمے میں داخل ہوتے دیکھا دونوں اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئیں فیروز سر جھکائے آہستہ آہستہ آگے بڑھا تھا۔

لامیدن اور اس کی لونڈی کرزیم بڑے غور سے فیروز کی طرف دیکھ رہی تھیں لامیدن جوان اور نو عمر تھی وہ آگہی کی حلاوت و سخن کی تاثیر جیسی خوبصورت محبت سے لکھی کسی شاعر کی عبارت اور لذت اظہار جیسی حسین تھی۔ اس کی آنکھوں کی چمک ہونٹوں کی مسکراہٹ گل بہار لمحوں کی مانند تھی جبکہ اس کی لونڈی کرزیم بھی اسی جیسی حسین و جمیل تھی لامیدن کے پاس کھڑی کرزیم اس سے یوں دکھائی دے رہی تھی جیسے قرطاس ابیض کے بدن پر لکھی حیا کی کلیوں کی کوئی گہری داستان یا لب پہ سجا جوان و رنگین تبسم ہو۔

فیروز آہستہ آہستہ آگے بڑھا پھر اس نے لامیدن کی لونڈی کرزیم کو مخاطب کر کے کہا کرزیم تم تھوڑی دیر کے لیے باہر جاؤ میں ایک انتہائی اہم موضوع پر لامیدن سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ ایران کے شہنشاہ فیروز کا یہ حکم سنتے ہی شہزادی لامیدن کی لونڈی کرزیم باہر نکل گئی تھی۔

کرزیم کے جانے کے بعد ایران کے شہنشاہ فیروز نے ایک بار خیمے کے دروازے کی طرف احتیاطاً دیکھا اس کے بعد وہ بڑے پیار بڑی محبت میں لامیدن کو مخاطب کر کے کہنے لگا دیکھ بیٹی ہن قبائیل کے ہاتھوں شکست اٹھانے کے بعد جو معاہدہ ان کے اور ہمارے درمیان ہوا ہے وہ تو جانتی ہے اور اس پر لامیدن بولی اور کہنے لگی اے میرے باپ آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں میں جانتی ہوں آپ نے خراج اور میری شادی خوش نواز سے کر دینے کے عوض وحشی اور خونخوار ہن قبائیل اپنی جان چھڑائی ہے میں اس سلسلے میں کوئی اعتراض نہیں کروں گی اس پر فیروز بولا اور کہنے لگا۔

نہیں بیٹی میں ایسا نہیں چاہتا ایران کی شہزادی کو خراج کے مال کے ساتھ ہن قبائیل کے خاقان خوش نواز کے حرم میں داخل کرنا ایرانی سلطنت کی بے عزتی اور اہانت ہے۔ دیکھ بیٹی نہ تو نے خوش نواز کو دیکھا ہوا ہے نہ خوش نواز تجھے جانتا ہے نہ اس نے تمہیں دیکھ رکھا ہے نہ ہی اس کے کسی سردار یا لشکری نے تمہیں دیکھا ہے اس لیے کہ تو اگر جنگ میں حصہ لیتی رہی ہے تو اپنے چہرے پر خود کا نقاب گرا کر یہ کام سرانجام دیتی رہی ہے۔ دیکھ بیٹی تیری لونڈی کرزیم بھی حسین اور پر جمال ہے اور شاہی طور طریقوں سے بھی خوب واقف اور آگاہ ہے۔ میں چاہتا ہوں تیری جگہ کرزیم کو اس معاہدے کے تحت خوش نواز کے حرم میں داخل کر دیا جائے۔ کیا اس سلسلے میں تمہیں کوئی اعتراض ہے۔

اس پر لامیدن اپنے لبوں پر گہری مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے کہنے لگی اے میرے باپ اگر ایسا ہو جائے تو میں سمجھوں گی مجھے دنیا بھر کی خوشیاں مل گئی ہیں۔ باطنی طور پر اے میرے باپ میں نہیں چاہتی کہ میں خوش نواز کے حرم میں داخل ہوں لیکن اس سلسلے میں پہلے کرزیم سے گفتگو کرنا ہو گی اگر وہ اپنی مرضی اور خوشی سے ایسا کرنے پر تیار ہو جائے تب کیا جا سکتا ہے ورنہ اس نے اگر خوش نواز کے پاس جا کر یہ راز فاش کر دیا کہ وہ ایران کی شہزادی نہیں بلکہ شہزادی کی لونڈی اور کنیز ہے تو میں سمجھتی ہوں کہ اس انکشاف پر ہن قبائیل کا خاقان خوش نواز برہم ہو گا اور دوبارہ مملکت ایران پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرے گا۔

لامیدن کی اس گفتگو پر ایران کا شہنشاہ فیروز خوش ہوا۔ کچھ دیر اس نے سوچا پھر وہ کہنے لگا۔ لامیدن میری بیٹی میری بچی تمہارا کہنا درست ہے دیکھ میں اپنے خیمے کی طرف جاتا ہوں تو میری غیر موجودگی میں کرزیم کو دوبارہ خیمے میں بلا کر اس سے اس موضوع پر گفتگو کر اگر وہ اس سلسلے میں راضی ہو جائے تو پھر مجھے آگاہ کر تاکہ کرزیم کو بہترین تحائف دیکر آج ہی خوش نواز کے حرم میں داخل کر دیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی ایران کا شہنشاہ شہزادی لامیدن کے خیمے سے نکل گیا تھا۔

فیروز کے خیمے سے نکلنے کے بعد شہزادی لامیدن نے پھر کرزیم کو اپنے خیمے میں بلایا اپنے پاس بٹھایا پھر لامیدن کرزیم کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

دیکھ کرزیم میں تجھ سے ایک مشورہ کرنا چاہتی ہوں اگر تو دل سے اس پر رضا مند ہو تو ہاں کرنا ورنہ صاف انکار کر دینا اس پر لونڈی کرزیم نے بڑے غور سے لامیدن کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا کیسا مشورہ کونسی گفتگو اس پر لامیدن بولی اور کہنے لگی دیکھ کرزیم تو اپنے حسن اور اپنے جمال اپنی کشش اور اپنے جذب میں شہزادیوں سے کم نہیں ہے اس کے علاوہ تم ساری شاہی رسومات اور تکلفات سے بھی خوب آگاہی رکھتی ہو۔ دیکھ کرزیم تو جانتی ہے کہ ہن قبائیل کے ساتھ معاہدہ ہوا ہے اور اس معاہدے کے تحت انہیں خراج ادا کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ ایرانی شہزادی کو ان کے خاقان خوش نواز کے حرم میں داخل کیا جائے گا۔

دیکھ کرزیم میرے باپ چاہتے ہیں کہ میری جگہ تمہیں ہن قبائل کے شہنشاہ خوش نواز کے حرم میں داخل کر دیا جائے۔ دیکھ کرزیم خوش نواز نے نہ مجھے دیکھ رکھا ہے نہ تمہیں نہ ہی ان کا کوئی سردار ہماری شکلوں صورتوں سے واقف ہے۔ پھر تمہارا حسن تمہاری خوبصورتی ایسی ہے کہ کوئی اندازہ ہی نہیں لگا سکتا کہ تم لونڈی ہو یا شہزادی۔ تمہیں خوب سجا کے شہزادیوں کا سا لباس پہنا کے بہترین اور قیمتی تحائف دیکر آج ہی خوش نواز کے حرم میں داخل کر دیا جائے گا بشرطیکہ تم بخوشی اس پر رضا مند ہو۔ دیکھ کرزیم ہاں تک میرا خیال ہے یہ سودا تیرے لیے مہنگا نہیں تو ایک لونڈی کی حدود سے نکل کر ملکہ کی حدود میں داخل ہو رہی ہے۔ ہمارے ہاں تیری حیثیت میری ایک ذاتی لونڈی کی سی ہے لیکن خوش نواز کے حرم میں داخل ہونے کے

بعد تو ہن قبائیل کی مملکت کی ملکہ بن کر رہے گی بول اس سلسلے میں تیرا کیا خیال ہے۔ اور اپنا کوئی آخری فیصلہ دینے سے پہلے یہ بھی سوچ لینا کہ تمہارے فیصلے سے مملکت ایرانا کی بھلائی اور بہتری بھی منسلک ہے۔

کرزیم تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر وہ بولی اور کہنے لگی اگر میرے فیصلے سے مملکت ایران کی بہتری اور بھلائی بھی وابستہ ہے تو میرا فیصلہ یہ ہے کہ میں شہزادی کی جگہ ہن قبائیل کے خاقان خوش نواز کے حرم میں داخل ہونے کے لیے تیار ہوں۔ کرزیم کا یہ فیصلہ سن کر ایران کی شہزادی لامیدن کے چہرے پر خوشیاں ہی خوشیاں بکھر گئی تھیں پھر وہ کرزیم کے اس فیصلے کو شہنشاہ ایران فیروز کو مطلع کرنے کے لیے خیمے میں بھاگتی ہوئی نکل گئی تھی۔

○

حسین اور خوبصورت جوفینا خاقان خوش نواز کے خیمے میں داخل ہوئی اندر خوش نواز اکیلا بیٹھا ہوا تھا۔ جوفینا قریب گئی اور خوش نواز کو مخاطب کر کے پوچھا خاقان آپ نے مجھے طلب کیا۔ اس پر خوشنواز نے بڑی بشاشت اور نرمی میں کہا۔ ہاں میری بہن میں نے ہی تجھے بلایا ہے دیکھ سارے بڑے سردار اور سالار بھی میرے خیمے میں جمع ہو رہے ہیں تو ان کی آمد سے پہلے ہی پہلے خیمے کے پشتی کمرے کی طرف چلی جا۔ جو کچھ میں فیصلے کرنے والا ہوں تو بھی سنتی رہنا۔ خوش نواز کے کہنے پر جوفینا چپ چاپ خیمے کے پشتی حصے کی طرف چلی گئی تھی وہ خیمہ اور اس کا اندرونی حصہ سارا جوفینا کا خوب دیکھا بھالا تھا اس لیے کہ وہ خیمہ اس سے پہلے اس کے باپ اٹیلا کے استعمال میں ہوا کرتا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد سارے سردار اور چھوٹے بڑے سالار بھی خوش نواز کے سامنے آکر بیٹھ گئے تھے آج پہلی مرتبہ خوش نواز نے ساہیر قبیلے کے سردار کوساک کو اپنے سامنے بیٹھنے کی بجائے اپنے پہلو میں بیٹھنے کو کہا تھا اور کوساک اپنی جگہ سے اٹھ کر خوش نواز کے پہلو میں بائیں جانب بیٹھ گیا تھا یہ اس بات کی غمازی تھی کہ خوش نواز ساہیر قبیلے کے سردار کوساک کو اپنا ولی عہد بنانے کا عہد کر چکا تھا۔

جب سارے سردار خوش نواز کے خیمے میں داخل ہو گئے تب خوش نواز بولا

اور کہنے لگا میرے ساتھیو! میرے عزیزو میں نے دو فیصلے کئے ہیں ان فیصلوں کے خلاف تم میں سے کسی کو کوئی اعتراض ہو تو بلا جھجک اٹھ کر اپنی مرضی اپنی رائے اپنے احتجاج اور اپنے اعتراض کا اظہار کرے۔

میرا پہلا فیصلہ یہ ہے کہ آج ہی ایران کا شہنشاہ اپنی شہزادی کو میرے حرم میں داخل کرے گا۔ خاقان اٹیلا کو مرے ہوئے دو ماہ سے زیادہ گزر چکے ہیں جو فینا نے دو ماہ تک اپنے باپ کا سوگ منانے کے لیے کہا تھا لہٰذا آج جس وقت ایران کی شہزادی میرے حرم میں داخل کی جائے گی اسی وقت جو فینا اور کوساک کی بھی شادی کر دی جائے گی اس سلسلے میں تم میں سے کسی کو کوئی اعتراض ہو تو بولے تھوڑی دیر تک سارے سردار اور سالار خاموش رہے پھر بوڑھا سردار فاروس بولا اور کہنے لگا۔

دیکھ خاقان کوساک اور جو فینا کی شادی پر کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے میں سمجھتا ہوں کوساک اور جو فینا ایک دوسرے کے لیے پیدا ہوئے ہیں خود مرنے والے خاقان اٹیلا نے اپنی بیٹی جو فینا کا ہاتھ کوساک کے ہاتھ میں دے دینے کا فیصلہ کر دیا تھا۔ لہٰذا ہم سب اس شادی پر خوش اور مطمئن ہیں۔

خوش نواز پھر بولا اور کہنے لگا اگر ایسا ہے تو پھر سنو میرا دوسرا فیصلہ یہ ہے کہ آج سے میں کوساک کو اپنا ولی عہد مقرر کر رہا ہوں جس طرح خاقان اٹیلا کی زندگی میں میں اس کا ولی عہد تھا اور اس کی موت کے بعد خاقان بنا ہوں اسی طرح میری حیات میں کوساک ولی عہد رہے گا اور میری موت کے بعد ہن قبائیل کا یہی شہنشاہ ہو گا بولو اس سلسلے میں کیا کسی کو کوئی اعتراض ہے اس بار کیداری قبیلے کا سردار اوستا اپنی جگہ سے اٹھا اور کہنے لگا دیکھ خاقان اس سلسلے میں بھی ہمیں کوئی اعتراض نہیں قسم کوانتی دیوتا کی ساہیر قبیلے کا سردار کوساک ہی اس قابل ہے کہ اسے ہن قبائیل کا ولی عہد مقرر کیا جائے۔ اس فیصلے کے بعد خوش نواز نے اپنے لشکر میں کوساک کی ولی عہدی کا باقاعدہ اعلان کر دیا تھا پھر وہ اجلاس ختم ہو گیا اسی روز رات کے وقت کرزیم کو ایرانی شہزادی کے روپ میں خوش نواز کی حرم میں داخل کیا گیا اس موقع پر ایک شاندار جشن کا اہتمام کیا گیا تھا اور اسی جشن میں کوساک اور جو فینا کو بھی رشتہ ازدواج میں منسلک کر دیا گیا تھا۔

ایران کا شہنشاہ خوش تھا کہ وہ اپنی بیٹی لامیدن کے بجائے اس کی کنیز کرزیم کو خوش نواز کے حرم میں داخل کر کے اپنی جان چھڑانے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ پھر وہ بخوشی میدان جنگ سے اپنے مرکزی شہر مدائن کی طرف چلا گیا تھا۔

لیکن ایران کے شہنشاہ فیروز کی بدقسمتی کہ ہن قبائیل کے شہنشاہ خوش نواز اپنے لشکر کے ساتھ کچھ دن تک ایرانی سرحدوں پر ہی پڑاؤ کئے رہا اور ہن قبائیل خوش نواز اور کوساک کی شادی کی خوشی میں کئی ہفتوں تک جشن مناتے رہے اسی جشن کے موقع پر بوڑھے ہن سردار فاروس نے جو ایک ایرانی قیدی اپنی پناہ میں لے لیا تھا اس نے کہیں ایرانی کنیز کرزیم کو خوش نواز کے ساتھ چہل قدمی کرتے دیکھ لیا وہ پہچان گیا کہ یہ لامیدن نہیں بلکہ اس کی لونڈی کرزیم ہے۔

بس ایسا ہونا تھا کہ اس ایرانی قیدی نے بوڑھے ہن سردار فاروس کو اس حقیقت سے آگاہ کر دیا فاروس نے اسی وقت یہ اطلاع خوش نواز کے کانوں میں ڈال دی کہ ایران کے شہنشاہ فیروز نے اپنی بیٹی لامیدن کی نہیں بلکہ شہزادی لامیدن کی لونڈی کرزیم کو اس کے حرم میں داخل کر دیا گیا ہے۔

خوش نواز کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے اس کی تصدیق کرزیم سے کی۔ کرزیم پہلے تو ہچکچائی پھر جب خوش نواز نے دھمکی دی تب وہ بیچاری مان گئی اور سارے حالات سچائی کے ساتھ اس نے خوش نواز سے کہہ دیئے ان سارے حالات میں چونکہ کرزیم کا کوئی قصور نہیں تھا۔ یہ سب کچھ اس نے ایران کے شہنشاہ کے کہنے پر کیا تھا لہٰذا خوش نواز نے کرزیم کو تو کچھ نہ کہا لیکن اس نے ایران کے شہنشاہ فیروز سے اس بد دیانتی کا انتقام لینے کا عزم کر لیا تھا۔

یہ انتقام لینے کے لیے ہن قبائیل کے خاقان خوش نواز نے ایک بھیانک اور خوفناک چال چلی اس نے اپنے دو قاصد تیار کئے ان کو سارا معاملہ سمجھایا اور ان دونوں کو اس نے مدائن کی طرف روانہ کیا۔

یہ دونوں قاصد مدائن پہنچے اور ایران کے شہنشاہ فیروز کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے التماس کی فیروز کو جب خبر ہوئی کہ ہن قبائیل کے خاقان کی طرف سے دو قاصد اس سے ملنے کے لیے آئے ہیں تو اس نے فوراً انہیں اپنے پاس طلب کیا

جونہی یہ دونوں قاصد ایران کے شہنشاہ فیروز کے سامنے پیش ہوئے فیروز نے بڑے پرتپاک انداز میں ان کا خیر مقدم کیا اور انہیں اپنے سامنے قریب ہی بیٹھنے کو جگہ دی۔ پھر فیروز بولا اور ان دونوں قاصدوں کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔

یہ کہو کہ ہمارے عزیز اور ہن قبائیل کے خاقان خوش نواز کس حالت میں ہے کیا وہ واپس اپنی سلطنت کے مرکزی شہر کی طرف جا چکا ہے اس پر ایک قاصد بولا اور کہنے لگا نہیں شہنشاہ ہمارے خاقان نے ابھی تک ایرانی سرحد میں اسی جگہ پڑاؤ کیے ہوئے ہے جہاں آپ کے ساتھ ہماری جنگ ہوئی تھی حقیقت یہ ہے کہ ہمارا خاقان اپنے شمالی برفزاروں کی طرف ابھی کوچ نہیں کر رہا اس لیے کہ کچھ شمال کے وحشی قبائیل ہم پر حملہ آور ہونے کے در پے ہیں اسی خدشے کے تحت ہمارے خاقان نے ہمیں آپ کی طرف روانہ کیا ہے۔

اس موقع پر ایران کے شہنشاہ فیروز نے بڑی جستجو اور بڑے استفہامیہ سے انداز میں ان دونوں قاصدوں کی طرف باری باری دیکھا پھر اس نے پوچھا تمہارے خاقان نے تم دونوں کو میرے پاس کس مقصد کے تحت بھیجا ہے اس پر دوسرا قاصد بولا اور کہنے لگا۔

اے بادشا ہم غیر تہذیب یافتہ قبائیل جنگ میں اندھا دھند حملہ آور ہونے کے عادی ہیں اور آندھل جھپٹ کے ذریعہ اب تک اپنے دشمنوں پر قابو پاتے رہے ہیں لیکن یہ کوئی پسندیدہ طریقہ جنگ نہیں ہے ہمارے خاقان خوش نواز نے ہم دونوں کو آپ کی طرف اس لیے روانہ کیا ہے تاکہ ہم آپ کی خدمت میں یہ التماس کریں کہ آپ اپنے کچھ سالار ہمارے خاقان کی طرف روانہ کریں وہ سالار کم از کم تین سو کے لگ بھگ ہوں جو ہمارے لشکر میں کچھ عرصہ رہ کر ہمارے لشکریوں کو بہترین جنگی اور عسکری تربیت دے سکیں۔ ہمارے خاقان کو امید ہے کہ آپ ہماری اس خواہش کو رد نہیں کریں گے۔

ایران کے شہنشاہ فیروز نے اسے اپنے لئے ایک فخر اور سعادت سمجھا کہ اس کے سالار ہن قبائیل کے لشکر کو تربیت دیں۔ اس طرح فیروز کو امید تھی کہ اگر وہ اپنے تین سو چھوٹے سالار ہن قبائیل کی تربیت کے لیے روانہ کرتا ہے اس کے

سالار کچھ عرصہ قیام کر کے وحشی ہن قبائیل کو ایرانی سلطنت کی طرف مائیل کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس طرح ایرانی سلطنت کے ہن قبائیل کے ساتھ تعلقات بہتر ہو جائیں گے اور آئندہ رومنوں کے ساتھ ایرانیوں کی جنگ ہوئی تو ہن قبائیل کو اپنے ساتھ ملا کر ایرانی مملکت رومنوں کو بدترین شکست دے سکتی ہے۔ یہ سوچ و بچار کرنے کے بعد ایران کے شہنشاہ فیروز کے چہرے پر اطمینان بخش مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر وہ ان دونوں قاصدوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

سنو۔ دونوں محترم اور ذی عزت قاصدو۔ میں تمہارے خاقان کی التماس کو رد نہیں کروں گا۔ اب میرا اس سے ایک رشتہ ہے۔ پھر بھلا کیونکر میں اس کی خواہش کو رد کر سکتا ہوں۔ میں ہن قبائیل کی جنگی تربیت کے لیے اپنے تین سو چھوٹے سالار تم دونوں کے ساتھ روانہ کرنے کے لیے تیار ہوں پر چند روز تک تم ہمارے مرکزی شہر مدائن میں قیام کرو۔ تم دونوں کا قیام شاہی محل میں ہو گا۔ چند روز آرام کرنے کے بعد پھر تم واپسی کا کوچ کرنا اتنی دیر تک میں ان تین سو سالاروں کو بھی تیار کر دوں گا جو تمہارے ساتھ روانہ ہوں گے اور تمہارے لشکر میں رہ کر تربیت کا کام سرانجام دیں گے۔

وہ دونوں قاصد ایران کے شہنشاہ فیروز کا جواب سن کر بے حد خوش ہوئے پھر شہنشاہ ایران فیروز نے اپنے پہریداروں کو حکم دیا کہ شاہی مہمان خانے میں ان دونوں قاصدوں کی رہائش کا انتظام کیا جائے اس کے ساتھ یہی پہریدار بڑے احترام کے ساتھ ان دونوں ہن قاصدوں کو ان کی قیام گاہ کی طرف لے گئے تھے۔

چند ہی یوم بعد ان دونوں قاصدوں کے ساتھ ایران کے شہنشاہ فیروز نے اپنے تین سو چھوٹے سالاروں کو روانہ کیا تاکہ وہ ہن قبائیل کے لشکر میں رہ کر ہن لشکریوں کو جنگی تربیت دے سکیں۔ ایران کے شہنشاہ فیروز کو قطعاً" کوئی خبر نہ تھی کہ ہن قبائیل کا خاقان خوش نواز اس کے خلاف کیا چال چل رہا ہے۔ جب یہ تین سو ایرانی سالار ہن قبائیل کے پڑاؤ میں داخل ہوئے تو انہیں صفوں کی صورت میں کھڑا کر دیا گیا تھا۔ ایرانی سالار یہ سمجھے کہ ہن قبائیل کا خاقان فرداً" فرداً" ان میں سے ہر ایک سے ملے گا اور تعارف کرے گا۔ جب ان تین سو ایرانیوں کی صفیں درست کر دی

گئیں تو ہن قبائیل کا خاقان خوش نواز اپنے سردار کوساک۔ عیوان۔ اوستا اور فاروس اور دیگر سالاروں کے ساتھ ان تین سو ایرانیوں کے سامنے آن کھڑا ہوا پھر دیکھتے ہی دیکھتے ان گنت مسلح وحشی ہنون نے ان ایرانیوں کو گھیر لیا۔ اور ان پر حملہ آور ہو گئے ان میں سے کچھ کو ہن حملہ آوروں نے قتل کر دیا اور بعض کے ہاتھ کاٹ دیئے۔ جن کے ہاتھ کاٹے گئے انہیں ہن قبائیل کے خاقان خوش نواز نے مدائین کی طرف روانہ کر دیا اور ان پر یہ بھی انکشاف کیا کہ یہ ایران کے شہنشاہ فیروز کی اس بد عہدی کی سزا ہے جس کی بناء پر اس نے اپنی بیٹی کے بجائے اپنی کنیز کو خوش نواز کے حرم میں داخل کر دیا تھا۔ اس طرح ان ہاتھ کٹے ایرانیوں کو مدائین کی طرف روانہ کر کے خوش نواز نے اہل ایران کو ان کے بادشاہ کی بدعہدی کی خبر دیدی تھی۔

خوش نواز کے ہاتھوں ایران کے شہنشاہ فیروز کے سالاروں کے ساتھ جو وحشیانہ سلوک کیا گیا اس کا لازمی نتیجہ جنگ تھا۔ شہنشاہ ایران فیروز نے بڑے پیمانے پر جنگ کرنے کے لیے لشکری جمع کرنے شروع کئے جن میں پچاس ہزار بہترین سواروں کو رکھا گیا۔

اس بار ایران کے شہنشاہ فیروز نے ارادہ کیا کہ وہ گرگان کی طرف سے ہنوں پر حملہ آور ہو گا۔ جہاں ایک قدیمی دیوار تھی جو بحر خضر تک بڑھتی چلی گئی تھی۔ یہ دیوار سکندر اعظم نے ہن قبائیل کے حملوں اور یلغاروں کو روکنے کے لیے تعمیر کرائی تھی۔

انہی دنوں ہن قبائیل کے خاقان خوش نواز کے لیے ایک اور مصیبت اٹھ کھڑی ہوئی اور وہ یہ کہ کیداری قبیلے کا سردار کردوم خان جس کی گردن مار دی گئی تھی اس کے تعلقات ایک اور ہن قبیلے ایسینا سے خوشگوار اور اچھے تھے۔ ایسینا قبیلہ ان دنوں شمال کے برف زاروں میں خانہ بدوشی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ ایسینا نام کے اس ہن قبیلے کا خاقان تومن تھا۔ تومن کو جب خبر ہوئی کہ اس کے دوست اس کے عزیز کردم خان کو قتل کر دیا گیا ہے تو اس نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا اور خوش نواز پر حملہ آور ہونے کے لیے اس نے شمال سے جنوب کی طرف پیش قدمی شروع کی تھی۔

اب صورت حال یہ تھی کہ ایک طرف سے شہنشاہ ایران ایک ایسے لشکر کے

ساتھ گورگان کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا جس کی تعداد ہن قبائیل کے سارے لشکر سے کئی گنا زیادہ تھی۔ دوسری طرف ہن قبیلے ایسینا کا خاقان تومن شمال کے برفزاروں سے جنوب کی طرف ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ خوش نواز پر حملہ آور ہونے کے لیے بڑی تیزی سے بڑھتا چلا آ رہا تھا۔

خوش نواز کے جاسوس بھی ایرانیوں اور ایسینا قبیلے کے خاقان تومن کی ایک ایک نقل و حرکت سے خوش نواز کو آگاہ کئے ہوئے تھے۔ اس صورت حال میں خوش نواز نے اپنی مجلس شوریٰ کا اجلاس طلب کیا جب سارے سردار خوش نواز کے خیمے میں جمع ہو گئے تب شہنشاہ ایران فیروز اور ایسینا قبیلے کے خاقان تومن کے حملہ آور ہونے کی اطلاع انہیں کی اور ان سے اس سلسلے میں مشورہ طلب کیا۔

مجلس شوریٰ میں بیٹھے سارے سردار اور سالار کچھ دیر تک خاموش رہے آپس میں صلاح و مشورہ ہوتا رہا قطری غور قبیلے سے تعلق رکھنے والا بوڑھا ہن سردار فاروس اٹھا اور خوش نواز کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

دیکھ خاقان۔ اس وقت ہم دو طرفہ دشمنوں سے گھرے ہوئے ہیں۔ جنوب سے ایران کا شہنشاہ فیروز ایک ایسے بڑے لشکر کے ساتھ حملہ آور ہونے کے لیے ہم پر پیش قدمی کر رہا ہے جس کی تعداد ہمارے کل لشکر سے کئی گنا زیادہ ہے۔ دوسری طرف شمال کی طرف سے ایسینا قبیلے کا خاقان تومن وحشی طوفانوں کی طرح بڑھتا چلا آ رہا ہے اور بقول آپ کے اس کے لشکر کی تعداد بھی کسی طور ہمارے لشکر سے کم نہیں ہے۔ دیکھ خاقان اگر یہ دونوں دشمن بہ یک وقت ہم پر حملہ آور ہو گئے تو ہم بڑی مصیبت بڑی الجھن میں پھنس کر رہ جائیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ ان دونوں دشمنوں کو تدبیر کے تحت شکست دیکر بھاگنے پر مجبور کیا جائے۔

اس پر خاقان خوش نواز بولا اور اس بوڑھے فاروس کو مخاطب کر کے پوچھا دیکھ فاروس میرے بزرگ۔ کیا تیرے پاس کوئی ایسی تجویز ہے جس پر عمل کر کے ہم بیک وقت ان دونوں دشمنوں کو شکست دیکر مار بھگانے میں کامیاب ہو سکتے ہیں اس پر فاروس بولا اور کہنے لگا۔ دیکھ خاقان میرے پاس ایک تجویز ہے اگر تم اس پر عمل کرو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں ہم بہ یک وقت ان دونوں دشمنوں کو بدترین شکست دے

سکتے ہیں۔

بوڑھے فاروس کی اس گفتگو پر سارے سالار اور سردار بڑے شوق سے اس کی طرف دیکھنے لگے تھے اس موقع پر پھر خوش نواز بولا اور کہنے لگا دیکھ فاروس میرے بزرگ ۔ تمہارے پاس ایسی کوئی تجویز ہے تو کہو تاکہ اس پر عمل کیا جائے اس پر بوڑھے فاروس نے کچھ سوچا پھر وہ کہہ رہا تھا۔

دیکھ خاقان میرے پاس جو تجویز ہے اس سے ایک قوت کو روکا جا سکتا ہے اس سے یا تو ایران کے شہنشاہ فیروز کی راہ روک دی جائے یا ایسینا قبیلے کے خاقان تومن کو روکا جا سکتا ہے پر میرے خیال میں جو تجویز میرے ذہن میں ہے اس سے بہتر طور پر ایران کے شہنشاہ فیروز ہی کو روک کر اسے شکست دی جا سکتی ہے۔ اس پر خوش نواز بولا اور کہنے لگا۔

دیکھ بزرگ فاروس تم اپنی تجویز کہو۔ اگر اس تجویز سے کسی ایک حملہ آور کو روکا جا سکتا ہو تو دوسرے کے خلاف میں اپنے سرداروں سے صلاح و مشورہ کر کے اس کا خود ہی سدباب کرنے کی کوشش کروں گا۔ اس پر بوڑھا فاروس بولا اور کہنے لگا۔ دیکھ خاقان جو تجویز میرے ذہن میں ہے اس کے مطابق میرے دونوں ہاتھ پاؤں کٹوا کر بخارا کے آگے جو بیابان پڑتا ہے اس میں شاہراہ پر ڈال دیا جائے۔ اسی بیابانی شاہراہ پر سفر کرتے ہوئے ایران کا شہنشاہ فیروز بلخ کی طرف آئے گا۔ میرے کٹے ہوئے ہاتھ پاؤں دیکھ کر وہ یقیناً" مجھ سے استفسار کرے گا اس کے بعد جو میں اسے گزارش کروں گا تو میری یہ کارگزاری یقیناً" تاریخ کا ایک حصہ بن کر رہ جائے گی۔

فاروس کی یہ تجویز سن کر خوش نواز تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر وہ بولا اور کہنے لگا دیکھ فاروس یہ ایک احمقانہ تجویز ہے اور اس پر کسی صورت عمل نہیں کیا جا سکتا کیوں میں تمہارے ہاتھ پاؤں کٹوا کر بیابان میں سے گزرنے والی اس شاہراہ پر ڈال دوں جو بلخ کی طرف آتی ہے۔ اس پر فاروس بولا اور کہنے لگا دیکھو خاقان میں قریب کنارے کھڑا ہوں میرے ہاتھ پاؤں نہ کٹیں تب بھی میں کچھ دن تک موت سے بغلگیر ہو جاؤں گا کیوں نہ میں اپنی موت کو بھی اپنی قوم اور اپنے قبیلوں کے لیے ایک ایثار اور قربانی کا ذریعہ بناتا چلا جاؤں ۔ دیکھ خاقان یہ کوئی احمقانہ تجویز نہیں ہے تو میرے

ہاتھ اور پاؤں کاٹ کے بیابان کے اس پار شاہراہ کے کنارے ڈال کے تو دیکھ پھر دیکھنا کیسے میں اپنے رویے سے ایران کے شہنشاہ اور اس کے لشکریوں پر ذلت اور لعنت طاری کرتا ہوں۔ جواب میں خوش نواز نے پھر کچھ سوچا اس کے بعد اپنا فیصلہ دیتے ہوئے کہنے لگا دیکھ فاروس ایسا ممکن نہیں ہم ایران کے شہنشاہ فیروز اور ایسینا قبیلے کے خاقان تومن کو بیک وقت روکنے کے لیے کسی اور ہی تجویز کو کام میں لائیں گے۔ اس پر فاروس بولا اور کہنے لگا دیکھ خاقان اگر میری تجویز پر عمل نہ کیا گیا تو میں آپ کو پہلے سے بتاتا ہوں کہ میں خود ہی اپنے ہاتھ پاؤں کاٹ کر اپنے کچھ ساتھیوں کی مدد سے اپنے آپ کو بلخ کے اس پار کے بیابان میں پھینکوا دوں گا اس کے بعد میں جو کچھ کرنا چاہتا ہوں کہ گزروں گا اس لیے کہ میں نے تہیہ کیا ہوا ہے کہ میں بہرصورت اپنی جان اپنے جسم کی قربانی دیکر ایرانیوں کے مقدر میں ذلت لکھوا کے رہوں گا۔

فاروس کی اس ہٹ دھرمی پر خوش نواز پھر تھوڑی دیر تک خاموش رہا اس کے بعد وہ بولا اور کہنے لگا۔ دیکھ فاروس اگر تیری یہی مرضی ہے تو جو کچھ تو نے کہا ہے اس پر عمل کیا جائے گا پر یہ تو کہو کہ اگر ہم تمہارے ہاتھ پاؤں کٹوا کے بیابان میں ڈالتے ہیں تو تو کیسے ایرانیوں پر ذلت اور لعنت طاری کرے گا۔ اس پر فاروس بولا اور کہنے لگا بس خاقان یہ بات مجھ پر رہنے دو میں ایران کے شہنشاہ فیروز اور اس کے لشکریوں کو ایسا گمراہ کروں گا کہ وہ بیابانوں میں بھٹک بھٹک کر تھک کر مرجائیں گے اور لڑے بغیر ہی آپ کے سامنے اپنی شکست کو تسلیم کر لیں گے۔ فاروس کے ان الفاظ پر خوش نواز مطمئن ہو گیا تھا پھر وہ اپنے دوسرے سالاروں اور سرداروں کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔ فیروز کو روکنے اور اپنے سامنے نیچا دکھانے کی تو تجویز فاروس پیش کر چکا ہے۔ اب ایسینا قبیلے کے سردار تومن کو کیسے روکا جائے گا۔ اس پر کوساک اپنی جگہ سے اٹھا اور خوش نواز کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

دیکھ خاقان لشکروں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے ایک حصے میں میرے بھائی کیوان اور کداری قبیلے کے سردار اوستا کو رکھا جائے۔ ان کے ساتھ ان کے اپنے اپنے لشکر ہوں اپنے لشکروں کے ساتھ یہ شمال کے کوہستانی سلسلوں کے اندر گھات لگا بیٹھ جائے اور جب ایسینا قبیلہ کا خاقان تومن ہم پر حملہ آور ہونے کے لیے ادھر

کا رخ کرے تو یہ اس پر شب خون مارنا شروع کر دیں اس طرح یہ کوہستانی سلسلے کے اندر ایسینا قبیلے کے خاقان تومن کو اپنے ساتھ الجھائے رکھیں دوسری طرف میں اور آپ اتنی دیر تک دونوں مل کر ایران کے شہنشاہ فیروز سے نپٹ لیں گے اور پھر ہم اپنے متحدہ لشکر کے ساتھ ایسینا قبیلے کے خاقان تومن پر ایسا خوفناک حملہ کریں گے کہ اسے اپنے سامنے شکست کے سوا کچھ دکھائی نہ دے گا۔

کوساک کے خاموش ہونے پر خوش نواز نے انتہائی اطمینان میں اور تسلی آمیز انداز میں کہا مجھے کوساک کی اس تجویز سے پورا اتفاق ہے آج ہی بلکہ ابھی تھوڑی دیر بعد ان دونوں تجویزوں پر عمل کیا جائے گا پہلے بوڑھے فاروس کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر بلخ کے اس پار کے ویرانے میں ڈالا جائے گا اور ساتھ ہی میں اور کوساک اپنے لشکروں کے ساتھ جنوب کی طرف کوچ کریں گے ہمارے ساتھ ہی عیوان اور اوستا بھی اپنے اپنے لشکروں کو لیکر شمالی کوہستانی سلسلے کی طرف کوچ کریں گے اور گھات میں بیٹھ کر ایسینا قبیلے کے خاقان تومن پر شب خون مارتے ہوئے ہوئے اسے اپنے ساتھ الجھائے رکھنے کی کوشش کریں گے اس کے ساتھ ہی مجلس شوریٰ کا وہ اجلاس ختم کر دیا گیا تھا۔

○

کوساک جب اپنے خیمے میں داخل ہوا تو اس کی بیوی جوفینا خیمے کے وسط میں جنگی لباس پہنے کھڑی تھی اور خیمے کا سارا سامان بھی اس نے سمیٹ رکھا تھا۔ کوساک آگے بڑھا پہلے اس نے خیمے کے سارے سمیٹے ہوئے سامان کی طرف دیکھا پھر وہ ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں اپنے سامنے جنگی لباس میں کھڑی اپنی بیوی حسین و جمیل جوفینا کو دیکھتا رہا پھر پوچھا۔

دیکھ جوفینا یہ تو نے جنگی لباس کیوں پہن رکھا ہے اور خیمے کا سارا سامان بھی تو نے سمیٹ رکھا ہے اور اس پر جوفینا فوراً بولی اور کہنے لگی۔ اس لیے کہ ابھی تھوڑی دیر تک ہمارا لشکر جنوب کی طرف کوچ کرے گا۔ اس پر کوساک نے بڑے غور سے جوفینا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا لیکن تمہیں کیسے خبر ہوئی اس پر جوفینا نے آگے بڑھ کر اپنا بازو کوساک کی کمر میں ڈالتے ہوئے کہنے لگی میں ساہیر قبیلے کے سردار

ہی نہیں بلکہ ہن قبائل کے ولی عہد کوساک کی بیوی ہوں اگر مجھے خاقان کے خیمے میں ہونے والے فیصلوں کا علم نہیں ہو گا تو کسے ہو گا اس کے بعد جوفینا انتہائی پیار بھرے اور چاہت آمیز انداز میں مسکراتے ہوئے کوساک کی طرف دیکھنے لگی تھی اس پر کوساک نے پوچھا لیکن جس وقت یہ فیصلہ ہوا تم کہاں تھی۔

جواب میں جوفینا بولی اور کہنے لگی جس وقت مجلس شوریٰ برپا تھی میں خاقان کے خیمے کے پشتی کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی اس پر کوساک نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

دیکھ جوفینا تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے پہلے تمہارا باپ اٹیلا خاقان تھا اس لیے وہ کمرہ تم استعمال کر سکتی تھیں لیکن اب کسی موقع پر خوش نواز نے اعتراض کر دیا تو پھر اس پر جوفینا غور سے کوساک کی طرف دیکھتے ہوئے کسی قدر سخت اور جرأتمند آواز میں کہنے لگی۔

خاقان مجھے وہاں سے روکنے کی کیسے جرات اور ہمت کر سکتا ہے پہلے میں اس پشتی کمرے میں اس لیے بیٹھتی تھی کہ میں خاقان اٹیلا کی بیٹی تھی اور میں ایسا کرنے کا حق رکھتی تھی اب بھی میں ایسا کرنے کا حق رکھتی ہوں اس لیے کہ اب میں اگر خاقان کی بیٹی نہیں تو ہن قبائل کے ولی عہد کی بیوی ضرور ہوں اور ولی عہد کی بیوی کی حیثیت سے میں اس پشتی کمرے کو اپنے استعمال میں لا سکتی ہوں بلکہ میں اگر چاہوں تو ولی عہد کی بیوی کی حیثیت سے مجلس شوریٰ میں بھی حصہ لے سکتی ہوں اس پر کوساک ہار مانتے ہوئے اور مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

دیکھ جوفینا تو ٹھیک ہی کہتی ہے بے شک ولی عہد کی بیوی کی حیثیت سے تو ایسا کر سکتی ہے اور کوئی تجھے منع نہیں کر سکتا۔ اس پر خوشی میں جوفینا نے کوساک کو ایک لحاظ سے لپیٹا لیا اور کہا کہ آپ نے میرے حوصلے بلند اور میرا دل خوش کر دیا ہے۔ پھر کوساک کو اپنے ساتھ لپٹائے ہی لپٹائے اپنے خیمے کے وسط میں لائی پھر دونوں میاں بیوی اپنے کوچ کی تیاریاں کرنے لگے تھے۔

مجلس شوریٰ میں طے شدہ تجویز کے مطابق عیوان اور اوستا دونوں اپنے اپنے لشکر کو لیکر شمالی کوہستانی سلسلے کے اندر گھات میں بیٹھ گئے تھے کہ ایسینا قبیلے کا خاقان

تو من جب اس سمت آئے تو اس پر شبخون مار کر نقصان پہنچانے کا سلسلہ شروع کر کے اپنے لشکر کی طرف اس کی پیش قدمی کو روکا جا سکے۔ کم از کم اس کی پیش قدمی کی رفتار کو سست کر دیا جائے۔ دوسری طرف قطری غور قبیلے کے سردار فاروس کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر بلخ کے اس پار پڑنے والے بیابان میں عین اس شاہراہ کے کنارے ڈال دیا گیا تھا جو بلخ شہر کی طرف آتی تھی۔

ایران کا شہنشاہ فیروز جب اپنے لشکر کے ساتھ منزل پر منزل مارتا ہوا اس بیابان میں سے گزرنے والے شاہراہ پر آیا جس پر فاروس کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر ڈال دیا گیا تھا تو کچھ ایرانیوں نے اسے اس کسمپرسی کی حالت میں دیکھا اور اپنے بادشاہ فیروز سے اس کا ذکر کیا کہ ایک مظلوم پڑا ہے جس کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہیں اور اس کا تعلق ہن قبائل سے ہے۔

یہ خبر سن کر ایران کا شہنشاہ فیروز خود فاروس کے پاس آیا۔ اس سے بڑی ہمدردی کی پھر اس کی بدبختی کا سبب پوچھا۔ بوڑھا فاروس بڑی بے بسی اور لاچارگی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

دیکھ ایران کے بادشاہ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میرا تعلق ہن قبائل کے ایک قبیلے قطری غور سے ہے۔ میرا قصور صرف یہ ہے کہ میں نے اپنے خاقان خوش نواز سے کہا تھا کہ وہ اپنی رعایا پر ظلم و ستم نہ کرے اور خدا سے ڈرے۔ رعایا اس وقت اس سے بد دل ہے لہٰذا وہ ایران کے شہنشاہ فیروز کے خلاف لشکر کشی نہ کرے اور نہ اس سے جنگ کی ابتدا کرے بلکہ ایران کے ساتھ اپنے تعلقات کو درست کرے تاکہ دونوں مملکتیں اپنی اپنی رعایا کے لیے خوشحالی کا بندوبست کر سکیں۔

دیکھ ایران کے شہنشاہ میں نے اپنے خاقان خوش نواز سے یہ بھی کہا تھا کہ اگر ایرانیوں نے حملہ کر دیا تو تم ان کا مقابلہ نہ کر سکو گے۔ آخر میری یہ باتیں خاقان خوش نواز کو ناپسند ہوئیں مجھ سے وہ خفا ہوا مجھے اس نے معافی مانگنے کے لیے کہا میں نے چونکہ سچی اور حقیقت پر مبنی باتیں کہیں تھیں لہٰذا میں نے اس سے معافی مانگنے سے انکار کر دیا۔

جس کے نتیجے میں آخر خوش نواز نے میرے ہاتھ اور پاؤں کٹوا کر مجھے اس

بیابان میں پھنکوا دیا۔ ایران کے شہنشاہ فیروز نے جب فاروس کی یہ ساری گفتگو سنی تو اسے فاروس پر بڑا رحم آیا اور کہا دیکھ پہلے تو اپنا نام بتا کہ تیرا نام کیا ہے پھر میں تیرے متعلق فیصلہ کرتا ہوں۔ اس پر فاروس بولا اور کہنے لگا دیکھ بادشاہ میں پہلے ہی تمہیں کہہ چکا ہوں کہ میرا تعلق ہن قبائل کے قطری غور سے ہے اور میرا نام فاروس ہے۔ میں اپنے قبیلے کے معزز سرداروں میں سے ایک تھا۔ اس پر فیروز نے اپنا فیصلہ دیتے ہوئے کہا۔

دیکھ فاروس میں تمہیں اپنے ساتھ لشکر میں رکھوں گا۔ تمہیں اپنے ساتھ لیکر چلوں گا میں ہن قبائل کے خاقان خوش نواز پر بڑی خونخواری سے حملہ آور ہوں گا اور مجھے امید ہے کہ میں اسے بدترین شکست دوں گا اور اسے کیفر و کردار تک پہنچا کر تمہارے ساتھ جو اس نے ظلم اور زیادتی کی ہے اس کا بھی انتقام لوں گا۔ اس پر فاروس اپنی آنکھوں میں مصنوعی آنسو بھرتے ہوئے بڑی عاجزی اور انکساری سے کہنے لگا۔

ایران کے عظیم بادشاہ۔ اگر آپ میرا انتقام لینے کی خاطر ہن قبائل کے خاقان خوش نواز پر حملہ آور ہوں اور اسے عبرتناک شکست دیکر اسے کیفر کردار تک پہنچائیں تو میں سمجھوں گا کہ میرے جسم کا کوئی نقصان ہوا ہی نہیں۔ یہاں تک کہنے کے بعد فاروس تھوڑی دیر تک خاموش رہا۔ پھر وہ بولا اور کہنے لگا۔ اے شہنشاہ اگر آپ برا نہ مانیں تو میں ہن قبائل کے خاقان خوش نواز پر قابو پانے کا ایک طریقہ بتاؤں۔ آپ جانتے ہیں کہ ہن قبائل جنگ کرنے میں بڑے خونخوار اور وحشی ہیں اور وہ جنگوں کا وسیع تجربہ رکھنے کے ساتھ ساتھ وحشت اور بربریت کے بھی عادی ہیں۔ اس پر ایران کے شہنشاہ فیروز نے فاروس کی باتوں میں دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ فاروس کہنے لگا۔

دیکھ بادشاہ یہاں سے وہ مقام جہاں اس وقت خاقان خوش نواز نے پڑاؤ کر رکھا ہے اکیس دن کی مسافت پر واقع ہے۔ ان اکیس دنوں میں اسے خبر ہو جائے گی کہ ایران کا بادشاہ مجھ پر حملہ آور ہونے کے لیے پیش قدمی کر رہا ہے لہٰذا اس عرصے میں مقابلے کی پوری پوری تیاری کر لے گا اور میرے خیال میں آپ کی فتح کو اگر نا

ممکن نہیں تو مشکل ضرور بنا کر رکھ دے گا۔

دیکھ بادشاہ میں آپ کو ایک ایسا مختصر راستہ بتا سکتا ہوں جو صرف پانچ دن میں آپ کو ترکستان کی اس سرحد پر پہنچا دے گا جہاں اس وقت خوش نواز نے پڑاؤ کر رکھا ہے۔ اس کے علاوہ جو راستہ میں بتاؤں گا اس راستے میں کسی قسم کی تکلیف کا بھی آپ کو سامنا نہ کرنا پڑے گا۔ ہاں پانی کی قلت ضرور ہو گی۔ اس لیے پانی کا ذخیرہ یہیں سے کر لیا جائے۔

ایران کا شہنشاہ فیروز ہاتھ پاؤں کٹے فاروس کی اس تجویز پر عمل کرنے کے لیے فوراً تیار ہو گیا۔ فیروز کے امرائے لشکر نے ہر چند فیروز کو بہتیرا سمجھایا اور کہا کہ ممکن ہے اس بوڑھے کے حوالے سے کوئی سازش ہو اور اس بوڑھے کی وجہ سے ہم کسی مصیبت میں مبتلا ہو کر رہ جائیں لہٰذا ہمیں اپنا راستہ نہیں چھوڑنا چاہیے۔ لیکن فیروز نے ایک نہ سنی۔ بوڑھے فاروس کی باتوں سے وہ بے حد متاثر ہوا تھا۔ لہٰذا اس کے کہنے پر اس نے عمل کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ بوڑھے فاروس کو فیروز کے کہنے پر گھوڑے پر لاد دیا گیا تھا۔ تمام لشکر اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ آخر اس ہن سردار فاروس نے ایران کے سارے لشکر کو بے راہ کر کے ایسے مقام پر پہنچا دیا جہاں پانی نام کو نہ تھا۔

پانی کا جو ذخیرہ ایران کا شہنشاہ فیروز جو اپنے ساتھ لے کر گیا تھا۔ ختم ہو گیا۔ شدت پیاس کے باعث اس کے لشکری ہلاک ہونا شروع ہو گئے۔ فیروز نے جب محسوس کیا کہ ایرانی لشکر ایک طرح سے دشمن کے جال میں پھنس گیا ہے تو اس نے فاروس کو اپنے سامنے طلب کیا۔ جب فاروس اس کے سامنے آیا تو فیروز نے کسی قدر سخت لہجے میں اسے مخاطب کر کے پوچھا۔ دیکھ ہن سردار تو نے میرے لشکر کو کہاں لا پھنسایا ہے یہاں پانی نہیں۔ یہاں لق و دق صحرا ہے۔ اس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں۔ میرے لشکر میں پانی ختم ہو چکا ہے۔ پیاس کے باعث میرے لشکری ہلاک ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ تو ہمیں اس طرف کیوں لایا۔ اس پر فاروس نے بڑی بیباکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

دیکھ بادشاہ میں تجھے جان بوجھ کر اس طرف لایا میں نے خود اپنے خاقان سے

کہہ کر اپنے ہاتھ پاؤں کٹوائے اور اسے کہا کہ مجھے بلخ کے راستے میں ڈال دیا جائے تاکہ میں تیرے لشکر کو گمراہ کروں اور تو میری اس تدبیر کے مطابق ہن قبائل کے ہاتھوں شکست اٹھانے پر مجبور ہو جائے۔ دیکھ بادشاہ میں نے اپنی مرضی اپنی رضامندی سے اپنے ہن قبائل کی سربلندی کی خاطر اپنے ہاتھ پاؤں کٹوائے اور تجھے بے راہ کیا تو دیکھتا ہے کہ میں نے تجھے تیرے لشکریوں کو ایک ایسے ویرانے اور صحرائی حصے میں لا پھنسایا ہے جہاں سے نکلنے کے لیے تیرے پاس کوئی راستہ نہیں ہے اور یہ کہ تیرا لشکر پیاس سے ہلاک ہو گا۔ اور مزید یہ کہ عنقریب ہی اسی حصے میں میرا خاقان اپنے لشکر کے ساتھ تم پر حملہ آور ہو گا ایران کے شہنشاہ فیروز نے جب فاروس کی یہ گفتگو سنی تو تلوار مار کر اس کی گردن کاٹ دی۔ پھر وہ حالات کا جائزہ لینے لگا تھا۔

ایران کے شہنشاہ فیروز نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ بری طرح اپنے دشمن کے چنگل میں پھنس چکا ہے اور اگر تھوڑی دیر تک ہن قبائل کے خاقان خوش نواز نے اس پر حملہ کر دیا تو اس کا سارا لشکر بے بسی کی حالت میں موت کی نیند سلا دیا جائے گا۔ ان حالات سے مجبور ہو کر فیروز نے اپنے ایلچی ہن قبائل کے خاقان کی طرف روانہ کیے اور صلح کی گفتگو کرنا چاہی۔

خوش نواز صلح کے لیے تیار ہو گیا اور صلح کے لیے اس نے تین شرطیں پیش کیں۔ پہلی یہ کہ ایران کا شہنشاہ اپنی بیٹی لامیدن کو خوش نواز کے حرم میں داخل کرے۔ دوسری یہ کہ فیروز خوش نواز کے پاؤں پر منہ کے بل لیٹ کر اظہار اطاعت کرے اور تیسری یہ کہ ایران کا شہنشاہ سرحد پر ایک ستون گاڑے اور آئندہ کبھی بھی اس ستون سے آگے نہ بڑھے۔

ان شرائط سے متعلق ایران کے شہنشاہ فیروز نے جب اپنے مجلس شوریٰ سے مشورہ کیا۔ تو امراء نے کہا کہ پہلی شرط سے معذرت کر لی جائے اور دوسری دونوں شرطیں مان لی جائیں۔ اس پر فیروز کہنے لگا کہ دوسری شرط تو انتہائی رسوا کن ہے۔ منہ کے بل ہن قبائل کے خاقان کے سامنے لیٹنا۔ اس پر فیروز کے مذہبی مشیروں نے مشورہ دیا اطاعت کے لیے لیٹنے کی کارروائی صبح کو کی جائے اور فیروز خوش نواز کے سامنے لیٹتے ہوئے یہ سوچ لے کہ وہ یزدان کے حضور جھکا ہے کسی انسان کے سامنے

نہیں۔ اس طرح یہ شرط پوری کرنے میں آسانی ہو جائے گی اور معاہدۂ صلح ہو جائے گا۔

بہرحال اپنے امراء کی بات کو مانتے ہوئے ایران کے شہنشاہ فیروز نے پہلی شرط سے معذرت طلب کی اور باقی دونوں شرطیں اس نے مان لیں۔ بہرحال خوش نواز نے ان دو شرطوں پر ہی فیروز کے ساتھ صلح کو قبول کر لیا۔ جس کے نتیجے میں ایران کا شہنشاہ فیروز ہن قبائیل کے خاقان خوش نواز کے سامنے اپنی اطاعت کا اظہار کرنے کے لیے خاقان خوش نواز کے پاؤں پر منہ کے بل لیٹ گیا اور دوسری شرط اس نے اس طرح پوری کی کہ سرحد پر ایک ستون گاڑا اور وعدہ کیا کہ کبھی وہ اس کو عبور کر کے ہن قبائیل کی سرزمینوں میں داخل ہونے کی کوشش نہیں کرے گا۔

ہن قبیلے ایسینا کے خاقان تومن کو جب خبر ہوئی کہ ایران کے شہنشاہ فیروز کو بدترین شکست کا سامنا ہوا ہے۔ تو وہ بھی اپنے لشکر کے ساتھ خوش نواز کے لشکر پر حملہ آور ہونے کے بجائے واپس اپنے شمالی برف زاروں کی طرف چلا گیا تھا۔

ایران کے شہنشاہ فیروز نے ہن قبائیل کے مقابلے میں بڑی رسوا کن شرائط کے عوض صلح کی تھی۔ گو اس کے لشکر کا کوئی نقصان نہ ہوا تھا اس لیے کہ ہنوں کے ساتھ کوئی جنگ نہ ہوئی تھی صرف اپنے لشکر کی بے بسی اور بد حالی دیکھتے ہوئے فیروز صلح پر مجبور ہوا تھا۔ اس صلح کے نتیجے میں ایرانی لشکری بھی بڑے بد دل ہو گئے تھے لہٰذا فیروز یہ سوچنے لگا کہ پہلے کسی اور سمت حملہ آور ہو کر فتوحات حاصل کرے تاکہ اس کے لشکریوں کے حوصلے بلند ہوں اور دوبارہ وہ ہن قبائیل کے خاقان خوش نواز کے سامنے آئے اور جن رسوا کن شرائط کے تحت خوش نواز نے اسے صلح پر مجبور کیا ہے اس کا خوش نواز سے انتقام لے۔

خوش قسمتی سے ان ہی دنوں آرمینیا میں ایران کے زرتشتی مذہب کی تبلیغ زور شور سے جاری تھی۔ ایرانی حکام اور وہ ارمنی جو عیسائیت ترک کر کے دین زرتشتی کے پیرو ہو چکے تھے مل کر یہ مذہبی فائدہ اٹھا رہے تھے۔

اہل ارمینیا اس تحریک سے سخت برا فروختہ تھے آخر جب انہوں نے سنا کہ فیروز کو ہنوں کے خلاف پیش قدمی میں ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے تو ان کے

حوصلے بڑھے اور حکومت ایران کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے انہوں نے آرمینیا کے پایہ تخت ارتاکستا پر قبضہ کرنے میں کامیابی حاصل کر لی تھی۔

مرکزی شہر پر قبضہ کرنے کے بعد اہل آرمینیا جو حقیقی معنوں میں ایران کے ماتحت تھے انہوں نے خود مختاری کا اعلان کرتے ہوئے ساہاک نام کے ایک شخص کو اپنا بادشاہ بنا لیا۔

آرمینیا کی ایران کے خلاف بغاوت میں گرجستھانی یعنی موجودہ جارجیا کے رہنے والوں نے بھی ساتھ دیا۔

فیروز کو اپنے لشکریوں کا حوصلہ بلند کرنے کے لیے بہترین موقع مل گیا۔ لہٰذا اپنے لشکر کو لیکر وہ آرمینیا کی طرف تیزی سے بڑھا۔ گرجستھانیوں یعنی جارجیا والوں کو جب پتہ چلا کہ فیروز ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ آرمینیا کی طرف بڑھ رہا ہے تو انہوں نے آرمینیا والوں کا ساتھ چھوڑ کر ایران کے بادشاہ فیروز کی اطاعت کر لی۔ ایران کا شہنشاہ فیرو بڑی خونخواری سے آرمینیا پر حملہ آور ہوا۔ آرمینیا کے بادشاہ ساہاک کو اس نے بدترین شکست دی۔ اور جنگ میں اسے قتل کر دیا۔ آرمنی فوجوں کا سپہ سالار جس کا نام واہان تھا وہ بھاگ گیا۔ اس طرح آرمینیا پر لشکر کشی کرتے ہوئے ایران کے شہنشاہ نے نہ صرف یہ کہ دوبارہ آرمینیا پر قبضہ کر لیا بلکہ اس کے ایسا کرنے سے اس کے لشکریوں کے حوصلے بلند ہو گئے تھے اور اب وہ ایک بار پھر ہن قبائیل کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے پر آمادہ اور تیار ہو گئے تھے۔ لہٰذا آرمینیا سے فوراً فیروز اپنے شہر مدائین پہنچا۔ ہنوں کے ساتھ صلح کرنے کے بعد جو ذلت اور رسوائی فیروز کو ہوئی تھی اس کا اسے انتہائی قلق تھا۔ وہ بدنامی کے اس دھبے کو اپنے دامن سے دور کرنے کے لیے بیتاب تھا۔ چنانچہ بڑی تیزی سے اپنی جو جنگی تیاریاں اس نے مکمل کیں۔ اور ہن قبائیل پر حملہ آور ہونے کے لیے ایک بار پھر وہ اپنے لشکر کے ساتھ اپنے مرکزی شہر مدائین سے روانہ ہوا۔ اس بار اس نے اپنے لشکر میں پانچ سو ہاتھی بھی شامل کئے تھے اور اسے یقین تھا کہ اس بار وہ ہن قبائیل کو بدترین شکست دیکر اپنا مطیع اور فرمانبردار بنا کر چھوڑے گا۔

ہن قبائیل کے خاقان خوش نواز کو بھی ایران کے شہنشاہ فیرو کی اس پیش قدمی

اور بد عہدی کا علم ہو گیا تھا۔ شرائط کے تحت فیروز نے وعدہ کیا تھا کہ وہ سرحد پر گاڑے جانے والے ستون کو عبور نہیں کرے گا اور ہن قبائیل پر حملہ آور نہیں ہو گا۔ چونکہ ایران کا شہنشاہ بدعہدی پر آمادہ ہو چکا تھا۔ ہن قبائیل کے خاقان نے بھی اس کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنی تیاریاں کرنا شروع کر دی تھیں۔

ہن قبائیل کے خاقان خوش نواز کے لیے پہلے جیسی مصیبت اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ یہ کہ ایسینا قبیلے کا خاقان تومن جو پہلے لڑے بغیر بھاگ گیا تھا اسے خبر ہو گئی تھی کہ ایران کا شہنشاہ فیروز نئی قوت اور طاقت سے خوش نواز پر حملہ آور ہونے کے لیے پیش قدمی کر رہا ہے۔ لہٰذا اس نے بھی چاہا کہ وہ بھی ایک طرف سے خوش نواز پر حملہ آور ہو۔ اور اس جنگ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ نہ صرف یہ کہ مرنے والے اپنے دوست کردم خان کا انتقام لے۔ بلکہ اس جنگ میں خوب لوٹ مار کر کے اپنے لشکریوں کی حالت اچھی اور بہتر کر لے۔ اب صورت حال یہ تھی کہ جنوب کی طرف سے ایران کا شہنشاہ فیروز اور شمال کی طرف سے ایسینا قبیلے کا خاقان تومن حملہ آور ہونے کے لیے پیش قدمی کر رہے تھے۔

ہن قبائیل کے خاقان خوش نواز نے پہلے جیسا طریقہ کار ہی استعمال کیا۔ اپنے سالار عیوان اور اوستا کو اس نے ان کے لشکر کے ساتھ شمال کی طرف ایسینا قبیلے کے خاقان تون کی راہ روکنے کے لیے روانہ کر دیئے۔ اس بار اس نے اپنے دونوں سالاروں کو بڑی تاکید کے ساتھ یہ مشورہ دیا کہ وہ کوہستانی سلسلے کے اندر ایسینا قبیلے کے خاقان تومن کو گھیر کر رکھیں اور بھاگنے نہ دیں اور یہ کہ وہ خود اور کوساک ایران کے شہنشاہ فیروز سے فارغ ہونے کے بعد ایسینا قبیلے کے خاقان تومن پر حملہ آور ہوں گے اور اس کی ایسی حالت کریں گے کہ آئندہ اسے خاقان خوش نواز کے لشکر پر حملہ آور ہونے کی ہمت نہ ہو سکے۔ یہ سارے انتظامات ہونے کے بعد اپنے سالار عیوان اور اوستا کو تو خوش نواز نے ایسینا قبیلے کے خاقان تومن سے نپٹنے کے لیے روانہ کر دیا۔ جبکہ خود خوش نواز کوساک کے ساتھ باقی ماندہ لشکروں کو لیکر ایرانی سرحدوں پر پڑاؤ کئے رہا۔

آخر ایرانی شہنشاہ فیروز بھی اپنے لشکر کو لیکر پہنچ گیا۔ اس طرح بلخ شہر کے باہر

دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہوئے تھے۔ جس روز صبح ہی صبح جنگ کی ابتداء ہونی تھی اس سے ایک روز پہلے رات کے وقت کوساک اور جو فینا دونوں میاں بیوی اپنے خاقان خوش نواز کے خیمے میں داخل ہوئے۔ خوش نواز اس وقت اپنے خیمے میں اکیلا تھا۔ کوساک اور جو فینا دونوں کو اپنے خیمے میں دیکھتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کر خوش نواز نے ان کا استقبال کیا۔ پھر دونوں میاں بیوی کو اس نے اپنے پہلو میں بیٹھنے کو جگہ دی دونوں میاں بیوی اس کے پاس بیٹھ گئے تو کوساک بولا اور خوش نواز کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

دیکھ خاقان۔ ایران کے شہنشاہ فیروز سے نپٹنے کے لیے میرے پاس ایک تجویز ہے اور وہ ہے بھی قابل عمل۔ مجھے امید ہے کہ تم اسے پسند کرو گے اور اگر اس پر عمل کیا جائے تو ہم بڑی آسانی کے ساتھ ایران کے شہنشاہ فیروز کو بدترین شکست دے سکتے ہیں۔ اس پر خوش نواز بڑی بے چینی سے کوساک کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

میرے بھائی میرے عزیز اگر تمہارے پاس کوئی ایسی تجویز ہے تو بتاؤ۔ اس پر فوراً عمل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اس پر کوساک بولا اور کہنے لگا دیکھ خاقان۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ رات جب گہری ہو جائے تو ہمارے لشکر کا ایک حصہ ایرانی شہنشاہ فیروز کے لشکر کی پشت پر ذرا دور جا کر گہرے کھڈے اور کھائیاں کھود دے اور ان کھڈے اور کھائیوں کو کو پتوں اور درختوں کی شاکوں سے ڈھانپ دے کل دن کے وقت جب جنگ کی ابتدا ہو تو ہم اس قدر زور دار حملے کریں کہ ایرانی پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو جائیں۔ اس طرح ہم ان پر زور پر زور ڈالتے ہوئے انہیں مزید پیچھے ہٹنے پر مجبور کریں یہاں تک کہ ایرانی اپنی پشت پر کھدے ہوئے گڑھوں میں گر کر خود ہی ہلاک ہونا شروع ہو جائیں گے۔ اس طرح ہم بڑی آسانی سے ایرانیوں کو شکست دیکر انہیں اپنا مطیع اور فرمانبردار بنا سکتے ہیں۔ دیکھ خاقان میں بڑے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ تجویز میری بیوی جو فینا نے پیش کی ہے۔

خوش نواز تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھرتی رہی پھر وہ کہنے لگا یہ ایک بہترین تجویز ہے جو ہماری بہن جو فینا نے پیش کی ہے۔ آخر

خاقان اٹیلا کی بیٹی ہے۔ اپنے اندر جنگجو ہونے کا جوہر تو یہ رکھتی ہے۔ بہرحال اس تجویز پر عمل کیا جائے گا آج رات ہی کی تاریکی میں لشکر کا ایک حصہ پشت کی طرف جائے گا اس کی کمانداری تم دونوں میاں بیوی خود کرو گے اور اپنی مرضی کے مطابق ایرانی لشکر کی پشت پر گڑھے کھدواؤ اور انہیں پتوں اور شاخوں سے ڈھانپ دو اس کے بعد کل پھر دیکھنا ہم کس طرح زور دار حملے کرتے ہوئے ایرانیوں کو پسپا کرتے ہیں اور پھر انہیں گڑھوں میں گرا کر ہلاک کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس بار ایرانی لشکر میں پانچ سو کے لگ بھگ خونخوار ہاتھی بھی شامل ہیں لہٰذا ہمیں اس جنگ میں بڑا محتاط رہنا ہو گا۔ میرے خیال میں اب تم دونوں میاں بیوی اٹھو اور جو تجویز تم نے پیش کی ہے اس پر عمل کرنے کی کوشش کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں اور لشکر کا وہ حصہ الگ کرتے ہیں جو ایرانی لشکروں کی پشت پر گڑھے کھودے گا اور پھر پتیوں اور ٹہنیوں سے گڑھوں کو ڈھانپے گا۔

○

اس رات ہن قبائل کے لشکر کا ایک حصہ کوساک اور جو فینا دونوں میاں بیوی کی سرکردگی میں حرکت میں آیا اور ایرانی لشکر کی پشت پر انہوں نے بڑے بڑے اور گہرے گڑھے کھود کر انہیں پتوں اور شاخوں سے ڈھانپ دیا تھا۔ یہ سارا کام رات کی تاریکی میں مکمل کرنے بعد لشکر کے اس حصے کے ساتھ کوساک اور جو فینا پھر خوش نواز سے جا ملے تھے۔

دوسرے روز دونوں لشکروں نے جنگ کی ابتدا کرنے کے لیے اپنی صفیں درست کرنا شروع کیں ایران کے شہنشاہ فیروز نے اپنی اگلی صفوں کے سامنے ان پانچ سو جنگی ہاتھیوں کو رکھا جو وہ اپنے ساتھ لیکر آیا تھا۔ خوش نواز اور کوساک نے بھی ان ہاتھیوں سے نپٹنے کے لیے بڑا بھرپور بندوبست کیا تھا۔ جنگ کے شروع میں ہی ان ہاتھیوں پر زہر میں بجھے ہوئے تیر اس کثرت سے برسائے کچھ ہاتھی ان زہریلے تیروں سے ہلاک ہوئے اور باقی بھاگ کھڑے ہوئے جس وقت ہاتھی بھاگ رہے تھے اسی وقت خوش نواز اور کوساک دونوں اپنے اپنے لشکروں کو حرکت میں لائے۔ اور ایران کے شہنشاہ فیروز کے لشکر پر وہ غم زندگی سے الجھتے آسیب زدہ دکھ۔ سلگتی ریت کے

بگولوں اور ذلت و نکبت کے سیلاب کی طرح ٹوٹ پڑے تھے۔

ایران کے شہنشاہ فیروز اس کے ساتھ کام کرنے والی اس کی بیٹی لامیدن اور اس کے بہترین سرداروں سوفرا اور شاہ پور کے علاوہ فیروز کے بھائی بلاش نے جو اپنے اپنے لشکروں کی قیادت کر رہے تھے پوری کوشش کی کہ کسی طرح ہن قبائل کے اس حملے کو روک کر جوابی حملہ کریں۔ ہن قبائل کو پسپا ہونے پر مجبور کریں۔ لیکن ان کی ہر کوشش رائیگاں گئی۔

خوش نواز اور کوساک کے حملوں میں ایسی تیزی ایسی خونخواری ایسی بیباکی وحشت ناکی تھی کہ ایرانی زیادہ دیر تک ان کے جان لیوا حملوں کو برداشت نہ کر سکے اور پسپا ہونا شروع ہو گئے۔ خوش نواز اور کوساک نے جب ایرانیوں کو اپنے سامنے پسپا ہوتے دیکھا تو انہوں نے اپنے حملوں میں اور زیادہ سختی اور تیزی پیدا کر لی۔ لہٰذا ایرانی اور زیادہ تیزی سے پسپا ہونا شروع ہوئے یہاں تک کہ وہ ان گڑھوں کے پاس پہنچ گئے جو رات کی تاریکی میں کوساک نے ان کی پشت پر کھدوائے تھے۔ پھر جب ہن لشکر نے ایک اور زور دار حملہ کیا تو ایرانی ان گڑھوں میں گر کر ہلاک ہونا شروع ہو گئے۔ خود ایران کا شہنشاہ فیروز بھی ایک ایسے ہی گڑھے میں گر کر ہلاک ہو گیا۔ اس طرح اس جنگ میں ایرانی لشکر کو بدترین شکست ہوئی۔

لشکر کا بڑا حصہ گڑھوں میں گر کر اور جنگ کے دوران ہلاک ہو گیا باقی بچنے والے حصے کو شہنشاہ فیروز کے سردار سوفرا شاہ پور۔ اس کا بھائی بلاش لیکر فرار ہو گئے تھے جبکہ شہنشاہ فیروز کی بیٹی لامیدن کو کوساک نے زندہ گرفتار کر لیا تھا۔

اس طرح ایران کے شہنشاہ اور ہن قبائل کے درمیان تیسری جنگ کا بھی خاتمہ ہوا۔ تیسری جنگ میں ایرانیوں کو بدترین شکست ہوئی اور ان کا شہنشاہ بھی اس جنگ میں مارا گیا۔ اس جنگ میں ایرانیوں کے پڑاؤ سے ہن قبائل کے خاقان خوش نواز کو بیشمار مال و دولت حاصل ہوا۔

ایران کی گرفتار ہونے والی شہزادی لامیدن کو کوساک اور جو فینا دونوں میاں بیوی اپنے خیمے میں لے گئے۔ لامیدن اس وقت بڑی گھبرائی ہوئی اور فکر مند تھی تاہم کوساک اور جو فینا نے اسے بڑے احترام اور عزت کے ساتھ اپنے خیمے میں نشست

گاہ پر بٹھایا پھر وہ دونوں میاں بیوی لامیدن کے پاس بیٹھ گئے اس کے بعد جو فینا بولی اور لامیدن کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

دیکھ لامیدن میری بہن۔ میں جانتی ہوں تو ایران کے شہنشاہ فیروز کی بیٹی ہے سب سے پہلے تو میں تیرے ساتھ تیرے باپ کے مرنے پر دکھ اور افسوس کا اظہار کرتی ہوں۔ اس کے بعد میں تم سے یہ کہتی ہوں کہ تجھے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تو اب محفوظ اور مامون ہے۔ کوئی اب تجھ پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔ بس یوں جان کہ تو اپنی بہن کے خیمے میں ہے۔

جو فینا کی اس گفتگو سے لامیدن کو کچھ حوصلہ ہوا پھر وہ بیچاری سہمی سہمی اور ڈری ڈری آواز میں جو فینا کو مخاطب کر کے پوچھنے لگی۔ کیا میں جان سکتی ہوں کہ اس وقت میں کس کے خیمے میں ہوں۔ تم دونوں کون ہو۔ اس پر جو فینا مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

تم اس وقت ہم دونوں کے خیمے میں ہو۔ ہم دونوں میاں بیوی ہیں میرا نام جو فینا ہے اور ان کا نام کوساک ہے یہ ہن قبائیل کی سلطنت کے ولی عہد بھی ہیں۔ یہاں تک کہنے کے بعد جو فینا جب خاموش ہوئی تو کوساک بولا اور کہنے لگا۔

دیکھ لامیدن میری بہن تو فکر مند مت ہونا۔ میری بیوی جو فینا نے تم سے اپنا پورا تعارف نہیں کروایا۔ تو نے ہن قبائیل کے ہرنے والے خاقان اٹیلا کا نام سن رکھا ہو گا۔ اس پر لامیدن نے اثبات میں سرہلاتے ہوئے کہا ہاں میں نے اٹیلا کا نام سن رکھا ہے کہتے ہیں وہ بڑا جنگجو۔ شیر دل اور جراتمند حکمران تھا۔ اس پر کوساک بولا اور کہنے لگا تو نے ٹھیک سنا ہے لامیدن۔ یہ جو فینا اسی اٹیلا کی بیٹی اور میری بیوی ہے۔ اب جو کچھ ہم تم سے کہنا چاہتے ہیں وہ سنو۔ دیکھ جو کچھ ہم کہیں گے اسی میں تیری بہتری اسی میں تیری حفاظت اور بھلائی ہے۔ اس پر لامیدن نے حوصلہ کرتے ہوئے کہا۔ کہیں آپ لوگ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ اس بار جو فینا بولی اور کہنے لگی۔

دیکھ لامیدن۔ میری بہن۔ ہمارے اور تم لوگوں کے درمیان جو پہلی جنگ ہوئی تھی اس میں یہ طے پایا تھا کہ ایران کا شہنشاہ خراج دینے کے ساتھ ساتھ اپنی شہزادی ہمارے خاقان خوش نواز کے حرم میں داخل کرے گا لیکن تو جانتی ہے کہ تیرے باپ

بدعہدی کی اور تیرے بجائے اس نے اپنی لونڈی کو خوش نواز کے حرم میں داخل اس بدعہدی کی وجہ سے دوسری جنگ ہوئی اس کے بعد یہ تیسری جنگ ہوئی۔ تمہارا شہنشاہ باپ تک مارا گیا۔ اگر یہ بد عہدی نہ کی ہوتی تو میں سمجھتی ہوں جنگ کے بعد ہنوں اور ایرانیوں کے تعلقات بہترین ہو جاتے اور دونوں اپنے علاقوں میں اپنے عوام کی خدمت کرتے۔ بہرحال جو کچھ ہونا تھا ہو چکا دیکھ میری اب اگر تو پسند کرے تو میں تیری شادی اپنے خاقان سے کرانے کا اہتمام کروں۔ طرح تو ہن قبائیل پر ایک ملکہ کی حیثیت سے حکمرانی کر سکے گی۔ دیکھ اس سلسلے نہیں خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے ہمارا خاقان جہاں بہترین جوان ہونے ساتھ ساتھ ایک عمدہ جنگجو بھی ہے وہاں ایک انتہائی رحمدل اور مہربان شخص بھی تم یقیناً" اس کی رفاقت پر فخر کرو گی اور اس کی زوجیت کو اپنے لئے سعادت جانو

یہاں تک کہنے کے بعد جو فینا جب خاموش ہوئی تو لامیدن تھوڑی دیر تک کچھ ی رہی پھر وہ خوش طبعی میں کہنے لگی اس سے پہلے میں نے تم ہن قبائیل کے ی عجیب و غریب سی کہانیاں سن رکھی تھیں مجھے بتایا گیا تھا کہ ہن بڑے وحشی اور ہیں اور وہ انسان کو چیر پھاڑ کر رکھ دیتے ہیں لیکن تمہارے اندر آ کر پتہ چلا کہ تم ہمارے جیسے ہی تہذیب یافتہ اور ہمارے جیسے ہی مہربان انسان ہو۔ اب جبکہ باپ اور ایران کا شہنشاہ اس جنگ میں مارا جا چکا ہے تو میں تمہارے سامنے یہ کرتی ہوں کہ میں تمہارے خاقان خوش نواز کے حرم میں داخل ہونے کے لیے ہوں۔

لامیدن کا یہ جواب سن کر کوساک نے بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا لامیدن میری بہن تو نے میرا دل خوش کر دیا ہے یوں جانو یہ فیصلہ کر کے تو نے سارے غموں اپنے سارے مصائب اور اذیتوں کو مٹا کر اپنی خوشیوں اپنی مسرتوں اپنی آزادانہ زندگی کے سارے دروازے کھول دیئے ہیں۔ آٹھ میری بہن ہم ابھی اور اسی وقت اپنے خاقان خوش نواز کے پاس لے کر چلتے ہیں۔ کوساک کہنے پر لامیدن اٹھ کھڑی ہوئی پھر وہ تینوں خیمے سے نکل گئے تھے۔

لامیدن کو لیکر کوساک اور جو فینا دونوں میاں بیوی خوش نواز کے خیمے
داخل ہوئے۔ خوش نواز ان تینوں کو دیکھتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔
بڑھ کر اس نے ان تینوں کا استقبال کیا۔ خوش نواز کے قریب جا کر کوساک اور
رکے۔ پھر کوساک بولا اور کہنے لگا۔

دیکھ خاقان ہم دونوں میاں بیوی کے ساتھ یہ جو لڑکی ہے یہ ایران کی شہزادی
لامیدن ہے۔ اسے میں نے جنگ کے دوران زندہ گرفتار کر لیا تھا۔ میں اور جو
دونوں میاں بیوی اسے اپنے خیمے میں لے گئے تھے اور تمہارے متعلق ہم نے اس
کے ساتھ تفصیل سے گفتگو کی۔ اس کے بعد یہ تمہارے حرم میں بخوشی داخل ہونے
کو تیار ہے۔ دیکھ خاقان تم بھی خوشی سے لامیدن کو اپنے حرم میں داخل کر لو۔ اس پر
خوش نواز نے بڑے شوق سے لامیدن کی طرف دیکھا وہ کمال درجے کی خوبصورت اور
پر جمال تھی۔ پھر خوش نواز نے اپنا فیصلہ دیتے ہوئے کہا۔

یقیناً" ایران کی شہزادی لامیدن کو اپنے حرم میں داخل کرنا میرے لیے خوش
نصیبی اور سعادت کا باعث ہو گا۔ اور میں یہ عہد کرتا ہوں کہ لامیدن کی حیثیت میری
سلطنت میں ایک قابل عزت اور باوقار ملکہ کی سی ہو گی۔

خاقان خوش نواز کا یہ جواب سن کر جہاں کوساک اور جو فینا دونوں میاں بیوی
خوش ہو گئے تھے وہاں ایران کی شہزادی لامیدن کے خوبصورت چہرے پر بھی ہلکی ہلکی
اور خوشگوار مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ پھر اسی رات ایرانی شہزادی لامیدن کو خاقان
خوش نواز کے حرم میں داخل کر دیا گیا تھا۔

دوسرے روز خوش نواز اور کوساک دونوں نے اپنے متحدہ لشکر کے ساتھ کوچ
کیا اور کوہستانی سلسلے میں اس طرف بڑھے جہاں ان کے سرداروں عیوان اور
اوستانے ایسینا قبیلے کے خاقان تومن کو گھیر کر روکے رکھا تھا۔

آخر خوش نواز اور کوساک دونوں بھی عیوان اور اوستا سے جا ملے۔ پھر چاروں
نے اس قدر خونخواری اور بھیانک پن میں ایسینا قبیلے کے خاقان تومن کے لشکر پر
حملہ کیا کہ کوہستانی سلسلے کے اندر تومن کو بدترین شکست ہوئی اور وہ کوہستانی سلسلے
میں بھاگ کھڑا ہوا۔

کچھ دور تک خوش نواز کوساک عیوان اور اوستا نے بڑے بھرپور انداز میں
سامنے بھاگتے ہوئے تومن کا تعاقب کیا جب تومن اپنے بچے کھچے لشکر کو لیکر
مرکزی شہر کی طرف بھاگ گیا تب خاقان خوش نواز نے بھی اپنے لشکر کا رخ
پھر خوش نواز کی سرکردگی میں فاتح ہن فتح مندی اور اپنی کامیابی کے گیت گاتے
شمال کے کوہستانی برف زاروں میں اپنے مسکن اور اپنے مامن کی طرف جا رہے

○

بدو

دریائے وولگا کے کنارے چنگیز خاں کا بیٹا باتو خاں اپنے محل نما خیمے میں تخت زریں پر بیٹھا ہوا تھا اس کے دائیں جانب اس کا چھوٹا بھائی برقائی خاں اور اس کے بائیں جانب اس کا بیٹا سرتاک اور بیٹی بخشائی بیٹھے ہوئے تھے جبکہ باتو کے سامنے والی نشستوں پر باتو خان کے کچھ سردار اور سالار اپنے اپنے مراتب کے مطابق اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھے ہوئے تھے خیمے میں بالکل خاموشی اور چپ کا عالم تھا۔ لگتا تھا کسی کو باتو کے سامنے پیش کیا جانے والا ہو۔

پھر تھوڑی ہی دیر بعد باتو کے خیمے کے باہر پہرہ دینے والے منگول سپاہیوں نے ایک راہب کو باتو کے سامنے پیش کیا۔ باتو خاں جس کو سائیں خان کہہ کر بھی پکارا جاتا تھا اس کا بھائی برقائی خاں بیٹا سرتاک اور بیٹی بخشائی بڑے غور سے خیمے میں پیش کئے جانے والے اس راہب کی طرف دیکھ رہے تھے جو درویشوں جیسا بھدا سا لبادہ پہنے ہوئے تھا۔

یہ راہب جو دراصل فرانس کے شہنشاہ لوئی کا جاسوس تھا اور جس کا نام ولیم تھا یہ بیلجیئم کا باشندہ تھا۔ فربہ اندام مگر نہایت حاضر جواب تھا۔ فرانس کے شہنشاہ لوئی نے جو ان دنوں مصر کے ساتھ صلیبی جنگوں میں مصروف تھا اس نے راہب ولیم کو اپنا ذاتی جاسوس بنا کر منگولوں کی طرف اس لیے بھیجا تھا کہ یہ معلوم کرے کہ طاقتور باتو اور اس وقت منگولوں کا بڑا خاقان منگو خاں کس قماش کے آدمی ہیں اور مسلمانوں کے خلاف ان کو بطور حلیف کے استعمال کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔

جس خیمے میں اس وقت باتو خاں بیٹھا تھا جس میں راہب ولیم کو پیش کیا گیا تھا اس کے ارد گرد خیموں کا ایک بہت بڑا شہر آباد تھا۔ خیموں کے اس شہر کے ارد گرد مٹی کی بڑی بڑی دیواریں قلعے کی مانند کھڑی کر دی گئیں تھیں جن کے اندر خیموں کا

یہ شہر آباد تھا۔ جس کا نام سرائے باتو رکھا گیا تھا اور وہ دریائے وولگا کے عین کنارے پر تھا۔

باتو یعنی سائیں خان تھوڑی دیر تک بڑے غور سے راہب ولیم کی طرف دیکھتا رہا۔ کچھ دیر تک باتو خاموش رہا اور کچھ نہیں کہا پھر اس نے راہب ولیم کو گفتگو کا آغاز کرنے کا اشارہ دیا۔

یہ اشارہ پا کر راہب ولیم نے اپنے دونوں ہاتھ دعا کے انداز میں بلند کیے تھوڑی دیر تک اس نے اپنی زبان میں آسمانی رحمتوں کے نزول کی دعا کی۔ پھر وہ باتو خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ دیکھ خاقان۔ تمہیں جاودانی رحمتیں جب ہی نصیب ہوں گی جب تم عیسائیت قبول کر لو گے۔

فرانسیسی راہب ولیم کی یہ گفتگو سن کر باتو عجیب سے انداز میں مسکرایا۔ اس موقع پر منگول نویوں اور سردار جو اس وقت خیمے میں موجود تھے انہوں نے استہزا کے انداز میں تالیاں بجائیں۔ اس کے بعد باتو نے فرانسیسی راہب ولیم کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

مجھے بتایا گیا ہے کہ تمہارا نام ولیم ہے تمہارا تعلق بیلجیئم سے ہے اور تمہیں فرانس کے شہنشاہ نے میری طرف روانہ کیا ہے کہو تمہارا ادھر آنے کا کیا مقصد ہے۔ اس پر راہب ولیم کہنے لگا۔

دیکھ خاقان اس میں کوئی شک نہیں کہ میں فرانس کے بادشاہ لوئی کا قاصد ہوں پر میں یہ کہوں کہ میں تم سب لوگوں کے لیے خیر سگالی کا پیغام لیکر آیا ہوں۔ اس پر باتو ایک طرح سے راہب ولیم کی بات کاٹتے ہوئے بولا اور پوچھنے لگا۔ میں نے سن رکھا ہے کہ فرانس کا شہنشاہ لوئی ان دنوں اپنے لشکر سمیت اپنے ملک سے کہیں باہر گیا ہوا ہے کیا وہ کسی علاقے کسی ملک میں جنگ میں مصروف ہے۔ اس پر راہب ولیم نے جواب دیا۔

دیکھ خاقان تمہیں جو اطلاعات دی گئیں ہیں وہ درست ہیں۔ یقیناً" فرانس کا شہنشاہ لوئی ان دنوں اپنے لشکر کے ساتھ اپنے ملک سے باہر ہے اور وہ مصر پر حملہ آور ہوا ہے۔ اس پر باتو نے پھر پوچھا۔ اس نے کیوں مصر پر حملہ کیا ہے۔ جواب میں

راہب ولیم کہنے لگا۔ دیکھ خاقان مسلمانوں نے عیسائیوں کے مقدس مقام یروشلم پر قبضہ کر رکھا ہے۔ بس یروشلم حاصل کرنے کے لیے فرانس کا شہنشاہ لوئی مسلمانوں پر حملہ آور ہوا ہے اس بار باتو خان کا چھوٹا بھائی برقائی خان جو اسلام قبول کر چکا تھا۔ بڑے کڑوے لہجے میں بیلجیئم کے راہب ولیم کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھنے لگا۔

کیا تمہیں یقین ہے کہ فرانس کا شہنشاہ لوئی مسلمانوں کو شکست دیکر ان سے یروشلم واپس لینے میں کامیاب ہو جائے گا جبکہ ہم نے سنا ہے کہ اس سے پہلے سارا یورپ اور اس کی عسکری قوت بیت المقدس حاصل کرنے کے لیے فلسطین کے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا تھا۔ لیکن اکیلے سلطان صلاح الدین نے یورپ کو بدترین شکست دی اور انہیں فلسطین سے نکال باہر کیا اب اکیلا فرانس کا شہنشاہ لوئی کیسے بیت المقدس حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اس پر ولیم شرمندگی کے احساس میں تھوڑی دیر تک برقائی خان کی طرف دیکھتا رہا پھر کہنے لگا۔

دیکھ چھوٹے خاقان میں جانتا ہوں تم اسلام قبول کر چکے ہو لہٰذا لوئی کے خلاف اور مسلمانوں کے حق میں بولنا تمہارے دل اور تمہارے ضمیر کی آواز ہے پر میں پر امید ہوں کہ فرانس کا شہنشاہ لوئی مصر میں فتوحات حاصل کرتا ہوا ایک نہ ایک روز یروشلیم میں داخل ہونے میں ضرور کامیاب ہو گا۔ راہب ولیم یہاں تک کہنے کے بعد جب خاموش ہوا تب باتو کہنے لگا۔

دیکھ راہب تو جانتا ہے کہ میں نہ کسی فرانسیسی شہنشاہ کو جانتا ہوں نہ کسی دیگر حکمران کو پھر اس نے مجھے کیسے اور کس وجہ سے خیر سگالی کا پیغام بھجوایا ہے۔ ہمارے اور اس کے درمیان نہ کوئی رابطہ ہے نہ کوئی تعلق۔ راہب ولیم دوبارہ شکستگی اور ندامت کے سے انداز میں کہنے لگا۔

دیکھ خاقان میں صرف تمہاری خدمت میں حاضر نہیں ہوا بلکہ میں سارے منگولوں کے خاقان منگو خان کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں میرے پاس فرانس کے شہنشاہ لوئی کی طرف سے لفافے میں بند ایک پیغام بھی ہے اور یہ پیغام میں اسے پہنچانا چاہتا ہوں اس پر باتو کسی قدر نرم لہجے میں بولا۔

اگر یہ معاملہ ہے تو تم ہمارے یہاں مہمان کی حیثیت سے قیام کرو۔ پھر تمہیں

صحرائے گوبی کی طرف روانہ کر دیا جائے گا۔ جہاں اس وقت منگولوں کا خاقان ہے میں تمہارے ساتھ تمہاری سہولت اور تمہارے آرام کے لیے کچھ محافظ بھی روانہ کر دوں گا۔ تاکہ تم کسی خطرے سے دو چار ہوئے بغیر صحرائے گوبی میں منگو خاں سے مل سکو۔ سنو راہب ولیم یہ بات اپنے ذہن میں رکھنا کہ جن علاقوں میں اس وقت میں اور میرا بھائی برقائی خان حکمران ہیں اسے ہمارے باپ یوچی خان نے فتح کیا تھا۔ اب ان علاقوں میں ہم ایک طرح سے خود مختار ہیں۔ منگو خان کے ماتحت نہیں ہیں میں تم پر یہ بھی انکشاف کروں گو میرا بھائی برقائی خان اس وقت اسلام قبول کر چکا ہے اور میرا بیٹا سرتاک عیسائیت کا پیروکار بن چکا ہے اس کے باوجود میں تمہاری اسکیمت پر عیسائیت قبول کرنے سے انکار کرتا ہوں۔ دیکھ راہب ولیم ہم شمال کی اندھی برفانی قوتوں کی پوجا پاٹ کرنے والے لوگ ہیں اور اپنی حاجت روائی کے لیے نیلے جاودانی آسمان کے سامنے دست بدعا ہوتے ہیں اور میں اسی طریقہ کار پر قائم و دائم رہنا چاہتا ہوں۔ اب تم جاؤ میرے محافظ تمہاری رہائش تمہارے آرام کا انتظام کر دیں گے۔

اس پر راہب ولیم پوچھنے لگا۔

دیکھ خاقان مجھے خبر ملی ہے قبرص کے کچھ نائیٹوں نے بھی تمہارے اس شہر زریں میں قیام کر رکھا ہے اور وہ تمہارے یہاں بڑی عزت اور بڑا وقار حاصل کر چکے ہیں۔ اس پر باتو خان کہنے لگا تمہارا اندازہ درست ہے۔ اس وقت میرے اس شہر زریں میں قبرص کے دو نائیٹوں نے قیام کر رکھا ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں ایسے بہترین تیغ زن ایسے جفاکش تلوار باز اور ایسے باہمت جوان پہلے کبھی نہیں دیکھے۔ میرے رو برو میرے اسی خیمے میں ان دونوں قبرصی نائیٹوں نے کئی منگولوں کے ساتھ تیغ زنی کا مقابلہ کیا اور ان سارے مقابلوں میں وہ دونوں قبرصی نائٹ کامیاب رہے۔ ان کی اس کامیابی اور شمشیر زنی میں مہارت کی وجہ سے میں نے اپنی بیٹی مسی کو ان میں سے ایک نائٹ کے ساتھ منسوب کر دیا ہے اور عنقریب اپنی بیٹی بخشائی کی شادی اس سے کرنے والا ہوں۔

باتو خان کے اس انکشاف پر راہب ولیم کے چہرے پر خوشگوار مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر تک وہ مسکراتا رہا۔ باتو خان کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر دوبارہ بولا

اور پوچھا۔ اے خاقان۔ تمہارے اس شہر میں داخل ہونے کے بعد مجھے یہ بھی خبر ملی کہ تم نے کیف شہر کے عیسائی رئیس اعظم میخائل کو بھی طلب کیا ہے۔ اس پر باتو فوراً بول پڑا۔

دیکھ راہب ولیم تو نے ٹھیک سنا ہے۔ کیف شہر کا رئیس اعظم میخائیل میرا ماتحت اور میرا باجگذار ہے اسے چاہیے تھا کہ قاعدے کے مطابق ہر سال میری خدمت میں حاضر ہو کر میری اطاعت بجا لاتا لیکن گزشتہ کئی سالوں سے اس نے ایسا نہیں کیا۔ لہٰذا چند ہفتے پہلے میں نے اس کی طرف اپنے قاصد بھجوائے تھے اور اسے اپنے پاس طلب کیا تھا۔ میرے خیال میں چند روز تک وہ میری خدمت میں حاضر ہو گا اور اگر اس نے ایسا نہ کیا تو میں اس پر حملہ آور ہوں گا اور اسے سرعام مصلوب کروں گا۔

باتو کی اس گفتگو سے راہب ولیم کسی قدر اداس اور پریشان ہو گیا تھا۔ پھر وہ فیصلہ کن انداز میں کہنے لگا۔

دیکھ خاقان۔ جیسا کہ تم خود ہی بتا چکے ہو کہ تمہارا بیٹا سرتاک عیسائی مذہب قبول کر چکا ہے تو کیا میں تمہارے بیٹے سرتاک سے مل سکتا ہوں اور اس سے گفتگو کر سکتا ہوں۔ اس پر باتو خاں اپنے پہلو میں بیٹھے اپنے بیٹے سرتاک کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا سرتاک میرے بیٹے جاؤ اس راہب ولیم کے ساتھ۔ اسے مہمان خانے میں لے جاؤ۔ اس کی مہمانداری کا خیال رکھو۔ باتو کا حکم پا کر اس کا بیٹا سرتاک اپنی جگہ سے اٹھا آگے بڑھا اور راہب ولیم کو لیکر خیمے سے باہر نکلنے لگا تھا۔

راہب ولیم اور باتو کا بیٹا سرتاک ابھی خیمے کے دروازے کے قریب ہی پہنچے تھے کہ ایک محافظ تقریباً بھاگتا ہوا خیمے میں داخل ہوا تھا باتو کے سامنے آ کر وہ جھکا۔ اسے یوں تیزی سے آتے دیکھ کر باتو خان کا بیٹا سرتاک اور راہب ولیم دونوں دروازے کے قریب رک گئے تھے۔ آنے والا محافظ جھک کر باتو کو تعظیم دینے کے بعد سیدھا کھڑا ہوا پھر بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

خاقان۔ عرب تاجر جو ہر سال تجارت کا سامان لیکر ہمارے خیموں میں وارد ہوتے ہیں تھوڑی دیر پہلے وہ سامان سے لدے پھندے ہمارے خیموں کے شہر میں

داخل ہوئے ہیں اور شہر کے وسط میں جو کھلا میدان ہے اس کے اندر انہوں نے اپنا تجارتی سامان پھیلا دیا ہے۔

یہ خبر سن کر باتو کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ دوسری طرف باتو کے چھوٹے بھائی برقائی خان کے چہرے پر بھی امیدیں اور خوشیاں بکھر گئی تھیں۔ پھر باتو اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے چھوٹے بھائی برقائی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا آؤ دیکھتے ہیں اس بار عرب تاجر سامان تجارت میں کیا کیا لیکر آئے ہیں اپنے بھائی باتو کے کہنے پر برقائی اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ ہو لیا۔ باتو کی حسین و جمیل بیٹی بختائی بھی اپنی جگہ سے اٹھی اور اپنے باپ اور چچا برقائی کے پیچھے ہو لی تھی۔ جب وہ تینوں چلتے ہوئے دروازے کے قریب آئے تو باتو خان کا بیٹا سرتاک اور راہب ولیم بھی ان تینوں کے ساتھ چل دیئے تھے۔

پانچوں منگول محافظوں کے ساتھ جب خیموں کے شہر کے وسط میں آئے تو انہوں نے دیکھا وہاں جو کھلا میدان تھا وہاں آنے والے عرب تاجروں نے اپنا سامان تجارت خوب پھیلا رکھا تھا اور وہ کافی علاقے کو گھیرے سامان سجائے بیٹھے تھے۔ اس موقعہ پر برقائی خان نے اپنی بھتیجی بختائی کو مخصوص سا اشارہ کیا وہ شارہ پا کر بختائی کے چہرے پر خوش کن مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر وہ اپنے چچا برقائی کے ساتھ ہو لی تھی۔ باتو دائیں طرف سے ہو کر عرب تاجروں کا سامان دیکھنے لگا تھا جبکہ برقائی خان اپنی بھتیجی بختائی کے ساتھ بائیں طرف چلا گیا۔ شائد اسے کسی خاص تاجر کی تلاش تھی۔

باتو گھوم پھر کر عربوں کے سامان کا جائزہ لینے لگا۔ سامان میں شاہی ریشم کے زیر جامے بھیڑیئے۔ کالی لومڑی۔ سفید ریچھ کی کھالیں۔ آگ جلانے کے آہنی آلے۔ منقش چمڑے کے صندوق۔ چاندی کے ہار۔ لوہے کے برتن۔ جو اور سوکھا ہوا گوشت۔ بھیڑ کے چمڑے کے جوتے۔ ٹائر شہر کا گہرا ترندی رنگ۔ ہاتھی دانت۔ ریشم کے دھاگے۔ دباغت کیا ہوا چمڑا اور خیموں کے لیے اونی پارچہ جات تھے۔

باتو خان ایک ایک تاجر کے پاس جا کر بڑے غور اور انہماک سے سامان تجارت کا جائزہ لینے لگا تھا۔ دوسری طرف باتو کا چھوٹا بھائی برقائی خان اپنی بھتیجی بختائی کو لیکر بڑی تیزی سے عرب تاجروں کے اندر گھومتا رہا یہاں تک کہ وہ اپنے سامنے ذرا فاصلے

پر بیٹھے ہوئے ایک عرب نوجوان کی طرف بڑھا۔ اس عرب نوجوان نے بھی باتو اور اس کی بھتیجی بختائی کو اپنی طرف آتے دیکھ لیا تھا لہٰذا وہ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

برقائی تقریباً" بھاگتا ہوا آگے بڑھا۔ پھر وہ اس عرب نوجوان کو گلے لگاتے ہوئے بڑے پیار۔ بڑی شفقت۔ بڑی اپنائیت۔ بڑی محبت میں پوچھنے لگا۔ عمیر بن نصر میرے بھائی۔ میرے عزیز تو کیسا ہے۔

وہ عرب نوجوان جس کا نام برقائی خان نے عمیر بن نصر پکارا تھا جب وہ برقائی خان سے علیحدہ ہوا تو مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ دیکھ خاقان۔ میں ٹھیک ہوں۔ اس پر برقائی خان فوراً" اس کی بات کاٹتے ہوئے کہنے لگا۔ سن۔ عمیر تم میرے بھائی ہو۔ آج کے بعد مجھے خاقان مت پکارا کرو۔ تم مجھے برقائی خان کہہ کر پکار سکتے ہو۔ اس پر اس عرب نوجوان نے جس کا نام عمیر بن نصر پکارا گیا تھا اثبات میں اپنی گردن ہلا دی تھی۔

تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد برقائی خان اس عرب نوجوان کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا دیکھ نصر کے بیٹے۔ اس بار تو میرے لئے کیا لیکر آیا ہے۔ جواب میں عجیب سی ہچکچاہٹ اور پریشانی میں امیر برقائی خان کی بھتیجی بختائی کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ بختائی بھی بڑے غور سے عمیر بن نصر کا جائزہ لے رہی تھی اس نے دیکھا وہ عرب نوجوان آندھیوں سے لکھے نصیب جیسا ایل سناٹوں کے جنگل میں گم صداؤں جیسا سخت جان۔ موسموں کی طبی خونی داستان جیسا پروقار۔ کرب کی صدیوں سے گلے ملتے دکھ کے سمندر اور مصائب کے ہجوم کی طرح گہرا تھا۔ اس کے چہرے پر اس سمے بختائی نے دیکھا شب مرگ کی سوداگری۔ صدیوں کو لمحوں میں بدل دینے والے جذبے بکھرے پڑے تھے جبکہ اس کی آنکھوں میں خوفناک سپنے بنتی لہریں۔ خونی چکیاں چلاتی آندھیاں بستیاں مٹاتی تقدیر اور آبادیاں جلاتی قضا۔ رقص کناں تھی۔ مجموعی طور پر بختائی کو وہ عرب نوجوان یوں لگا جیسے وہ لمحوں کے اندر ندیوں کو صحرا۔ ملبوں کو کوہستان، قطرے کو سمندر اور ذرے کو دشت میں تبدیل کر دینے کی ہمت اور جرات رکھتا ہو۔

بختائی کی موجودگی میں جب عمیر بن نصر ہچکچاہٹ محسوس کرنے لگا تب برقائی

کہنے لگا دیکھ عمیر میرے بھائی تمہیں ہچکچانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ لڑکی پرائی نہیں میری بھتیجی ہے اور اس کا نام بختائی ہے اور یہ اسلام قبول کر چکی ہے اس کے سلسلے میں بھی میں تم سے انتہائی رازدارانہ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔

برقائی خان کے ان الفاظ پر عمیر بن نصر نے پہلی بار نگاہ اٹھا کر بڑے غور سے بختائی کی طرف دیکھا۔ اس نے جائزہ لیا۔ بختائی ستاروں کے ترانوں' بہاروں کے افسانوں جیسی پرکشش زیب داستان۔ ثمر آور خواہشوں جیسی پر جمال امیدوں کی میٹھی گود اور صبح درخشاں جیسی خوبصورت تھی۔ پھر بختائی سے نگاہیں ہٹا کر عمیر بن نصر نے برقائی کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔ دیکھ برقائی میرے بھائی۔ میں رات کے وقت تمہارے خیمے میں ضرور آؤں گا۔ اور جو کچھ تمہارے لئے لیکر آیا ہوں وہ بھی میں اسی وقت تمہیں پیش کروں گا۔ عمیر بن نصر کا یہ جواب سن کر برقائی خوش ہو گیا تھا پھر وہ اپنی بھتیجی بختائی کے ساتھ دوسرے عرب تاجروں کا سامان دیکھنے چلا گیا تھا۔

○

عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد عمیر بن نصر اپنے خیمے میں سے نکلا اور برقائی کے خیمے کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہ برقائی کے خیمے کے دروازے پر آیا تو خیمے کے محافظوں نے اسے روکا۔ عمیر بن نصر اس وقت اپنے کندھے پر ایک گٹھری اٹھائے ہوئے تھا۔ خیمے سے باہر پہرہ دینے والے محافظوں نے ہاتھ آگے بڑھا کر پہلے اس گٹھری کا جائزہ لیا۔ پھر عمیر بن نصر کو مخاطب کرتے ہوئے انہوں نے پوچھا تم کون ہو۔ اور کس سے ملنا چاہتے ہو۔ اس پر عمیر بن نصر بولا اور کہنے لگا۔

سنو میرے عزیزو۔ میرا نام عمیر بن نصر ہے میں ایک عرب تاجر ہوں اور تمہارے خاقان برقائی خان سے ملنا چاہتا ہوں۔ تم میں سے کوئی اندر جائے اور اسے میرے آنے کی اطلاع کرے۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں وہ مجھے فوراً" اندر بلا لے گا۔

عمیر بن نصر کا یہ جواب سن کر وہ محافظ کچھ خوفزدہ سا ہو گیا اور کچھ کہے بغیر وہ برقائی خان کے خیمے میں داخل ہوا خیمے کے سامنے والے کمرے میں اس وقت برقائی اپنی بھتیجی بختائی کے ساتھ بیٹھا کسی موضوع پر گفتگو کر رہا تھا۔ محافظ اندر داخل ہوا اور

برقائی خان کو [illegible] کر کے کہنے لگا۔

خاقان ایک عرب نوجوان باہر کھڑا ہے وہ آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ اپنا نام وہ عمیر بن نصر بتاتا ہے اس پر برقائی فوراً" اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کیا تم میں سے کسی نے اسے میرے خیمے کے دروازے پر روکا ہے۔ اس پر محافظ کہنے لگا ہاں خاقان۔ میں نے اسے اندر آنے سے روکا ہے۔ اس پر برقائی کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور اس نے انتہائی برہمی اور غضبناکی میں کہا۔ کیا تو پاگل تو نہیں ہو گیا۔ یہ وہی نوجوان ہے جو گزشتہ دو سال سے ہر بار جب یہاں آتا ہے تو میرے خیمے میں ضرور آتا ہے۔ وہ میرا بھائی ہے۔ تم لوگوں کو اسے میرے خیمے میں آنے سے روکنے کی کیسے جرات اور جسارت ہوئی۔ جاؤ اور اسے فوراً" اندر لیکر آؤ۔ ایسے ہی احترام اور عزت کے ساتھ جس طرح تم منگول سرداروں اور مہمانوں کی عزت اور احترام کرتے ہو۔

برقائی کا یہ حکم سن کر اس محافظ نے برمانبرداری میں اپنی گردن کو خم کیا پھر وہ خیمے سے باہر نکل گیا تھا۔

اس محافظ کے باہر نکلنے کے ساتھ ہی برقائی نے اپنے پہلو میں کھڑی اپنی بھتیجی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا دیکھ بختائی تو پشت والے کمرے میں چلی جا۔ میں اب تیرے ہی سلسلے میں عمیر بن نصر سے گفتگو کروں گا۔ برقائی خان کی اس تجویز پر بختائی فوراً" حرکت میں آئی اور وہ پردہ ہٹا کر پچھلے کمرے میں چلی گئی تھی۔

تھوڑی ہی دیر بعد عمیر بن نصر خیمے میں داخل ہوا۔ برقائی خان نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔ اسے گلے لگا کر اپنی نشست کی طرف بڑھا اور عمیر بن نصر کو اس نے اپنے پہلو میں بٹھایا۔ عمیر بن نصر نے جو کندھے پر گٹھری اٹھا رکھی تھی وہ میز پر رکھ دی تھی برقائی پوچھنے لگا اس میں کیا ہے۔ اس پر عمیر مسکراتے ہوئے کہنے لگا دیکھ برقائی میرے بھائی اس میں قرآن مقدس کے چند نسخوں کے علاوہ تمہارے اہل خانہ اور تمہاری بھتیجی بختائی کے لیے زیب و زینت کا کچھ سامان ہے۔

عمیر بن نصر جب خاموش ہوا تو برقائی خان نے گٹھری کھولی۔ قرآن مقدس کے نسخے ایک ایک اس نے چوم کر رکھے۔ پھر اس نے قرآن مقدس کے نسخوں کو اپنے دائیں جانب ایک بلند جگہ رکھدیا۔ اور گٹھری میں دوسری اشیاء کو گانٹھ لگا کر باندھ دیا

تھا۔ پھر وہ امیر بن نصر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ تم بیٹھو میں ابھی آیا۔ اس کے ساتھ ہی برقائی اپنی جگہ سے اٹھا اور پشتی کمرے کی طرف چلا گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد برقائی لوٹا۔ اس کے ہاتھ میں چمڑے کی ایک تھیلی تھی۔ وہ تھیلی لا کر اس نے عمیر بن نصر کے سامنے لا کر رکھدی اور کہنے لگا۔ عمیر میرے بھائی یہ رکھ لو تمہارے کام آئے گی۔ عمیر نے چمڑے کی وہ تھیلی کھول کر دیکھی وہ سنہرے سکوں سے بھری ہوئی تھی۔ عمیر بن نصر چونکا اور پوچھنے لگا۔ میرے بھائی یہ کیا۔ اس پر برقائی خان کہنے لگا۔ میرے بھائی یہ میں تمہیں اس سامان کی قیمت نہیں ادا کر رہا جو تم لیکر آئے ہو۔ بخدا یوں جانو کہ تمہیں بھائی سمجھتے ہوئے یہ پیش کر رہا ہوں رکھ لو۔ ورنہ میرا دل ٹوٹ جائے گا۔ یہ تم رکھو تمہارے کام آئے گی۔

اس پر عمیر بن نصر نے تھوڑی دیر عجیب سی بے بسی میں برقائی خان کی طرف اس نے دیکھا پھر وہ تھیلی اٹھا کر ڈالدی تھی۔ تھوڑی دیر تک خیمے میں خاموشی رہی اس کے بعد برقائی خان بولا۔

دیکھ نصر کے بیٹے اب میں اپنے اصل مقصد اور موضوع کی طرف آتا ہوں۔ میں تم سے اپنی بھتیجی بختائی کے متعلق گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تم میری بات مان گئے تو میں سمجھوں گا بختائی کا ایمان بھی بچ گیا اور اس کی جان بھی بچ گئی۔ اس پر عمیر بن نصر نے چونک کر پوچھا۔ برقائی میرے بھائی کیا معاملہ ہے بختائی کو کیا ہوا۔ اب چونکہ تمہاری بھتیجی بختائی نے اسلام قبول کر لیا ہے لہٰذا میری ساری ہمدردیاں اس کے ساتھ ہیں۔ اس پر برقائی کہہ رہا تھا۔

دیکھ عمیر بن نصر۔ میرے بڑے بھائی باتو خان کا ایک بیٹا سرتاک اور ایک بیٹی بختائی ہے۔ سرتاک عیسائیت قبول کر چکا ہے جبکہ بختائی میری طرح مسلمان ہو چکی ہے۔ سرتاک کو بڑا غصہ اور غم ہے کہ اس کی بہن نے اسلام کیوں قبول ہے لہٰذا وہ چاہتا ہے کہ اس کی طرح وہ بھی عیسائیت کی پیرو کار ہو جائے۔ لیکن بختائی نے اس کی ایک نہیں مانی۔ سرتاک نے ہر طرح سے اسے ترغیب دی۔ لیکن بختائی نے بڑی جراتمندی اور دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسلام قبول کر لیا۔ بلکہ اسلام قبول کرنے کی مرضی کو اپنے ماں باپ پر بھی ظاہر کر دیا۔ جب اس نے یہ باتو پر ظاہر کیا تب سے

سرتاک نے اسے دھونس دھمکی دینا تو بند کر دی ہے لیکن سرتاک اندر ہی اندر ایسی کارروائیوں میں مصروف ہے کہ بختائی عیسائیت قبول کر لے۔ اب اس نے ایک حربہ استعمال کیا ہے۔ عمیر بن نصر نے چونک کر پوچھا برقائی میرے بھائی کیسا حربہ۔ جواب میں برقائی پھر کہہ رہا تھا۔

سن عمیر میرے بھائی۔ چند ہفتے پہلے ہمارے خیموں کے اس شہر میں جسے ہم سرائے باتو کہہ کر پکارتے ہیں قبرص کے دو گلیڈ ئیٹر داخل ہوئے۔ یہ ایسے تیغ زن ایسے شمشیر باز ثابت ہوئے ہیں کہ ہمارے منگولوں کے اندر کوئی بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکا۔ وہ دونوں چونکہ عیسائی ہیں لہٰذا میرے بھتیجے سرتاک نے انہیں قبرصی عیسائی تیغ زنوں کا سہارا لیتے ہوئے اپنی بہن بختائی کے خلاف کارروائی کی۔

وہ اس طرح کہ جب یہ دونوں قبرصی تیغ زن ہمارے اس شہر میں داخل ہوئے تو انہوں نے ہمارے سب ہی تیغ زنوں کو مقابلے کے لیے للکارا۔ بھائی باتو خان ایک سے ایک بڑھ کر تیغ زن کو ان دونوں کے مقابلے پر لایا لیکن وہ دونوں ہمیشہ ہی کامیاب و کامران رہے۔ انکی یہ کامیابی دیکھتے ہوئے میرا بھتیجا سرتاک بے حد خوش ہوا اور اپنے باپ کو مشورہ دیا کہ قبرص کے ان دونوں تیغ زنوں نے چونکہ سارے منگول تیغ زنوں کو اپنے سامنے زیر اور مغلوب کر لیا ہے لہٰذا انہیں کسی اچھوتے انعام سے نوازنا چاہیے۔ اس پر جب باتو خان نے تفصیل پوچھی تو سرتاک نے مشورہ دیا کہ ایک تیغ زن سے بختائی کو بیاہ دیا جائے اور دوسرے تیغ زن سے جو منگولوں کے اندر سب سے خوبصورت لڑکی ہے وہ بیاہ دی جائے۔ سرتاک کا یہ مشورہ باتو کو پسند آیا۔ پہلے ان دو قبرصی تیغ زنوں میں سے جس کا نام گروہو ہے بختائی کی نسبت اس کے ساتھ طے کر دی گئی جبکہ منگولوں کے اندر جو سب سے حسین لڑکی ہے وہ بردک کے لیے مختص کر دی گئی اور اب ایک ہفتے بعد ان دونوں قبرصی تیغ زنوں کی شادی بختائی اور دوسری منگول لڑکی کے ساتھ کر دی جائے گی۔

دیکھ عمیر بن نصر میرے بھائی تم بڑے وقت پر آئے ہو۔ اس لیے کہ میں بختائی کے معاملے میں کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ میرے پاس کوئی ایسا جوان نہیں جو قبرصی تیغ زن گروہو سے مقابلہ کرے۔ میں ہر حالت میں بختائی کو بچانا چاہتا ہوں اور نہیں چاہتا کہ

اس کی شادی گروسو سے ہو جائے۔ اس لیے کہ بختائی کا بھائی سرتاک چاہتا ہے کہ بختائی کی شادی قبرصی تیغ زن گروسو سے ہو جائے۔ شادی کے بعد گروسو اسے آہستہ آہستہ عیسائیت کی طرف اس طرح ا کیخت کرے کہ بختائی اسلام چھوڑ کر عیسائیت قبول کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ لیکن میں ایسا ہرگز پسند نہیں کروں گا۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ کوئی ایسا ہو جو بختائی کے معاملے میں گروسو کو مقابلے کے لیے للکارے اور اگر گروسو کو مقابلے میں نیچا دکھا دیا جائے تب بختائی کی جان گروسو سے چھوٹ سکتی ہے۔

اس پر عمیر بن نصر نے کچھ سوچا۔ پھر وہ برقائی خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا دیکھ برقائی میرے بھائی اس معاملے میں میں کیا کر سکتا ہوں۔ میں بختائی کی خاطر قبرصی تیغ زن گروسو سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔ میں اپنے سامنے اسے زیر کر لوں گا لیکن میں اس معاملے کی ابتدا کیسے کروں۔ اس پر برقائی خان بڑے شوق سے عمیر بن نصر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔ کیا تم بختائی کو حاصل کرنے کے لیے گروسو سے ٹکراؤ گے۔ کیا تم بختائی کا ایمان سلامت رکھنے کی خاطر گروسو کو اپنے سامنے ضرور زیر کرو گے۔ اس پر عمیر بن نصر کہنے لگا۔ چونکہ بختائی اسلام قبول کر چکی ہے لہٰذا وہ ہمارے مسلم معاشرے کی ایک اکائی ہے۔ میں ہر طرح سے اس کی حفاظت کروں گا۔ اگر گروسو سے میرے مقابلہ جیتنے پر بختائی کی اس سے جان چھوٹ سکتی ہے تو سن برقائی میں یہ مقابلہ ضرور کروں گا۔

عمیر بن نصر کا یہ جواب سن کر برقائی خان ایسا خوش ہوا کہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس نے زور دار انداز میں عمیر بن نصر کو اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا پھر وہ دوبارہ اپنی نشست پر بیٹھا اور کہنے لگا۔

دیکھ عمیر میرے بھائی تو نے میری ساری مشکلیں' ساری ہی آزمائشیں ختم کر دی ہیں۔ میں میں سمجھتا ہوں کہ گزشتہ کئی ہفتوں سے میں جس اذیت میں مبتلا تھا اس کے خاتمے کا وقت آ گیا ہے۔ دیکھ ابن نصر اگر تو تیغ زنی کے مقابلے میں گروسو کو زیر کر لے تو میرا بھائی باتو خان بختائی تمہارے حوالے کر دیگا۔ اس موقع پر عمیر بن نصر کی گردن جھک گئی اور وہ کچھ سوچنے لگا برقائی خان کچھ پریشان ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک وہ بھی عمیر بن نصر کی طرف بڑے غور سے دیکھتا رہا۔ پھر پوچھنے لگا ابن نصر تم کن سوچوں

میں کھو گئے ہو عمیر بن نصر کہنے لگا۔ دیکھ برقائی میرے بھائی اس معاملے میں میرے سامنے ایک مشکل بھی ہے۔ اگر میں گروسو سے مقابلہ جیتتا ہوں اور بختائی کو میرے حوالے کر دیا جاتا ہے تو میں ڈرتا ہوں کہ جو راز میرے سینے میں ہے اس کی خبر اگر بختائی کو ہوئی تو وہ ہمیشہ کے لیے مجھ سے روٹھ جائے گی اور مجھ سے ناراض ہو گی۔ اس پر برقائی خان نے کسی قدر فکر مندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ جواب میں عمیر بن نصر پھر بولا اور کہنے لگا۔

دیکھ برقائی میرے بھائی۔ گرجستھان کی ملکہ روسو دان کی ایک بیٹی ہے نام جس کا تمر ہے۔ یہ تمر اپنے حسن و جمال اپنی خوبصورتی میں کوئی جواب نہیں رکھتی۔ یہ لڑکی مجھے پسند کرتی ہے۔ مجھ سے محبت کرتی ہے میں بھی اسے چاہتا ہوں۔ دیکھ برقائی ہم عرب تاجر جب سامان تجارت لیکر آتے ہیں تو گرجستھان ہی کے راستے سے آتے ہیں اور ملکہ روسودان کے مرکزی شہر قصبک میں قیام کر کے تجارتی لین دین کرتے ہیں۔ اسی تجارتی لین دین کے دوران میری ملاقات تمر سے ہوئی اور محبت کا آغاز بھی تمر ہی کی طرف سے ہوا۔ اس نے مجھ پر اپنی چاہت و محبت کا اظہار کیا پھر آہستہ آہستہ میں بھی اس طرف کھینچ گیا اب تمر اسلام قبول کر چکی ہے۔ صرف میری خاطر جبکہ اس کی ماں روسودان عیسائیت کی پیرو کار ہے۔ تمر اب اسلام قبول کرنے کے بعد میرے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہتی ہے۔ میں تمر کو چھوڑنا بھی نہیں چاہتا۔ اگر میں اسے چھوڑتا ہوں تو وہ اپنی ماں روسودان کے رحم و کرم پر ہو گی جبکہ روسودان ایک انتہائی بدکردار عورت ہے۔ میں نے چاہا اس کی بیٹی تمر بھی اس کے چنگل میں پھنس کر اس جیسی نہ ہو جائے۔ لہٰذا میں تمر کو ہر صورت میں اپنانا چاہتا ہوں۔ اور برقائی خان میرے بھائی تمہاری بھتیجی میرے اس فیصلے سے کبھی اتفاق نہیں کرے گی اس پر برقائی کسی قدر مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

میں سمجھتا تھا کوئی بہت مشکل معاملہ ہو گا یہ تو کچھ بھی نہیں ہے عمیر میرے بھائی مسلمان کی حیثیت سے ایک مسلمان مرد بیک وقت چار بیویاں رکھ سکتا ہے۔ لہٰذا اگر تم بختائی کے علاوہ تمر کو بھی اپنے حرم میں داخل کرنا چاہتے ہو تو میں تمہیں ضمانت دیتا ہوں بختائی کو اس سلسلے میں کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ اس پر عمیر بن نصر

خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا اگر بختائی کو اس سلسلے میں کوئی اعتراض نہ ہو تو پھر میں کسی بھی وقت کسی بھی جگہ ایک نہیں بہ یک وقت دونوں قبرصی تیغ زنوں سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔

برقائی خان عمیر بن نصر کے اس جرأتمندانہ جواب سے ایسا خوش ایسا مطمئن ہوا کہ وہ فوراً اپنی جگہ سے اٹھا اور آگے بڑھتے ہوئے اس نے لگاتار کئی بار عمیر بن نصر کی پیشانی چوم لی تھی۔ پھر دوبارہ اپنی نشست پر بیٹھا اور سلسلہ کلام آگے بڑھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

دیکھ عمیر بن نصر میرے بھائی اب معاملہ یہ ہے کہ میں ابھی تم سے اپنی ملاقات ختم کرنے کے بعد باتو خان کی طرف جاؤں گا اور اس پر انکشاف کروں گا کہ بختائی ایک عرب نوجوان عمیر بن نصر کو پسند کرتی ہے۔ لہٰذا وہ ایک شوہر کی حیثیت سے گروسو کو قبول کرنے سے انکار کرتی ہے۔ منگولوں میں جب کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو تو پھر اس معاملے کا فیصلہ کرنے کے لیے مقابلہ کرایا جاتا ہے۔ پس باتو تمہارے اور گروسو کے درمیان مقابلہ کرانے کا حکم دے گا اور میں چاہوں گا کہ وہ مقابلے کی تاریخ بھی کل ہی کے لیے مقرر کر دے۔ اس کے بعد ابن نصر میرے بھائی جب تمہارا مقابلہ گروسو کے ساتھ ہو تو پھر اسے ایسا ہاتھ دکھاؤ کہ وہ تسلیم کر لے کہ عرب نوجوان ہوتے ہیں جنہیں شمشیر کا فن ورثے میں ملتا ہے۔ اس پر ابن نصر چھاتی تانتے ہوئے کہنے لگا۔ دیکھ برقائی میرے بھائی ایسا ہی ہو گا۔

کمرے میں تھوڑی دیر تک خاموشی رہی اس کے بعد برقائی کہنے لگا دیکھ عمیر میرے بھائی اس سے پہلے میری بھتیجی بختائی میرے پاس بیٹھی ہوئی تھی اور میں اس سے تمہارے ہی متعلق گفتگو کر رہا تھا۔ میں اسے بتا رہا تھا کہ تم پہلے ایک عرب تاجر کے ساتھ اس کے سامان کے محافظ کے طور پر ادھر آیا کرتے تھے بعد میں تم نے تھوڑا بہت اثاثہ جمع کیا اس کے بعد تم نے اپنا سامان تجارت ادھر لانا شروع کر دیا اور اب تم دوسرے عرب تاجروں کے ساتھ خوب سامان تجارت لاتے ہو اور منافع کماتے ہو۔ میں نے اپنی بھتیجی بختائی کو یہ بھی بتا دیا تھا کہ تمہارا تعلق صحرائے عرب کے ایک نخلستان سے ہے اور یہ کہ تم پہلے بڑے غریب تھے لیکن اب خوشحال ہو چکے ہو۔ دیکھ

نصر میرے بھائی تم بیٹھو میں اب اپنے بھائی باتو خان کی طرف جاتا ہوں اور اس سے معاملہ طے کرتا ہوں اس پر عمیر بن نصر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا نہیں برقائی میرے بھائی میں بھی اب اپنے خیمے میں جا کے آرام کرتا ہوں تم کل باتو سے بات کر لینا بار قائی خان نے عمیر بن نصر کی اس تجویز سے اتفاق کیا پھر خیمے سے نکل گیا تھا۔

دوسرے روز عمیر بن نصر جس وقت اپنے خیمے میں فجر کی نماز پڑھ رہا تھا تو باہر سے ایک تیر سنسناتا ہوا آیا اور عمیر بن نصر کے قریب ہی زمین میں پیوست ہو گیا تھا۔

یہ صورتحال دیکھتے ہوئے نماز کے دوران عمیر بن نصر چونک سا پڑا تھا۔ تاہم اس نے نماز مکمل کی سلام پھیرنے کے بعد اس نے تیر کی طرف دیکھا تو تیر کے پروں کے ساتھ ایک رنگ دار دھاگے کے ساتھ ایک کپڑا بندھا ہوا تھا۔ اس صورت حال پر عمیر بن نصر چونکا وہ گہری فکر اور سوچ میں پڑ گیا تھا ہڑ بڑا کر اس نے تیر کھینچا۔ دھاگے کے ساتھ بندھا ہوا کپڑا اس نے علیحدہ کیا اسے کھولا اس نے دیکھا اس کپڑے پر سرخ رنگ میں ایک تحریر تھی۔ لکھا تھا۔

دیکھ عمیر بن نصر لوگ تمہیں بدو کہہ کر پکارتے ہیں لیکن تم میری قوم کے ایک عظیم فرزند ہو میں تم سے مل کر کچھ کہنا چاہتی ہوں اور اس مقصد کے لیے میں سورج طلوع ہوتے وقت تمہارے خیموں کے دائیں جانب جو کوہستانی سلسلہ ہے اس کے اوپر صنوبر کے درختوں میں تمہارا انتظار کروں گی"۔

اس پیغام کے نیچے بختائی کا نام لکھا ہوا تھا۔ عمیر بن نصر اس پیغام کو پڑھ کر تھوڑی دیر ہلکے ہلکے مسکراتا رہا پھر اس کپڑے پر لکھے ہوئے پیغام کو اس نے اپنے سامان میں محفوظ کر لیا تھا۔ پھر وہ چھاتی تانتے ہوئے کہنے لگا۔ دیکھ بختائی میں بزدل نہیں اب جبکہ میں گروسو سے ٹکرانے کا وعدہ کر چکا ہوں تو میں کوہستانی سلسلے کی چوٹی پر تم سے ملنے ضرور آؤں گا۔

اس کے بعد عمیر بن نصر نے جاء نماز کو تہہ کر کے ایک طرف رکھ دیا۔ اپنے عام لباس کے بجائے اس نے اپنا جنگی لباس پہنا اپنے بازو پر اس نے جوشن باندھے کمر پر پٹکا باندھنے کے بعد بڑے میان میں اس نے اپنی تلوار اور چھوٹے میں خنجر رکھ لیا

تھا۔ اس کے بعد اور عبا پہن کر وہ خیمے سے نکلا اور اس کو ہستانی سلسلے کی طرف جا رہا تھا جس پر اپنے پیغام میں بختائی نے اسے بلایا تھا۔

بڑی تیزی سے کوہستانی سلسلے پر چڑھنے کے بعد عمیر بن نصر کوہستانی سلسلے کے اوپر صنوبر کے بڑے بڑے درختوں کے جھنڈ کے قریب آیا۔ اس نے دیکھا صنوبر کے ایک بہت بڑے درخت سے حسین و جمیل بختائی ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ عمیر بن نصر آگے بڑھا۔ بختائی کے سامنے جا کر وہ رکا پھر بختائی کو مخاطب کر کے اس نے پوچھا۔

بختائی کیا تو نے ہی مجھے بلایا تھا۔ (اس پر بختائی کہنے لگی۔ میں رات اپنے چچا برقائی خاں کے خیمے میں آپ کی اور اپنے چچا کی ساری گفتگو سن چکی ہوں۔ اسی بناء پر صبح سویرے میں نے آپ کے خیمے مین اس وقت تیر مارا جس وقت آپ نماز ادا کر رہے تھے۔ میں آپ سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔ آپ یہاں بیٹھ جائیں۔ عمیر بن نصر چپ چاپ وہاں بیٹھ گیا۔ بختائی بھی اس کے سامنے بیٹھ گئی پھر عمیر بن نصر نے پوچھا تم مجھ سے کیسی گفتگو کرنا چاہتی ہو۔ اس پر بختائی اپنی شیریں اور مٹھاس بھری آواز میں کہہ رہی تھی۔

دیکھ عمیر بن نصر۔ میری قوم کے عظیم اور سربلند فرزند۔ سب سے پہلے تو میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں کہ آپ نے میری خاطر ناقابل تسخیر تیغ زن گروسو سے ٹکرانے کا عزم کیا ہے۔ میری خداوند قدوس اور اس جہاں کے خالق سے دعا ہے کہ وہ آپ کو گروسو کے ساتھ مقابلے میں کامیاب اور کامران رکھے۔

عمیر بن نصر۔ میرے عزیز و محترم میں دوسری بات آپ سے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ اگر میرے ساتھ ساتھ آپ حسین و جمیل تھمر کو بھی اپنے حرم میں داخل کرنا چاہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ اگر آپ نے مقابلہ جیت لیا اور مجھے حاصل کر لیا تو میں سمجھوں گی کہ دنیا بھر کی خوشیاں اور نعمتیں مجھے حاصل ہو گئیں ہیں۔ میں آپ اور تھمر دونوں کی ذات پر فخر کروں گی۔ بختائی کی اس گفتگو سے عمیر بن نصر اتنا خوش ہوا کہ اس نے اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھائے۔ بختائی کا گداز خوبصورت ہاتھ اس نے اپنے ہاتھ میں لیا پھر اس نے اس کے ہاتھ کو ایک ڈیل دیا اس کے بعد وہ کہنے لگا۔

دیکھ بختائی میں بھی تیرا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ تو نے مجھے اتنی اہمیت دی۔ میں تجھے یقین دلاتا ہوں کہ اس مقابلے میں میں گروسو کو اپنے سامنے زیر کر کے تجھے حاصل کروں گا دیکھ بختائی میں تجھے یہ بھی یقین دلاتا ہوں کہ میں تیرے اور تھمر کے ساتھ ایک جیسا سلوک کروں گا۔ نا انصافی نہیں کروں گا۔ یہ بھی عہد کرتا ہوں کہ زندگی بھر تمہیں خوش رکھوں گا۔ اس پر بختائی زہد شکن مسکراہٹ میں کہنے لگی۔ بس کر یہ معاملہ ہے تو مجھے مزید کچھ نہیں چاہیے۔

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد بختائی پھر بولی اور عمیر بن نصر کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

لگتا ہے ان دنوں سارے مسلم ممالک اور مسلمان حکمران غفلت کی گہری نیند سوئے ہوئے ہیں اور انہیں اپنے شمال سے اٹھنے والے خطرناک اور خونی برفانی طوفانوں کی کوئی فکر نہیں۔ اس پر عمیر بن نصر نے فکر مندی سے بختائی کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ دیکھ بختائی تمہارا اشارہ کن طوفانوں کی طرف ہے۔ اس پر بختائی بولی۔

دیکھ عمیر بن نصر۔ جس وقت چنگیز خان مسلم علاقوں پر حملہ آور ہوا تھا اس وقت بھی سارے مسلمان غفلت اور بے حمیتی کی گہری نیند سوئے ہوئے تھے جس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے چنگیز خان نے اپنی پوری خونخواری کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسلم شہروں کو نیست و نابود کیا اور ان گنت حکمرانوں اور والیوں کو ان کی حکومتوں سے بے دخل کر کے رکھ دیا۔

دیکھ ابن نصر۔ اب شمال کے برف زاروں کی طرف سے ایک بار پھر مسلمانوں کے لیے ادبار کی گھٹائیں اٹھنے لگی ہیں۔ مسلمان چنگیز خاں جیسے خونخوار اور بڑے حملے کو دیکھنے کے بعد بھی نہیں سنبھلے۔ چنگیز خاں کی بربادی اور خونخواری اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد بھی مسلمان حکمرانوں نے آپس میں اتحاد اور تعاون پیدا نہیں کیا۔ اور وہ اب بھی ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریبان ہیں۔

دیکھ ابن نصر مسلمانوں کی اسی غفلت اور نا اتفاقی سے فائدہ اٹھا کر منگولوں کا مشہور خاقان منگو خان کا بھائی ہلاکو خان اب اپنے دادا چنگیز خان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مسلم علاقوں پر حملہ آور ہونے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ سن ابن نصر۔ اگر مسلمان

اسی طرح غفلت اور نا اتفاقی کا شکار رہے تو مجھے ڈر ہے ہلاکو خان چنگیز خان سے بھی بڑھ کر مسلمانوں کے لیے خونخوار اور تباہ کن ثابت ہوگا۔

بختائی کی یہ گفتگو سن کر عمیر بن نصر بے چارے نے کچھ نہ کہا۔ فکر مندی اور پریشانی میں اس کی گردن جھک گئی تھی۔ اس پر بختائی پھر بولی اور کہنے لگی دیکھ عمیر بن نصر۔ میں تم پر ایک اور انکشاف بھی کروں۔ اس پر عمیر بن نصر نے چونک کر بختائی کی طرف دیکھا۔ جواب میں بختائی فکر مندی کا اظہار کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

دیکھ ابن نصر۔ میری قوم کے عظیم فرزند۔ مسلمانوں کے مقابلے میں اہل یورپ بیدار ہیں۔ دیکھ اس سے پہلے انگلستان کے حکمران نے ایک راہب میخائل کو منگولوں کی جاسوسی کے لیے روانہ کیا تھا۔ اب فرانس کے شہنشاہ لوئی نے ایک راہب کو جاسوسی کے لیے منگول علاقوں کی طرف روانہ کیا ہے اس راہب کا نام ولیئم ہے اور ان دنوں یہ ہمارے ہی شہر سرائے باتو میں قیام کئے ہوئے ہے۔ میرے خیال میں چند روز تک وہ منگولوں کے مرکزی شہر کی طرف جانے کے لیے مشرق کی طرف کوچ کرے گا۔ یہ جاسوس راہب ولیئم ان دنوں میرے بھائی سرتاک کے ساتھ بہترین انداز میں مراسم اور دوستانہ سلوک کو بڑھا رہا ہے۔ اس لیے کہ راہب ولیئم نصرانی ہے اور میرا بھائی سرتاک بھی عیسائیت قبول کر چکا ہے۔

کاش یورپ کے حکمرانوں کی طرح مسلمان حکمرانوں نے بھی منگولوں پر گہری نگاہ رکھی ہوتی اور ان کی طاقت اور قوت کا اندازہ لگانے کے لیے انہوں نے بھی راہب میخائیل اور راہب ولیئم جیسے اپنے جاسوس منگولوں پر کڑی نگاہ رکھنے کے لیے روانہ کئے ہوتے۔ افسوس صد افسوس مسلمانوں نے اس طرف دھیان ہی نہیں دیا۔ انہیں اپنی ملت کی بہتری اپنی قوم کی یکجہتی کا کوئی خیال ہی نہیں ہے۔

بختائی جب خاموش ہوئی تو عمیر بن نصر پریشان کن سی آواز میں کہنے لگا دیکھ بختائی۔ تمہارے خیالات اور تمہارے جذبات کی میں قدر کرتا ہوں۔ سن بختائی میں ایک معمولی تاجر ہوں میں قوموں کی سربلندی اور ان کی بیداری میں کیا حصہ لے سکتا ہوں۔ کاش میں کسی ملک کا نقیب ہوتا اور کسی بلند کوہستانی سلسلے پر کھڑے ہو کر مسلم قوم کو آواز دیتا کہ میرے مسلمان بھائیو۔ شمال کی طرف دیکھو جہاں خون میں ڈوبی ہوئی

ارباب کی گھٹائیں چھا جانے کو امڈ رہی ہیں۔ کاش میں اس حالت میں ہوتا کہ اپنے مسلمان بھائیوں کو مخاطب کر کے کہہ سکتا دھرتی کے امینو۔ قبل اس کے کہ تمام بستے شہر مقبرے۔ جوان بستیاں کھنڈر آباد راستے سنسان اور بے تقصیر خطا کار ہو جائیں تم رد جفا رد بلا بن کر اٹھو۔ تاکہ بجھتی شمعوں کی تابندگی۔ تکبیروں کی اذانوں اور صبح آزادی کے قافلوں کی حفاظت کی جا سکے۔

دیکھ بختائی۔ کاش میں روز بنتے مٹتے جیالوں کی کسی تحریک کا حروف شناس ہوتا اور اپنے مسلمان بھائیوں کو خوابوں کے کھوئے سکون اندھیروں کی تعبیر سے آگاہ کر سکتا۔ لیکن افسوس صد افسوس۔ میں تو ایک بے بس اور لاچار سا انسان ہوں۔ جس کے پاس نہ طلب کی دھول ہے نہ الفاظ کی شناسائی۔ کاش میں اپنی مسلم قوم کو شمال سے اٹھنے والے ان خونی طوفانوں سے آگاہ کر سکتا۔ یہاں تک کہنے کے بعد بہت مایوسانہ انداز میں عمیر بن نصر کی گردن جھک گئی تھی۔ اس کی حالت دیکھتے ہوئے بختائی بے چاری بھی اداس اور افسردہ ہو گئی تھی۔ اس حالت سے عمیر بن نصر کو نکالنے کے لیے بختائی کہنے لگی۔

دیکھ عمیر بن نصر۔ میرا باپ باتو خان تم سے تمہارے ساتھی عرب تاجروں سے گرجستھان کی ملکہ روسودان کے متعلق بھی سوالات کرے گا۔ اسے خبر ہو گئی ہے کہ تم لوگ گرجستھان سے تجارت کرتے ہوئے اس طرف آئے ہو اور وہ گرجستھان میں بے پناہ دلچسپی لینے لگا ہے۔ عمیر بن نصر نے بڑی جستجو سے بختائی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ تمہارا باپ باتو کیوں گرجستھان میں دلچسپی لے رہا ہے۔ اس پر بختائی کہہ رہی تھی۔

قبرص کے جو دو تیغ زن ان دنوں ہمارے شہر سرائے باتو میں قیام کئے ہوئے ہیں وہ قبرص سے ادھر آتے ہوئے گرجستھان کے راستے آئے ہیں اور گرجستھان میں انہوں نے کچھ دن قیام بھی کیا ان ہی دونوں قبرصی تیغ زنوں نے میرے باپ باتو کو بتایا کہ گرجستھانیوں کی حسین قوم میں ان کی ملکہ روسودان سب سے زیادہ حسین اور خوبصورت ہے اور اس کی افتاد طبعیت ایسی ہے کہ جیسے کوئی دیہاتی قلوپطرہ۔

ان قبرصی تیغ زنوں نے میرے باپ باتو خان کو یہ بھی بتایا کہ گرجستھانیوں کی

ملکہ روسو دان کے بیشمار عاشق ہیں۔ جب اس کا کسی عاشق سے جی اکتا جاتا ہے تو وہ اپنے قلعے کے برج کے سنگیں حصار سے نیچے دھکیل کر اپنے اس عاشق کا کام تمام کر دیتی ہے اور پھر اپنے لئے کوئی نیا محبوب تلاش کر لیتی ہے۔ ان قبرصی تیغ زنوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ حسن اور خوبصورتی میں اگر ملکہ روسودان کا کوئی مقابلہ کر سکتا ہے تو وہ اس کی بیٹی تھمر ہے۔ قبرصی تیغ زنوں کا کہنا ہے کہ ایک لحاظ سے تھمر اپنی ماں روسو دان سے بھی زیادہ حسین ہے۔ اس کے حسن کی وجہ سے تھمر پر اکثر روسودان کو غصہ آتا ہے اور وہ تھمر پر باپ بھائی سے ملوث ہونے کا الزام بھی لگا دیتی ہے۔ اس پر عمیر بن نصر ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں کہنے لگا۔

دیکھ بختائی۔ جو کچھ ان قبرصی تیغ زنوں نے کہا ہے وہ درست نہیں ہے۔ میں روسودان اور اس کی بیٹی تھمر کو خوب جانتا ہوں روسودان بدکردار نہیں ہے۔ یہ قبرصی تیغ زنوں کی تکذیب ہے کہ وہ ایسی گفتگو کر کے تمہارے باپ باتو خان کو گرجستھان کی ملکہ روسودان کی طرف مائیل کرنا چاہتے ہیں۔ میرے خیال میں ملکہ روسودان نے ان قبرصی تیغ زنوں کو کوئی اہمیت نہیں دی ہو گی۔ ان دونوں نے وہاں اپنے لئے کوئی مقام پیدا کر لینے کی کوشش کی ہو گی۔ جس میں وہ ناکام رہے ہوں گے اسی بناء پر انہوں نے تمہارے باپ باتو خان سے اپنی طرف سے یہ داستان گڑھ کر روسودان کو بدنام کرنے کی یہ کوشش کی۔ ورنہ سن رکھو تھمر اسلام قبول کر چکی ہے اور وہ انتہائی پاکیزہ صاف ستھری زندگی بسر کرتی ہے۔ میں تم سے یہ بھی کہوں کہ وہ ہر روز اپنے مرکزی شہر تصبک کی کسی برف پوش بلند چوٹی پر کھڑی ہو گی میری واپسی کا انتظار کرتی ہو گی۔ دیکھ بختائی تو فکر مند نہ ہو۔ تمہارا باپ باتو جب مجھ سے روسودان کے متعلق پوچھے گا تو میں یہ حقیقت اس پر واضح کروں گا۔

جواب میں بختائی کہنے لگی۔ ان قبرصی تیغ زنوں کی وجہ سے میرا باپ باتو خان روسودان کے حسن و عشق سے بے حد متاثر ہو چکا ہے اور وہ چند روز تک اپنے کچھ قاصد گرجستھان کی طرف بھجوائے گا اور روسودان کو یہ پیغام دے گا کہ وہ بہ نفس نفیس اس کی خدمت میں حاضر ہو۔ اس طرح میرا باپ روسو دان کو اس نے پاس بلا کر اسے اپنے حرم میں داخل کر لیگا اور گرجستھان پر قبضہ کر لیگا۔ اس پر عمیر بن نصر

تڑپ کر بولا اور کہنے لگا دیکھ بختائی میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گا میں تمہارے باپ باتو خان کے ان ارادوں سے گرجستھان کی ملکہ روسودان کو پہلے ہی آگاہ کر دوں گا۔ اس پر بختائی کہنے لگی۔

دیکھ عمیر بن نصر۔ ان قبرصی تیغ زنوں نے میرے باپ پر ایک اور بھی انکشاف کیا ہے انہوں نے میرے باپ باتو خان کو بتایا کہ ملکہ روسودان کا ایک بھتیجا ہے جس کا نام داؤد ہے اسے ملکہ روسودان نے ایک کنویں میں زندہ بند کیا ہوا ہے۔ جہاں وہ ایک قیدی اور اسیر کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہا ہے۔ کیا یہ سچ ہے۔ اس پر عمیر بن نصر نے جواب دیا۔

دیکھ بختائی یہ سچ ہے۔ اس لیے کہ روسودان کا بھتیجا داؤد ایک انتہائی بدکردار اور جاہ پسند انسان ہے۔ اس نے کئی بار روسودان کو قتل کر کے اسے تخت و تاج سے محروم کرنے کی سازش کی اور بغاوت کر دی۔ روسودان اس کے خلاف حرکت میں آئی۔ داؤد کو اس نے بدترین شکست دی اس موقع پر روسودان چاہتی تو داؤد کا سر قلم کر دیتی لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ اس نے داؤد کو زندہ رکھا اور ایک اندھے کنویں میں ایک قیدی کی حیثیت سے بند کر دیا۔

اس بار بختائی موضوع بدلتے ہوئے کہنے لگی دیکھ عمیر بن نصر۔ اگر آپ آسانی سے قبرصی تیغ زن گروسو کا مقابلہ کر سکتے ہو تو کر اس معاملے میں سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا ایسا نہ ہو کہ تم اس کے ہاتھوں ہار جاؤ اور تمہیں کوئی گزند پہنچے۔ میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے ایک مسلمان نوجوان نصرانی اور قبرصی تیغ زن کے ہاتھوں زک اور ہزیمت اٹھائے۔ اس پر عمیر بن نصر اپنی جگہ سے اٹھتا ہوا بولا۔

دیکھ بختائی تو فکر مند مت ہو۔ میں گروسو کے ساتھ مقابلے میں تمہیں مایوس نہیں کروں گا آؤ اب چلیں کافی دیر ہو گئی ہے۔ اس پر بختائی کہنے لگی دیکھ عمیر بن نصر۔ آپ جائیں۔ آپ کے جانے کی تھوڑی دیر بعد میں اپنے خیمے کی طرف جاؤں گی۔ بختائی کی یہ تجویز عمیر بن نصر کو پسند آئی پھر اس نے بختائی پر ایک الوداعی نگاہ ڈالی اس کے بعد وہ کوہستانی سلسلے سے اتر کر خیموں کے شہر کی طرف جا رہا تھا۔

○

باتو خان اپنے خیمے میں بیٹھا ہوا تھا وہ درمیانے قد کا شخص تھا۔ اس کے چوڑے سر کے پیچھے دو موٹی موٹی بالوں کی چوٹیاں تھیں جن میں انتہائی قیمتی جواہرات گندھے ہوئے تھے۔ اس کے گھٹے ہوئے متورم ٹخنوں پر قرمزی کپڑے کی حوتیاں تھیں اور وہ چینی ریشم کے زیر جامے پر بھیڑ کی کھال پہنے ہوئے تھا۔ اس کی کمر سے آس کی تلوار لٹک رہی تھی۔ جس کا قبضہ خالص چاندی کا تھا۔ اس کے کمر بند میں طلائی مہرے بھی لٹکے ہوئے جگمگا رہے تھے۔ جبکہ وہ ٹوپی جو اس نے اپنے سر پر پہن رکھی تھی اس میں موتی جڑے تھے۔ اس موقع پر ایک فربہ اندام کنیز اس کے جسم پر آہستہ آہستہ ہلکا مشک مل رہی تھی۔

باتو خان کے قریب ہی اس کا بیٹا سرتاک بیٹھا ہوا تھا۔ ایسے میں باتو خان کا جو چھوٹا بھائی برقائی خان جو اسلام قبول کر چکا تھا خیمے میں داخل ہوا۔ برقائی خان کو دیکھتے ہی باتو خان نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کا استقبال کیا اپنے باپ کی طرف دیکھتے ہوئے باتو خان کا بیٹا بھی اپنے چچا کے استقبال میں اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ برقائی خان آگے بڑھا اور اپنے بھائی کے پہلو میں بیٹھ گیا تھوڑی دیر تک خیمے میں خاموشی رہی فربہ اندام کنیز نے بھی باتو کے جسم پر مشک ملنے کا عمل بند کر دیا تھا۔ پھر برقائی خان اپنے بھائی باتو کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

دیکھ میرے بھائی میں آج تیرے ساتھ انتہائی اہم معاملے میں گفتگو کرنے آیا ہوں اس پر باتو خان اور اس کے بیٹے دونوں نے چونک کر برقائی کی طرف دیکھا تھا اس موقع پر برقائی بولا۔

سن میرے بھائی تو نے اپنی بیٹی بختائی کے متعلق ایک فیصلہ کیا تھا دیکھ بختائی تیری ہی نہیں میری بھی بیٹی ہے جس وقت تو نے اسے قبرصی تیغ زن گروسو کے ساتھ بیاہ دینے کا فیصلہ کیا تھا اس وقت میں خاموش تھا اس لیے کہ جو داستان میں کہنا چاہتا ہوں اس داستان کا ایک کردار یہاں نہ تھا لہٰذا میری داستان کہنے کا کوئی فائدہ نہ تھا اب اس داستان کا مرکزی کردار یہاں موجود ہے لہٰذا جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں وہ ضرور کہوں گا اس پر باتو نے چونک کر اپنے بھائی برقائی کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

برقائی میرے بھائی کھل کر کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو اس پر برقائی اپنے مطلب

اور مقصد کی طرف آیا اور کہنے لگا دیکھ میرے بھائی تو نے میری بھتیجی اور اپنی بیٹی بختائی کو گروسو سے بیاہ دینے کا جو فیصلہ کیا ہے وہ غلط ہے اس لیے کہ بختائی گروسو کو نہیں ایک مسلمان نوجوان عمیر بن نصر کو پسند کرتی ہے۔

برقائی کے اس انکشاف پر باتو کا بیٹا اور برقائی کا بھتیجا سرتاک بھڑک اٹھا اور انتہائی غصے اور برہمی میں وہ کہنے لگا یہ جھوٹ ہے میری بہن بختائی کسی کو پسند نہیں کرتی اب چونکہ اس کی نسبت قبرص کے تیغ زن گروسو کے ساتھ طے ہو چکی ہے لہٰذا اس میں کسی بھی قسم کی تبدیلی نہیں کی جا سکتی اور آپ جانتے ہیں کہ چند دن بعد بختائی کو گروسو سے بیاہ دیا جائے گا۔ اس پر برقائی خان کے چہرے پر بھی انتہائی ناپسندیدگی اور غضبناکی کے آثار نمودار ہو گئے تھے یہ صورتحال دیکھتے ہوئے باتو کچھ فکر مند ہوا اور اپنے بیٹے کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

تم چپ رہو سرتاک یہ فیصلہ تیرے میرے یا برقائی کے کرنے کا نہیں پہلے بختائی کو طلب کیا جائے گا اور اس سے صورتحال پر روشنی ڈالنے اور حقیقت بتانے کو کہا جائے گا جو کچھ وہ کہے گی اسی کی روشنی میں فیصلہ کیا جائے گا۔

اگر بختائی جس طرح کہ میرے بھائی نے انکشاف کیا ہے مسلمان نوجوان عمیر بن نصر کو واقعی پسند کرتی ہے تو اس بات کا فیصلہ کہ بختائی کا ہاتھ کس کے ہاتھ میں دیا جائے عمیر بن نصر اور گروسو کے درمیان تیغ زنی کے مقابلے پر منحصر ہو گا اگر تیغ زنی کے اس مقابلے میں گروسو نے عمیر بن نصر کو مغلوب کر لیا تب آج اور اسی وقت میں اپنی بیٹی بختائی کو گروسو سے بیاہ دوں گا اور اگر عمیر بن نصر نے گروسو کو زیر کرتے ہوئے مقابلہ جیت لیا تو پھر آج ہی بختائی کو عمیر بن نصر کی زوجیت میں دے دیا جائے گا سن میرے بیٹے سرتاک کیا تجھے یہ فیصلہ منظور ہے اس پر سرتاک نے چھاتی تانتے ہوئے کسی قدر فخریہ انداز میں کہا۔

اے میرے باپ مجھے یہ فیصلہ منظور ہے اور میں آپ کو پیشگی اطلاع کرتا ہوں کہ عمیر بن نصر جو صرف تجارت کا فن جانتا ہے وہ تیغ زنی کے مقابلے میں چند لمحے بھی گروسو کے سامنے نہ نکال سکے گا اس پر برقائی نے بھی فخریہ انداز میں چھاتی تانتے ہوئے کہا دیکھ سرتاک میرے بھتیجے عمیر بن نصر کا تعلق بھی عرب کے ریگزاروں سے

ہے وہ ایک نخلستان کا بدو ہے دیکھ بدو انتہائی خطرناک ہوتا ہے اسے تلوار اور تیغ زنی کا فن ورثے میں ملتا ہے اور جب وہ اس کے اظہار پر آتا ہے تو بڑے بڑے سرکشوں کو اپنے سامنے زیر کر دیتا ہے سن پہلے سے مت تخمینے لگا کہ گروسو عمیر بن نصر پر غالب رہے گا فیصلہ اس کے الٹ بھی ہو سکتا ہے اس پر سرتاک کہنے لگا۔

سن چچا میں نے گروسو کو تیغ زنی کا مقابلہ کرتے ہوئے دیکھا ہے اس کا انداز ایسا بے مثل ہے کہ ماہر سے ماہر تیغ زن بھی زیادہ دیر اس کے ساتھ ٹھہر نہیں سکتا ویسے چچا آپ نے یہ انکشاف کر کے اچھا کیا اس طرح آج تیغ زنی کا ایک اچھا مقابلہ دیکھنے کا موقع مل جائے گا اس پر باتو فیصلہ کن انداز میں کہنے لگا۔

دیکھ سرتاک' میرے بیٹے کسی کو بھیج تاکہ وہ بختائی کو میرے پاس بلا کر لائے اس پر سرتاک اٹھا خیمے سے باہر ایک نوجوان کو اس نے بختائی کو بلانے کے لیے کہا پھر سرتاک دوبارہ اپنے باپ باتو کے قریب اپنی نشست پر آ کے بیٹھ گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد بختائی خیمے میں داخل ہوئی اور اپنے باپ باتو کے سامنے آ کر وہ سر جھکا کر کھڑی ہو گئی تھی شاید اس نے کچھ نہ کچھ حالات کا اندازہ لگا لیا تھا باتو تھوڑی دیر تک اپنے سامنے کھڑی اپنی بیٹی بختائی کو بڑے غور سے دیکھتا رہا پھر اس نے بڑے پیار بڑی محبت اور شفقت سے کہا بختائی بیٹی بیٹھو۔ بختائی نے ایک بار نگاہ اٹھا کر حالات کا جائزہ لیا غور سے اپنے باپ بھائی اور چچا کی طرف دیکھا پھر وہ بائیں جانب مڑی اور اپنے چچا برقائی خان کے پہلو میں بیٹھ گئی تھی۔ اس صورت حال پر باتو کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ جبکہ سرتاک کے چہرے پر ناپسندگی اور کراہت نمودار ہوئی تھی پھر باتو بختائی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

دیکھ بختائی میری بیٹی تو جانتی ہے کہ تیری نسبت اس سے پہلے میں قبرصی تیغ زن گروسو کے ساتھ طے کر چکا ہوں لیکن آج مجھ پر تیرے چچا برقائی خان نے انکشاف کیا ہے کہ تو ایک عرب نوجوان عمیر بن نصر کو پسند کرتی ہے برقائی خان کا کہنا ہے کہ اس نے اس کا انکشاف پہلے اس لیے نہیں کیا کہ عمیر بن نصر یہاں نہیں تھا اور اس کی غیر موجودگی میں ایسا اظہار کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا اب جبکہ عمیر بن نصر یہاں پہنچ چکا ہے تو تیرے چچا نے مجھ پر انکشاف کیا ہے کہ تو عمیر بن نصر کو پسند کرتی ہے اس

سے محبت کرتی ہے اور عمیر بن نصر بھی تجھ سے اپنی چاہت کا اظہار کر چکا ہے۔ کیا یہ درست ہے میری بیٹی۔

جواب میں بختائی بچاری منہ سے کچھ نہ کہہ سکی اس کی گردن جھک گئی تھی۔ اس پر باتو پھر بولا اور کہنے لگا دیکھ بختائی میری بیٹی میرے سوال کا جواب خاموشی نہیں میں تیری زبان سے کچھ سننا پسند کروں گا اس پر بختائی نے اپنی گردن سیدھی کی پہلے اس نے اپنے بھائی کی طرف دیکھا پھر اپنے چچا پر نگاہ ڈالی اس کے بعد وہ اپنے باپ باتو کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی اے میرے باپ اگر حقیقت سننا چاہتے ہیں تو وہ وہی ہے جو میرے چچا برقائی خان نے کہی ہے میں بے شک عمیر بن نصر نام کے نوجوان کو پسند کرتی ہوں۔

بختائی کا یہ جواب سن کر باتو تھوڑی دیر تک ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں خاموشی سے کچھ سوچتا رہا پھر وہ کہنے لگا دیکھ بختائی میری بیٹی تیری صاف گوئی پر میں بے حد خوش ہوا ہوں میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ گروسو اور عمیر بن نصر کے درمیان تیغ زنی کا مقابلہ ہو گا اور جو بھی دونوں میں سے مقابلہ جیتے گا میں آج ہی تمہیں اس سے بیاہ دوں گا کیا تجھے یہ فیصلہ منظور ہے اس پر بختائی کہنے لگی۔

اے میرے باپ مجھے آپ کا یہ فیصلہ منظور ہے عمیر بن نصر اور گروسو میں سے جو بھی تیغ زنی کا مقابلہ جیتے گا اس کے ہاتھ میں اگر آپ میرا ہاتھ دیں گے تو میں انکار نہیں کروں گی اس پر باتو نے اپنے بیٹے سرتاک کی طرف دیکھتے ہوئے کہا سرتاک اٹھو اور اس مقابلے کا انتظام کرو لیکن جلدی دیر نہیں ہونی چاہیے۔ اس پر سرتاک اٹھا اور خیمے سے نکل گیا تھا۔

○

تھوڑی دیر بعد سرتاک پھر خیمے میں داخل ہوا اور اپنے باپ باتو کو مخاطب کر کے کہنے لگا میرے باپ شہر کے وسطی کھلے میدان میں مقابلے کے انتظام کئے جا چکے ہیں اور لوگ بڑی تیزی سے اس میدان میں جمع ہونے شروع ہو چکے ہیں۔ جواب میں باتو خان کچھ کہنے والا ہی تھا کہ اس کا ایک محافظ اندر داخل ہوا اور باتو کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

خاقان آپ نے روس کے رئیس اعظم میخائیل کو طلب کیا تھا وہ حاضر ہوا ہے ابھی ابھی پہنچا ہے اس کے ساتھ اس کا ایک گورنر بھی ہے جس کا نام فیڈور ہے وہ بازیابی کی اجازت چاہتے ہیں اس پر باتو نے اپنا فیصلہ دیتے ہوئے کہا انہیں اسی طرح میرے سامنے پیش کرو جس طرح اجنبیوں کو منگول خاقان کے سامنے لایا جاتا ہے باتو کا یہ جواب سن کر وہ محافظ باہر نکل گیا تھا۔

منگولوں کے ہاں خاقان کے سامنے کسی کو پیش کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ خاقان کے خیمے کے باہر آگ کے دو الاؤ گرم رہتے تھے آگ کے ان الاؤ کے بیچوں بیچ اجنبیوں کو گزار کر خاقان کے خیمے کی طرف لایا جاتا تھا پھر آنے والوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ وہ مشرق کی طرف جہاں خاقان کا پایہ تخت ہے سجدہ کریں۔

روس کے رئیس میخائیل اور اس کے گورنر فیڈور کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا گیا وہ محافظ باہر آیا اور ان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔ دیکھو اجنبیوں خاقان کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے تم دونوں کو آگ کے الاؤ میں سے گزرنا ہو گا اور مشرق کی طرف جہاں ہمارے خاقان کا پایہ تخت ہے سجدہ کرنا ہو گا۔

دراصل منگول شامان (ا) اجنبیوں کو دو دہکتے ہوئے الاؤ کے درمیان سے اس لیے لے جاتے تھے کہ اگر ان کے پاس کوئی خطرناک طلسم یا غیر مرئی ہتھیار ہو تو آگ کے دیوتا کے حکم سے اس کا اثر زائل ہو جائے اور مشرق کی طرف خاقان کے پایہ تخت کی طرف سجدہ اس لیے کرایا جاتا تھا تاکہ آنے والوں پر منگولوں کی عظمت کا اظہار ہو۔

باتو کے محافظوں نے جب میخائیل پر اس کا انکشاف کیا اور ان دونوں کو الاؤ کے قریب لایا گیا تب میخائیل نے اپنے ساتھی فیڈور کو مخاطب کر کے کہا دیکھ عیسائیوں کو زیب نہیں دیتا کہ وہ الاؤ کے پاس سے ہو کر گزریں یا پادری کے سوا کسی اور کے آگے سر جھکائیں۔ دونوں نے آپس میں مشورہ کرنے کے بعد باتو خاں کے محافظ کو کہا کہ ہم ایسا نہیں کریں گے جس کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔

اس پر وہ محافظ اور اس کے ساتھ منگولوں کا مذہبی شخص جسے شامان کہا جاتا تھا دونوں باتو کے خیمے میں داخل ہوئے پھر شامان باتو کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

دیکھ خاقان روس کا رئیس اعظم میخائیل اور اس کا گورنر فیڈور دونوں ہی آگ کے الاؤ کے بیچ سے گزرنے سے انکار کرتے ہیں اور نہ ہی وہ ہمارے پایہ تخت کو سجدہ کرنے پر رضا مند ہیں اس پر باتو کو غصہ آگیا اور وہ انتہائی غضبناکی میں کہنے لگا۔

ان دونوں نے میرے حکم سے سرتابی کیسے کی اگر وہ لوگ میرے حکم کی تعمیل کریں گے تو میں اپنے ہاتھ سے انہیں ریاست' بخشوں گا اور انہیں بتاؤ کہ اگر انہوں نے انکار کیا تو انہیں قتل کرا دیا جائے گا۔

باتو کا یہ حکم لیکر شامان اور اس کا محافظ باہر آئے دوسرے محافظ بھی جو خیمے سے باہر کھڑے تھے ان کے ساتھ ہو لئے پھر شامان میخائیل کے پاس آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا دیکھ میخائیل ہم تیری قدر تیری عزت کرتے ہیں تجھے اور تیرے ساتھی فیڈور کو ہر صورت میں آگ کے دونوں الاؤ کے بیچ میں سے گزرنا ہو گا اور مشرق کی طرف ہمارے پایہ تخت کو تم دونوں کو سجدہ بھی کرنا ہو گا اور اگر تم دونوں نے ایسا نہ کیا تو یاد رکھنا تمہیں اپنی جانوں سے ہاتھ بھی دھونا پڑیگا۔

اس پر میخائیل نے اپنے ساتھی فیڈور کو مخاطب کر کے کہا اگر کسی کی روح جہنم واصل ہو جائے تو اس کے عوض اگر اسے ساری دنیا کی بادشاہی بھی نصیب ہو تو کیا فائدہ۔

کچھ دیر تک دونوں یعنی رئیس میخائیل اور اس کا ساتھی فیڈور باہم آپس میں گفتگو کرتے رہے اس کے بعد کوئی فیصلہ کرتے ہوئے میخائیل بولا اور شامان کو مخاطب کر کے کہنے لگا دیکھ شامان ہم باتو کے آگے سر ضرور جھکائیں گے کیونکہ خدا نے اسے سلطنت عطا کی ہے مگر ہم اور چیزوں کے آگے سر نہ جھکائیں گے نہ ہی آگ کے دونوں الاؤ کے بیچ میں سے گزریں گے۔ اس پر باتو خان کے محافظ نے کسی قدر خفگی میں میخائیل کو مخاطب کر کے کہا میخائیل احتیاط کرو اس وقت تمہارے سر پر موت کھیل رہی ہے لیکن میخائیل نے شامان کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔

اس پر شامان کے اشارے پر دو محافظ آگے جھپٹے اور میخائیل اور فیڈور دونوں کو پکڑ کر نیچے گرا لیا پھر ان دونوں کے ہاتھ پھیلا کر ان محافظوں نے دونوں کے دلوں پر زور زور سے گھونسے لگائے یہاں تک کہ ان دونوں کے قلب کی حرکت بند ہو گئی

اور وہ مر گئے چونکہ میخائیل اور فیڈور کا تعلق شاہی خاندان سے تھا لہٰذا منگول قانون کے مطابق ان کی موت کے سلسلے میں بڑی احتیاط کی گئی کہ ان کا خون نہ بہنے پائے اس طرح میخائیل اور فیڈور کا خاتمہ کر دیا گیا اور ان کی لاشوں کو وہاں سے اٹھا کر ٹھکانے لگا دیا گیا باتو خان کے بیٹے سرتاک اور راہب ولیم کو میخائیل اور اس کے ساتھی فیڈور کے مرنے کا بے حد دکھ اور غم تھا چونکہ وہ ان دونوں کے نصرانی بھائی تھے لیکن وہ مجبور تھے کچھ کر نہ سکتے تھے۔

○

تھوڑی دیر بعد ایک منگول محافظ باتو کے خیمے میں آیا باتو کے سامنے اپنے سر کو خم کرتے ہوئے وہ تعظیم بجا لایا اس کے بعد وہ باتو کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

محترم خاقان مقابلے کی ساری تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں سب لوگ میدان میں جمع ہیں قبرصی تیغ زن گروسو اور اس کا ساتھی بروک دونوں پہنچ چکے ہیں جس بدو کے ساتھ گروسو کا مقابلہ ہے اور جس کا نام عمیر بن نصر ہے اسے بھی وہاں پہنچا دیا گیا ہے اب صرف آپ کا انتظار ہے۔

اس اطلاع پر باتو کے چہرے پر خوشگوار مسکراہٹ' نمودار ہوئی تھی پھر اس نے اپنے بھائی برقائی خان کی طرف دیکھا جواب میں برقائی خان نے آہستہ آہستہ اپنا سر اثبات میں ہلا دیا اس کے بعد باتو اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا باتو کے اٹھتے ہی برقائی خان کا بیٹا سرتاک بیٹی بختائی بھی اٹھ کھڑے ہوئے پھر وہ باتو کے پیچھے پیچھے خیمے سے نکل گئے تھے۔

تھوڑی دیر بعد باتو اس کھلے میدان میں آیا جہاں مقابلے کا اہتمام کیا گیا تھا بے شمار منگول مرد عورتیں وہاں گول دائرے کی صورت میں موجود تھیں میدان کے ایک طرف لکڑی کا ایک چھکڑا کھڑا کر کے اس پر قالین ڈال دی گئی تھیں اس کے نزدیک لکڑی کی ایک سیڑھی کھڑی کر دی گئی تھی باتو اس کا بھائی' برقائی خان بیٹا سرتاک اور بختائی سیڑھیوں کے ذریعے اس چھکڑے پر سوار ہو کر نشستوں پر بیٹھ گئے تھے جن کا اہتمام ان کے لیے کیا گیا تھا پھر باتو نے مقابلے کے منتظمین منگولوں کو اپنے پاس بلایا اور انہیں مقابلہ شروع کرنے کی ہدایات جاری کیں۔

باتو نے دیکھا گروسو اس وقت اس چھکڑے کے بائیں طرف کھڑا تھا جس پر باتو' برقائی' سرتاک اور بختائی بیٹھے تھے جبکہ عمیر بن نصر اس چھکڑے کے دائیں طرف تھا پھر دونوں کو میدان میں اترنے کا اشارہ کیا گیا۔ گروسو فوراً" بھاگتا ہوا میدان میں اترا درمیان کے وسط میں جا کر کھڑا ہو گیا گویا وہ عمیر بن نصر کا انتظار کرنے لگا تھا۔

تھوڑی دیر بعد عمیر بن نصر بھی میدان میں داخل ہوا۔ میدان میں تھوڑا سا آگے جا کر عمیر بن نصر رک گیا۔ پھر وہ پتھریلی زمین کی ننگی پیٹھ پر سجدہ ریز ہوا اور انتہائی عاجزی اور انکساری میں دعا مانگنے لگا۔

اے خداوند تو رحیم و کریم ہے تو ہی باطل کی سرکش آندھیوں میں مجروح جاں نصیب بندوں کو فروغ آفتاب کا سا عروج عطا کرتا ہے۔ اے اللہ تو ہی درماندہ و فرماندہ اپنے غلاموں کو کربناک بیداری سے نکال کر فطرت کا معلم عارف آفاق واقف دہر و حرم اور محرم اخوت و خاکساری بنا کے رکھ دیتا ہے۔

اے اللہ تو مجھے بھی کذب و ارسیت کے سامنے صحرا صحرا اٹھتی پیاس بنا کر کھڑا کر دے۔ تو مجھے بھی اندھے تمدن کی آندھیوں میں حق کا زمزمہ سیال بنا کے کھڑا کر دے اے اللہ ان پردیسی سرزمینوں میں اس غریب الوطنی میں ان پر فزاروں میں میری دشمن کے مقابلے میں مدد فرمانا"۔

اس کے ساتھ ہی عمیر بن نصر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ دعا مانگنے کے بعد اس کے چہرے پر عزم و استقلال کی سی تابندگی تھی۔ پھر وہ بڑی تیزی سے میدان کے وسط میں کھڑے گروسو کی طرف بڑھا اتنی دیر تک کچھ منگول بھی بھاگتے ہوئے گروسو کی طرف بڑھے تھے۔

عمیر بن نصر گروسو کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ جو تین منگول میدان میں اترے تھے وہ اپنے ہاتھوں میں تلواریں اور ڈھالیں اٹھائے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک جو شاید اس مقابلے کا منصف تھا۔ گروسو اور عمیر بن نصر کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا کیا تم اپنی تلواریں استعمال کرو گے یا جو تلواریں میدان میں لائی گئی ہیں ان میں سے لو گے اس پر گروسو کہنے لگا۔ نہیں میں تو اپنی تلوار سے مقابلہ کروں گا۔ عمیر بن نصر کی طرف دیکھتے ہے منگول نے پوچھا اور تم عمیر نے کہا۔ میں بھی اپنی ہی تلوار سے کام لوں گا۔

پھر اس منگول نے دوسرے دو منگولوں کو اشارے سے میدان سے باہر نکل جانے کو کہا۔ جس پر وہ دونوں منگول بھاگتے ہوئے نکل گئے۔ ان منگولوں کے جانے کے بعد جو منگول منصف کی حیثیت سے میدان میں رہ گیا تھا اس نے گروسو اور عمیر بن نصر دونوں کو مخاطب کر کے کہا۔ میں تم دونوں کے ایک طرف کھڑا ہو جاؤں گا اور جس وقت میں اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی سرخ جھنڈی فضا میں بلند کروں گا تم ایک دوسرے سے مقابلہ شروع کر دو گے۔ اس کے ساتھ ہی منگول ذرا فاصلے پر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس موقع پر گروسو اور عمیر بن نصر دونوں نے پشت پر بندھی ہوئی اپنی ڈھالیں سنبھال لی تھیں اور اپنی تلواریں بھی بے نیام کر لی تھیں پھر ذرا فاصلے پر کھڑے اس منصف منگول نے سرخ رنگ کی جھنڈی فضا میں بلند کر دی تھی۔

قبرصی تیغ زن گروسو سر سے لیکر پاؤں تک لوہے میں غرق تھا اس کے سر پر چمکتا ہوا آہنی خود تھا۔ بازوؤں پر آہنی جوشن کندھوں پر لوہے کے خود چڑھے ہوئے تھے۔ جبکہ اپنے خود کا ایک حصہ اس نے کانوں کے اوپر سے گردن تک گرا رکھا تھا دوسری طرف عمیر بن نصر کی حالت عجیب تھی وہ اپنے صحرائے عرب کے بدو والے سادے لباس میں تھا اس لباس کے نیچے اس نے زرہ پہن رکھی تھی جو کبھی کبھی لباس ہٹ جانے کی وجہ سے چمکتی ضرور تھی۔ اور اس نے اپنے سر پر بندھے ہوئے عمامے کے نیچے آہنی خود بھی ڈال رکھا تھا۔

تھوڑی دیر تک گروسو عجیب سے انداز میں اپنی تلوار کو لہراتا رہا پھر وہ عمیر بن نصر کو مخاطب کر کے کہنے لگا دیکھ صحرا کے بدو میں قوت و عظمت کی زد پر شکوہ علامت ہوں جو اپنی تیغ زنی کی مہارت اپنی طاقت سے بستی کو ویران ویران شہر کو دھواں دھواں کر کے رکھ دیتی ہے برف زاروں کے مقابلے کے اس میدان میں میں تیرے سکوں زاروں کو جگر سوختہ اور تیرے سانسوں کے سرگم کو دکھ کا عمیق زخم بنا کر رہ دوں گا۔

دیکھ بدو مقابلہ شروع ہونے سے پہلے کم از کم اپنے سر سے اپنا عمامہ تو اتار دے تاکہ میں جان سکوں کہ تو نے اپنے سر پر کوئی آہنی خود بھی ڈال رکھا ہے یا وہ تمہیں میسر نہیں ہوا۔ اس پر عمیر بن نصر کہنے لگا۔ دیکھ قبرصی تو میرے عمامے کی

کر خداوند کو منظور ہوا تو میرا یہی عمامہ تیرے گلے کا پھندہ بن جائے گا دیکھ قبرصی ہمت اترا میں جب آتش سیال بن کر تیرے ہنر و کسب تیری ریاضت کو شکن شکن کروں گا تو تو اپنی ساری لاف و گزاف کو بھول جائے گا دیکھ قبرصی میں بدر کے مقدس میدانوں' احد کی متبرک چٹانوں کا بدو ہوں ایسا بدو جس کی تیغ زنی کا فن رگوں میں بہتے خون کی طرح وراثت میں ملتا ہے۔ ذرا مقابلہ شروع ہونے دے پھر میں تمہیں بتاؤں گا کہ کیسے میں تیرا کبرابلیسی تیرا ہنر آذر تیری نفس کی بھوک اور تیری جوع القلب کو زخم زخم لخت لخت کرتا ہوں۔

عمیر بن نصر کی اس گفتگو کا گروسو نے کوئی جواب نہ دیا تھا پھر وہ تلوار لہراتا ہوا آگے بڑھا عمیر بن نصر بھی سمجھ گیا تھا کہ وہ حملہ آور ہونا چاہتا ہے قریب آ کر گروسو لہرا کے کہنے لگا۔ دیکھ بدو میں تمہیں پہلے حملہ آور ہونے کا موقع دیتا ہوں لہٰذا تو حملہ آور ہو تاکہ مقابلے کی ابتدا ہو سکے اس پر عمیر بن نصر کہنے لگا۔ دیکھ قبرصی لاف گزاف کی ابتدا بھی تو نے ہی کی ہے لہٰذا حملے کی ابتدا بھی تو ہی کر میں تمہیں یہ بتاؤں گا کہ میں اپنا دفاع کیسے کرتا ہوں اور اپنے دفاع سے نکل کر جارحیت کا جامہ کیسے پہنتا ہوں اس پر گروسو نے کھا جانے والی نگاہوں سے عمیر بن نصر کی طرف دیکھا پھر ایک دم کے انداز میں آگے بڑھا اور عمیر بن نصر پر اس نے وار کیا تھا عمیر بن نصر بڑا ہوشیار بڑا چوکس تھا بڑی مہارت کے انداز میں اس نے گروسو کا وار اپنی ڈھال پر اپنی پسلیوں کے قریب لے جاتے ہوئے روکا اس کے بعد اس نے اس زور سے اپنی ڈھال پیچھے دھکیلا کہ گروسو لڑھکتا ہوا چند قدم پیچھے چلا گیا تھا۔

اس کے بعد عمیر بن نصر گروسو کا مقابلہ کرتے ہوئے کہنے لگا۔

سن قبرصی میرے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے محتاط رہنا یہ مت سمجھنا کہ تمہارا مقابلہ کسی بچے سے یا کسی معمولی سے تیغ زن سے ہے میں بدو ضرور ہوں لیکن تلوار کے فن کی اونچ نیچ سے ناواقف نہیں ہوں دیکھ قبرصی اب میں حملے کی ابتدا کرتا ہوں یہ وار روکنا اس کے ساتھ ہی گروسو کی طرح ایک جست کے انداز میں عمیر بن نصر کی طرف بڑھ کر حملہ آور ہوا تھا۔ گروسو نے سمجھا کہ میری طرح وہ ایک ہی وار کرے گا اور وہ اس کے وار کو روکے گا لیکن عمیر بن نصر نے ایسا نہیں کیا اس نے پے در پے

گروسو پر وار کرنا شروع کر دیئے اور اس کی تلوار گروسو پر اولوں اور تیروں کی طرح برسنے لگی تھی اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے گروسو الٹے پاؤں پیچھے ہٹنے لگا تھا۔

گروسو نے بہت کوشش کی کہ ایک جگہ عمیر بن نصر کے حملوں کو روک کر اپنی جارحیت کی ابتدا کرے لیکن اسے ایسا موقع نہ ملا اس نے دیکھا وہ بدو' بدو نہ رہا تھا وحشی اور درندگی کا کوئی خطرناک عنصر بن کر رہ گیا تھا۔ گروسو نے یہ بھی دیکھا کہ عمیر بن نصر لمحہ بہ لمحہ اپنے حملوں میں تیزی پیدا کرتا جا رہا تھا شاید اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ گروسو کو سنبھلنے کا کوئی بھی موقع نہیں دے گا۔ ایک موقع پر جب عمیر بن نصر کی تلوار گروسو کی تلوار سے ٹکرائی تو عمیر بن نصر نے اپنی ڈھال کا وار بھی گروسو پر کرنا چاہا گروسو بڑا محتاط اور چوکس تھا وہ فوراً" اپنی ڈھال کو اپنے سامنے لے آیا تاکہ عمیر بن نصر کی ڈھال کو اپنی ڈھال پر روکے لیکن عمیر بن نصر بھی بڑا چالاک اور دانش مند انسان تھا اس نے فوراً" اپنا رخ بدلا اور بائیں طرف سے قوت کے ساتھ گھما کر اپنی ڈھال اس نے گروسو کی کنپٹی پر دے ماری تھی۔

عمیر بن نصر کی ڈھال کا گروسو کی کنپٹی پر لگنا تھا کہ گروسو کو چکر سے آ گئے اسی موقع پر عمیر بن نصر نے ایک زور دار لات گرسو کو پیٹ پر دے ماری اور گروسو بل کھاتا ہوا دور جا گرا عمیر بن نصر بڑی تیزی سے آگے بڑھا گروسو کی تلوار پر اس نے اپنا پاؤں رکھ دیا تھا پھر اس نے اپنی تلوار بھی گروسو کی گردن پر رکھ دی تھی۔

یہ عجیب سا سماں تھا گروسو انتہائی بے بسی کے عالم میں زمین پر لیٹا تھا اس کا چہرہ شرمندگی اور ندامت میں سرخ ہو چکا تھا اس موقع پر عمیر بن نصر حرکت میں آیا جھک کر گروسو کے ہاتھ سے اس کی ڈھال چھیننا چاہی تو گروسو نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے اپنی ڈھال عمیر بن نصر کی ران پر دے مارنا چاہی لیکن عمیر بن نصر فوراً" ایک طرف ہٹ گیا اور اپنی ڈھال کو اس نے گروسو کے ڈھال سے ٹکرا دیا تھا اسی دوران عمیر بن نصر نے ایک جھٹکے کے ساتھ گروسو کی تلوار چھین لی تھی گروسو کی تلوار چھیننے کے بعد عمیر بن نصر ذرا پیچھے ہٹ کے کھڑا ہو گیا پھر منگول منصف کی طرف دیکھتے ہوئے وہ پوچھنے لگا کیا میں اس قبرصی سے مقابلہ جیت چکا ہوں اس پر منگول کہنے لگا

"ہاں" تو مقابلہ جیت چکا ہے اس موقع پر عمیر بن نصر کے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر اس نے گروسو کی تلوار اس کے پاؤں کے قریب پھینک دی اور تمسخرانہ سے انداز میں کہنے لگا دیکھ قبرصی اپنی تلوار اٹھا ایک بار پھر میرے ساتھ مقابلہ کر اور اپنی قسمت آزما لے تاکہ تجھے کوئی شک تجھے کوئی شبہ نہ رہے تیرا یہ بھی وہم نکل جائے کہ یہ جو میں نے تجھے زمین پر گرا کر بے بس کر دیا ہے یہ ایک اتفاقی حادثہ تھا۔

گروسو نے شاید اس موقع کو غنیمت جانا فوراً" جھک کر اس نے اپنی تلوار اٹھائی اور ایک بار پھر مقابلہ کرنے کے لیے وہ تیار ہو گیا تھا۔ اس کے بعد دونوں پھر آگے بڑھے اور ایک دوسرے سے ٹکرا گئے تھے۔ دونوں تھوڑی دیر تک ایک جگہ جم کر مقابلہ کرتے رہے۔

گروسو جو پیشہ ور تیغ زن تھا اس کا خیال تھا کہ اس کے مقابلے میں بدو بہت جلد تھکاوٹ محسوس کرنے لگے گا لہٰذا وہ تھکا کر اسے شکست دینے میں کامیاب ہو جائے گا لیکن جب مقابلہ طول پکڑ گیا تو اس نے دیکھا کہ بدو اس کے سامنے مقابلہ شروع ہونے جیسا تازہ دم تھا جبکہ خود گروسو اپنے اندر آہستہ آہستہ ماندگی اور تھکاوٹ کے آثار محسوس کرنے لگا تھا اور یہ احساسات اس کے چہرے پر بھی نمایاں تھے جو خود عمیر بن نصر بھی دیکھ چکا تھا۔

یہ صورتحال دیکھتے ہوئے عمیر بن نصر بپھر گیا بالکل نیکی کے اس نقش گر کی طرح جو انقلاب اور نیکی کی خاطر بدی کے کردار' میں جست لگاتا ہے اس دیوانے اس پروانے کی طرح جو سعادت ابدی کی خاطر خون کی بپھری موجوں کی طرح نفرت کی آگ اور بدترین قہر ذلت میں غوطہ زن ہو جاتا ہے بالکل درگاہ جہاں کے اس معلم کی طرح جو روز کن فیکون کی حفاظت کی خاطر اپنے تن من دھن اور جان تک کی بازی لگانے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔

عمیر بن نصر نے بھی اپنے حملوں میں عجیب سی تیزی اور خونخواری پیدا کر لی تھی وہ پہلے سے بھی زیادہ خوفناک انداز میں گروسو پر حملہ آور ہوا تھا۔ گروسو جو پہلے سے اپنے اندر تھکاوٹ محسوس کر رہا تھا اس نے جو دیکھا کہ عمیر بن نصر کے حملوں نے

ایک طرح کی برف بھر دی ہے تو اس کے چہرے پر مایوسیاں رقص کرنے لگیں تھیں۔ پھر اس موقع پر عمیر بن نصر نے زور دار انداز میں تکبیر بلند کی اور اللہ و اکبر کے اس نعرے سے پورا میدان گونج اٹھا تھا پھر چلاتے ہوئے عمیر بن نصر نے گروسو کو کہا۔ گروسو سنبھل اس کے ساتھ ہی عمیر بن نصر نے کچھ اس انداز میں اپنی تلوار گروسو کی تلوار پر ماری کہ گروسو کی تلوار کٹ کر زمین پر گر گئی تھی۔

گروسو تلوار کا دستہ اپنے ہاتھ میں پکڑے انتہائی بے بسی میں حیران و پریشان کھڑا تھا اس موقع پر عمیر بن نصر بولا دیکھ گروسو۔ میدان میں مقابلے کی ابتداء ہونے سے قبل تو بڑی لاف زنی کرتا تھا اور کہتا تھا کہ تو وہ بدبلا ہے جو شہروں اور بستیوں کو ویران کر کے رکھ دیتی ہے۔ کیا اب تجھے اپنی قوت کا احساس ہوا۔ میں نے تمہیں کہا تھا کہ میں وہ بدو ہوں جسے تیغ زنی کا فن ورثے میں ملتا ہے اور اس میدان میں تو نے دیکھا ہے کہ میں نے کیا خوب اپنے ورثے کی حفاظت کی ہے۔

دیکھ قبرصی قبل اس کے کہ میں مزید تیرے خلاف حرکت میں آؤں اور تیرے اعضا کو لخت لخت کروں تو اپنی کٹی ہوئی تلوار زمین پر پھینک دے اس میں تیری بہتری اور بھلائی ہے اگر تو نے میری بات نہ مانی تو تجھ پر حملہ آور ہوں گا اور تیری گردن کاٹنے سے بھی دریغ نہیں کروں گا۔

یہ صورتحال دیکھتے ہوئے عجیب بے بسی کے عالم میں گروسو نے اپنی ڈھال اور تلوار زمین پر پھینک دی عمیر بن نصیر پھر کہنے لگا۔ پورے دس قدم گن کر ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو جاؤ گروسو فوراً" حرکت میں آیا دس قدم گن کر وہ بائیں طرف کھڑا ہوگیا تھا۔ اس موقع پر عمیر بن نصر آگے بڑھا اپنے سر سے اس نے عمامہ اتارا تلوار اس نے اپنے نیام میں کی ڈھال پشت پر باندھ لی پھر آگے بڑھ کر جب وہ اپنا عمامہ گروسو کے گلے میں ڈالنے لگا تب گروسو حرکت میں آیا اور لگاتار تین کے اس نے عمیر بن نصر کی گردن اور پیٹ پر دے مارے تھے عمیر بن نصر بڑی بے بسی کے عالم میں زمین پر گر گیا تھا۔

جس وقت عمیر بن نصر زمین پر گرا گروسو بھاگ کر اپنی کٹی ہوئی تلوار اور ڈھال کی طرف بڑھا اور وہ چاہتا تھا کہ کٹی ہوئی تلوار سے زمین پر گرے ہوئے عمیر بن نصر

حملہ آور ہو کر اسے زخمی کر دے پر یہ گروسو کی بھول تھی اس لیے کہ عمیر بن نصر مستعد تھا اور چوکنا تھا فوراً" وہ حرکت میں آیا اپنا پاؤں اس نے گروسو کی ٹانگ میں پھنسایا اور گروسو کو اپنے قریب ہی اس نے گرا دیا۔ پھر کسی خوفناک اور انتقام پر اترے ہوئے درندے کی طرح عمیر بن نصر اٹھا گروسو کا آہنی خود اس نے اس کے سر سے اتارا۔ اس کے بعد انتہائی غصے اور غضبناکی کی حالت میں گروسو کو بالوں سے پکڑ کر اس نے اوپر اٹھایا اسی کے خود سے اس نے گروسو پر ضربیں لگانا شروع کر دی تھیں۔ اس کے چہرے اس کے شانوں اور پیٹھ پر عمیر بن نصر نے اسی کے آہنی خود سے خوب ضربیں لگائیں اس کے بعد تین چار گھونسے بھی عمیر بن نصر نے گروسو کے چہرے اور پیٹ پر دے مارے تھے۔ گروسو بے سیدھ ہو کر زمین پر گر گیا تھا۔

عمیر بن نصر پیچھے ہٹا زمین پر پڑے ہوئے اپنے عمامے کو اٹھایا اور وہ عمامہ اس نے گروسو کے گلے میں ڈال دیا پھر قریب ہی کھڑے ہوئے منصف منگول کی طرف دیکھا پھر اس نے پوچھا دیکھ تیرا انصاف کیا کہتا ہے۔ کیا میں یہ مقابلہ جیت چکا ہوں۔ اس پر وہ منگول آگے بڑھا اور کہنے لگا۔ دیکھ بدو یقیناً" تو یہ مقابلہ جیت چکا ہے اب تو میرے ساتھ خاقان کے پاس چل۔ میں تیری کامیابی اور فتح مندی کا اعلان کرتا ہوں۔ عمیر بن نصر کہنے لگا۔

تو میرے ساتھ آ۔ اس کے ساتھ ہی عمیر بن نصر اپنے عمامے کی مدد سے گروسو کو زمین پر گھسیٹتا ہوا اس سمت بڑھا جہاں ایک چھکڑے پر باتو۔ بخشائی۔ سرتاک اور برقائی بیٹھے ہوئے تھے۔ منگول منصف بھی اس کے ساتھ ہو لیا تھا۔

گروسو کو اپنے عمامے سے گھسیٹتے ہوئے عمیر بن نصر چھکڑے کے پاس اسے لایا۔ پھر باتو کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

سائین خان۔ یہ قبرصی تیغ زن گروسو ہے ۔ آپ نے بھی دیکھا ہو گا کھلے میدان میں تیغ زنی کے مقابلے میں میں نے اسے زیر اور مغلوب کر دیا ہے۔ آپ نے جس منگول کو اس مقابلے کا منصف مقرر کیا تھا وہ بھی مجھے فاتح اور کامیاب قرار دے چکا ہے۔ اب اس گروسو سے پوچھیں اگر یہ مزید میرے ساتھ مقابلہ کرنا چاہتا ہے تو میں اسی طرح اسے گھسیٹتے ہوئے دوبارہ میدان کے وسط میں لے جاتا ہوں اور پھر

مقابلے کی ابتدا کرتا ہوں۔

ویسے سائین خان اس قبرصی تیغ زن نے میرے ساتھ زیادتی کی ہے۔ یہ مقابلہ صرف تیغ زنی کا تھا۔ حالانکہ پہلی بار جب میں نے اسے نیچا دکھایا تو میں نے اسے تلوار واپس دیکر اسے پھر مقابلہ کرنے کا موقع دیا۔ دوسری بار میں نے اسے صاف طور پر زیر کیا یہ اس وقت زمین پر چت لیٹا ہوا تھا میں اس کے ہاتھ پر جب اپنا پاؤں رکھ کر اس سے تلوار چھیننے لگا تو اس نے بد دیانتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجھ پر مکوں کی بارش کر دی۔ اس کے بعد یہ اپنی کٹی ہوئی تلوار کی طرف بھاگا شائد یہ اس سے کام لیکر مجھے زخمی کر کے اپنے سامنے بے بس کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود بھی سائین خان میں نے اسے مار مار کر ادھوہ موا کر دیا ہے اب میں اسے گھسیٹ کر آپ کے سامنے لایا ہوں۔ فیصلہ آپ کے ہاتھ ہے۔

یہاں تک کہنے کے بعد عمیر بن نصر جب خاموش ہوا تو اس نے دیکھا باتو کے چہرے پر ہلکی ہلکی خوشگوار مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ پھر باتو خان امیر بن نصر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

دیکھ بدو تو یقیناً" راکھ تلے چھپے ہوئے شعلے کی مانند ہے۔ تو شہروں کے چوپان' بستیوں کے پاسبان' راستوں کے محافظ اور لوگوں کے نگہبان کی طرح مقرب اور محترم ہو گیا ہے۔ یہ مقابلہ جیت کر تو نے ثابت کر دیا ہے کہ تو یقیناً" ان جوانوں میں ہے جو جان عالم اور آبروئے دہر بن کر نمودار ہوتے ہیں۔

سن بدو تیرے ساتھ مقابلے سے پہلے یہ قبرصی تیغ زن منگول تیغ زنوں کے اندر وحشی اور درندہ بنا پھرتا تھا لیکن اس میدان میں تو نے اس کی ایسی حالت کی کہ یہ سب کے سامنے بھیڑ کی طرح بے ضرر اور بلی کی طرح مسکین دکھائی دیا ہے۔ تجھے میں یہ مقابلہ جیتنے پر مبارکباد دیتا ہوں۔

باتو شاید مزید کچھ کہتا کہ اس دوران برقائی خاں اپنی جگہ سے اٹھا۔ چھکڑے سے وہ نیچے اترا۔ آگے بڑھ کر اس نے عمیر بن نصر کو گلے سے لگا لیا پھر برقائی اپنا منہ عمیر بن نصر کے کان کے قریب لایا اور مسکراتی خوشگوار آواز میں کہنے لگا۔

عمیر بن نصر میرے بھائی ۔ میرے رفیق تو نے اس مقابلے میں میرا دل خوش کر

دیا ہے۔ جو امیدیں میں تم سے لگائے ہوا تھا تو وہ امیدیں سو فی صد پوری کر دیں تو نے کیا خوب اس قبرصی تیغ زن کی حالت صدائے بے ہنگم۔ نوائے پریشان جیسی کر کے رکھی ہے۔ سن صفا و مروہ کی نورانی وادیوں کے میرے محترم اور میرے دینی بھائی میں تیری طاقت اور قوت ارادی تیری جنگی ممارست اور قابلیت کو سلام کرتا ہوں۔

سن ابن نصر میرے بھائی تو نے میری مرضی۔ میری خواہش ۔ میری امیدوں کے مطابق اس قبرصی تیغ زن کی خونخواری کا سارا غرور اور تمکنت کو شام ہجران میں اور اس کی آندھیوں جیسی سرکشی کو انتہائے کرب و دکھ میں تبدیل کیا ہے۔ میں مبارکباد کے ساتھ ایک بار پھر تیری فتح مندی کو سلام کرتا ہوں۔

اس کے بعد برقائی عمیر بن نصر سے علیحدہ ہوا۔ دوبارہ چھکڑے کے اوپر اپنی نشست پر جا کر بیٹھ گیا تھا۔

اس موقع پر عمیر بن نصر نے بڑے غور سے چھکڑے پر برقائی خان کے قریب بیٹھی ہوئی بختائی کی طرف دیکھا۔ اس نے جائزہ لیا بختائی کے چہرے پر اس سے وصال کی سنہری رتوں جیسا سکوں زندگی کے پر اثر نغموں جیسی شادابی تھی جبکہ اس کی آنکھوں میں آدرش کے سورج اور نغمگی کے سکوت رقص کناں تھے۔ بختائی عمیر بن نصر کی اس کامیابی پر شبنم کے موتیوں' رنگوں کی کھلمل بارش جیسی خوش اور پر سکون تھی۔ وہ بے چاری اس سے منہ سے تو کچھ نہ کہہ سکی۔ تاہم وہ اپنی آنکھوں کی بے زبانی سے عمیر بن نصر کو مبارکباد دے رہی تھی دوسری طرف بختائی کے بھائی سرتاک کی حالت مختلف تھی۔

اس کا چہرہ عمیر بن نصر کی کامیابی پر دیمک آلود در وبام جیسا ہو کر رہ گیا تھا اور اس کے چہرے پر نفرت کی پھیلتی طیلسان میں سفلی خواہشات جوش مار رہی تھیں۔ اس موقع پر باتو خاں اپنے بھائی برقائی خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

برقائی میرے بھائی اب جبکہ یہ عرب بدو عمیر بن نصر گروسو سے مقابلہ جیت چکا ہے تو وعدے کے مطابق اب یہ بختائی کا حقدار ہے۔ میں یہ کام تیرے ذمے لگاتا ہوں کہ آج شام سے پہلے پہلے بختائی اور عمیر بن نصر کی شادی کا اہتمام کیا جائے۔ ایک بڑے خیمے کا بھی انتظام کیا جائے جو سرخ رنگ کے عمدہ چمڑے کا ہو۔ یہ خیمہ برقائی

میرے اور تمہارے خیمے کے درمیان نصب ہو گا اس خیمے میں شادی کے بعد میری بیٹی بختائی اپنے شوہر عمیر بن نصر کے ساتھ رہے گی۔ اب تم اٹھو اور یہ سارے انتظامات کرو۔ اس کے ساتھ ہی باتو اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر وہ برقائی اپنی بیٹی بختائی بیٹے سرتاک اور عمیر بن نصر کو لیکر چلا گیا تھا مقابلہ دیکھنے کے لیے آنے والے لوگ بھی اپنے اپنے خیموں کی طرف جا رہے تھے۔ اسی روز شام سے قبل ہی بختائی اور اور عمیر بن نصر کو رشتہ ازدواج میں باندھ دیا گیا تھا۔ باتو اور برقائی خان کے خیمے کے درمیان سرخ چمڑے کا ایک نیا خیمہ بھی عمیر بن نصر اور بختائی کے لیے نصب کر دیا گیا تھا۔

شام جب کسی قدر گہری ہو گئی تو باتو کا بیٹا سرتاک اور راہب ولیئم دونوں اس خیمے میں داخل ہوئے جس میں قبرصی تیغ زن گروسو اور بروک کا قیام تھا۔ جب وہ دونوں خیمے میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا وہاں گروسو اور بروک کے علاوہ اور دو جوان بھی تھے انہیں دیکھتے ہوئے سرتاک اور راہب ولیئم ٹھٹکے تھے پھر وہ آہستہ آہستہ خیمے میں داخل ہوئے تھے۔ ان کے خیمے میں داخل ہوتے ہی گروسو اور بروک کے علاوہ دونوں نئے جوان بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

گروسو جو مقابلے کے دوران عمیر بن نصر کے ہاتھوں مار کھاتے کھاتے بد حال ہو گیا تھا اب کسی قدر سنبھل چکا تھا۔ کمرے میں لگی نشستوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے سرتاک اور راہب ولیئم کو بیٹھنے کے لیے کہا جب وہ دونوں بیٹھ گئے تب گروسو کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ سرتاک گروسو کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

یہ تمہارے ساتھ دو نئے ساتھی کون ہیں اس پر گروسو کی جگہ اس کے ساتھی بروک نے جواب دیا۔

دیکھ خاقان کے بیٹے جس وقت ہم اس طرف آنے کے لیے قبرص سے روانہ ہوئے تھے۔ اس وقت ہم چار ساتھی تھے دو ہم اور دو یہ جو ابھی نئے آپ کے سامنے کھڑے ہیں ان میں سے ایک کا نام باربک اور دوسرے کا نام سرجیس ہے پر ہماری بدبختی یہ کہ راستے میں باربک بیمار ہو گیا ہم نے سرجیس کو اس کی تیمار داری پر چھوڑا اور خود ادھر روانہ ہوئے۔ ہمارے بعد جب باربک تندرست ہو گیا تو یہ اور سرجیس بھی اب یہاں پہنچ گئے ہیں۔ یہ مقابلے کے تھوڑی دیر بعد ہمارے خیمے میں داخل

ہوئے ہیں۔ اس پر سرتاک کہنے لگا۔

چلو اچھا ہوا کہ اب تم دو کے بجائے چار ہو گئے ہو۔ لیکن گروسو یہ جو آج کھلے میدان میں اس بدو عمیر بن نصر نے تمہیں زیر اور مغلوب کیا ہے اس کا مجھے بڑا دکھ اور قلق ہے۔ دیکھ گروسو تو بہترین تیغ زن تھا۔ بڑے بڑے منگول تیغ زن تیرے سامنے آئے پر ہر ایک کو تو نے اپنے سامنے زیر کیا لیکن تجھے اس عمیر بن نصر کے سامنے کیا ہوا اس نے تو تمہیں لمحوں کے اندر زیر کر لیا اور تیرا کوئی بس نہیں چلنے دیا۔ پھر اس نے تمہیں زمین پر لٹایا اور ایسا مارا کہ جس کا ذکر تک نہیں کیا جا سکتا۔

دیکھ گروسو اگر تو اس سے تیغ زنی کا مقابلہ ہار گیا تھا تو جس وقت تو نے اس کے ساتھ مکا بازی کی تھی کم از کم اس وقت ہی تو نے اسے مار مار کر زمین پر گرا دیا ہوتا۔ اس پر گروسو اپنی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

دیکھ خاقان کے بیٹے یہ بدو بھی عجیب و غریب ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ تلوار و تیغ زنی کے فن میں مجھ سے بہت اعلیٰ و ارفع ہے۔ اس نے میرا کوئی بس ہی نہیں چلنے دیا وہ کچھ اس طرح مجھ پر حملہ آور ہوا کہ میں اس کے حملوں کی جارحیت کو جان ہی نہ سکا۔ بس یوں جانیں اس نے مکمل طور پر مجھے اپنے سامنے بے بس کیا۔ مجھے امید تھی کہ مکا بازی میں میں اسے زیر کر لوں گا لیکن میری بدبختی کہ اس میں بھی اسی کا پلڑا بھاری رہا اور اب سب سے بڑی بدبختی یہ کہ اس کی شادی بختائی سے ہو گئی ہے اور اب وہ بختائی کا شوہر ہے۔

یہاں تک کہنے کے بعد جب گروسو خاموش ہوا تب راہب ولیم کہنے لگا۔

سن گروسو یہ جو تمہیں اس مسلمان بدو نے اپنے سامنے مقابلے کے دوران زیر کیا ہے میں سمجھتا ہوں پوری نصرانیت مسلمانوں کے سامنے زیر اور مغلوب ہو کر رہ گئی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے ہارنے کا جتنا دکھ مجھے ہوا ہے کسی کو نہ ہوا ہو گا۔ جس وقت وہ تمہیں اپنے عمامے سے باندھ کر گھسیٹتا ہوا خاقان کی طرف لا رہا تھا اس وقت میرا جی چاہ رہا تھا زمین پھٹ جائے اور میں اس میں سما جاؤں۔ میرا یہ بھی جی چاہ رہا تھا کہ کاش خدا وید یسو مسیح ایسا کرتا کہ تمہاری جگہ وہ بدو ہارتا اور تم اس کے گلے میں کپڑا ڈال کر گھسیٹ کر خاقان کی طرف لاتے۔ پر ہائے افسوس میری کوئی

بھی دعا اس موقع پر کامیاب و قبول نہ ہوئی۔

راہب ولیم کی اس گفتگو پر چاروں قبرصی تیغ زن کسی قدر پریشان اور افسردہ سے ہو گئے تھے۔ اس پر سرتاک اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور گروسو کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

سن گروسو اپنی اس ناکامی پر دل برداشتہ مت ہونا۔ میں اس عمیر بن نصر کو زندہ نہیں رہنے دوں گا۔ اس نے بختائی کو جیت کر اور اس سے شادی کر کے ایک طرح سے ہماری عزت ہمارے وقار پر شب خون مارا ہے اور یہ میں کسی بھی صورت برداشت نہیں کروں گا۔ دیکھو حالات کو ذرا آگے بڑھنے دو پھر میں تمہارے ساتھ چند دن تک مشورہ کروں گا اس کے بعد میں تم چاروں کو بتاؤں گا کہ کس طرح اس عمیر بن نصر کا خاتمہ کر کے اپنی بہن بختائی کو اس سے رہائی دلائی جا سکتی ہے۔ اب تم چاروں آرام کرو میں جاتا ہوں اس کے ساتھ ہی سرتاک اور راہب ولیم اس خیمے سے نکل گئے تھے۔

شادی کے ایک ہفتہ بعد عمیر بن نصر اور بختائی ایک شام دونوں میاں بیوی اپنے خیمے میں بیٹھے تھے۔ دونوں باہم گفتگو کر رہے تھے اور ان کے درمیان کچی مٹی کی بنائی ہوئی ایک انگیٹھی میں آگ کے کوئلے دہک رہے تھے۔ اتنے میں برقائی خان اس خیمے میں داخل ہوا اسے دیکھتے ہی عمیر بن نصر اور بختائی دونوں میاں بیوی اٹھ کھڑے ہوئے تھے اس پر برقائی مسکرایا ہاتھ کے اشارے سے اس نے دونوں میاں بیوی کو بیٹھنے کو کہا اور خود بھی ان کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔ پھر برقائی عمیر بن نصر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

دیکھ ابن نصر میرے بھائی میں تیرے لیے دو خبریں رکھتا ہوں پہلی یہ کہ دو دن پہلے میرے بھائی باتو نے تمہارے ساتھی عرب سوداگروں کو اپنے پاس بلایا تھا اور ان سے گرجستھان کی ملکہ روسودان کے متعلق تفصیل طلب کی تھی۔ جس کے جواب میں ان عرب سوداگروں نے روسودان کے حسن و جمال اور اس کے افتاد و طبع کی بے حد تعریف کی اس تعریف سے متاثر ہوتے ہوئے اسی روز میرے بھائی باتو نے دو قاصد گرجستھان کی طرف روانہ کئے اور ان قاصدوں کے ذریعے اس نے ملکہ روسودان کو حکم دیا ہے کہ وہ بنفس نفیس اپنے محافظوں کے ساتھ باتو کی خدمت میں حاضر ہو۔

یہاں تک کہنے کے بعد برقائی خان جب تھوڑی دیر کے لیے رکا تب عمیر بن نصر کہنے لگا برقائی میرے بھائی پہلے دوسری خبر بھی کہو پھر میں پہلی پر اپنے خیالات کا اظہار کروں گا۔ اس پر برقائی پھر بولا۔

دوسری خبر یہ ہے کہ تیرے ساتھی عرب تاجر کل صبح ہی صبح یہاں سے کوچ کرنے والے ہیں اس لیے کہ وہ اپنا سامان تجارت بیچ کر فارغ ہو چکے ہیں۔

یہ دونوں خبریں سن کر عمیر بن نصر تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر کہنے لگا برقائی میرے بھائی تمہارا کیا خیال ہے باتو کس نظریے کے تحت گرجستھان کی ملکہ روسودان کو اپنے ہاں طلب کر رہا ہے اس پر برقائی نے بڑی سنجیدگی میں کہا۔ دیکھ میرے بھائی باتو حسن پرست انسان ہے پہلے دونوں قبرصی تیغ زنوں نے ملکہ روسودان کے حسن و جمال کی تعریف کی اس لیے کہ وہ گرجستھان سے ہوتے ہوئے ادھر آئے تھے اس کے بعد تمہارے عرب ساتھی تاجروں نے بھی ویسی ہی تعریف ملکہ روسودان کی کی ہے جس سے متاثر ہو کر میرا بھائی باتو چاہتا ہے کہ ملکہ روسودان کو اپنے حرم میں داخل کرے اور اس کے ملک پر قبضہ کر لے اسی نیت سے اس نے ملکہ روسودان کو اپنی خدمت میں حاضر ہونے کا حکم نامہ روانہ کیا ہے۔

عمیر بن نصر کی طرف سے کوئی جواب دینے سے پہلے ہی بختائی بولی پڑی۔ میرے باپ کا یہ فیصلہ غلط ہے اسے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ گرجستھان کی ملکہ روسودان کو زبردستی اپنے حرم میں حاصل کرے اور پھر میرے باپ کو اپنی عمر کا بھی خیال کرنا چاہیے۔ اس کے سب بچے جوان ہیں خود وہ گٹھیا کا مریض ہے۔ اس کا یہ مرض اپنی آخری حدود کو چھو چکا ہے ایک لحاظ سے میرا باپ اس وقت قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہے۔ لہٰذا اسے یہ زیب نہیں دیتا کہ گرجستھان کی ملکہ کو زبردستی یہاں بلائے اسے اپنے حرم میں داخل کرے اور اس کے ملک پر قبضہ کرنے کی کوشش کرے۔

بختائی جب خاموش ہوئی تو برقائی خاں عمیر بن نصر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

عمیر میرے بھائی تمہارا کیا خیال ہے کیا ملکہ روسودان باتو کا حکم نامہ سن کر

اپنے محافظوں کے ساتھ میرے بھائی کی خدمت میں حاضر ہو گی۔ اس پر عمیر بن نصر نے فوراً" جواب دیا۔

دیکھ برقائی میرے بھائی میں ملکہ کو ایک عرصے سے جانتا ہوں۔ باتو خان چاہے کتنے ہی قاصد ملکہ روسودان کی طرف بھجوائے۔ ملکہ روسودان کبھی بھی باتو خان کی خدمت میں حاضر نہیں ہو گی وہ بڑی پر وقار عورت ہے اور ایک چالاک اور دانشمند حکمران بھی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ وہ باتو کی خدمت میں آئی تو اسے زبردستی دریائے وولگا کے کنارے روک لیا جائے گا اس لیے کہ اسے اپنی سلطنت سے محروم کر دیا جائے گا۔ لہٰذا روسودان میرے خیال میں کبھی بھی ادھر کا رخ نہیں کرے گی۔

جواب میں برقائی کچھ کہنا چاہتا تھا کہ ایک محافظ اندر آیا اور عمیر بن نصر کو مخاطب کر کے کہنے لگا کہ آپ کا ایک ساتھی عرب تاجر آپ سے ملنا چاہتا ہے اور اس وقت وہ خیمے سے باہر کھڑا ہے عمیر بن نصر نے محافظ سے کہا اسے روکو مت اندر آنے دو۔ اس پر وہ پہریدار باہر نکل گیا اور اس کے تھوڑی دیر بعد ایک عرب اندر داخل ہوا۔ ہاتھ کے اشارے سے عمیر بن نصر نے اسے بیٹھنے کو کہا۔ پھر وہ عرب کہنے لگا۔

عمیر میرے بھائی میں بیٹھوں گا نہیں جلدی میں ہوں ہمیں اپنا سامان سمیٹنا ہے۔ میں سارے تاجر بھائیوں کے صلاح مشورے سے تمہارے پاس آیا ہوں۔ تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کل تم صبح ہمارے ساتھ واپسی کا سفر کرو گے؟ ہم سارا اپنا سامان فروخت کر چکے ہیں اور کل صبح ہی صبح یہاں سے کوچ کر جائیں گے اس پر عمیر بن نصر کہنے لگا۔

سن میرے بھائی تم صبح ہی صبح یہاں سے کوچ کر جاؤ۔ میرے حالات کچھ پلٹا کھا گئے ہیں۔ مجھے کچھ عرصہ یہاں رکنا ہو گا اس کے بعد میں فیصلہ کروں گا کہ مجھے کب اور کس سمت یہاں سے کوچ کرنا ہے۔ اس پر وہ عرب تاجر بولا ہم واپس جا کر تمہاری ماں کو تمہارے نہ آنے کے متعلق کیا کہیں۔ اس پر عمیر بن نصر کچھ اداس ہو گیا۔ پھر کہنے لگا۔

دیکھ میں تمہیں کچھ نقدی دیتا ہوں وہ تم میری ماں کو دینا۔ اسے کہنا تیرے بیٹے نے وہاں شادی کر لی ہے۔ وہ بہت جلد لوٹ کر تیرے پاس آئے گا۔ اس کے ساتھ ہی

عمیر بن نصر نے نقدی کی ایک تھیلی نکالی اور تاجر کے حوالے کر دی تھی۔

اس موقع پر بختائی بھی اپنی جگہ سے اٹھی نقدی سے بھری ہوئی ایک تھیلی اس نے لی اور عرب تاجر کو تھماتے ہوئے اس نے کہا پہلی تھیلی عمیر بن نصر کی طرف سے ان کی ماں کے لیے ہے یہ دوسری تھیلی میری طرف سے ہے۔ عمیر بن نصر کی ماں اب میری ماں ہے۔ لہٰذا یہ تھیلی میری طرف سے میری ماں کو دینا۔ اور کہنا کہ ان کی بہو انہیں سلام پیش کرتی ہے اور بہت جلد ان کی خدمت میں حاضر ہو گی۔ بختائی کی یہ گفتگو سن کر وہ عرب تاجر خوش ہو گیا تھا پھر اس نے آگے بڑھ کر عمیر بن نصر اور برقائی خان سے مصافحہ کیا اور اس کے بعد وہ خیمے سے نکل گیا تھا۔

اس عرب تاجر کے جانے کے بعد برقائی خان عمیر بن نصر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

سن ابن نصر میں ایک اور بات کا بھی تم پر انکشاف کروں۔ میرے بھائی باتو نے یہ بھی فیصلہ کر رکھا ہے کہ اگر وہ قاصد جو اس نے ملکہ روسودان کی طرف بھجوائے ہیں ان کے کہنے پر ملکہ روسودان یہاں نہ آئی تو اس کے بعد باتو مزید قاصد ملکہ روسودان کی طرف بھجوائے گا اور اسے پہلا جیسا حکم نامہ پہنچایا جائے گا میرا بھائی باتو کچھ مسلح جوان بھی ملکہ روسودان کے مرکزی شہر کی طرف بھجوائے گا اور اس نے جو اپنے بھتیجے کو اندھے کنویں میں قید کر رکھا ہے منگول ملکہ روسودان کے اس بھتیجے کو وہاں سے نکال کر یہاں لے کر آئیں گے اور اگر دوسری بار بھی ملکہ روسودان نے یہاں آنے سے انکار کر دیا تب میرا بھائی باتو ارادہ رکھتا ہے کہ ملکہ روسودان کے بھتیجے کو یہاں سے ایک لشکر دیکر ملکہ روسودان پر چڑھائی کر دی جائے اس طرح اسے یہاں نہ آنے کی سزا بھی دی جائے اور اس بہانے اس کے ملک پر قبضہ بھی کر لیا جائے۔

برقائی ذرا رکا اس کے بعد وہ کہنے لگا۔

سن عمیر بن نصر میرے بھائی جیسا کہ تو پہلے ہی مجھے اور بختائی کو بتا چکا ہے کہ ملکہ روسودان کی بیٹی تھمر نہ صرف یہ کہ اسلام قبول کر چکی ہے بلکہ وہ تم سے محبت بھی کرتی ہے اور تم بھی اسے چاہتے ہو اسی صورت میں تھمر سے متعلق تمہارا کیا فیصلہ ہو گا اس پر عمیر بن نصر فوراً" بولا

سن برقائی میرے بھائی اگر باتو خان نے ملکہ روسودان کے خلاف لشکر کشی کی تو جو لشکر وہ اس کے خلاف بھجوانا چاہے گا اس لشکر کی روانگی سے پہلے ہی میں یہاں سے کوئی بہانہ کر کے ملکہ روسودان کے مرکزی شہر کی طرف روانہ ہو جاؤں گا اور تمر کو وہاں سے نکال لے جانے کی کوشش کروں گا۔ اس پر بختائی نے بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

یقیناً" ہمیں ایسا ہی اقدام کرنا چاہیے۔ تمر کو کسی بھی صورت منگولوں یا ملکہ روسودان کے بھتیجے کے حوالے نہیں کیا جا سکتا۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے تمر اب ہماری بہن ہے اور اس کی حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے۔ اس پر برقائی کہنے لگا۔

دیکھ بختائی میری بیٹی تو نے میرا دل خوش کر دیا ہے میں بھی یہی چاہتا تھا کہ جس وقت تمہارا باپ ملکہ روسودان کے خلاف لشکر کشی کرے اس سے پہلے ہی عمیر بن نصر یہاں سے روانہ ہو اور تمر کو بچانے کے لیے ملکہ روسودان کے مرکزی شہر کی طرف روانہ ہو جائے اس پر عمیر بن نصر کہنے لگا۔

دیکھ برقائی میرے بھائی اب یہ آخری فیصلہ ہے کہ اگر ملکہ روسودان یہاں نہ آئی اور خاقان باتو خان نے اس کے خلاف لشکر کشی کرنا چاہی تو لشکر کی روانگی سے پہلے ہی میں یہاں سے تمر کو بچانے کے لیے کوچ کر جاؤں گا۔ اس پر برقائی نے پوچھا لیکن تم میرے بھائی باتو سے وہاں جانے کا کیا بہانہ کرو گے۔ جواب میں عمیر بن نصر نے کچھ سوچا پھر وہ چونکا اور کہنے لگا۔

میں بہانہ کروں گا کہ سامان تجارت کے ساتھ ادھر آنے سے پہلے ملکہ روسودان کے مرکزی شہر میں میں نے اپنا کچھ اثاثہ رکھا تھا پس لشکر کشی سے پہلے میں وہاں سے اپنا اثاثہ نکال لینا چاہتا ہوں مجھے امید ہے کہ باتو کو اس سلسلے میں کوئی اعتراض نہیں ہو گا اور وہ مجھے وہاں لشکر کشی سے پہلے ہی جانے کی اجازت دیدے گا۔ اس پر برقائی بے حد خوش ہوا اور کہنے لگا۔

دیکھ ابن نصر میرے بھائی یہ ایک بہترین تجویز ہے۔ اب اسی تجویز پر عمل کیا جائے گا۔ پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ حالات کس کروٹ اپنی تبدیلی اور انقلاب پکڑتے ہیں اس کے بعد کوئی آخری فیصلہ ہو گا اب تم دونوں میاں بیوی آرام کرو میں جاتا ہوں

اس کے ساتھ ہی برقائی عمیر بن نصر اور بختائی کے خیمے سے نکلنے ہی لگا تھا کہ پھر مڑا دوبارہ عمیر بن نصر اور بختائی کے سامنے بیٹھ گیا اور بڑی فکر مندی سے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ایک موضوع پر تو ہم نے گفتگو کی ہی نہیں۔

اس پر عمیر بن نصر نے چونک کر پوچھا۔ برقائی میرے بھائی تمہارا اشارہ کس طرف ہے۔ اس پر برقائی نے کسی قدر فکر مندی سے پوچھا۔

دیکھ ابن نصر میرے بھائی یہ جو چار قبرصی تیغ زن ان دنوں ہمارے خیموں کے اس شہر میں ٹھہرے ہوئے ہیں ان دو کے متعلق تو مجھے یقین ہے کہ انہوں نے روسودان اور اس کی بیٹی تمر کو دیکھا ہوا ہے اس لیے کہ وہ میری موجودگی میں میرے بھائی باتو کے سامنے روسودان کے علاوہ تمر کی بھی تعریف کرتے رہے ہیں جو دو قبرصی تیغ زن بعد میں آئے ہیں ان کے متعلق میں نہیں جانتا انہوں نے روسودان اور تمر کو دیکھا ہوا ہے یا نہیں بہرحال جب تم تمر کو گرجستھان کی سلطنت کے مرکزی شہر قصبک سے نکالو گے تو اسے کہاں لے کے جاؤ گے۔ اس پر عمیر بن نصر کہنے لگا۔

برقائی میرے بھائی میں جہاں بھی تمر کو رکھوں میں چاہتا ہوں کہ تمر اور بختائی دونوں ایک ساتھ رہیں اور ہم تینوں مل کر خوشگوار زندگی بسر کرتے رہیں اس پر برقائی پھر کہنے لگا۔

سن عمیر میرے بھائی میری تو یہ خواہش ہے کہ تم تمر کو بھی یہاں لے آؤ اور یہیں ہمارے خیموں کے شہر میں اپنی دونوں بیویوں کے ساتھ ایک مسلمان کی حیثیت سے زندگی بسر کرو تمہاری وجہ سے یہاں عرب تاجروں کا زیادہ آنا جانا ہو گا اور ان کی وجہ سے مجھے امید ہے کہ ملک کے اندر اسلام تیزی سے پھیلے گا لیکن اس میں ایک قباحت ضرور ہے۔ اس پر بختائی برقائی کو مخاطب کر کے پوچھا۔ کیسی قباحت چچا۔ جواب میں برقائی کہنے لگا۔

سن بختائی میری بیٹی جس وقت قبرصی تیغ زن تمہارے باپ باتو کے سامنے گرجستھان کی ملکہ روسودان کے حسن اور خوبصورتی کی تعریف کر رہے تھے۔ وہاں انہوں نے روسودان سے بڑھ کر اس کی بیٹی تمر کے حسن و جمال کی تعریف بھی کی ہے ان کی باتوں سے متاثر ہو کر تمہارے بھائی سرتاک نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ وہ

روسودان کی بیٹی تھمر کو اپنے لیے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس پر باتو نے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔

اب مجھے خطرہ اور خدشہ ہے کہ باتو نے جو قاصد ملکہ روسودان کو یہاں حاضر ہونے کے لیے روانہ کئے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ روسودان یہاں نہیں آئے گی اس کے بعد باتو ضرور اس کے خلاف کارروائی کرے گا۔ ایسی صورت میں باتو خود روسودان کو اپنے حرم میں داخل کرنے کی کوشش کرے گا جبکہ سرتاک کی خواہش ہو گی کہ تھمر سے وہ شادی کر لے۔ اس پر بختائی بے پناہ غصے اور غضبناکی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔

نہیں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ تھمر ایک مسلمان لڑکی ہے اور سرتاک کی اس سے شادی نہیں ہو سکتی اور پھر اس کے علاوہ تھمر میرے شوہر ابن نصر کو چاہتی ہے لہٰذا میری یہ خواہش ہو گی کہ تھمیر کی شادی ہر صورت میں میرے شوہر سے ہو خواہ اس کے لیے ہمیں یہاں سے نکل کر کہیں اور کیوں نہ پناہ لینی پڑے۔

یہاں تک کہنے کے بعد بختائی تھوڑی دیر خاموش رہی کچھ سوچا اس کے بعد وہ برقائی کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

دیکھ چچا میری خواہش ہے کہ تھمر کو یہاں لایا جائے اور کسی نہ کسی حیلے بہانے ان چاروں قبرصی تیغ زنوں کا خاتمہ کر دیا جائے۔ جنہوں نے تھمر کو دیکھا ہے۔ جب وہ ختم ہو جائیں گے تو میں اپنے باپ باتو سے کہہ دوں گی کہ شادی سے پہلے ابن نصر نے مجھے بتا دیا تھا کہ میری پہلے بھی ایک بیوی ہے اور میں اپنے باپ سے کہہ دوں گی کہ عمیر بن نصر اب مستقل طور پر ہمارے اس شہر میں رہنا چاہتا ہے لہٰذا وہ اپنی بیوی کو بھی اپنے ساتھ لے آیا ہے تاکہ ہم تینوں مل کر خوشگوار زندگی بسر کریں۔ میرے خیال میں میری اس وضاحت سے میرے باپ کو کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔

برقائی نے بختائی کی اس تجویز کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا پھر وہ کہنے لگا اچھا دیکھتے ہیں حالات کس کروٹ بیٹھتے ہیں اگر ضرورت پڑی تو بختائی میری بیٹی تمہاری تجویز کے مطابق کوشش کی جائے گی کہ چاروں قبرصیوں کا خاتمہ کر دیا جائے یا ان کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے کہ وہ چاروں یہاں سے چلے جانے پر مجبور ہو جائیں۔ بہرحال تم

دونوں میاں بیوی آرام کرو۔ اب میں جاتا ہوں اس کے ساتھ برقائی اٹھ کر خیمے سے نکل گیا تھا۔

○

باتو خان نے اپنے جو قاصد گرجستھان کی ملکہ روسودان کے پاس روانہ کئے تھے اور روسودان کو حکم دیا تھا کہ وہ اس کی خدمت میں حاضر ہو وہ ناکام واپس آئے۔ ملکہ روسودان نے باتو کی خدمت میں حاضر ہونے سے انکار کر دیا تھا۔

باتو خاں چونکہ روسودان کے حسن اور اس کی طبعیت کا حال سن چکا تھا۔ ممکن ہے وہ یہ سمجھتا ہو کہ قفقار جیسے شہرہ پشت علاقے میں حکومت ایک عورت کے ہاتھ میں نہ ہونی چاہیے ممکن ہے وہ اس عیسائی ساحرہ سے جسمانی وصل کا طالب ہو اس میں شک نہیں کہ اسے اس عورت کے متعلق تجسس اور دلچسپی ہو گئی تھی اور اسے یہ توقع تھی کہ جب وہ اپنے قاصدوں کے ذریعے روسودان کو طلب کریگا تو وہ اپنی سلامتی اور امن کی خاطر بھاگی بھاگی اس کی خدمت میں حاضر ہو جائے گی لیکن جب روسودان نے آنے سے انکار کر دیا تب باتو نے ملکہ روسودان کے اس رویئے کو بڑی ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا بہرحال اس نے انتہا پسندی سے کام نہیں لیا۔ صبر اور تحمل کا دامن اس نے نہیں چھوڑا۔

باتو چاہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح ایک بار ملکہ روسودان اس کی خدمت میں حاضر ہو تو وہ اس سے اچھا سلوک کرے اور اس کے ساتھ ایسا رویہ رکھے کہ روسودان اس سے متاثر ہو اور اسی صورتحال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے باتو اسے اپنے حرم میں داخل کر لے اور اس کی بیٹی تھمر کو اپنے بیٹے سرتاک کے ساتھ بیاہ دے۔ لیکن روسودان نے نہ آ کر باتو کی ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ بہرحال باتو نے دوبارہ طلبی کے لیے اپنے قاصد ملکہ روسودان کی طرف روانہ کئے اب باتو نے طلبی کے ساتھ نرم روی سے درخواست کی اور ملکہ کو سرائے باتو میں آنے کے لیے کہا اور ملکہ اور اس کی بیٹی تھمر کے لیے تحفے بھی روانہ کئے۔ لیکن اس بار بھی باتو خان کی سفارت ناکام رہی۔ اس لیے کہ ملکہ روسودان نے باتو کے پاس آنے سے انکار کر دیا تھا اس لیے باتو نے انتہا درجے کی غضبناکی کا اظہار کرتے ہوئے خفیہ طور پر اپنے کچھ

منگول جاسوسوں کو گرجستھان کے مرکزی شہر قصبک کی طرف روانہ کیا اور انہیں حکم دیا کہ ملکہ روسودان نے جس کنویں میں اپنے بھتیجے داؤد کو مقید کر رکھا ہے اس کنویں کی طرف جائیں اور کسی نہ کسی طریقے سے ملکہ روسودان کے بھتیجے داؤد کو کنویں سے نکال کر سرائے باتو میں لے آئیں۔

باتو کی یہ ایک بہترین تجویز تھی خفیہ طور پر باتو نے جو اپنے چیدہ چیدہ جوان گرجستھان کے مرکزی شہر قصبک کی طرف روانہ کئے تھے انہوں نے بڑی رازداری سے کام کیا اور ملکہ روسودان کے بھتیجے کو ویران کنویں سے نکال کر سرائے باتو میں لے آئے۔ اب داؤد کے سرائے باتو میں پہنچنے کے بعد باتو خان نے ایک لشکر ترتیب دیا اور داؤد کو اس نے حکم دیا کہ چند روز تک وہ اس لشکر کے ساتھ گرجستھان کے مرکزی شہر قصبک کی طرف جائے ملکہ روسودان پر حملہ آور ہو اسے زندہ گرفتار کر کے باتو کے سامنے پیش کرے۔

خیموں کے شہر سرائے باتو میں ایک روز عمیر بن نصر اور بختائی اپنے خیمے میں بیٹھے تھے کہ برقائی خان خیمے سے باہر دروازے کے قریب کھانسا اور کھنکارہ۔ بختائی سمجھ گئی تھی کہ اس کا چچا آ رہا ہے لہٰذا اس نے سامنے بیٹھے ہوئے عمیر بن نصر کو مخاطب کر کے کہا۔ چچا برقائی آ رہا ہے شاید وہ کسی اہم موضوع پر گفتگو کرنا چاہتا ہے۔ اس پر دونوں میاں بیوی، سنبھل کر بیٹھ گئے تھے تھوڑی دیر بعد برقائی خیمے میں داخل ہوا عمیر بن نصر کے قریب آ کر وہ بیٹھ گیا اور بڑی رازداری سے کہنے لگا۔

سن عمیر میرے بھائی میں تمہارے لیے ایک انتہائی اہم خبر لیکر آیا ہوں۔ دو روز تک ملکہ روسودان کے بھتیجے داؤد کی سرکردگی میں ایک لشکر گرجستھان کے مرکزی شہر قصبک کی طرف روانہ ہوگا۔

داؤد کو میرے بھائی باتو نے حکم دیا ہے کہ وہ اس کے لشکر کے ساتھ گرجستھان کے مرکزی شہر قصبک پر حملہ آور ہو اور ہر صورت میں ملکہ روسودان اور اس کی بیٹی تھمر کو زندہ گرفتار کر کے اس کے سامنے پیش کیا جائے۔ اب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ باتو میرا بھائی روسودان کو اپنے حرم میں داخل کرنا چاہتا ہے اور تھمر کی شادی وہ سرتاک سے کرنا چاہتا ہے لہٰذا میرا مشورہ یہ ہے کہ تم کل صبح ہی صبح یہاں سے

گرجستھان کے مرکزی شہر قصبک کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ تھمر کو وہاں سے نکالنے کی کوشش کرو۔

برقائی تھوڑی دیر رکا پھر وہ سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

سن عمیر بن نصر میرے بھائی ۔ میں اپنے بھائی باتو سے باتوں ہی باتوں میں کہہ چکا ہوں کہ عمیر بن نصر اپنا کچھ سامان گرجستھان کے مرکزی شہر قصبک میں چھوڑ کر آیا ہوا ہے۔ وہ وہاں جا کر اپنا سارا اثاثہ یہاں لانا چاہتا ہے۔ میرا بھائی باتو اس بات پر رضامند ہے اور اس کی خواہش ہے کہ تم جاؤ اور وہاں سے سارا سامان لیکر پھر بختائی کے پاس واپس لوٹ آؤ۔ شاید وہ اس سلسلے میں تم سے بات بھی کرے۔ اس پر عمیر بن نصر فیصلہ کن انداز میں کہنے لگا۔

برقائی میرے عزیز میرے رفیق میں تمہارا بے حد شکر گزار ہوں کہ تم نے یہ ساری اطلاعات مجھے فراہم کیں۔ میں کل صبح ہی صبح باتو خان سے اجازت لیکر یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔ جواب میں برقائی یا بختائی میں سے کوئی بھی جواب دینے ہی والا تھا کہ خیمے سے باہر پہرہ دینے والوں میں سے ایک نے باتو خاں کے آنے کی اطلاع دی۔ اس پر برقائی۔ بختائی عمیر بن نصر تینوں کھڑے ہو گئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد باتو خیمے میں داخل ہوا اور اپنے بھائی برقائی کے پاس بیٹھ گیا وہ تینوں بھی اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے تھے۔

پھر باتو بولا اور عمیر بن نصر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

ابن نصر میرے بیٹے۔ برقائی نے مجھے بتایا ہے کہ تم اپنا کچھ سامان گرجستھان کے مرکزی شہر قصبک چھوڑ آئے ہو اور اب وہاں سے وہ سامان لانا چاہتے ہو۔ اس پر عمیر فوراً بولا اور کہنے لگا۔ اس بات کا ذکر میں نے چند دن پہلے برقائی سے کیا تھا۔ اگر آپ مجھے کچھ دنوں کے لیے قصبک جانے کی اجازت دیدیں تو میں اپنا سارا سامان اٹھا کر یہاں لے آؤں۔ اب میں ارادہ کر چکا ہوں کہ مستقل طور پر یہاں بختائی کے پاس ہی رہوں گا۔

باتو عمیر بن نصر کا یہ جواب سن کر بے حد خوش ہوا۔ پھر کہنے لگا اس کے لیے تمہیں مجھ سے اجازت لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ۔ اگر تم قصبک جانا چاہتے ہو تو

تم صرف میری بیٹی بختائی کو اطلاع کر دیتے یہ مجھے بتا دیتی۔ تم کب تصبک جانا پسند کرو گے اس پر عمیر بن نصر بولا اور کہنے لگا۔ آپ کی آمد سے پہلے میں بختائی اور برقائی خان سے گفتگو کر رہا تھا۔ میرا ارادہ ہے کہ میں کل صبح ہی یہاں سے کوچ کروں اور سارا سامان لیکر بہت جلد یہاں لوٹ آؤں۔ اس پر باتو اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا اگر ایسا ہے تو تم کل یہاں سے روانہ ہو جاؤ اس کے ساتھ ہی باتو خیمے سے نکل گیا تھا۔ باتو کے ساتھ برقائی بھی اس کے ساتھ چلا گیا تھا۔ ان کے جانے کے بعد عمیر بن نصر اور بختائی کچھ دیر خاموش بیٹھے رہے اس دوران بختائی کچھ سوچ رہی تھی پھر اچانک اسے کچھ خیال آیا وہ عمیر بن نصر کو مخاطب کر کے پوچھنے لگی۔

دیکھئے آپ کی روانگی کے بعد میں بھی پریشان اور فکر مند رہوں گی۔ چچا برقائی کے ساتھ گفتگو کے دوران یہ بات تو زیر بحث آ ہی نہیں سکی کہ تمھر کو وہاں سے نکالنے کے بعد آپ اس کے ساتھ کہاں قیام کریں گے۔ ظاہر ہے اسے فوراً وہاں سے نکالنے کے بعد آپ یہاں تو نہیں لائیں گے اس لیے کہ اگر آپ اسے یہاں لیکر آتے ہیں تو سرتاک کی طرف سے اس کے لیے خطرہ ہے۔ اگر اسے یہ پتہ چل گیا کہ تمھر بھی آپ کی بیوی ہے تو وہ نہ صرف آپ اور تمھر کے خلاف حرکت میں آئے گا بلکہ وہ ایسا سنگدل اور حریص بھائی ہے کہ وہ آپ دونوں کے ساتھ ساتھ میری جان کا بھی دشمن بن سکتا ہے۔ اس پر عمیر جواب میں کچھ کہنا چاہتا تھا کہ تھوڑے سے وقفے کے بعد بختائی پھر بول پڑی۔

کوئی ایسا مقام ہونا چاہیے جہاں تمھر کو آپ تصبک کے شاہی محل سے نکال کر قیام کر سکیں۔ اس مقام کا مجھے بھی پتہ ہو اور جب یہاں حالات ہمارے حق میں ہو جائیں تب میں کچھ منگول قاصدوں کو آپ کی طرف روانہ کروں اور آپ دونوں کو یہاں بلا لوں۔ بس میں چاہتی ہوں کہ ہم تینوں مل کر امن اور عافیت میں رہیں۔ اس پر جواب دینے کے لیے عمیر بن نصر کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس کے چہرے پر اطمینان سا نمودار ہوا پھر وہ بختائی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

سن بختائی۔ ایک ایسا مقام ہے جہاں میں تمھر کو رکھ سکتا ہوں اور جہاں میں اس کے ساتھ محفوظ بھی رہ سکتا ہوں۔ بختائی۔ گرجستھان میں ایک دریا ہے نام جس

ہ ارس ہے۔ دریائے ارس کے کنارے رد کوش نام کی ایک بستی ہے۔ اس بستی میں زیادہ تر مسلمان ہی رہتے ہیں۔ اس بستی کے مغرب میں عین دریائے ارس کے کنارے ایک سرائے ہے۔ اس سرائے کا مالک بھی ایک مسلمان ہی ہے۔ میں اسی سرائے میں تمھر کے ساتھ قیام کروں گا اور اسی سرائے میں تم قاصد بھیج کر مجھے حالات سے آگاہ کر سکتی ہو۔

عمیر بن نصر کا یہ جواب سن کر بختائی خوش اور مطمئن ہو گئی تھی۔ پھر وہ دونوں میاں بیوی اپنے خیمے میں آرام کرنے لگے تھے۔ دوسرے روز صبح ہی صبح عمیر بن نصر سرائے باتو سے گرجستھان کے مرکزی شہر تصبک کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

ایک روز جبکہ سرائے باتو میں شام گہری ہو گئی تھی راہب ولیئم باتو کے بیٹے سرتاک کے خیمے میں داخل ہوا۔ راہب ولیئم کو دیکھتے ہی سرتاک اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ سردی چونکہ ان دنوں اپنے عروج پر تھی لہٰذا سرتاک خیمے میں دھکتے ہوئے انگیٹھوں کے پاس بیٹھا تھا۔ راہب ولیئم کو اس نے اپنے سامنے ایک نشست پر بیٹھنے کو کہا۔ جب راہب ولیئم بیٹھ گیا تب سرتاک بھی اس کے سامنے ایک نشست پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر تک خیمے میں خاموشی رہی پھر راہب ولیئم باتو کے بیٹے سرتاک کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

دیکھ سرتاک میں ایک انتہائی اہم معاملے پر تمہارے ساتھ گفتگو کرنے آیا ہوں۔ راہب ولیئم کی ان باتوں پر سرتاک نے چونک کر راہب ولیئم کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ محترم راہب آپ مجھ سے کیا کہنا چاہتے ہیں۔ اس پر راہب ولیئم بڑی بے چینی میں بولا۔

دیکھ سرتاک، یہ حقیقت میرے لئے اب بڑی روح فرسا اور جان لیوا ہے کہ مسلمان عمیر بن نصر نے نہ صرف یہ کہ ہمارے قبرصی تیغ زن گروسو کو بدترین شکست دی۔ بلکہ تمہاری بہن بختائی کو بھی اپنے حرم میں داخل کر لیا۔ اب تمہاری بہن بختائی عمیر بن نصر کی بیوی ہے اور یہ حقیقت میرے لئے قیامت خیزی سے کم نہیں ہے۔ میں چاہتا تھا تمہاری طرح تمہاری بہن بختائی بھی عیسائیت کی پیروکار ہو۔ مگر ایسا نہ ہو سکا۔ میں یہ بھی چاہتا تھا کہ آہستہ آہستہ میں اسے اسلام سے منحرف کر

کے عیسائیت کی طرف رغبت دیتا لیکن مجھے موقع ہی نہیں ملا اور اس سے پہلے ہی بختائی عمیر بن نصر سے بیاہ دی گئی۔ اب اسے اسلام سے منحرف کر کے عیسائیت کی طرف لانا مشکل ہو چکا ہے۔

دیکھ سرتاک۔ میں تم سے یہ کہنے آیا ہوں کہ تم اپنی بہن بختائی سے تعلقات اچھے رکھو۔ اس سے ملتے رہو اور باتوں باتوں میں اسے اپنے شوہر ابن نصر سے منحرف اور متنفر کرنے کی کوشش کرتے رہو۔ مجھے امید ہے کہ چند ہی دنوں میں تم ایسا کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے اور میرے خیال میں بختائی عمیر بن نصر کو چھوڑنے پر آمادہ ہو جائے گی۔ اس پر سرتاک نے غور سے راہب ولیئم کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا اور اگر بختائی نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تب۔ اس پر راہب ولیئم نے کہا پھر میں فیصلہ تمہارے ہاتھوں میں چھوڑتا ہوں۔ جو تم چاہو کر لینا اس پر سرتاک بڑی بے حمیتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہنے لگا۔

سن محترم اور مقرب راہب۔ اگر آپ مجھ سے ہی فیصلہ سننا چاہتے ہیں تو میں صرف چند روز تک بختائی کو راہ راست پر لانے کی کوشش کروں گا اگر اس نے میری بات ماننے سے انکار کر دیا تو میں کچھ لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کے بختائی کو موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔

سرتاک کا یہ جواب سن کر جہاں راہب ولیئم کے چہرے پر حیرت کے آثار نمودار ہوئے تھے وہاں اس کے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ اور سکون بھی دیکھا جا سکتا تھا۔ پھر وہ سرتاک کو مخاطب کر کے کہنے لگا اگر بختائی تمہارا کہا نہیں مانتی اور اس نافرمانی کے صلے میں اگر تم بختائی کو قتل کر دیتے ہو تو میں سمجھتا ہوں تم حق پر ہو اور ایسا کرنا ایک نصرانی پر فرض بھی بنتا ہے۔ دیکھ سرتاک میرے عزیز ایک معاملہ تو طے ہوا۔ اب دوسرے معاملے کی طرف آتے ہیں۔ سرتاک نے بڑے غور سے راہب ولیئم کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ دوسرا معاملہ کیا ہے۔ جواب میں راہب ولیئم کہنے لگا۔

سن سرتاک۔ تو جانتا ہے کہ کیف کا رئیس میخائیل جب اپنے نائب فیڈور کے ساتھ تمہارے اس خیموں کے شہر میں باتو کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے آیا تھا تو

اپنے ساتھ کچھ محافظ بھی لایا تھا۔ یہ ان دنوں خیموں کے اس شہر کے باہر ایک خیمے کے اندر قیام کئے ہوئے ہیں۔ اس پر سرتاک کہنے لگا ہاں میں جانتا ہوں ان محافظوں سے مل بھی چکا ہوں۔ وہ تعداد میں دو ہیں۔ اس پر راہب ولیئم بولا تمہارا اندازہ درست ہے میں ابھی انہی محافظوں سے مل کر آ رہا ہوں انہوں نے مجھ پر ایک نیا انکشاف کیا ہے جو ہمارے حق میں کام دے سکتا ہے۔ اس پر سرتاک نے بڑی رازداری سے پوچھا۔ کون سا انکشاف انہوں نے کیا ہے۔ راہب ولیئم کہنے لگا۔

میں نے ان دونوں محافظوں سے طویل گفتگو کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جس وقت میخائیل اپنے نائب فیڈور کے ساتھ اپنے شہر کیف سے چلا تھا تو اس کے ساتھ اس کی بیوی تھی اس کا نام کسار ہے۔ پر میخائیل باتو کی طرف سے خوفزدہ تھا لہٰذا وہ اپنی بیوی کسار کو یہاں نہیں لایا جبکہ دریائے ڈان کے کنارے اپنے عزیزوں کے ہاں چھوڑ کر آیا ہے۔ ان محافظوں کا کہنا ہے کہ میخائیل نے کسار نام کی اس لڑکی سے صرف چند ماہ پہلے ہی شادی کی ہے ان کا کہنا ہے کہ یہ کسار جہاں اپنے حسن اپنی خوبصورتی میں کوئی جواب نہیں رکھتی وہاں وہ ایک رقاصہ کی حیثیت سے بھی بے مثال ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ مرنے والے میخائیل کی بیوی کسار کو برقائی کے خلاف استعمال کیا جائے۔

دیکھ سرتاک میرے عزیز یہ ہم دونوں کی بدقسمتی ہے کہ میخائیل اور فیڈور کو ہم نہ بچا سکے حالانکہ وہ ہمارے نصرانی بھائی تھے۔ انہیں یوں تمہارے باپ باتو کے ہاتھوں قتل نہیں ہونا چاہیے تھا۔ پر مجھے سرتاک اب سب سے زیادہ خطرہ تمہارے چچا برقائی خان سے ہے دیکھ سرتاک تو جانتا ہے کہ تیرا باپ باتو خان بوڑھا ہونے کے ساتھ ساتھ گٹھیا کا مریض بھی ہے اس کا یہ مرض اپنی آخری حدود کو چھو چکا ہے۔ اپنے بڑھاپے اور گٹھیا کے مرض کی وجہ سے باتو کسی بھی وقت موت کا لقمہ بن سکتا ہے۔ دیکھ سرتاک تمہارے باپ باتو کی موت کے بعد جو حالات ہیں ان کے مطابق تم نہیں بلکہ تمہارا چچا برقائی خان اس علاقے کے منگولوں کا خاقان بنے گا اور میری بات سنو ایک بار برقائی خان خاقان بن گیا تو اس علاقے میں دو بڑے انقلاب رونما ہوں گے۔ اس موقع پر سرتاک فوراً پوچھنے لگا۔

راہب ولیئم تمہارا اشارہ کن انقلابوں کی طرف ہے۔ راہب ولیئم نے جواب دیا پہلا انقلاب یہ رونما ہو گا کہ تمہارے اور تمہاری آنے والی نسلوں کے ہاتھوں سے ہمیں ہمیشہ کے لیے منگولوں کے یہاں خاقان کا عہدہ چھن جائے گا اس لیے کہ برقائی خان کے بعد پھر تم نہیں اس کی اولاد منگولوں کی حکمراں بنے گی۔

اور سن سرتاک میرے عزیز دوسرا انقلاب یہ رونما ہو گا کہ جیسا کہ تم جانتے ہو برقائی خان اسلام قبول کر چکا ہے۔ ایشیا میں آباد مسلمانوں کے ساتھ اس کے بڑے اچھے اور گہرے تعلقات ہیں باتو کے مرنے کے بعد تو دیکھنا برقائی خان اور اس کے ساتھیوں کی وجہ سے ان علاقوں میں بڑی تیزی کے ساتھ اسلام پھیلے گا اور دور دور تک نصرانیت کا نام و نشان نہیں ملے گا۔

اس پر سرتاک بڑی راز داری میں راہب ولیئم کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا مقدس راہب تمہارے خیال میں کیا اقدام کئے جائیں جن کی بنا پر ان علاقوں میں تمہارے خدشات کے مطابق رونما ہونے والے دونوں انقلابوں کو روکا جا سکے۔ اس پر راہب ولیئم فیصلہ کن انداز میں کہنے لگا۔

دیکھ سرتاک میرے عزیز اگر تم منگولوں کا خاقان بننا چاہتے ہو اگر ان علاقوں میں مسلمانوں کے پھیلاؤ کو روکنا چاہتے ہو تو اس مقصد کے لیے سب سے پہلا کام جو تمہیں کرنا ہو گا وہ یہ کہ برقائی خان کا خاتمہ کرنا ہو گا اس پر سرتاک خوف اور خدشے سے لرز گیا تھا راہب ولیم کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ دیکھ میرے چچا برقائی خان کا خاتمہ کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے اس لیے کہ منگولوں کے اندر ان گنت لوگ اس کے حامی ہیں۔ اندر ہی اندر اس کی وجہ سے اور اس کے باہر جو مبلغ آتے ہیں ان کی وجہ سے بہت سے منگول اسلام قبول کر چکے ہیں اور وہ برقائی خان کے لیے اپنے تن من دھن کی بازی لگانے کے لیے تیار ہیں۔ اس پر راہب فکر مندی میں بولا ہم برقائی خاں کے خاتمے کے لیے ایسا راز دارانہ طریقہ استعمال کریں گے کہ کسی کو خبر تک نہ ہو گی کہ برقائی خان کے قتل میں میرا اور تمہارا ہاتھ ہے اور سنو برقائی خان کے ساتھ ساتھ ہمیں بخنائی کا بھی کچھ کرنا ہو گا اگر وہ تمہاری بات مانتی ہے اور اسلام ترک کر کے عیسائیت قبول کر لیتی ہے اور عرب بدو عمیر بن نصر سے علیحدگی اختیار کرنے پر

آمادہ ہوتی ہے تو اسے کچھ نہیں کہا جائے گا اور اگر وہ اس پر آمادہ نہیں ہوتی تو تمہیں برقائی خان کے ساتھ ساتھ اس بخنائی کا بھی خاتمہ کرنا پڑے گا۔ اس پر سرتاک تفکرات میں کہنے لگا۔

پہلے میں اپنی بہن بخنائی کے خلاف حرکت میں آؤں گا۔ میں چند دن تک اسے راہ راست پر لانے کی کوشش کروں گا اگر اس نے میری بات نہ مانی تب میں سب سے پہلے اسے موت کے گھاٹ اتاروں گا اس کے بعد برقائی خان کا کچھ بندوبست کروں گا لیکن یہ تو کہو راہب ولیم تم برقائی کو کیسے ختم کرنا چاہتے ہو۔

راہب ولیئم کہنے لگا۔ دیکھ سرتاک میرے عزیز برقائی کے خاتمے کے لیے میں میخائیل کی بیوی نکسار کو استعمال کروں گا جیسا کہ اس کے محافظ کہہ چکے ہیں کہ وہ ابھی نوخیز نوجوان ہے انتہائی حسین اور خوبصورت رقاصہ ہے۔ تو سنو میں مرنے والے میخائیل کے دونوں محافظوں سے کہوں گا کہ وہ دریائے ڈان کی طرف جائیں اور نکسار کو یہاں لے آئیں اور اپنے خیمے میں اس کا قیام کریں اور اس کی آمد سے مجھے مطلع کریں جب نکسار یہاں آئے گی تو میں اس سے ملوں گا اور کہوں گا کہ اس کے شوہر میخائیل اور اس کے دوست فیڈور کو برقائی خان نے قتل کر دیا تھا۔ اس لیے کہ ان دونوں نے برقائی خان کے سامنے جھکنے اور سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس پر سرتاک نے فوراً تنبیہہ کی۔

دیکھ راہب ولیئم اگر تم یہ کام کرنا چاہتے ہو تو احتیاط سے کام کرنا اس معاملے میں میرا یا میرے باپ کا نام نہیں آنا چاہیے۔ تمہاری زبان سے غلطی سے بھی یہ نکلنا نہیں چاہیے کہ میخائیل اور فیڈور کو میرے باپ کے قتل کا باعث بھی ہو سکتی ہے۔ میں نہیں چاہتا میرا باپ قتل ہو اس لیے کہ وہ قبر کے کنارے بیٹھا ہے اور اگر برقائی خان کا خاتمہ ہو جاتا ہے تو میرے باپ کی موت کے بعد منگولوں کا خاقان بہرحال میں ہی بنوں گا۔ اس لیے اس مساوی کارروائی میں میرے باپ باتو کو کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔

سرتاک جب خاموش ہوا تب راہب ولیم کہنے لگا۔ دیکھ سرتاک تو چونکہ نصرانی ہے لہٰذا تیری وجہ سے میں تیرے باپ کا احترام اس کی عزت کرتا ہوں۔ پس میرے

اور تیرے درمیان جو کچھ طے ہو چکا ہے آج سے ہی ہم اس پر عمل شروع کر دیں گے۔ میں اب میخائیل کے دونوں محافظوں کی طرف جاتا ہوں اور ان سے کہتا ہوں کہ وہ اپنی مالکن نکسار کی طرف جائیں اور اسے دریائے ڈان کے کنارے سے یہاں لے آئیں اور اسے یہ مت بتائیں کہ اس کے شوہر میخائیل اور میخائیل کے دوست فیڈور کو قتل کر دیا گیا ہے۔ نکسار نام کی وہ لڑکی جب یہاں پہنچے گی تو میں خود سارے حالات اپنی مرضی کے مطابق اس سے کہوں گا۔ میں اس پر انکشاف کروں گا کہ منگولوں کے خاقان باتو کے بھائی برقائی نے اس کے شوہر میخائیل کو قتل کروا دیا ہے۔ یہ خبر سننے کے بعد وہ لڑکی ضرور میری تجویز کے مطابق عمل کرنا شروع کر دے گی۔ دیکھنا میں کیسے اور کس طرح نکسار نام کی اس لڑکی کے ہاتھوں برقائی کا خاتمہ کرتا ہوں۔ دوسری بات یہ کہ تم بھی آج سے ہی اپنی بہن بخثائی کے پیچھے پڑ جاؤ۔ دیکھ عمیر بن نصر یہاں سے گرجستھان کے مرکزی شہر قصبک کی طرف کوچ کر چکا ہے اور اس کی غیر موجودگی میں تم بخثائی کو مجھے امید ہے کہ اپنی راہ پر لانے میں کامیاب ہو جاؤ گے اور اگر بخثائی تمہاری بات نہیں مانتی تو میں تمہیں مشورہ دوں گا کہ عمیر بن نصر کی آمد سے پہلے ہی پہلے تم اس بخثائی کا بھی خاتمہ کر دو اور مجھے امید ہے کہ عمیر بن نصر بھی زندہ لوٹ کر نہیں آئے گا۔ اس پر سرتاک نے چونک کر راہب ولیم کی طرف دیکھا اور پوچھا مقدس باپ کیا اس کا بھی آپ نے کوئی بندوبست کیا ہے۔ اس پر راہب نے نہایت مکروہ سازشی سی مسکراہٹ میں کہا۔

دیکھ سرتاک تو فکر نہ کر اس عمیر بن نصر کا میں نے ایسا بندوبست کیا ہے کہ مجھے امید ہے کہ وہ گرجستھان سے واپس خیموں کے اس شہر میں نہیں لوٹ سکے گا۔ میں نے اس کا کیا بندوبست کیا ہے یہ میں بعد میں کسی وقت بتاؤں گا یا تمہیں عمیر بن نصر کے خاتمے پر خود ہی پتہ چل جائے گا کہ میں نے اسے راستے سے ہٹانے کے لیے کیا کچھ کیا ہے اب مجھے اجازت دو اس کے ساتھ ہی راہب ولیم سرتاک کے خیمے سے نکل گیا تھا۔

عمیر بن نصر جارجیا کے مرکزی شہر قصبک کی طرف جانے کے لیے پہلے دریائے وولگا کے کنارے کنارے سفر کرتا رہا جہاں دریائے وولگا بحیرۂ قزوین میں گرتا ہے

وہاں اس نے اپنا رخ بدلا تب وہ بحیرۂ قزوین کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا جارجیا کے مرکزی شہر قصبک کی طرف بڑھا تھا۔ قزوین کے کنارے کنارے اس نے تھوڑا سا ہی سفر طے کیا ہو گا کہ اس نے دیکھا شاہراہ پر دو گھوڑ سوار اس کی راہ روکے کھڑے تھے۔ اور ان دونوں گھوڑ سواروں نے اپنے چہرے ڈھانپ رکھے تھے اور ان کے ہاتھوں میں ان کی تلواریں اور ڈالیں تھیں۔

دور سے انہیں دیکھتے ہوئے عمیر بن نصر چونکا اس نے اپنی تلوار بے نیام کی بائیں ہاتھ کی گرفت اپنی ڈھال پر مضبوط کر لی تھی۔ جو ڈھال اس کی پیٹھ پر بندھی تھی وہ پیٹھ پر ہی رہنے دی۔ گھوڑے کی زین کے ساتھ جو اس کی دوسری ڈھال تھی وہ اس نے اپنے بائیں ہاتھ میں تھام لی تھی اور گھوڑے کو وہ اسی رفتار سے آگے بڑھاتا رہا۔ پھر اس نے نزدیک جا کر اپنے سر پر آہنی خود بھی درست کر لیا۔ جب وہ نزدیک گیا تو وہ دونوں سوار شاہراہ پر اس طرح کھڑے ہو گئے کہ انہوں نے عمیر بن نصر کی راہ روک لی تھی۔ اس موقع پر عمیر بن نصر اپنی تلوار فضا میں لہراتے ہوئے گرجتی ہوئی آواز میں پوچھنے لگا۔

تم کون ہو اور کیوں میری راہ روک کھڑے ہوئے ہو۔ اس پر ان دونوں نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دیا وہ دونوں قبرصی تیغ زن گروسو اور بروک تھے۔ پھر گروسو عمیر بن نصر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

دیکھ صحرائے عرب کے بدو۔ تو کیا سمجھتا تھا باتو کے سامنے تیغ زنی کے مقابلے میں تو مجھے شکست دینے کے بعد بچ رہے گا۔ تیرے ہاتھوں ہزیمت۔ زک اور شکست اٹھانے کے بعد میں نے قسم کھا لی تھی کہ تیرا ضرور خاتمہ کر کے رہوں گا اور جہاں بھی تو جائے گا میں سائے کی طرح تیرا تعاقب کروں گا۔ دیکھ اب ان ویرانوں میں کیسے میں اپنے ساتھی بروک کے ساتھ تیری راہ روک کھڑا ہوا ہوں اور اب یہ بحیرۂ قزوین کا کنارہ تیری موت کی آماجگاہ بنے گا۔

گروسو جب خاموش ہوا تو عمیر بن نصر کہنے لگا۔ سنو بدبختو کیوں ان ویرانوں اور بیابانوں کے اندر تم لوگ اپنی جان کے لیے اور اپنی روح کے لیے عذاب مانگتے ہو۔ اگر اپنی جان کی سلامتی چاہتے ہو تو ہٹ جاؤ میرا راستہ چھوڑ دو مجھے اپنی منزل کی

طرف جانے دو۔ س پر گروسو پھر بولا کہنے لگا۔ ہماری منزل تیری موت کے سوا اور کچھ نہیں ہے ہم ہر صورت میں بحر قزوین کے کنارے تیری گردن کاٹ کر رہیں گے۔ اور یہ ہم نے راہب ولیم کے ساتھ وعدہ کیا تھا۔ سرائے باتو سے روانہ ہوتے وقت راہب ولیئم کو ہم نے یقین دلایا تھا کہ عمیر بن نصر کو گرجستھان کے شہر قصبک پہنچنا نصیب نہ ہو گا اور ہم دونوں راستے ہی میں اس کی گردن کاٹ دیں گے۔ اس پر عمیر بن نصر بے پناہ غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

سنو پیشہ ور قاتلو۔ اگر تمہارے یہی ارادے ہیں تو اپنے دل کے صفحے پر لکھ رکھو۔ میں اکیلا ہی تم دونوں کے لیے اس کارگاہ ہستی میں سوچوں کا بوجھ۔ بیکراں وسعتوں میں فرقت کا سایہ بن کر رہوں گا۔ تم پر حملہ آور ہوتے ہوئے تم پر یوں چھاؤں گا جیسے سیاہ گوشہ شب میں موت کا تاریک و عمیق ہیولہ پھیل بکھر جاتا ہے۔

عمیر بن نصر کی اس گفتگو کے جواب میں گروسو نے جواب دیا۔

دیکھ بدو اتنی بڑھ چڑھ کر باتیں نہ کر۔ وقت کی اس سکڑتی چادر میں۔ اس بحر قزوین کے کنارے ہم دونوں تیری حالت خونی سکتوں ۔ تہذیب کے بوسیدہ خیموں۔ شکستہ و منہدم درو دیوار جیسی بنا کر رکھیں گے۔ دیکھ تجھے مارنے سے پہلے ہم تجھے شکم گرسنہ۔ جگر تشنہ اور قلب دریدہ کر دیں گے۔ اپنے منفی کردار کی پوری خونخواری سے تجھ پر وارد ہوں گے اور تیری ذات میں سکون برباد کر دینے والی حرص و ہوس کی تلخی گھول کر رکھ دیں گے۔

اس پر عمیر بن نصر جواب دیتے ہوئے رعد سے مشابہ آواز میں کہنے لگا۔ سنو بدبختو! ان کہر آلود فضاؤں میں میں تم پر زوال و فنا کے عناصر، چیختے چلاتے صحراؤں عقوبت کے سمندر کی طرح نزول کروں گا اور تم دونوں کو شب کی آخری ساعتوں کی زہریلی آوازوں درد کے قلزم اور صدیوں کی زنگ آلود فضائے مرگ میں ڈبوتا ہوا یہاں سے نکل جاؤں گا۔ سن رکھو تم اپنی پوری طاقت اپنا پورا زور لگا لو۔ میں تم دونوں کو اپنی راہ سے ہٹا کر گرجستھان کے مرکزی شہر قصبک ضرور پہنچوں گا۔ دیکھ گروسو تو اس سے پہلے منگولوں کے خاقان باتو کے سامنے بھی میری تیغ زنی کا فن دیکھ چکا ہے۔ اب اگر تو اس دھوکے اور فریب میں ہے کہ تیرے ساتھ تیرا ساتھی بروک

بھی ہے اور یہ کہ تم دونوں ملکر مجھے اپنے سامنے مغلوب کر لو گے تو پھر یہ تمہارا فریب نظر ہے۔ میں تو ان دشت کی تنہائیوں میں تم دونوں کے سر کاٹ کر گرجستھان کی طرف نکل جاؤں گا۔

یہاں تک کہتے کہتے عمیر بن نصر کو اچانک رک جانا پڑا۔ پھر وہ چوکنا ہو گیا اس لیے کہ اس نے دیکھا گروسو نے اپنا ہاتھ اپنے لباس کے اندر ڈالا تھا پھر پلک جھپکتے میں گروسو حرکت میں آیا لباس کے نیچے سے اس نے خنجر نکالا اور تاک کر عمیر بن نصر کے دے مارا تھا۔

عمیر بن نصر چونکہ گروسو کی حرکات پر گہری نگاہ رکھے ہوئے تھا اور وہ چوکس ہو چکا تھا لہٰذا فوراً اس نے اپنا دفاع کیا اپنی ڈھال سامنے لاتے ہوئے اس نے گروسو کے خنجر کو ڈھال پر لیا۔ پھر امیر بن نصر طوفانی انداز میں حرکت میں آیا۔ جونہی گروسو کا خنجر اس کی ڈھال سے ٹکرایا اس نے پھرتی سے کام لیتے ہوئے خنجر پر گرفت کی پھر اس نے تاک کر خنجر گروسو کے ساتھی بروک کے دے مارا تھا۔

وہ خنجر گروسو کے ساتھی بروک کے دل میں پیوست ہو گیا تھا۔ خنجر لگتے ہی درد اور شدت کے باعث بروک ایک طرف جھک گیا تھا۔ اپنے ساتھی کو زخمی ہوتے دیکھ کر گروسو پریشان ہوا اس کی طرف دیکھنے لگا تھا اسی موقع سے عمیر بن نصر نے فائدہ اٹھایا۔

وہ کسی طوفان۔ جنگل کے کسی وحشی اور برق کے کسی کوندے کی طرح حرکت میں آیا اپنے گھوڑے کو اس نے غصیلی ایڑ لگاتے ہوئے آگے بڑھایا پھر اس نے تلوار بلند کی اور پہلے ہی وار میں اس نے گروسو کے ساتھی بروک کی گردن کاٹ کر رکھ دی تھی۔ فضاؤں میں ایک چیخ بلند ہوئی اور پھر ان ویرانوں میں چاروں طرف خاموشی چھا گئی تھی۔ گروسو اپنے ساتھی کے اس طرح مارے جانے پر افسردہ اور بے چین ہو گیا تھا۔

بروک کے خاتمے کے بعد عمیر بن نصر اپنے گھوڑے کو گروسو کے سامنے لایا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

سن درندہ صفت کتے۔ میں نے تیرے ساتھی کا خاتمہ کر دیا ہے۔ دیکھ تیرا

ساتھی جس کے ساتھ جس کی ہمراہی پر تو اتراتا پھرتا تھا وہ موت کے اندھے غاروں اور اجل کی سرحدوں سے بھی آگے جا چکا ہے اب ان مارگزیدہ کی طرح ڈستی خاموشیوں اور نیم کے کڑوے ذائقے سے دو چار سکوت کے اندر دیکھ گروسو میں تیرے کاسۂ عمر میں آب مرگ بھروں گا۔ ایسا جو تیرے سارے جسم میں پھیل کر تجھے زہر زہر کر کے رکھ دیگا۔

اس کے ساتھ ہی عمیر بن نصر نے اپنے گھوڑے کو پھر ایڑ لگا کر آگے بڑھایا اور گروسو پر حملہ آور ہوا۔ گروسو نے اس کا وار اپنی ڈھال پر روکا اور جوابی حملہ کر دیا تھا۔ جسے عمیر بن نصر نے بڑی آسانی سے روک دیا تھا۔ اس کے بعد وہ دونوں بڑھ چڑھ کر ایک دوسرے پر حملہ آور ہونے لگے تھے۔ دونوں بار بار اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگاتے ہوئے دائیں بائیں ان کی باگیں موڑتے ہوئے نئے نئے انداز میں حملہ آور ہو رہے تھے۔

ایک موقع پر جبکہ عمیر بن نصر نے گروسو کی تلوار کو اپنی ڈھال پر روکا اور گروسو عمیر بن نصر کی تلوار کو اپنی ڈھال پر لے چکا تھا۔ عمر بن نصر ایک نئے انداز میں حملہ آور ہوا اس نے اپنی دائیں لات آگے کی اور اپنے پاؤں کو پوری قوت کے ساتھ اس نے گروسو کے گھوڑے کی پسلیوں کے قریب دے مارا تھا۔ عمیر بن نصر کے ایسا کرنے سے گروسو کا گھوڑا توازن کھو بیٹھا وہ گرنے کے قریب تھا کہ گروسو فوراً اپنے آپ کو بچانے کے لیے زین کے ہتے کو پکڑنے لگا اسی لمحہ عمیر بن نصر نے اپنی تلوار بلند کر کے گرائی اور گروسو کو اس نے پیٹھ کے قریب سے کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ فضاؤں میں ایک بار پھر چیخ بلند ہوئی اور پھر دوسرے لمحے گروسو کی لاش گھوڑے سے زمین پر گر گئی تھی۔

ان دونوں کا خاتمہ کرنے کے بعد عمیر بن نصر اپنے گھوڑے سے نیچے اترا اپنی ڈھال تلوار صاف کر کے تلوار کو اس نے اپنی نیام میں کیا۔ ڈھال اس نے زین سے باندھی۔ گروسو اور بروک کے ہتھیار بھی صاف کرتے ہوئے ان پر اس نے قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد گروسو اور بروک دونوں کے گھوڑوں کو لگاموں کے ذریعے ایک دوسرے کے ساتھ باندھا پھر بحیرۂ قزوین کے کنارے کنارے اس نے گھوڑوں کو اپنے

آگے آگے ہانکنا شروع کر دیا تھا۔

چند میل آگے جا کر اسے ایک سرائے دکھائی دی۔ وہ سرائے میں داخل ہوا گروسو اور بروک کے گھوڑوں کو بیچ کر اس نے رقم حاصل کر لی۔ پھر اس نے اپنا رخ دائیں جانب موڑا۔ اس کے بعد وہ دریائے ارس کے کنارے گرجستھان کے شہر قصبک کی طرف جا رہا تھا۔

ایک روز جبکہ شام خوب گہری ہو رہی تھی۔ عمیر بن نصر قصبک شہر میں گرجستھان کی ملکہ کے محل سرا کے صدر دروازے پر نمودار ہوا۔ جب وہ دروازے کے قریب اپنے گھوڑے سے اترا تو دروازے کے محافظوں میں سے ایک اس کی طرف آیا۔ شاید وہ سب لوگ عمیر بن نصر کو جانتے تھے۔ اس لیے کہ وہ قصبک میں سامان تجارت کے ساتھ آتا رہتا تھا۔ وہ محافظ نزدیک آیا اور عمیر بن نصر کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔

دیکھ نصر کے بیٹے کیا بات ہے۔ تم اکیلے ہی آج محل سرا کی طرف آئے ہو اس سے پہلے تم اپنے ساتھی تاجروں کے ساتھ آیا کرتے تھے اور پھر چند روز پہلے ہی تم یہاں سے گئے ہو لگتا ہے تم اکیلے ہو اور تم الجھے الجھے سے بھی ہو۔ کہیں تمہارے ساتھ کوئی حادثہ تو پیش نہیں آیا۔

اس پر عمیر بن نصر فوراً بات بناتے ہوئے کہنے لگا۔ تمہارا اندازہ درست ہے۔ دیکھ جب میں یہاں سے دریائے وولگا کی طرف جانے کے لیے روانہ ہوا تھا تب میں یہاں ایک چیز بھول گیا تھا میں اسی کے سلسلے میں شہزادی تھمر سے ملنا چاہتا ہوں۔ اگر میرے اس نقصان کا ازالہ نہ ہوا تو میں سمجھتا ہوں کہ میں زندگی بھر کے لیے قلاش ہو کر رہ جاؤں گا۔ اس لیے تم مجھ پر ایک مہربانی کرو شہزادی تھمر تک میرا پیغام پہنچاؤ کہ میں تھوڑی دیر کے لیے اس سے ملنا چاہتا ہوں اس پر وہ محافظ کہنے لگا۔

تم یہیں رکو میں محل سرا کے کسی خادم کے ذریعے تمہارا پیغام شہزادی تھمر تک پہنچاتا ہوں جو جواب وہ دیتی ہیں تمہیں پہنچا دیا جائے گا عمیر بن نصر اپنے گھوڑے کے ساتھ رک کر وہیں انتظار کرنے لگا تھا جبکہ وہ محافظ محل سرا کے اندر چلا گیا تھا۔

اس محافظ نے محل سرا کے ایک خادم سے جس کا شہزادی تھمر کے کمرے میں

آنا جانا تھا۔ عمیر بن نصر کے سلسلے میں گفتگو کی اور اس کا پیغام شہزادی تھمر تک پہنچانے کے لیے کہا۔ جس پر وہ خدمت گار آمادہ ہو گیا اور شہزادی تھمر کی خوابگاہ کی طرف گیا۔

اس خادم نے تھوڑی دیر بعد شہزادی تھمر کی خوابگاہ پر دستک دی۔ اندر سے باریک کھنکتی ہوئی نسوانی آواز آئی اور اس خادم کو اندر آنے کی اجازت دی۔ اس پر وہ خادم دروازہ کھول کر اندر گیا گرجستھان کی شہزادی تھمر اس وقت اپنے زرق برق لباس میں ایک ریشمی نشست پر بیٹھی ہوئی تھی وہ سرمدی خوابوں کی جنت درخشاں ایام کی یادوں' دلکش داستانوں جیسی حسین ہنسی' کی مدھر تانوں کو مل سپنوں کی بارات اور رنگوں کی جھلمل جیسی پر جمال تھی اس کے خوبصورت گلاب ہونٹوں پر شبنم کے لبوں پر ناچتی کرنوں جیسی ایک دائمی مسکراہٹ تھی اور اس کے چہرے پر راحتوں اور خوشیوں کا ملا جلا ایک طلسم سا تھا۔ مجموعی طور پر شہزادی تھمر کا جسم اور خوبصورتی صندلی تحریروں اور دیو مالائی قصوں جیسی تھی۔

جب وہ خادم اندر گیا تب شہزادی تھمر اپنی جگہ سے اٹھی اور خادم کے اندر آنے کی وجہ پوچھی اس پر وہ خادم کہنے لگا۔ تھوڑی دیر پہلے میرے پاس صدر دروازے کا ایک محافظ آیا اس کا کہنا ہے کہ ایک نوجوان جس کا نام عمیر بن نصر ہے اور جو اکثر و بیشتر مال تجارت کے ساتھ یہاں آتا رہتا ہے وہ خادم یہیں تک کہنے پایا تھا کہ شہزادی تھمر نے اس کی بات کاٹ دی اور فکر مندی میں کہا کہ کیا ہوا عمیر بن نصر کو؟ اس پر اس خادم نے جوابا" کہا۔

اس محافظ کا کہنا تھا کہ عمیر بن نصر کسی انتہائی اہم کام کے سلسلے میں آپ سے ملاقات چاہتا ہے اور وہ اس وقت محل سرا کے صدر دروازے پر کھڑا ہے۔ اس پر شہزادی تھمر کا چہرہ غصے میں غضبناک ہو گیا اور وہ ایک طرح سے اس خادم پر برس پڑی تھی۔

عمیر بن نصر کو کس نے محل سرا کے صدر دروازے پر روکا ہے۔ اسے کیوں نہیں عزت اور احترام کے ساتھ میرے پاس لایا گیا۔ ابھی اور اسی وقت جاؤ اور اسے ساتھ لیکر میری خوابگاہ میں لاؤ اس پر وہ خادم مڑا اور فورا" باہر نکل گیا تھا۔

وہ خادم باہر آیا اور محافظ کو مخاطب کر کے کہنے لگا تم لوگوں نے جو عمیر بن نصر کو باہر روکا ہے تو اس سے شہزادی تھمر انتہائی غضبناک ہوئی ہے لہٰذا اس عمیر بن نصر کو فورا" اندر آنے دو کیونکہ شہزادی نے اسے طلب کیا ہے اس پر وہ محافظ عمیر بن نصر کے پاس آیا اور بڑے احترام اور عزت میں کہنے لگا آپ اندر چلے جائیں میں آپ کے گھوڑے کو اصطبل میں باندھ دیتا ہوں شہزادی نے ملاقات کے لیے آپ کو بلایا ہے عمیر بن نصر اندر داخل ہوا خادم نے آگے بڑھ کر ان کے ہاتھ سے اس کے گھوڑے کی لگام لے لی تھی پھر اس نے محل سرا کے ایک دوسرے خادم کو اپنے پاس بلایا جب وہ خادم بھاگتا ہوا اس کے پاس آیا تو اس نے گھوڑے کی لگام اسے دیتے ہوئے کہا۔ یہ شہزادی تھمر کے خاص مہمان ہیں ان کے گھوڑے کو اصطبل میں باندھ دو۔ اس موقع پر عمیر بن نصر اس دوسرے خادم کو مخاطب کر کے کہنے لگا دیکھ میرے گھوڑے کے چارے اور اس کے پانی کا انتظام ضرور کرنا لیکن اس کی پیٹھ سے زین مت اتارنا اس کے ساتھ ہی وہ پہلے خادم کے ساتھ آگے بڑھ گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد عمیر بن نصر تھمر کے کمرے میں داخل ہوا تھمر نے جونہی عمیر بن نصر کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھا وہ بھاگی اور بڑی چاہت اور محبت میں آگے بڑھتے ہوئے اس نے عمیر بن نصر کے دونوں ہاتھ تھام لئے تھے۔ پھر اس نے عمیر بن نصر کو اپنے پہلو میں ایک نشست پر بٹھایا اور بڑی چاہت اور محبت میں اسے مخاطب کر کے پوچھنے لگی۔ تم اتنی جلدی لوٹ آئے ہو خیریت سے تو ہو اس پر عمیر بن نصر بولا۔

دیکھ تھمر میں تمہیں یہاں سے نکالنے کے لیے آیا ہوں میں تیرے ساتھ بہت طویل گفتگو کرنا چاہتا ہوں لیکن یہاں نہیں پہلے میں تم سے یہ کہوں کہ یہاں سے بھاگ چلو اس پر تھمر نے پریشانی کے عالم میں عمیر بن نصر کی طرف دیکھا اور پوچھا ابن نصر یہ تم کیسی گفتگو کر رہے ہو پہلے تو تم نے کبھی بھی ایسی گفتگو نہ کی تھی۔ اس پر عمیر بن نصر کہنے لگا۔

دیکھ تھمر کچھ قبرصی تیغ زنوں نے چنگیز خاں کے بیٹے باتو کے سامنے تمہاری ماں روسودان اور تمہارے حسن و جمال کی بے حد تعریف کی تھی جس کے جواب میں باتو نے تمہاری ماں روسودان کو اپنے حرم میں داخل کرنے کا فیصلہ کر لیا جبکہ اس کا بیٹا

سرتاک غائبانہ طور پر تمہارا عاشق بن بیٹھا ہے تمہیں یاد ہو گا کہ باتو نے دوبار قاصد بھیج کر تمہاری ماں اور روسودان کو اپنے خیموں کے شہر طلب کیا لیکن تمہاری ماں نے جانے سے انکار کر دیا اور اب باتو نے یہ کام کیا ہے کہ تمہاری ماں روسودان نے جو اپنے بھتیجے کو ایک اندھے کنویں میں قید کر رکھا تھا تو باتو نے اپنے کچھ منگولوں کو بھیجا جو اسے وہاں سے نکال کر لے گئے اور اب باتو نے تمہارے چچا زاد بھائی داؤد کو ایک بہت بڑا لشکر مہیا کیا ہے اور اب اس لشکر کے ساتھ داؤد آندھی اور طوفان کی طرح قصبک شہر کی طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے اور قصبک پر حملہ آور ہو کر ہر صورت میں کوشش کرے گا کہ تم دونوں ماں بیٹی کو گرفتار کر کے دریائے وولگا کے کنارے باتو کی طرف بھجوا دے اور خود گرجستھان کا حکمران بن بیٹھے دیکھ تمہر قبل اس کے کہ تمہارا چچا زاد بھائی داؤد اپنے لشکر کے ساتھ یہاں پہنچے تم ابھی اور اسی وقت میرے ساتھ یہاں سے نکل بھاگو ورنہ یاد رکھنا ساری عمر پچھتاتی رہو گی۔

اس پر تمہر نے فیصلہ کن انداز میں جواب دیا۔

دیکھ عمیر مجھے پچھتانے کی ضرورت نہیں ہے تم جانتے ہو تم پہلے نوجوان ہو جس سے میں نے دل کی گہرائیوں سے محبت کی ہے اور تمہارے ہر فیصلے سے اتفاق بھی کروں گی۔ میں ابھی اور اسی وقت تمہارے ساتھ بھاگنے کے لیے تیار ہوں اس پر عمیر بن نصر کہنے لگا۔ اگر ایسا ہے تو میں اصطبل کی طرف جاتا ہوں میرا گھوڑا پہلے ہی تیار ہے تمہارے لئے میں ایک گھوڑا تیار کرتا ہو تم اپنا ضروری سامان لیکر نیچے آؤ۔ اگر ممکن ہو تو مردانہ لباس پہن کر نیچے آنا اس طرح تمہیں کوئی پہچان نہیں سکے گا اور ہم دونوں کو یہاں سے بھاگنے میں آسانی ہو گی۔ اس پر تمہر بڑی چاہت بڑے پیار میں بولی عمیر تم فکر مت کرو تم اصطبل میں جا کر میرا انتظار کرو میں ابھی اپنا ضروری سامان سمیٹ کر اور مردانہ لباس پہن کر وہاں آتی ہوں تمہر کا یہ جواب سن کر عمیر بن نصر خوش ہو گیا تھا پھر وہ تمہر کی خوابگاہ سے نکلا اور محل سرا کے اصطبل کی طرف جا رہا تھا۔

اصطبل میں آ کر عمیر بن نصر نے جلدی جلدی تمہر کے لیے بھی ایک گھوڑے پر زین ڈالی اور اسے دانہ چڑھا دیا پھر وہ تمہر کا وہاں آنے کا انتظار کرنے لگا تھا۔ عمیر بن نصر کو زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا اس لیے کہ جلد ہی تمہر اپنی خوابگاہ سے نکل کر وہاں آئی وہ مردانہ جنگی لباس زیب تن کئے ہوئے تھی۔ اپنا جسم اور چہرے کا اکثر حصہ اس نے خوب ڈھانپ رکھا تھا اور چمڑے کی ایک بہت بڑی منہ بند خرجین اس نے اپنے دونوں ہاتھوں میں اٹھا رکھی تھی۔

جونہی تمہر اصطبل میں داخل ہوئی عمیر بن نصر نے آگے بڑھ کر وہ چمڑے کی بڑی خرجین لے لی اور اپنے گھوڑے کی زین سے باندھ لی پھر وہ تمہر کو مخاطب کر کے کہنے لگا دیکھ تمہر اب ہم دونوں کو وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے میں جانتا ہوں کہ اس موقع پر تم مجھ سے بہت سے سوال کرو گی لیکن یہ سوال کرنے کا وقت نہیں ہے خاموشی سے اس محل سے نکل کر اس محفوظ جگہ کی طرف بھاگ چلیں جس کا میں نے پہلے سے تعین کر رکھا ہے جواب میں تمہر نے کچھ نہ کہا عمیر بن نصر کے کہنے پر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئی عمیر بن نصر بھی اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا تھا۔ وہ محل سرا کے صدر دروازے پر آئے پھر تمہر محافظوں کے سرخیل کو مخاطب کر کے کہنے لگی میں تھوڑی دیر کے لیے ایک انتہائی اہم اور ضروری کام کے سلسلے میں عمیر بن نصر کے ساتھ جا رہی ہوں جلد لوٹ کے آؤں گی اس دوران اگر میری ماں میرے متعلق پوچھے تو اس سے کہنا کہ فکر مند نہ ہو اس کے ساتھ ہی عمیر بن نصر کے ساتھ تمہر نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی تھی۔

اپنے گھوڑوں کو درمیانہ روی سے ہانکتے ہوئے دونوں پہلے قصبک شہر سے نکلے پھر وہ دریائے ارس کے کنارے کنارے اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑا رہے تھے۔

○

ایک رات جبکہ دریائے وولگا کے کنارے سرائے باتو کے خیموں کے شہر میں موسلا دار بارش ہو رہی تھی باتو کا بیٹا سرتاک ولیم کے خیمے میں داخل ہوا راہب ولیم اس وقت سردی سے بچنے کے لیے آگ کے انگاروں کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور دونوں قبرصی تیغ زن جن کے نام باربک اور سرجیس تھے وہ بھی راہب ولیم کے دائیں بائیں بیٹھے تھے۔

سرتاک جب خیمے میں داخل ہوا تو اس کے پیچھے پیچھے دو مسلح منگول بھی داخل

ہوئے جنہوں نے اپنے آپ کو بارش اور سردی سے بچنے کے لیے قیمتی سمور میں چھپا رکھا تھا۔ جونہی سرتاک خیمے میں داخل ہوا راہب ولیئم اور دونوں تیغ زنوں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کا استقبال کیا۔ پھر راہب نے سرتاک کو اپنے پاس بٹھایا جبکہ دونوں مسلح منگول خیمے کے وسط میں آن کھڑے ہوئے تھے۔

پھر سرتاک راہب ولیئم کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

دیکھ مقدس راہب میں نے تمہارے خیمے کے ارد گرد اپنے آدمی کھڑے کر دیئے ہیں تاکہ میری اور تمہاری گفتگو کوئی اور نہ سن سکے۔ سن مقدس راہب میں نے اپنی بہن بخائی کو راہ راست پر لانے کی بے حد کوشش کی لیکن اس نے بڑی ہٹ دھرمی اور ضد کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس نے اسلام ترک کر کے نصرانیت اختیار کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ میں نے اس کے قتل کا ارادہ کر لیا ہے۔ یہ دونوں منگول جو اس وقت آپ کے خیمے میں کھڑے ہیں ان کے ذمے میں نے بخائی کو قتل کرنے کی ذمہ داری سونپی ہے اور یہ دونوں میرے ایسے قابل اعتماد ساتھی ہیں کہ بخائی کو قتل کرنے کے بعد اس خبر کی ہوا تک نہ اڑنے دیں گے۔ اس پر راہب ولیئم نے اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

دیکھ سرتاک تمہارا فیصلہ درست ہے۔ بخائی کا خاتمہ کرنے کے بعد ہم برقائی خان کے خلاف حرکت میں آئیں گے۔ برقائی خان کا خاتمہ بڑا ضروری ہے۔ اس لیے کہ اگر برقائی خان زندہ رہتا ہے تو تمہارے باپ کے مرنے کے بعد برقائی خان ان علاقوں کا خاقان ہو گا اور اگر وہ خاقان بنتا ہے تو پھر ان علاقوں میں عیسائیت کا فروغ بند ہو جائے گا۔ دنیا کے نقشے پر ان علاقوں میں مسلمانوں کی ایک اور سلطنت نمودار ہو جائے گی۔ جبکہ میں ہرگز ایسا نہیں پسند کروں گا۔ اس پر سرتاک بولا دیکھ مقدس راہب تو پریشان مت ہو۔ بخائی کے بعد برقائی کا بھی نمبر آئے گا۔ اس لیے کہ برقائی کو راستے سے ہٹانے کے بعد میں خاقان بن سکتا ہوں اس کی موجودگی میں میرے مقدر میں خاقان بننا نہیں لکھا۔

دیکھ مقدس راہب میں بخائی کے بعد ان دو محافظوں کا بڑی بے چینی سے انتظار کروں گا جو میخائیل کی بیوی نکسار کو لینے چیائے ڈان کی طرف گئے ہوئے ہیں۔

اگر ہم نکسار کے ذریعے برقائی خان کا خاتمہ کر دیں تو جس وقت نکسار برقائی کا خاتمہ کرے گی تو اس کے ساتھ ہی نکسار کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیں گے اور پھر میں اپنے باپ سے کہوں گا چونکہ تم نے میخائیل اور فیڈور کا خاتمہ کیا تھا جس کے جواب میں میخائیل کی بیوی نکسار نے تمہارے بھائی برقائی خان کا خاتمہ کر دیا پر میں اپنے چچا کی موت کو برداشت نہ کر سکا اس لیے میں نے نکسار کو قتل کر دیا۔ میرا باپ یقیناً" اس فیصلے سے اتفاق کرے گا اور میری کارگزاری پر خوش ہو گا اس طرح ہم بخائی اور برقائی کا خاتمہ کرنے کے بعد ان علاقوں میں اسلام کے پھیلنے کو روک سکتے ہیں۔

راہب ولیئم نے سرتاک کے اس فیصلے کی تائید کی۔ پھر سرتاک اپنی جگہ سے اٹھا اور کہنے لگا۔ دیکھ مقدس راہب رات کافی جا چکی ہے۔ اب میں جاتا ہوں اور اپنے ان دونوں جانثاروں کو بخائی کے خیمے کی طرف بھیجتا ہوں تاکہ وہ اس کے محافظوں اور اس کا خاتمہ کر کے بخائی کے قتل کئے جانے کی اطلاع دیں۔ س کے ساتھ ہی سرتاک عجیب سے انداز میں مسکرا کر راہب ولیئم کے خیمے سے نکل گیا تھا۔ دونوں محافظ بھی اس کے پیچھے خیمے سے نکلے۔ خیمے سے باہر جو سرتاک نے محافظ پھیلائے تھے وہ بھی سرتاک کے پاس آجمع ہوئے جن اشخاص کے ذمے سرتاک نے اپنی بہن بخائی کے قتل کی ذمہ داری سونپی تھی انہیں مخاطب کر کے کہا تم جاؤ اور اپنی کارگزاری کی ابتدا کرو۔ سنو جو کام میں نے تمہیں سونپا ہے اس بارش میں اسے بڑے احسن طریقے سے کیا جا سکتا ہے اس لیے کہ اس برستی بارش میں کوئی تم دونوں کے قدموں کے نشان نہ دیکھ سکے گا۔ اس کے ساتھ ہی سرتاک اپنے دوسرے محافظوں کو لیکر وہاں سے چلا گیا تھا۔ جبکہ وہ دونوں مسلح منگول بڑی احتیاط سے خیموں کے اندر سے گزرتے ہوئے بخائی کو قتل کرنے کے لیے اس کے خیمے کی طرف جا رہے تھے۔

دوسرے روز کا سورج جب طلوع ہوا تو خیموں کے شہر سرائے باتو میں ایک کہرام اور شور مچ گیا تھا۔ چاروں طرف بختائی کے قتل ہونے کی خبر اڑنے لگی تھی۔ یہ خبر سنتے ہی باتو اور برقائی دونوں تقریباً" بھاگتے ہوئے بختائی کے خیمے کے پاس آئے تو انہوں نے دیکھا کہ خیمے کے باہر بختائی کے دونوں محافظ مردہ پڑے تھے ان کے حلقوم کاٹ دیئے گئے تھے۔ خیمے کے اندر خون میں لت پت بختائی کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ اس کا بھی گلا کاٹ دیا گیا تھا۔

خیمے کے اوپر کے حصے کو جگہ جگہ سے خنجروں سے چاک کر دیا گیا تھا اور وہاں سے بارش کا پانی خیمے کے اندر جمع ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ سے قاتلوں کے پاؤں کے نشانات نہ دیکھے جا سکتے تھے شاید قاتلوں نے یہ سب کچھ سوچی سمجھی تجویز کے مطابق کیا تھا۔ بہرحال خیمے کے باہر دونوں محافظ اور خیمے کے اندر بختائی کی لاشیں پڑی تھیں اور خیمے کے چاروں طرف پانی کھڑا تھا اور قاتلوں کا کوئی سراغ نہ ملا تھا۔

بختائی کو خیمے کے اندر خون میں لت پت دیکھتے ہوئے باتو کا چہرہ چتا کی اور آتش فشاں کی آگ کے مانند ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں قفس سیا کے اندر دکھ کے نگر جیسا انقلاب برپا ہو کر رہ گیا تھا۔ دوسری جانب برقائی کی حالت بھی کچھ مختلف نہ تھی اس کے چہرے پر بھنور کی گرہیں جبر کی دھول جوش مار رہی تھی۔ جبکہ اس کی آنکھوں کے اندر سرکش اور بے زنجیر جذبے اور موت کی اندھی چاپ رقص کنان تھی۔

قبل اس کے کہ باتو اپنی بیٹی کی موت پر جذبات کا اظہار کرتا اس سے پہلے ہی اس کا بھائی برقائی خان بول پڑا اور کہنے لگا۔

باتو میرے بھائی تو جانتا ہے بختائی کو میں نے اپنی سگی بیٹی کیطرح چاہا تھا اور وہ مجھے باپ کی طرح پیار کرتی تھی۔ میری بیٹی بختائی کے قاتل جو بھی ہوئے یاد رکھنا میں

ان کے حلق کاٹوں گا۔ اگر وہ زمین کی تہہ میں بھی چلے گئے پھر اگر وہ برفانی سرزمینوں کی پاتال میں بھی اتر گئے تو بھی میں ان کا تعاقب کروں گا اور ان کے اعضا کو کاٹوں گا۔ میں ان سے اپنی بیٹی بختائی کا انتقام ضرور لوں گا۔

یہاں تک کہنے کے بعد برقائی خان نے باری باری عجیب سے انداز میں راہب ولیئم اور اپنے بھتیجے سرتاک کی طرف دیکھا۔ برقائی کے اس طرح دیکھنے سے سرتاک کی حالت ہواؤں کے نوحے۔ قتل گاہوں کے مقروض اور زخم خوردہ زبان جیسی ہو کر رہ گئی تھی جبکہ راہب ولیئم کی حالت بھی فضاؤں کے ماتم اور کئی شاخوں کے قصے سے مختلف نہ تھی۔

برقائی کی گفتگو کا جواب دیتے ہوئے باتو کہنے لگا۔

برقائی میرے بھائی تو ٹھیک کہتا ہے قسم نیلے جاودان آسمان کی۔ بختائی میری نسبت تم سے زیادہ پیار کرتی تھی بلکہ یوں جانو میں یہ خیال کرنے لگا تھا کہ میری نسبت وہ تمہیں ہی اپنا باپ سمجھنے لگی تھی۔ برقائی میرے بھائی تیرا دعوہ دوست ہے۔ قاتل جو بھی ہیں میرے ہاتھوں سے بچ نہیں سکیں گے۔ قسم نیلے جاودانی آسمان کی۔ قتل میں اگر میرا بیٹا بھی ملوث ہوا تو اس کی گردن بھی کاٹ کر رکھ دوں گا۔ اس لیے کہ بختائی میرے جسم کا ایک حصہ تھی اپنی ذات کے بعد اگر میں نے کسی کو سب سے زیادہ چاہا ہے تو وہ میری بیٹی بختائی تھی۔ اس کے قاتل جہاں بھی جائیں میری گرفت سے بچ نہیں سکیں گے۔ اس موقع پر سرتاک بھی آگے بڑھا اور اپنے باپ باتو کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

اے میرے باپ۔ آپ کا کہنا درست ہے۔ میری بہن کے قتل میں جو بھی ملوث ہوا وہ ہمارے خونی انتقام سے بچ نہ سکے گا۔ یہ کوئی معمولی قتل نہیں ہے۔ خاقان باتو کی بیٹی کو قتل کیا گیا ہے اور اس قتل کو کسی بھی صورت معاف نہیں کیا جا سکتا۔ باتو نے اپنے بیٹے سرتاک کی اس گفتگو کا جواب تو کچھ نہ دیا تھا جوش انتقام میں اس نے اپنی گردن گرا دی تھی۔ اس کے بعد سب مل کے بختائی اور اس کے محافظوں کو دفن کرنے کا انتظام کرنے لگے تھے۔

○

عمیر بن نصر اور گرجستھان کی شہزادی تھمر دریائے ارس کے کنارے کنارے اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے رات کی تاریکی میں ایک بستی کے قریب آ رکے تھے۔ ایک جگہ عمیر بن نصر نے اپنے گھوڑے کو روک لیا اس کی طرف دیکھتے ہوئے تھمر بھی اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچتے ہوئے گھوڑے کو روک رہی تھی۔ پھر عمیر بن نصر بڑے پیار اور چاہت میں تھمر کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

دیکھ تھمر رات کی تاریکی میں جو بستی ہمارے سامنے دکھائی دے رہی ہے اس کا نام درکوش ہے یوں جانو یہ چھوٹا سا ایک شہر یا قصبہ ہے اس میں میرے کچھ جاننے والے ہیں۔ گرجستھان کے مرکزی شہر تھبک سے منگولوں کے عذاب کا خطرہ جب تک ٹل نہیں جاتا یا یہ خونی سیلاب گزر نہیں جاتا اس وقت تک میں اور تم اسی بستی میں قیام کریں گے۔ جب ہم دیکھیں گے کہ حالات درست ہو گئے ہیں تو میں تمہیں یہیں چھوڑ کر سرائے باتو میں جاؤں گا اور وہاں سے بختائی کو لیکر تمہارے پاس لوٹوں گا پھر ہم تینوں مل کر خوشگوار اور پر سکون زندگی کی ابتدا کریں گے۔

بختائی کا نام سن کر تھمر نے ایک طرح سے چونک کر عمیر بن نصر کی طرف دیکھا پھر پوچھا۔ آپ سرائے باتو میں واپس کیوں جانا چاہتے ہیں اور یہ بختائی کون ہے۔ جس کا آپ نے ذکر کیا ہے اس پر عمیر بن نصر پھر مخاطب ہوا اور تھمیر کو سرائے باتو میں جانے وہاں بختائی کے اس کی طرف مائیل ہونے قبرصی نائٹ کو شکست دیکر بختائی کو حاصل کرنے اس سے شادی کرنے اور پھر بختائی کے باپ باتو کے بھائی برقائی کے ساتھ اپنے پرانے تعلقات کی رو داد تفصیل کے ساتھ سنا دی تھی۔

عمیر میرے حبیب جو تفصیل آپ نے بتائی ہے اس سے میں بے حد متاثر ہوئی ہوں میری طرح بختائی بھی اسلام قبول کرنے کے بعد اگر آپ کی طرف مائیل ہوئی ہے اور آپ اسے اپنا چکے ہیں تو قسم خدائے واحد کی میں بختائی کو اپنی بہن سمجھ کر اسے قبول کروں گی اور اپنی زندگی کا اسے شریک اور حصے دار جان کر اس کی کسی بھی موقع پر حق تلفی نہیں کروں گی۔ میں سمجھتی ہوں کہ میں اور بختائی دونوں مل کر اپنے شوہر کی حیثیت سے آپ کی بہتر خدمت کر سکیں گے۔ اس پر عمیر بن نصر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

تھمر تمہاری باتوں اور تمہارے فیصلے نے مجھے خوش کر دیا ہے۔ اصل میں میں تمہاری باتوں کا انکشاف تم سے محل میں نہ کر سکا اس لیے کہ مجھے ادھر آنے میں جلدی تھی اور میں وہاں تفصیل میں پڑ کر وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ تم نے اس تفصیل کے جواب میں جس رد عمل کا اظہار کیا ہے۔ قسم خدائے واحد کی مجھے تم سے ایسے ہی جواب۔ ایسے ہی رد عمل کی توقع تھی۔

رات کی تاریکی میں تھوڑی دیر تک عمیر بن نصر اور تھمر دونوں اپنے گھوڑوں پر سوار خاموش رہے۔ اس کے بعد تھمر نے پھر سلسلہ کلام شروع کیا۔

عمیر۔ میرے حبیب۔ یہ جو سامنے رات کی تاریکی میں بستی دکھائی دے رہی ہے اور جس کا نام آپ نے درکوش بتایا ہے یہاں آپ میرے ساتھ کس کے یہاں پناہ لیں گے۔ اس پر عمیر بن نصر نے پر سکون لہجے میں جواب دیا۔

دیکھ تھمر۔ درکوش نام کی اس بستی میں میرا ایک پرانا جاننے والا عرب اپنی بیوی کے ساتھ رہتا ہے یوں جانو اس کے ساتھ میری صرف واقفیت نہیں بلکہ دور کا اس کے ساتھ میرا رشتہ بھی ہے۔ اس کا نام حمود ہے اس حمود کی کوئی اولاد نہیں ہے۔ یہ اپنی بیوی لوبانہ کے ساتھ اپنے گھر میں رہتا ہے۔ یوں جانو مجھے وہ اپنا بیٹا سمجھ کر ہی عزیز رکھتا ہے۔ بس اسی حمود نام کے عرب کے یہاں ہی میں اور تم دونوں پناہ لیں گے۔

عمیر بن نصر کا یہ جواب سن کر رات کی تاریکی میں تھمر کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلی تھی اس کے دانت اندھیرے میں موتیوں کی طرح چمک گئے تھے۔ پھر اس نے کچھ سوچا فیصلہ کیا اور کہنے لگی۔

عمیر میرے حبیب کیا ایسا ممکن نہیں کہ حمود نام کے عرب کے گھر داخل ہونے کے بعد سب سے پہلا کام میں اور آپ جو کریں وہ یہ ہو کہ ہم دونوں شادی کر لیں۔ آنے والے دور میں نہ جانے ہم دونوں پر کیا بیتے۔ حالات نیا رخ اور خطرناک صورت بھی اختیار کر سکتے ہیں۔ میں فکر کروں گی کہ اگر مجھے موت آئے تو آپ کی بیوی کی حیثیت سے آئے۔ پھر آپ مجھے حمود کے یہاں چھوڑ کر سرائے باتو کی طرف جائیں گے آپ کی بیوی کی حیثیت سے درکوش نام کی اس بستی میں آپ کا انتظار کرنا میرے

لئے آسان اور سہل ہو جائے گا۔

اس کے علاوہ آپ کی غیر موجودگی میں جب لوگ حمود سے میرے متعلق پوچھیں گے تو وہ انہیں بتا سکے گا کہ میں اس کے ایک عزیز کی بیوی ہوں اس طرح اس کے یہاں رہتے ہوئے بستی کے لوگ نہ مجھ پر شک و شبہ کر سکیں گے نہ کسی اور طرح سے میرے خلاف انگلیاں اٹھا سکیں گے۔ میں سمجھتی ہوں اس سلسلے میں آپ مجھ سے اتفاق کریں گے۔ اس پر عمیر بن نصر فوراً" کہنے لگا۔

تمر تیری تجویز بہت معقول ہے میں تیرے ساتھ وعدہ کرتا ہوں کہ بستی میں داخل ہونے کے بعد حمود کے یہاں قیام کے بعد جو میں سب سے پہلا کام کروں گا وہ یہ کہ میں تجھ سے شادی کروں گا۔ چند دن یہاں تیرے ساتھ رہوں گا اور جب دیکھوں گا کہ منگولوں کا خطرہ ٹل گیا ہے تو پھر میں بختائی کو لانے کے لیے سرائے باتو کی طرف چلا جاؤں گا۔ اس پر تمر بے چاری جذبات میں ڈوبتی آواز میں کہنے لگی۔

شمالی برف زاروں کی طرف جاتے ہوئے آپ یہ وعدہ ضرور کریں گے کہ آپ زیادہ دن وہاں نہیں لگائیں گے اور بختائی کو لیکر فوراً" لوٹ آئیں گے۔ اس بات پر عمیر بن نصر نے گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور تمر کا نرم اور گداز ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اسے ہلکے ہلکے دباتے ہوئے وہ انتہائی نرم اور محبت آمیز لہجے میں کہنے لگا۔

دیکھ تمر میں جانتا ہوں کہ میں اور تم دونوں اپنی زندگیاں ایک دوسرے کے لے وقف کر چکے ہیں۔ یہی وعدہ بختائی نے میرے ساتھ اور میں نے اس کے ساتھ کیا تھا۔ میں تیرے ساتھ وعدہ کرتا ہوں کہ میں تجھے اس بستی میں چھوڑنے کے بعد بختائی کو لانے کے لیے زیادہ دن نہیں لوں گا۔ میں اسے لیکر بہت جلد تمہارے پاس پہنچوں گا اور پھر ہم اپنے مستقل ٹھکانے کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ عمیر بن نصر کا یہ جواب سن کر تمر خوش اور مطمئن ہو گئی تھی۔ پھر دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگائی پھر وہ اپنے سامنے دکھائی دیتی ہوئی بستی کی طرف جا رہے تھے۔

رات کی تاریکی میں پہلو بہ پہلو اپنے گھوڑوں کو ہانکتے ہوئے عمیر بن نصر اور تمر بستی میں داخل ہوئے۔ ایک حویلی کے دروازے پر عمیر بن نصر رک گیا گھوڑے سے وہ نیچے اترا۔ پھر دروازے پر اس نے دستک دی تھی اتنی دیر تک تمر بھی اپنے گھوڑے سے اتر گئی تھی اور اس نے عمیر بن نصر کے گھوڑے کی بھی باگیں پکڑ لی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد دروازے کے قریب ہی مشعل کی روشنی دکھائی دی پھر کسی نے دھیمی سی آواز میں پوچھا کون ہے۔ جواب میں عمیر بن نصر کہنے لگا میرے بزرگ میں عمیر بن نصر ہوں دروازہ کھولو۔ عمیر بن نصر کا یہ کہنا تھا کہ دروازہ فوراً" کھل گیا۔ دروازہ کھولنے والا ایک بوڑھا شخص تھا جس کے ہاتھ میں جلتی ہوئی چھوٹی سی ایک مشعل تھی۔ جس کی روشنی میں اس بوڑھے نے عمیر بن نصر کی طرف غور سے دیکھا۔ پھر جلتی ہوئی مشعل اس نے ایک طرف رکھ دی اور بڑے پر جوش انداز میں عمیر بن نصر سے گلے مل گیا تھا۔

اس بوڑھے سے گلے ملے ہی ملے عمیر بن نصر نے بڑے راز ارانہ انداز میں اس بوڑھے کو تمر کے متعلق تفصیل سے بتا دیا تھا۔ پھر وہ بوڑھا علیحدہ ہوا اور بڑی عقیدت مندی میں تمر کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ میرا نام حمود ہے۔ میں گرجستھان کی شہزادی تمر کو اپنے گھر میں خوش آمدید کہتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی بوڑھے نے زمین پر رکھی ہوئی مشعل اٹھا لی تھی۔ دروازہ اس نے پورا کھول دیا تھا۔ اس کے ایسا کرنے پر عمیر بن نصر حرکت میں آیا۔ دونوں گھوڑوں کی باگیں اس نے تمر سے لے لیں۔ پھر اس کے ساتھ عمیر بن نصر اور تمر حویلی میں داخل ہوئے۔

بوڑھے حمود کی رہنمائی میں گھوڑوں کو چھوٹے سے اصطبل میں باندھ کر ان کے سامنے چارہ ڈال دیا تھا۔ پھر عمیر بن نصر اپنے پہلو میں کھڑی ہوئی تمر کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ تمر یہ میری ماں کی طرف سے میرے رشتہ دار ہیں۔ لہٰذا انکو میں ماموں ہی کہہ کر پکارتا ہوں۔ ان کا نام حمود ہے ان کی بیوی بھی میری ماں کے رشتہ داروں میں سے ہے لہٰذا میں اسے خالہ کہہ کر پکارتا ہوں آؤ میں تمہیں اس سے ملاتا ہوں۔ اس پر بوڑھا حمود بے چارہ پریشان اور افسردہ سے لہجے میں کہنے لگا۔

عمیر میرے بیٹے تمہاری خالہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ پچھلی بار جب تم مجھ

سے ملنے کے بعد شمالی برفستانوں کی طرف گئے تھے تو تمہارے جانے کے کچھ دن بعد وہ بیمار ہوئی بس اس بیماری نے اسے چند ہی روز کی مہلت دی پھر وہ اس دنیا سے کوچ کر گئی۔ اب میں اس حویلی میں اکیلا ہی زندگی کے باقی ماندہ دن گزار رہا ہوں۔

بوڑھے حمود کے اس انکشاف پر عمیر بن نصر بیچارہ درد کی ہجر کہانیوں۔ دل آشوب مناظر کی طرح افسردہ ہو گیا تھا۔ اس انکشاف پر عمیر بن نصر کے پہلو میں کھڑی تھمر بے چاری بھی دکھ کے جال اور درد کی دکھی روحوں جیسی پریشان ہو گئی تھی۔ جبکہ ان کے سامنے کھڑا حمود زیست کے سوگ۔ زندگی کی نوحہ گری کی طرح ہو کر رہ گیا تھا۔ لگتا تھا اس کی بیوی کی یاد نے اسے چھلنی چھلنی۔ زخم زخم کر دیا ہو۔ اس کے چہرے پر اس کی ذات کی محرومی اور بے نام زنگ آلود مسافتوں کا زہر عود کر آیا تھا۔ تھوڑی دیر تک بوڑھا حمود لمحہ ابد میں زیست کی بے ثباتی کی طرح کھڑا رہا۔ پھر وہ عمیر بن نصر کی طرف دیکھتے ہوئے مخاطب ہوا۔

عمیر میرے بیٹے آؤ میرے ساتھ حویلی میں میں تم دونوں کے کھانے پینے کا انتظام کرتا ہوں۔ اس پر عمیر فوراً" کہنے لگا۔ دیکھ ماموں تمہیں کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں راستے میں کھانا کھانے کے بعد قصبک کے شاہی محل میں داخل ہوا تھا جبکہ وہاں میری آمد سے پہلے ہی تھمر رات کا کھانا کھا چکی تھی۔ لہٰذا اب تمہیں زحمت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بعد ایک بار پھر عمیر بن نصر حمود کے قریب گیا تھوڑی دیر تک اس نے مسکراتے ہوئے حمود کے کانوں میں سرگوشی کی تھی جب عمیر بن نصر علیحدہ ہوا تو حمود کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر وہ کہہ رہا تھا۔

عمیر میرے بیٹے اگر یہ معاملہ ہے تو پھر تم آج کی رات انتظار کرو۔ میں کل اپنے چند جاننے والوں کو بلاؤں گا اور تمہیں اور تھمر کو رشتہ ازدواج میں پرو کر رکھ دوں گا۔ دونوں کو فکر مند ہونے یا پریشانی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس حویلی میں تم جب تک چاہو قیام کر سکتے ہو۔ آؤ میرے ساتھ جواب میں عمیر بن نصر اور تھمر مسکراتے ہوئے حمود کے ساتھ ہو لئے تھے حمود نے ان دونوں کو ایک کمرہ دکھایا جس میں ضرورت کی ہر شئے موجود تھی۔ عمیر اور تھمر نے وہ رات اسی کمرے میں

گزاری۔ دوسرے روز حمود کی بھاگ دوڑ رنگ لائی اور وہ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے تھے گرجستھان کے حالات ٹھیک ہونے تک عمیر بن نصر اور تھمر نے حمود ہی کی حویلی میں قیام کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔

منگول بڑی تندی بڑی سرگرمی سے ملکہ روسودان کے علاقوں پر حملہ آور ہوئے۔ ملکہ روسودان جانتی تھی کہ وہ کسی بھی صورت منگولوں کا مقابلہ نہیں کر سکے گی لہٰذا منگول اسے گرفتار کر کے اپنے خاقان باتو کے سامنے پیش کر دیں گے۔ روسودان کو خطرہ تھا کہ اگر اسے باتو کے سامنے پیش کیا گیا تو باتو اس کی گردن کاٹ دیگا اس لیے کہ اس نے دوبار باتو کے بلانے کے باوجود اس کی خدمت میں حاضری نہیں دی تھی اسے یقین تھا کہ باتو اس کا انجام برا کریگا۔ لہٰذا اسی انجام بد سے بچنے کے لیے اس نے ایک اور راستہ اختیار کیا اور وہ یہ کہ جس وقت منگول اس کی سلطنت کے اندر یلغار کرتے ہوئے اس کے مرکزی شہر قصبک کے قریب پہنچے تب ملکہ روسودان نے خودکشی کر کے اپنا خاتمہ کر لیا اس طرح جب منگول گرجستھان کے مرکزی شہر قصبک میں داخل ہوئے تو انہیں ملکہ کی صرف لاش ہی ملی۔ اس پر منگولوں نے ملکہ روسودان کے بھتیجے داؤد کو گرجستھان کی سلطنت کے تخت پر بٹھا دیا تھا۔ کئی دن تک منگول لشکر نے وہاں قیام کر کے داؤد کے لیے انتظامات کو درست کیا اس کے بعد منگول وہاں سے واپس چلے گئے تھے۔

○

اپنی بیٹی بختائی کی موت کے چند ہی روز بعد باتو بری طرح بیمار پڑ گیا۔ شاید وہ اپنی بیٹی بختائی کی جدائی کو برداشت نہ کر سکا تھا۔ باتو کے طبیب بڑی دلجمعی سے باتو کا علاج کرنے لگے تھے۔ باتو کا بیٹا سرتاک اور بھائی برقائی خان بھی باتو کی خدمت میں لگ گئے تھے۔ تاہم باتو کی حالت دن بدن بگڑتی چلی گئی تھی۔

ایک روز جبکہ سرائے باتو کا سب سے بڑا طبیب باتو کا جائزہ لے رہا تھا اس وقت باتو کے قریب ہی اس کا بیٹا سرتاک اور راہب ولیئم بیٹھے ہوئے تھے۔ جب طبیب پوری طرح باتو کا جائزہ لے چکا تو سرتاک اور راہب ولیئم اس طبیب کو خیمے کے دروازے پر لے گئے اور سرتاک نے بڑی رازداری سے طبیب کو مخاطب کرتے

ہوئے پوچھا۔

اب تم میرے باپ کی حالت کیسی محسوس کرتے ہو۔ اس پر طبیب نے بڑی راز داری سے کہا۔ دیکھ سرتاک یوں جانو کہ تمہارا باپ اب لا علاج ہو چکا ہے۔ یہ چند روز کا مہمان ہے۔ میرے اندازے کے مطابق یہ بچے گا نہیں۔ اس کے ساتھ ہی طبیب وہاں سے چلا گیا تھا۔ طبیب کے جانے کے بعد راہب ولیئم نے سرتاک کی طرف دیکھا اور کہا۔

دیکھ سرتاک طبیب درست کہتا ہے۔ میرا بھی اندازہ ہے باتو اب زندہ نہیں رہے گا۔ لہٰذا تم نے اگر کچھ کرنا ہے تو کر لو۔ ورنہ باتو کے بعد برقائی خان خاقان بن کر نمودار ہو گا اور ہمارا ان سرزمینوں میں رہنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہو جائے گا۔ اس پر سرتاک نے اپنے منہ پر انگلی رکھتے ہوئے راہب ولیئم کو خاموش رہنے کے لیے کہا پھر بولا آؤ میرے خیمے میں چلتے ہیں اور وہاں تفصیل کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں۔

اس کے بعد سرتاک پھر خیمے میں داخل ہوا۔ خدام کو اپنے باپ باتو کی دیکھ بھال کرنے کی تاکید کی۔ پھر وہ راہب ولیئم کے ساتھ خیمے سے نکل گیا تھا۔

اپنے خیمے میں داخل ہونے کے بعد سرتاک راہب ولیئم کے ساتھ نشست پر بیٹھ گیا پھر وہ راہب کو مخاطب کر کے کہنے لگا اب کہو بزرگ باپ کیا کہتے ہو۔ جواب میں راہب ولیئم پوچھنے لگا۔

دیکھ سرتاک جیسا کہ طبیب بتا چکا ہے کہ تمہارا باپ باتو اب چند دنوں کا مہمان ہے اس کی بیماری سے میں بھی اندازہ لگا چکا ہوں کہ وہ بچے گا نہیں۔ سن سرتاک اگر تو ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا رہا تو تیرے دیکھتے ہی دیکھتے نہ صرف یہ کہ برقائی خان مغرب کے منگولوں کا خاقان بن جائے گا بلکہ تیرا بھی کام تمام کر کے رکھ دے گا۔ لہٰذا قبل اس کے کہ برقائی خان تمہارے خلاف حرکت میں آئے اور تمہاری زندگی کی ڈور کاٹ دے۔ تم اس سے پہلے ہی حرکت میں آ جاؤ اور اس کے لیے ایسی دلدل ثابت ہو جس سے وہ نکل ہی نہ سکے۔ اس پر سرتاک کہنے لگا کھل کر کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔ راہب ولیئم تھوڑی دیر کے لیے رکا پھر اس نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھا۔

سن سرتاک۔ میں چاہتا ہوں کہ تو اپنے باپ کی موت سے پہلے ہی پہلے مشرق کی طرف روانہ ہو۔ منگولوں کے مرکزی شہر قراقرم جاؤ۔ وہاں منگولوں کے بڑے خاقان منگو کی خدمت میں حاضر ہو اور اپنے باپ کے بعد اپنے لئے خاقان کا عہدہ حاصل کرنے کی التجا کرو۔ مجھے امید ہے کہ جب تم منگو کی خدمت میں حاضر ہو گے اور میرے کہنے کے مطابق التجا کرو گے تو وہ انکار نہیں کرے گا۔ اس لیے کہ منگو ہلاکو اور اس کے دوسرے بھائی جانتے ہیں کہ برقائی خان اسلام قبول کر چکا ہے لہٰذا وہ یقیناً" برقائی پر تمہیں ترجیح اور فوقیت دیں گے۔ دیکھ سرتاک جب منگو خان تحریری طور پر مغرب کے منگولوں کا تمہیں خاقان مقرر کر دے گا تو یاد رکھنا برقائی خان آپ سے آپ تمہارے سامنے جھک جائے گا اور تمہیں مغرب کے منگولوں کا خاقان تسلیم کر کے تمہارے اتباع پر رضا مند ہو جائے گا۔ لیکن ایسا اس وقت ہی ہو سکتا ہے جب تم وقت ضائع کئے بغیر منگو خان کی خدمت میں حاضر ہو کر اس سے اپنے لئے خاقان کا عہدہ حاصل کر لو۔

راہب ولیئم کی اس گفتگو کے جواب میں سرتاک نے کچھ سوچا پھر وہ کہنے لگا دیکھ مقدس باپ تو جانتا ہے میں نے مرنے والے روسی سردار میخائیل کی بیوی نکسار کو یہاں بلایا ہے۔ میں سنا ہے کہ وہ انتہا درجے کی خوبصورت پر کشش اور نوخیز اور نوجوان ہے۔ میں اس کے ذریعے اپنے چچا برقائی کا خاتمہ کرانا چاہتا ہوں۔ دیکھ مقدس باپ۔ آج اگر میرا باپ باتو مرتا ہے تو یہ بات تو عیاں ہے کہ اس کے بعد میرا چچا برقائی خان مغرب کے منگولوں کا خاقان بن جائے گا۔ لیکن اگر میں نکسار کی مدد سے برقائی خان کو ٹھکانے لگانے میں کامیاب ہو جاؤں تو خود بخود خاقان بن جاؤں گا اس طرح مجھے منگو خان کی خدمت میں حاضر ہونے کی زحمت بھی نہ اٹھانی پڑے گی۔

راہب ولیئم نے کچھ دیر سوچا پھر بولا۔

دیکھ سرتاک تو جانتا ہے کہ تیرا چچا برقائی خان تجھے شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ میرے خیال میں وہ تمہیں بختائی کا قاتل بھی سمجھنے لگا ہے۔ جس روز بختائی ماری گئی تھی قتل ہوئی تھی اس روز بختائی کے خیمے کے پاس کھڑے ہو کر برقائی خان نے میری

اور تمہاری طرف اس انداز میں دیکھا تھا۔ جس سے صاف ظاہر تھا کہ بختائی کے قتل کے معاملے میں وہ ہم پر صاف شبہ ظاہر کر رہا ہے۔ دیکھ سرتاک جب باتو مر جائے گا اس کے بعد برقائی خان خاقان بنے گا تو تیری ہی نہیں میری بھی بدبختی آئے گی۔

سرتاک دوسری بات یہ ہے کہ تمہارے باپ باتو کی موت کے بعد تمہارا چچا برقائی خان خاقان بنتا ہے اور اس دوران میخائیل کی خوبصورت اور حسین بیوی نکسار یہاں پہنچ جاتی ہے تو اس کے ذریعے سے تم برقائی خان کا خاتمہ کرنے کی کوشش کرتے ہو تو سن رکھو تمہاری یہ تدبیر ناکام بھی ہو سکتی ہے۔ اگر نکسار برقائی خان کو قتل نہ کر سکی اور پکڑی گئی اور اس نے یہ بتا دیا کہ اس کام پر مجھے سرتاک نے لگایا تھا تو سن رکھو پھر تم ہی نہیں نکسار اور میرے خلاف بھی برقائی خان حرکت میں آئے گا اور ہم سب کی گردنیں کاٹ کر رکھ دے گا۔

اس پر سرتاک نے بوکھلائے ہوئے انداز میں پوچھا۔ اے مقدس راہب پھر مجھے کیا کرنا چاہیے ۔ راہب اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہنے لگا۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ تمہیں آج ہی منگو خان کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے مشرق کی طرف روانہ ہو جانا چاہیے۔ میں بھی تمہارے ساتھ روانہ ہوں گا اس لیے کہ میری منزل تو پہلے ہی منگو خان ہے اور جو قبرصی نائٹ اس وقت یہاں قیام کئے ہوئے ہیں انہیں بھی ہم اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ وہ ہمارے بہترین محافظ ثابت ہوں گے۔ سرتاک فوراً" راہب ولیئم کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔

دیکھ مقدس باپ۔ میں ابھی اور اسی وقت تیرے ساتھ منگو خان کی طرف کوچ کرنے کے لیے تیار ہوں۔ جب ہماری غیر موجودگی میں نکسار یہاں پہنچ جائے گی پھر وہ یہاں بیٹھ کر کیا کرے گی۔ کون اسے اس کے کام پر لگائے گا۔ اس پر راہب ولیئم نے گہری سوچوں میں ڈوبتے ہوئے کہا۔ ہاں اس مسئلے پر غور کرنا چاہیے۔ یہ مسئلہ بھی واقعی غور طلب ہے۔ پھر قبل اس کے کہ راہب ولیئم اس موضوع پر سوچتا سرتاک دوبارہ خود ہی بول پڑا۔

دیکھ مقدس باپ جو مسئلہ مجھے اور تجھے درپیش ہے اس کا حل بھی میرے ذہن میں نکل آیا ہے۔ اس پر راہب ولیئم نے چونک کر پوچھا۔ کیسا حل جواب میں

سرتاک اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔ خیمے سے باہر آیا اس نے دیکھا خیمے کے چاروں طرف اس کے محافظ پھیلے ہوئے تھے پھر اس نے قریبی محافظ کے کان میں کچھ کہا۔ جس کے جواب میں وہ محافظ کہنے لگا خاقان آپ فکر نہ کریں۔ کوئی بھی غیر ضروری شخص آپ کے خیمے کے قریب پھٹکنے نہیں پائے گا۔ اس کا یہ جواب سن کر سرتاک دوبارہ اپنی نشست پر آیا اور راہب ولیئم سے کہنے لگا۔

دیکھ مقدس باپ۔ منگولوں کا ایک بڑا نامور سردار ہے یوں جانو کہ ہمارا ایک اعلیٰ پائے کا منگول سردار ہے۔ جس کا نام اغون خان ہے۔ یہ میرا بڑا معتقد اور عقیدت مند ہے۔ یوں جانو کہ یہ جو میں نے اپنی بہن بختائی کو قتل کیا تھا تو اس کے قتل میں یہ اغون خان بھی شامل تھا۔ اسی نے مجھے وہ دو منگول مہیا کئے تھے جنہوں نے بختائی کا کام تمام کیا۔ اس اغون خان پر میں اندھا بھروسہ اور اعتماد کر سکتا ہوں۔

سن مقدس باپ۔ میرا ارادہ یہ ہے کہ میں اور تم آج ہی برقائی خان یا اپنے باپ باتو کو بتائے بغیر یہاں سے رات کے وقت دونوں قبرصی تیغ زنوں کے ساتھ منگو خان کی طرف روانہ ہو جائیں اگر ہم نے برقائی خان یا اپنے باپ باتو سے اجازت لی تو یاد رکھنا میرا باپ باتو تو شاید جانے کی اجازت دیدے لیکن برقائی مجھے خیموں کے اس شہر سے باہر نہیں نکلنے دے گا۔ اس لیے کہ وہ بختائی کے معاملے میں مجھ پر شک کرتا ہے اور جونہی میرے باپ باتو کی آنکھیں بند ہوئیں برقائی خان میرے خلاف ضرور اپنی تلوار نیام سے باہر کر لے گا اور مجھ سے بختائی کے قتل کا انتقام ضرور لے گا۔ اس لیے کہ برقائی خان کی طرح بختائی اسلام قبول کر چکی تھی اور پھر میری بہن بختائی میرے باپ باتو کی نسبت اپنے چچا برقائی خان کو زیادہ پسند کرتی تھی۔ اسے باپ ہی کا درجہ دیتی تھی۔

دیکھ مقدس باپ۔ میں اغون خان کو سارا معاملہ سمجھا جاؤں گا۔ ہمارے جانے کے بعد نکسار جب یہاں پہنچے گی تو اغون خان اسے سنبھال لے گا۔ اس کی رہائش کا انتظام کرے گا اور اس کی اور برقائی خان کی ملاقات کا اہتمام کرائے گا۔ نکسار اس پر اپنی محبت اور حسن کے ڈورے ڈالے گی اور اغون خان کی ہدایت کے مطابق برقائی خان کو قتل کرنے کی کوشش کرے گی۔ راہب ولیئم فوراً" خوشی کا اظہار کرتے ہوئے

کہنے لگا۔ دیکھ سرتاک میرے بیٹے یہ ایک بہترین تجویز ہے۔ پر اس پر فوراً عمل کرنا چاہیے۔ سرتاک اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔ مقدس باپ میں اپنے ایک محافظ کو بھیج کر اغون خان کو فوراً یہاں بلاتا ہوں اور اس کے ساتھ سارا معاملہ طے کرتا ہوں۔ سرتاک اٹھ کر باہر آیا اور ایک محافظ کو اس نے اغون خان کو بلانے کے لیے بھیج دیا تھا۔

سرتاک اور راہب ولیئم ایک بار پھر خیمے میں بیٹھ کر اغون خان کا انتظار کرنے لگے تھے۔ تھوڑی دیر بعد اغون خان خیمے میں داخل ہوا۔ عمر کے لحاظ سے وہ تیس پینتیس کے لگ بھگ تھا۔ دراز قد خوب بھرے ہوئے جسم کا۔ چہرے کے لحاظ سے بڑا خونخوار اور ہیبتناک شخص تھا۔ جونہی وہ خیمے میں داخل ہوا۔ سرتاک نے ہاتھ کے اشارے سے اسے اپنے پہلو میں بیٹھنے کو کہا۔ اس پر اغون خان چپ چاپ آگے بڑھا اور سرتاک کے پہلو میں بیٹھ گیا تھا۔ سرتاک کی آواز خیمے میں گونجی۔

اغون خان میں نے تمہیں ایک انتہائی اہم کام کے سلسلے میں بلایا ہے۔ دیکھ میرا باپ باتو بیمار ہے اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں۔ اگر وہ مرگیا تو لازمی طور پر برقائی خان اس کی جگہ مغرب کے منگولوں کا خاقان بنے گا۔ لہٰذا میں آج ہی رات راہب ولیئم اور اپنے دو قبرصی تیغ زنوں کے ساتھ منگو خان کی طرف روانہ ہوں گا۔ اور اس سے اپنے لئے خاقان کا پروانہ حاصل کروں گا اور پھر یہاں لوٹ کر آؤں گا تاکہ مغرب کے منگولوں کا میں خاقان بن سکوں۔

دیکھ اغون خان تو میرے نمائندے کی حیثیت سے یہیں رہے گا۔ دیکھ میری غیر موجودگی میں نکسار یہاں آئے گی۔ اس کا ذکر میں پہلے ہی تم سے کر چکا ہوں۔ میخائیل کی بیوی ہے۔ انتہائی خوبصورت اور پر کشش۔ نو عمرو نو خیز ہے۔ تو نکسار کا قیام میرے اسی خیمے میں کرنا اور اسے سارا معاملہ سمجھانا کہ اس کے شوہر اور اس کے شوہر کے دوست دونوں کو برقائی خان نے قتل کر دیا ہے۔ اس کے بعد تم نکسار کو ابھارنا کہ وہ اپنے حسن اپنی خوبصورتی کو کام میں لاتے ہوئے برقائی خان کا کام تمام کر دے۔ دیکھ اغون تو ایسا کرنا پہلے نکسار اور برقائی خان کا تعارف کرانا۔ پھر ان دونوں کے ملنے کے مواقع نکالنا۔ اس طرح نکسار آہستہ آہستہ اپنے حسن و خوبصورتی کے

ڈورے برقائی خان پر ڈالے گی۔ جب برقائی خان کا اس پر اعتماد اور بھروسہ ہو جائے گا تو پھر کسی مناسب وقت پر نکسار برقائی خان کا کام تمام کر دیگی۔ اس دوران تک ہو سکتا ہے میں بھی منگو خان سے خاقان کا پروانہ لیکر یہاں پہنچ جاؤں۔ اس کے بعد کوئی طاقت مجھے خاقان کے عہدے سے علیحدہ نہیں کر سکتی۔ سنو اغوں خان کیا تم میری غیر موجودگی میں یہ سارا کام کرنے کے لیے تیار اور آمادہ ہو۔

اس پر اغون خان چھاتی تانتے ہوئے کہنے لگا کیوں نہیں۔ دیکھ سرتاک تم جب چاہو راہب ولیئم اور اپنے دو قبرصی تیغ زنوں کے ساتھ منگو خان کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ تم بالکل بے فکر رہنا۔ تمہاری غیر موجودگی ہی میں اگر میخائیل کی بیوہ نکسار یہاں آتی ہے تو اس کے ذریعے برقائی خان کو کیسے ٹھکانے لگانا ہے یہ مسئلہ میں خود ہی سلجھا لوں گا۔ برقائی خان تمہارا ہی دشمن نہیں میرا بھی دشمن ہے اور تمہاری نسبت میں اس سے زیادہ خلاف ہوں اور اسے ٹھکانے لگانے کا آرزو مند ہوں۔

اغون خان جب خاموش ہوا تو سرتاک نے آگے بڑھ کر ایک طرح سے اسے لپٹا لیا تھا پھر سرتاک کہنے لگا۔

دیکھ اغون خان میں اپنے سارے محافظوں سے کہہ دوں گا کہ میرے بعد وہ تمہارا ایسا ہی خیال رکھیں جس طرح میرا خیال رکھتے ہیں۔ وہ تمہاری حفاظت بھی کریں گے اور جب نکسار اس شہر میں داخل ہو گی تو اس کی تمہیں اطلاع بھی کریں گے۔ اس پر اغون خان اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا میں اب جاتا ہوں۔ سرتاک تو بالکل بے فکر رہ۔ تمہاری غیر موجودگی میں تمہارا ہر کام تمہاری خواہش اور مرضی کے مطابق ہو گا۔ اس کے ساتھ ہی اغون خان وہاں سے چلا گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد سرتاک اور راہب ولیئم دونوں قبرصی تیغ زنوں کو لیکر وہاں سے منگو خان کی طرف کوچ کر گئے تھے۔

دریائے ارس کے کنارے درکوش نام کی بستی میں عمیر بن نصر اور تمر دونوں میاں بیوی بوڑھے حمود کے یہاں ہی ابھی تک قیام کئے ہوئے تھے۔ ایک روز جبکہ سورج غروب ہو رہا تھا۔ عمیر بن نصر گھر کے صحن میں اپنے اور تمر کے گھوڑے کو کریہ کر رہا تھا۔ جبکہ تمر قریب ہی کھڑی بڑی میٹھی میٹھی اور محبت بھری نظروں سے

اس کی طرف دیکھ رہی تھی کہ دروازے پر زور دار دستک ہوئی۔

عمیر بن نصر نے گھوڑے کو کھریرہ کرنا بند کر دیا کچھ دیر تک دوسرے کمرے سے بوڑھا حمود نکل آیا وہ دروازے کی طرف بڑھنا ہی چاہتا تھا کہ عمیر بن نصر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا تم آرام کرو ماموں۔ میں دیکھتا ہوں دروازے پر کس نے دستک دی ہے۔ اس کے ساتھ ہی عمیر بن نصر نے لوہے کا کھریرہ ایک طرف رکھ دیا اور ہاتھ جھاڑتا ہوا وہ گھر کے بیرونی دروازے کی طرف بڑھا تھا۔

عمیر بن نصر نے جب گھر کا دروازہ کھولا تو اس نے دیکھا دروازے پر پانچ منگول سوار کھڑے تھے۔ عمیر بن نصر کو دیکھتے ہی ان کے چہروں پر خوشی اور رونق آگئی تھی۔ پھر ان میں سے ایک اپنے گھوڑے سے اترا آگے بڑھ کر اس نے عمیر بن نصر سے مصافحہ کیا اور کہنے لگا۔

بے شک تم ہمیں ہمارے چہروں سے نہیں پہچانتے ہوں گے لیکن ہم تمہیں جانتے اور پہچانتے ہیں اس لیے کہ تم ایک سوداگر کی حیثیت سے اکثر و بیشتر سرائے باتو میں آیا کرتے تھے اور پچھلے دنوں جب تم سرائے باتو میں داخل ہوئے تو تمہارا مقابلہ ایک قبرصی تیغ زن سے ہوا جسے تم نے شکست دیکر ہمارے خاقان باتو کی بیٹی بختائی کو حاصل کیا اس سے تمہارا بیاہ ہوا اور وہ تمہاری بیوی ہو گئی ۔ اس ناتے سے سرائے باتو میں تمہارا ایک اعلیٰ و ارفع اور بہت بلند مقام ہے۔ وہ سوار مزید کچھ کہتا کہ عمیر بن نصر نے اس کی بات کاٹی اور پوچھا۔

تم کس مقصد کے تحت میری طرف آئے ہو کیا تم کوئی بری خبر لیکر آئے ہو۔

اس پر وہی سوار مسکراتے ہوئے کہنے لگا نہیں ہم بری خبر لیکر نہیں آئے۔ ہم باتو کے بیٹے سرتاک کے محافظ دستوں میں سے ہیں۔ شاید تمہیں خبر ہو گی کہ جس وقت قبرصی تیغ زنوں نے باتو کے سامنے گرجستھان کی ملکہ روسودان اور اس کی بیٹی تھمر کے حسن و جمال خوبصورتی اور کشش کی تعریف کی تھی تو اسی وقت ہی سرتاک غائبانہ طور پر ملکہ روسودان کی بیٹی تھمر کو پسند کرنے لگا تھا۔

جبکہ خاقان باتو ملکہ روسودان کو پسند کر چکا تھا اسی بناء پر باتو نے دو دفعہ روسودان کو سرائے باتو میں طلب کیا۔ روسودان نے آنے سے انکار کر دیا تم جانتے ہو

منگول گرجستھان پر حملہ آور ہوئے اب ملکہ روسودان خود کشی کر کے اپنا خاتمہ کر چکی ہے۔ گرجستھان پر اس وقت روسودان کا بھتیجا داؤد حکومت کر رہا ہے۔ ہمیں سرتاک نے صرف اس مقصد کے تحت سرائے باتو سے گرجستھان کے مرکزی شہر قصبک کی طرف روانہ کیا تھا۔ کہ وہ ہم بحفاظت تھمر کو قصبک سے سرائے باتو میں پہنچائیں تاکہ سرتاک اسے اپنے حرم میں داخل کر سکے۔

حملہ آور لشکر کے ساتھ ہی قصبک شہر میں داخل ہوئے۔ قصبک شہر کے محل میں صرف ملکہ روسودان کی لاش ملی۔ تھمر کا کچھ پتہ نہ چلا۔ آخر ہم نے متعلقہ لوگوں سے پوچھنا شروع کر دیا۔ بڑی مشکل سے محل کے کچھ محافظوں سے پتہ چلا کہ تم محل میں آئے تھے اور تھمر کو اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ پھر ہم وہاں سے پوچھتے پوچھتے بڑی مشکل سے یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اب کہو کیا تھمر یہیں ہے۔

صحن میں کھڑی تھمر بھی یہ ساری گفتگو سن چکی تھی۔ لہٰذا وہ اوٹ میں ہو گئی تاکہ کسی منگول کی اس پر نگاہ نہ پڑے۔ اس موقع پر عمیر بن نصر ان منگولوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

سنو میرے عزیزو تم جانتے ہو کہ میں اپنا کچھ ضروری سامان لینے کے لیے سرائے باتو سے یہاں آیا تھا۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ باتو کی بیٹی بختائی میری بیوی ہے۔ میں جب یہاں آیا تو مجھے ملکہ روسودان کے ارادے کچھ اچھے نہیں لگتے تھے۔ وہ عزم کر چکی تھی کہ جس وقت منگول اس کے مرکزی شہر قصبک پر حملہ آور ہوں گے تو وہ اپنی بیٹی تھمر کا خاتمہ کر کے خود بھی اپنے آپ کو موت کی گود میں پھینک دے گی۔ لیکن میں نہیں چاہتا تھا کہ تھمر مرے۔ اور اس کی محبت اور یاد میں سرتاک ایک آشوب کا شکار ہو۔ لہٰذا میں نے تھمر کو شاہی محل سے نکال کر یہاں اس گھر میں پہنچا دیا۔ یہ گھر میرے ایک جاننے والے کا ہے تھمر اس وقت یہیں قیام کئے ہوئے ہے۔ تم اتنی دیر تک دیوان خانے میں آ کر بیٹھو۔ میں اس سے گفتگو کرتا ہوں کہ وہ تمہارے ساتھ جانے پر آمادہ ہے یا نہیں۔

اس کے جواب میں وہی منگول کہنے لگا۔

دیکھ ابن نصر ہم تمہارے کہنے پر دیوان خانے میں بیٹھ تو جاتے ہیں لیکن ہم یہ

بتا دیں کہ تمر ہمارے ساتھ جانے پر رضا مند ہو یا وہ انکار کرے اسے ہر صورت میں اس کی رضا مندی یا زبردستی لیکر ہم سرتاک کے پاس جائیں گے۔ اگر وہ نہ بھی جانا چاہے تب بھی ہم اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر سرائے باتو میں لے جائیں گے اور اسے سرتاک کے سامنے پیش کر دیں گے۔ آگے سرتاک جو چاہے اس کے ساتھ سلوک کرے۔

اس منگول کی یہ نازیبا گفتگو سن کر عمیر بن نصر کا چہرہ غصے اور غضبناکی میں زرد تپتی ریت۔ نامہربان گردشوں اور آشوب کے چڑھتے دریا کی مانند ہو گیا تھا جبکہ نفرت میں اس کی آنکھوں کے اندر کرب آلود زہریلے لمحے لہو لہو حروف سے لکھے زندگی کے خونی سانحے رقص کر گئے تھے۔ اسی سے عمیر بن نصر اس منگول کو مخاطب کرتے ہوئے کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ حالات کے تقاضے کو دیکھتے ہوئے اس نے فوراً" اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ غصہ اس نے تھوک دیا اپنے چہرے پر بشاشت لاتے ہوئے وہ مصنوعی انداز میں کہنے لگا۔

میں تم منگولوں کے طور طریقوں سے واقف ہوں۔ میں جانتا ہوں جو چیز تم حاصل کرنا چاہو دنیا کی کوئی چیز تمہیں روک نہیں سکتی۔ تم آؤ میرے ساتھ میں تمہیں دیوان خانے میں بٹھاتا ہوں اس کے ساتھ ہی منگولوں نے اپنے گھوڑوں کو باہر ہی ایک دوسرے کے ساتھ باندھ دیا پھر وہ حویلی میں داخل ہو کر عمیر بن نصر کی رہنمائی میں دیوان خانے میں بیٹھ گئے تھے۔ انہیں بٹھانے کے بعد عمیر بن نصر باہر نکلتے ہوئے کہنے لگا۔

تھوڑی دیر تک یہاں بیٹھو میں اس سلسلے میں تمر سے بات کرتا ہوں پھر میں لوٹتا ہوں۔ اس پر وہی منگول پھر بول اٹھا۔

سن ابن نصر ہماری طرف سے تمر سے کہنا کہ اس کی مرضی کچھ بھی ہو اسے ہر صورت میں ہمارے ساتھ ہمارے خاقان کے بیٹے سرتاک کے پاس جانا ہو گا یہ ہمارا آخری فیصلہ ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو گی اور نہ ہی ہم خالی ہاتھ سرائے باتو کی طرف جائیں گے۔ اس منگول کا لہجہ ایک بار پھر عمیر بن نصر کے لیے ناقابل برداشت ہو گیا تھا۔ عمیر بن نصر جیسا خونی بدو جو کسی کی بات سننے کا عادی نہ تھا بڑی مشکل سے

ان منگولوں کے سامنے اپنے آپ کو ضبط کئے ہوئے تھا۔ وہ ان منگولوں کو کچھ کہے بغیر دیوان خانے سے نکل گیا تھا۔

دوسری جانب تمر دیوان خانے سے باہر اس منگول کی ساری گفتگو سن رہی تھی عمیر بن نصر جب دیوان خانے سے باہر آیا تو تمر اسے مخاطب کر کے کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ عمیر بن نصر نے اپنے منہ پر انگلی رکھ لی اور اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پھر اسے اپنے پیچھے پیچھے دوسرے کمرے میں آنے کو کہا تمر خاموش رہی چپ چاپ وہ عمیر بن نصر کے پیچھے دوسرے کمرے کی طرف چلی گئی تھی۔

دوسرے کمرے میں جانے کے بعد عمیر بن نصر حسین اور خوبصورت تمر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ دیکھ تمر تو فی الفور اپنی تیاری کر ابھی اور اسی وقت تو ان منگولوں کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو جا عمیر بن نصر کے اس فیصلے پر حسین و نوخیز تمر کی رگوں میں خوف کا زہر گھل گیا تھا۔ اس کی سانسوں کے تسلسل میں چھلنی چھلنی زخم زخم پھانس سی ہو کر رہ گئی تھی تھوڑی دیر تک وہ وقت کے موڑ پر خراب و خستہ بدحال و بے نوا منزل اور آتش کدوں کی بجھی آگ کی طرح خاموش رہی پھر وہ شکوؤں اور گلوں بھری آواز میں عمیر بن نصر کو مخاطب کر کے پوچھنے لگی۔

کیا آپ مجھے ان منگولوں کے ساتھ جانے کا مشورہ دے رہے ہیں کیا آپ جو میرے شوہر ہیں جس پر میں اپنی جان اپنی روح اپنا جسم سب کچھ قربان کر چکی ہوں جسے میں اپنی زندگی کی کل متاع آخری پونجی اور اساس الیت شمار کرتی ہوں اس پر عمیر بن نصر بڑی نرمی بڑے پیار بڑی چاہت میں کہنے لگا۔

دیکھ تمر اس میں کوئی شک نہیں کہ تم میرا صرف مقصود میرے لیے بے داغ سحر میں تمناؤں کی بستی ' زیست کے زخموں کا مرہم مجبوریوں کی چار دیواری میں مداوائے الم ہو دیکھ تمر خدا کی اس خدائی میں تم میرے لئے مہکتا پھول گداز نغمہ ہو پھر میں کیسے تمہیں بھنور اور خونی دلدل میں اپنے ہاتھوں سے دھکیل سکتا ہوں دیکھ جو کچھ میں کر رہا ہوں اس میں تمہاری اور میری دونوں ہی کی بہتری ہے تو چپ چاپ میرا کہا مان کر ان منگولوں کے ساتھ ہو لے پھر دیکھ میں ان کا کیا انجام کرتا ہوں کیا تمہیں مجھ پر اعتماد اور بھروسہ نہیں ہے۔

عمیر بن نصر کی اس گفتگو پر تھمر کو کچھ حوصلہ اور اعتماد ہوا پھر وہ کہنے لگی جیسا آپ کہیں گے میں ویسا ہی کروں گی میں جانتی ہوں کہ آپ مجھے اپنی زندگی کا ایک حصہ اور اپنے جسم کا ایک اعضاء خیال کرتے ہیں اور آپ میری حفاظت کا سامان ضرور کریں گے۔ تھمر کا یہ جواب سن کر عمیر بن نصر خوش ہو گیا تھا اس موقع پر بوڑھا حمود بھی ان کے قریب آ کھڑا ہوا تھا۔ وہ بھی عمیر بن نصر کو مخاطب کر کے کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ عمیر بن نصر اسے کہنے لگا۔

دیکھ ماموں جو کچھ میں کر رہا ہوں اس میں ہم سب کی بہتری ہے یہ میں تھوڑی ہی دیر بعد تمہیں بتاؤں گا کہ میں نے ایسا کیوں کیا اور تم دونوں مانو گے کہ واقعی میں نے صحیح فیصلہ کیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی عمیر بن نصر باہر نکلا اصطبل میں جا کر اس نے جلدی جلدی تھمر کا گھوڑا تیار کیا۔ گھوڑے کو وہ صحن میں لایا پھر تھمر کو اس نے گھوڑے پر بیٹھنے کو کہا تھمر چپ چاپ گھوڑے پر بیٹھی اور اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر عمیر بن نصر باہر لے آیا۔

گھوڑے کو باہر کھڑا کرنے کے بعد عمیر بن نصر دیوان خانے میں داخل ہوا اور منگولوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ گرجستھان کی شہزادی اور روسودان کی بیٹی تھمر تمہارے ساتھ سرائے باتو میں جانے کے لیے تیار کھڑی ہے۔ عمیر بن نصر اپنی بات پوری بھی نہ کر پایا تھا کہ سب منگول اٹھ کھڑے ہوئے پھر پہلے والا منگول عمیر بن نصر سے مخاطب ہوا اور بولا۔

دیکھ ابن نصر تم نے بڑی دانشمندی اور عقل مندی کا ثبوت دیا ہے میں اور میرے ساتھی تو یہ خیال کر رہے تھے کہ تم ہمارے ساتھ اڑ جاؤ گے لیکن تم نے ایسا نہیں کیا کچھ لوگوں نے ہمیں یہ بھی شبہ ڈالا تھا کہ تم تھمر سے اور تھمر تم سے محبت کرتی ہے اور ان لوگوں نے ہمیں یہ بھی رائے دی تھی کہ تم کسی بھی صورت میں تھمر ہمارے حوالے نہیں کرو گے لہٰذا ہم یہ فیصلہ کر چکے تھے کہ ہم ہر صورت میں تھمر تم سے لیکر جائیں گے چاہے اس سلسلے میں ہمیں تمہاری گردن ہی کیوں نہ کاٹنی پڑے بہرحال تم نے اپنی جان بھی محفوظ کی اور اس گھر کو لہو لہو ہونے سے بھی بچا لیا۔ اس کے لیے ہم تمہارے شکر گزار ہیں۔

عمیر بن نصر دل پر پتھر رکھ کر ان منگولوں کی گفتگو سن رہا تھا اور برداشت کر رہا تھا۔ پھر منگول باہر آئے عمیر بن نصر بھی ان کے ساتھ ہو لیا اور منگولوں نے دیکھا حویلی کے باہر تھمر اپنے گھوڑے پر سوار کھڑی تھی سارے منگول اس کے پاس آئے اس موقع پر عمیر بن نصر پھر انہیں مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔ تم یہاں سے تھمر کو لیکر گرجستھان کے مرکزی شہر قصبک کی طرف جاؤ گے یا یہاں سے سیدھے سرائے باتو کا رخ کرو گے اس پر ایک منگول خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔ دیکھ ابن نصر اب ہم نے قصبک جا کے کیا کرنا ہے ہم یہاں سے سیدھا سرائے باتو کا رخ کریں گے اور جلد از جلد وہاں پہنچ کر تھمر کو سرتاک کے حوالے کریں گے۔

منگول کے اس جواب پر عمیر بن نصر خاموش ہی رہا اس کے چہرے کے تاثرات سے کچھ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا تھمر بار بار اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے دیکھنے کے انداز میں ایک عجیب خاموش طرح کی التجا اور پر سکوت تمنائیں تھیں پھر منگول جلدی جلدی اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور تھمر کو لیکر وہ وہاں سے روانہ ہو گئے تھے۔

منگول تھمر کو لیکر دریائے ارس کے کنارے کنارے در کوش نام کی اس بستی سے بمشکل پانچ میل دور ہی گئے ہوں گے کہ دریا کے کنارے عمیر بن نصر رات کی تاریکی میں رقصاں ظلمت میں ہجر کی سیاہ رات ' غم کی یلغار میں اور جورو اغیار کی طرح ان پانچ منگولوں کی راہ روک کھڑا ہوا تھا۔ ان منگولوں نے دیکھا دریا کے کنارے عمیر بن نصر اپنے گھوڑے پر سوار ان کی راہ روکے کھڑا تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں ' ں کی برہنہ تلوار بائیں ہاتھ میں ڈال سر پر آہنی خود جسم پر مضبوط آہنی زرہ تھی شاید وہ کوئی مختصر ترین راستہ اختیار کرتے ہوئے رات کی تاریکی میں ان منگولوں کی راہ روک کھڑا ہوا تھا۔

قبل اس کے کہ وہ منگول عمیر بن نصر کو مخاطب کرتے عمیر بن نصر پہلے ہی بول پڑا اور انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

سنو منگولوں سنو جسم انسانیت کو لہو لہو ماؤں کی گود کی نرمی کو نا آسودگی میں

تبدیل کرنے والو سنو خون کی اڑتی آندھیوں میں دہشت کی گونج بن کر پھیلنے بکھرنے والو سنو عصمتوں پر گندگی اچھالنے والو مشکیزوں میں سوراخ کرنے والو میں آج ان ویرانوں ان اندھیروں کے اندر تمہارے لیے لہو کی بارش بربریت کی آنکھ مچولی ثابت ہوں گا۔

سنو غلیظ منگولوں درکوش نام کی بستی کی حویلی میں تم پانچوں نے میرے اندر کی دستک کو نہیں سنا تھا۔ اب میں ان ویرانوں میں ان دیولاخوں میں تمہارا آغاز بھی تمہارا انجام بھی تمہارا بناؤں گا تم کیا سمجھتے تھے کہ میں یونہی تمہارے حوالے کر دوں گا تم بڑی آسانی کے ساتھ اسے اپنے ساتھ صحرائے باتو کی طرف لے جاؤ گے۔ ہرگز نہیں سنو جس طرح باتو کی بیٹی بختائی میری بیوی ہے اسی طرح تمہارا بھی میری بیوی ہے جب تک تم میرا سامنا نہیں کرتے اس وقت تک تم تمہارا کو کسی بھی صورت سرتاک کے لیے سرائے باتو کے پاس نہیں لے جا سکتے۔

قبل اس کے کہ منگولوں میں سے کوئی جواب دیتا اچانک تمہارا نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اپنے گھوڑے کو بھگا کر وہ عمیر بن نصر کے پاس جا کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے اپنی تلوار اور اپنی ڈھال بھی سنبھال لی تھی۔

اس موقع پر ان پانچوں منگولوں [illegible] بولا اور عمیر بن نصر کو دھمکی دی۔

دیکھ بدو اپنی تیغ زنی پر اتنا بھروسہ اتنا گھمنڈ نہ کر تو کیوں ان اندھیروں ان ویرانوں میں اپنے جسم و روح کی جدائی کا تماشہ بننا چاہتا ہے۔ تو کیوں اپنے آپ کو ان ویرانوں میں حالات کی صلیب کے حوالے کر کے سیاہ لمحوں کا مسافر بننا چاہتا ہے دیکھ اگر تو نے ہم سے ٹکرانے کی کوشش کی تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں ہم تمہاری حالت بوندھ بوندھ پانی کو ترستے صحرا جیسی بنا کے رکھ دیں گے اب بھی وقت ہے تمہارا کو ہمارے حوالے کر دو۔ ہمارا راستہ چھوڑ دو ورنہ ہم سے مقابلہ کرتے ہوئے تمہیں ساری عمر کی تلخیاں پنہا ہوں گی۔

منگول کا یہ جواب سن کر اندھیرے میں عمیر بن نصر کی چھاتی تن گئی تھی پھر وہ اپنی چمکتی ہوئی تلوار فضا میں لہراتے ہوئے کہنے لگا۔ سنو منگولوں اس دریائے ارس کے کنارے میں تمہیں یقین دلاتا ہوں تمہاری موت تمہاری اجل تمہارے سر پر نزول

کرنے والی ہے میں تمہیں یہ بھی یقین دلاتا ہوں کہ اپنی تلوار سے میں تم سب کی گردنیں کاٹوں گا اور تم سب کی لاشوں کو دریائے ارس میں پھینکنے کے بعد تمہارا کو واپس اسی بستی کی طرف لے جاؤں گا جہاں سے تم اسے اپنے ساتھ لے کے آئے تھے۔

قبل اس کے کہ منگولوں میں سے کوئی عمیر بن نصر کی اس گفتگو کا جواب دیتا اچانک عمیر بن نصر نے اپنی تلوار اپنے بائیں ہاتھ میں لی پھر گھوڑے کی زین کے ساتھ بندھی ہوئی اپنی خرجین کے اندر اس نے ہاتھ ڈالا اور پھر پلک جھپکتے میں دو تیز دھار کے بھاری خنجر تاک کر جو اس نے مارے تو ان خنجروں کی وجہ سے اس نے دو منگولوں کا سینہ چھلنی کر کے انہیں ہلاک کر دیا تھا۔ دونوں منگول دم توڑ کر اپنے گھوڑوں سے گر گئے تھے باقی تین منگول عمیر بن نصر کی اس اچانک کارروائی پر حیران و پریشان اور دنگ رہ گئے تھے۔ اب وہ کسی قدر عمیر بن نصر کی طرف دیکھتے ہوئے خوفزدہ اور پریشان سے دکھائی دینے لگے تھے۔

تینوں منگول اپنے دونوں مرنے والے ساتھیوں کی طرف بھی بڑی پریشانی اور بد حالی کی کیفیت میں دیکھ رہے تھے کہ اچانک عمیر بن نصر نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی ۔ بڑے زور دار انداز میں اس نے تکبیر بلند کرتے ہوئے نعرہ مارا پھر اس نے ان تینوں پر حملہ کر دیا تھا اپنے اس حملے میں اس نے ایک اور منگول کے شانے کو اس کی رانوں تک کاٹ کر رکھ دیا تھا وہ منگول بھی چیخ مارتا ہوا گھوڑے سے گرا اور دم توڑ گیا تھا باقی دو منگول اپنے آپ کو ایسے ہی محسوس کر رہے تھے جیسے بھیڑیوں کے درمیان گھری ہوئی لومڑیاں جیسے شاہینوں کے چنگل میں پھنسی ہوئی گدھیں جیسے درندوں میں گھرا ہوا کوئی جنگلی بھینسا۔

تین منگولوں کا خاتمہ کرنے کے بعد عمیر بن نصر اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاتا ہوا ایک بار پھر تمہارا کے پہلو میں جا کھڑا ہوا تھا اور پھر وہ پہلے کی نسبت زیادہ خونخواری اور بے باکی سے باقی بچنے والے دونوں منگولوں کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا۔

سنو باقی بچنے والے دونوں منگولوں تم دیکھتے ہو کہ میں نے لمحوں کے اندر تمہارے تین ساتھیوں کا خاتمہ کر دیا ہے اب میں تمہیں موقع دیتا ہوں کہ آگے بڑھو

اور مجھ پر حملہ آور ہو پھر دیکھو میں تمہارا کیا انجام کرتا ہوں وہ دونوں منگول عمیر بن نصر سے ایسے خوفزدہ اور بدحواس دکھائی دے رہے تھے کہ فی الفور دونوں کو جرات نہ ہوئی کہ آگے بڑھ کر عمیر بن نصر پر حملہ آور ہوں اور اس سے اپنے ساتھیوں کا انتقام لیں۔

ان دونوں منگولوں کے اس پس و پیش کو دیکھتے ہوئے عمیر بن نصر نے خود پہل کی اور بے کراں وسعتوں میں جدائی کے سایوں' وقت کے منجدھار میں موت کے بھنور کی طرح حرکت میں آیا اور آگے بڑھ کر اس نے دونوں منگولوں پر بے چین قوت ارادی اور ہنرو کسب کی ریاضت کی طرح حملہ کر دیا تھا۔ دونوں منگول بڑے چوکنا ہو گئے تھے اور وہ اپنی پوری طاقت اور مکاری کو استعمال میں لاتے ہوئے عمیر بن نصر کے سامنے اپنا دفاع کرنے کے ساتھ جارحیت پر بھی اترنے لگے تھے۔

اسی موقع پر تھمر نے اپنے گھوڑوں کو ایک انگیخت کرنے والی ایڑ لگائی اسے سرپٹ دوڑایا اور منگولوں کی پشت کی طرف آئی اور اس نے ان منگولوں کی پشت کی طرف سے آگے کے بگولوں اور نفرتوں کے گرداب کی طرح حملہ کر دیا تھا۔ ایسی صورت حال تھی کہ ایک منگول عمیر بن نصر سے اور دوسرا تھمر سے ٹکرا گیا تھا۔ عمیر بن نصر اور تھمر اب بیک وقت دائیں بائیں سے قانون فطرت کے بدترین قہر مذلت اور نفرت کے طوفان کی طرح منگولوں پر وارد ہو رہے تھے۔

جلد ہی عمیر بن نصر نے اپنے آپ سے ٹکرانے والے منگول کی گردن کاٹ دی پھر وہ انتہائی قہرمانی میں تھمر کے ساتھ برسرپیکار منگول کی طرف بڑھا اور پشت کی طرف سے حملہ آور ہو کر اس کو بھی اس نے دو لخت کر کے رکھ دیا تھا۔

اس کے بعد عمیر بن نصر نے مرنے والے منگولوں کے کپڑوں سے اپنی تلوار صاف کر کے میان میں کر لی تھمر نے بھی اپنی تلوار نیام میں ڈال لی پھر تھمر کو مخاطب کر کے عمیر بن نصر کہہ رہا تھا۔

دیکھ تھمر میں جانتا ہوں اس موقع پر تم مجھ سے بہت کچھ پوچھنا پسند کرو گی تم یہ جاننا چاہو گی کہ آخر میں نے درکوش میں حویلی کے اندر تمہیں ان منگولوں کے ہوالے کیوں کیا کس طرح رات کی تاریکی میں دریائے ارس کے کنارے میں ان

منگولوں کی راہ روکے کھڑا ہوا اور ایسا کرنے میں کیا راز تھا۔ دیکھ تھمر آؤ پہلے دونوں میاں بیوی ان منگولوں کی لاشیں اٹھا کر دریائے ارس میں پھینک دیں پھر میں پوری تفصیل تمہیں سناتا ہوں۔

جواب میں تھمر کچھ بھی نہ بولی بس وہ چپ چاپ عمیر بن نصر کے ساتھ کام میں لگ گی تھی۔ دونوں میاں بیوی نے پانچوں منگولوں کی لاشوں کو دریائے ارس میں پھینک دیا اور وہاں جگہ جگہ جو خون کے دھبے تھے ان پر مٹی ڈال دی تھی۔ عمیر بن نصر تھمر کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

دیکھ تھمر ان مرنے والے پانچوں منگولوں کے گھوڑوں کو ساتھ لے چلتے ہیں اور انہیں بیچ کر جو رقم حاصل ہو گی وہ ماموں حمود کے حوالے کریں گے تاکہ اس کی زندگی کے باقی ماندہ دن آسانی سے گزر جائیں آؤ اب اپنے گھوڑوں پر سوار ہوں اور ان گھوڑوں کو اپنے آگے آگے ہانکتے ہوئے واپس گھر کی طرف چلیں راستے میں میں یہ سارے حالات تمہیں تفصیل کے ساتھ سناؤں گا۔ تھمر چپ چاپ اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ عمیر بن نصر بھی گھوڑے پر سوار ہوا۔ پھر دونوں مرنے والے منگولوں کے گھوڑوں کو اپنے آگے آگے ہانکتے ہوئے دریائے ارس کے کنارے کنارے واپس جا رہے تھے۔

تھوڑا سا آگے جا کر عمیر بن نصر اپنے گھوڑے کو تھمر کے گھوڑے کے قریب لایا اور اسے مخاطب کر کے وہ کہہ رہا تھا۔

دیکھ تھمر ابھی تک تمہارے ذہن میں یقیناً" یہ سوال ابھر رہا ہو گا کہ میں نے کیوں تمہیں منگولوں کے حوالے کر دیا۔ بس میں اسی کی تفصیل تمہیں بتانا چاہتا ہوں۔ دیکھ تھمر میرا تمہارا کیا تعلق کیا رابطہ ہے یہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یا یہ کہ مجھے تم کس قدر عزیز ہو اس سے متعلق بھی میں کچھ نہیں کہوں گا۔ میں صرف یہ کہنا چاہوں گا کہ اگر میں بوڑھے حمدون ہی کے گھر میں ان پانچ منگولوں سے ٹکراتا تمہارا دفاع کرتا اور یہ پانچوں میرے ہاتھوں مارے جاتے تو پوری بستی میں ان کے مارے جانے کا چرچا ہوتا۔ پھر کسی نہ کسی وقت منگولوں کو خبر ہو جاتی کہ سرتاک نے جو پانچ منگول تھمر کو لانے کے لیے بھیجے تھے انہیں میں نے قتل کر دیا ہے۔ اس طرح

منگول نہ صرف میرے خلاف حرکت میں آتے بلکہ حمود کا بھی خاتمہ کر کے رکھ دیتے اور تم جہاں کہیں بھی جاتیں تمہیں زبردستی اٹھا کر وہ سرتاک کے پاس لے جاتے۔

ان حالات میں میں نے یہ فیصلہ کیا کہ میں تمہیں منگولوں کے ساتھ جانے کی اجازت دوں تاہم میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ منگول دریائے ارس کے کنارے کنارے سرائے باتو کی طرف جانے کے لیے درکوش نام کی بستی سے چند میل دور جائیں گے تو میں ان کی راہ روک کھڑا ہوں گا اور ان سب کی گردنیں کاٹ دوں گا اور تمہیں گھر لے کر آؤں گا۔ بس یہی میرا لائحہ عمل تھا۔

اس طرح ان پانچ منگولوں کے جنگل میں مارے جانے سے کسی کو مجھ پر کوئی شک اور شبہ نہ ہو گا۔

جس وقت منگول تمہیں لیکر روانہ ہوئے تو میں نے اپنا یہ سارا لائحہ عمل حمود پر ظاہر کر دیا تھا پھر میں ایک مختصر ترین راستے سے روانہ ہوا تم نے دیکھا دریائے ارس کے کنارے میں ان کی راہ روک کھڑا ہوا۔ اب جبکہ پانچوں منگولوں کو قتل کر کے دریائے ارس میں پھینک دیا ہے تو ان کی لاشیں رات کی تاریکی ہی میں کہیں کی کہیں پہنچ جائیں گی اور کسی کو ان کی مرگ اور موت کے متعلق خبر نہ ہو گی۔

دیکھ تمر ایسا کر کے میں صرف اپنی ذات ہی کو نہیں تمہیں اور حمود کو بھی محفوظ کرنا چاہتا تھا۔ اب جب مرنے والے پانچوں منگول سرائے باتو میں نہ پہنچیں گے اور تمہارا بھی انتظار کرتے کرتے سرتاک تھک جائے گا تو میرے خیال میں وہ کچھ اور منگول آئیں گے اور مجھ سے ان پانچ منگولوں سے متعلق استفسار کریں گے تو میں کہوں گا کہ وہ پانچ منگول تمر کو لینے ضرور آئے تھے لیکن اس دوران تک چونکہ میں اور تمر رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے تھے لہٰذا وہ پانچوں منگول واپس چلے گئے۔ اس طرح ان کے قتل کی ذمہ داری ہم پر نہیں آئے گی۔ اور منگول ہم سے انتقام نہیں لیں گے۔

عمیر بن نصر کی یہ توجیہ سن کر رات کی تاریکی میں حسین و جمیل تمر کے چہرے پر خوشگوار مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ پھر وہ اپنا گھوڑا عمیر بن نصر کی طرف لائی اپنا خوبصورت گداز ہاتھ بڑھا کر اس نے عمیر بن نصر کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے

ہوئے ہلکے ہلکے دبایا اور کہنے لگی جس وقت منگول مجھے لیکر روانہ ہوئے تھے۔ اس وقت بھی مجھے بھروسہ اور اعتماد تھا کہ آپ مجھے کلیتہ" ان کے حوالے نہیں کریں گے۔ بلکہ میرے بچاؤ میری حفاظت کا سامان ضرور کریں گے۔

اتنا کہنے کے بعد تمر تھوڑی دیر کے لیے رکی۔ اس کے بعد وہ کسی قدر پریشانی اور خوف ملی جلی آواز میں کہنے لگی دیکھ عمیر یہ جو ہم مرنے والے پانچوں منگولوں کے گھوڑوں کو اپنے آگے آگے ہانکتے ہوئے گھر لے جا رہے ہیں تو کیا یہی گھوڑے ہمارے لئے مصیبت کا باعث نہ بن جائیں گے۔ جب ان پانچوں گھوڑوں کو ہم حمود کے گھر لیکر جائیں گے یہ گھوڑے وہاں رہیں گے اور جب ہم انہیں بیچنے کی کوشش کریں گے تو بستی کے لوگوں کو خبر تو ہو گی کہ انہوں نے گھوڑے بیچے ہیں اور انہوں میں یہ سوال اٹھے گا کہ آخر ان کے پاس گھوڑے کہاں سے آئے لہٰذا بات جب پھیلنی شروع ہو گی تو گھوم گھام کے ان پانچوں منگولوں کے قتل کا سلسلہ پھر ہماری ذات سے آ جڑے گا۔ میرا مشورہ ہے کہ ان پانچ گھوڑوں کو ہمیں نہیں لینا چاہیے بلکہ انہیں مار مار کر واپس بھگا دینا چاہیے۔ جہاں تک آپ کا یہ خیال ہے کہ ان پانچ گھوڑوں کو بیچ کر ایک معقول رقم حمود کو دیں گے تو اس کے لیے آپ بے فکر رہیں میرے پاس بیشمار رقم ہے۔ جو میں محل سے نکلتے وقت اپنے ساتھ لائی تھی اس میں سے جس قدر آپ چاہیں حمود کو دے سکتے ہیں۔ بلکہ میں آپ سے یہ بھی کہوں کہ میرے پاس اس قدر نقدی ہے کہ ہم دونوں میاں بیوی ساری زندگی کچھ بھی نہ کریں تب بھی ہم بڑے سکون اور بے فکری میں زندگی بسر کر سکتے ہیں۔

تمر جب خاموش ہوئی تو عمیر کہنے لگا۔

تمہارا اندازہ تمہارے خطرات درست ہیں تمر۔ ان گھوڑوں کو ہمیں ساتھ نہیں لیکر جانا چاہیے۔ یہی گھوڑے ہمارے لئے مصیبت کا باعث بن سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی عمیر بن نصر نے اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور آگے آگے بھاگتے ہوئے گھوڑوں کو اس نے مار مار کر دریائے ارس کے کنارے کنارے بھگا دیا تھا۔ اس کے بعد دونوں میاں بیوی اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے واپس گھر کی طرف جا رہے تھے۔

○

سرائے باتو میں سرتاک کا ہمنوا اس کا ہر دلعزیز اور منگولوں کا سردار اغون خان اپنے محل نما خیمے کے ایک کمرے میں اکیلا بیٹھا ہوا تھا کہ اس کا ایک محافظ اندر آیا اور سر کو خم کرتے ہوئے کہنے لگا خان۔ باتو خان کے بیٹے سرتاک کے محافظوں میں سے ایک آپ سے ملنے کا خواہشمند ہے۔ اس پر اغون خان اپنے محافظ کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا اسے روکو مت۔ فوراً اسے میرے پاس بھیجو۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ وہ کیا کہتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اغون خان کا وہ محافظ باہر نکل گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ایک نوجوان اندر آیا۔ اسے دیکھتے ہی اغون خان نے اسے اپنے سامنے ایک خالی نشست پر بیٹھنے کے لیے کہا۔ جب وہ بیٹھ گیا تو اغون خان نے پوچھا۔

کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ اس پر وہ منگول کہنے لگا۔ خان میں آپ کے لیے ایک اچھی خبر لیکر آیا ہوں۔ وہ محافظ جنہیں آپ نے میخائیل کی بیوی نکسار کو لینے کے لیے بھیجا تھا وہ لوٹ آئے ہیں۔ اس پر اغون خان اپنی جگہ پر ایک طرح سے اچھل سا پڑا اور کہنے لگا کیا وہ میخایل کی بیوی نکسار کو بھی اپنے ساتھ لیکر آئے ہیں۔ اس پر وہ منگول کہنے لگا آپ کا اندازہ درست ہے۔ وہ نکسار کو بھی اپنے ساتھ لیکر آئے ہیں اور نکسار اس وقت باتو خان کے بیٹے سرتاک کے خیمے میں موجود ہے۔ اس پر اغون اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا تمہاری بڑی مہربانی کہ تم نے مجھے اس کی اطلاع دی۔ اب میں خود جاتا ہوں اور نکسار سے ملتا ہوں۔ دیکھو جس طرح اس خیمے میں تم سرتاک کی خدمت اور اس کی حفاظت کرتے رہے ہو۔ اسی طرح نکسار کی بھی کرو گے۔ جواب میں اس منگول نے اپنے سر کو خم کر دیا تھا۔ پھر اس کے ساتھ اغون خان اپنے خیمے سے نکل گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد منگول سردار اغون خان سرتاک کے خیمے میں داخل ہوا۔ سرتاک کے خیمے میں اس وقت میخائیل کی جوان نوخیز اور حسین بیوی نکسار بیٹھی ہوئی تھی۔ خیمے میں تھوڑا سا آگے جا کر نکسار کی طرف دیکھتے ہوئے اغون خان ایک طرح سے دنگ رہ گیا تھا اس نے جائزہ لیا میخائل کی بیوی نکسار نوخیز اور شاداب ہونے کے ساتھ ساتھ دوریوں کے منزلوں میں لحن داؤدی۔ آہنگ زبور اور سحر سامری جیسی

کشش محویت اور مفکرات کے اوطاق میں معجزات و عجائبات۔ تازہ آرزو اور خیال نو جیسی حسین طلسمات کی کہانیوں میں لالہ سحر کی سی خوبصورت حیا کی کلیوں اور محبت کے ریشم جیسی پر جمال تھی۔

تھوڑی دیر تک منگول سردار اغون خان نکسار کو اس کے حسن و جمال اور کشش کی وجہ سے دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔ پھر وہ آگے بڑھا اور نکسار کے سامنے آتے ہوئے کہنے لگا۔ میرا نام اغون خان ہے۔ یقیناً" آپ نے یہ نام سن رکھا ہو گا۔ اس پر حسین نکسار اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی۔

یقیناً" اس نام کا مجھ سے کئی بار ذکر کیا گیا ہے۔ جو محافظ مجھے لیکر آئے ہیں انہوں نے خیمے میں مجھے بٹھانے کے تھوڑی دیر بعد مجھے بتایا ہے کہ مجھے اب آپ کی ہی رہبری اور رہنمائی میں کام کی ابتدا کرنا ہو گی۔ اس پر اغون خان بڑی رازداری سے نکسار کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

دیکھ نکسار جو محافظ تمہیں لینے گئے تھے انہوں نے تم سے بات کا ضرور ذکر کیا ہو گا کہ گو تمہارے شوہر میخائیل کو منگولوں کے خاقان باتو خان نے ہی طلب کیا تھا لیکن میخائیل کو درحقیقت باتو خان کے بھائی برقائی خان نے مروایا ہے۔ دیکھ نکسار برقائی خان مسلمان ہے۔ باتو خان کا بیٹا سرتاک نصرانی ہے اور یہ برقائی خان نصرانی اور عیسائیوں سے حد درجہ کی نفرت رکھتا ہے۔ تمہیں یہاں بلانے کا مقصد یہی ہے کہ تم اس سرائے باتو میں اپنے حسن اپنی خوبصورتی کے جادو کا ایک جال پھیلاؤ اس جال میں اس برقائی خان کو پھنساؤ اور پھر موقع جان کر کسی تیز دھار کے خنجر سے اس کا حلقوم کاٹ دو۔

اس پر نکسار ذرا سے توقف کے بعد کہنے لگی۔

دیکھ سردار اغون خان جو باتیں آپ نے کہی ہیں یہ پہلے ہی محافظ میرے ذہن میں ڈال چکے ہیں۔ میں کسی بھی صورت باتو کے بھائی برقائی خان کو معاف نہیں کروں گی۔ اس نے میرے شوہر کو قتل کیا ہے میں ضرور اس کا حلقوم کاٹ کر رہوں گی۔ لیکن ایسا کرنے کے لیے مجھے بتدریج آہستہ آہستہ اثر کرنے والے زہر کی طرح کام کرنا ہو گا۔ اگر میں فی الفور اس کے خلاف حرکت میں آگئی تو منگول مجھے بھی زندہ نہیں

چھوڑیں گے۔

اس پر اغون خان نکسار کی تجویز کی تائید کرتے ہوئے کہنے لگا۔ دیکھ نکسار تو ٹھیک کہتی ہے سب سے پہلے تو برقائی خان سے اپنے تعلقات بڑھا اتنی اس کے قریب جا اتنا اس کا قرب حاصل کر کہ دن رات کسی بھی وقت جب تو اس کے خیمے میں جائے تو اس کے محافظ تمہارے وہاں جانے پر اعتراض نہ کریں جب تم یہ مقام حاصل کر لو گی تو پھر برقائی خان کا خاتمہ تمہارے لیے بالکل آسان ہو کے رہ جائے گا اس پر نکسار بڑے اطمینان میں کہنے لگی۔

دیکھ اغون خان جو کچھ تم نے کہا ہے ایسا ہی ہو گا سب سے پہلے تم مجھے برقائی خان کے پاس لیکر جانا میرا اس سے تعارف کرانا اس کے بعد میں خود ہی برقائی خان سے ملتی رہوں گی اور اسے اپنا اتنا قرب اپنی اتنی سپردگی دوں گی کہ وہ میرے اشاروں پر کام کرنے لگے گا پھر میں دیکھنا اس کا کام کیسے تمام کرتی ہوں اس پر اغون خان بڑی دلجمعی اور خوشی میں کہنے لگا۔ دیکھ نکسار بس مجھے بھی تجھ سے ایسے ہی رویے کی توقع تھی۔

اغون خان تھوڑی دیر کے لیے رکا اس کے بعد اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

سن نکسار منگولوں کا خاقان باتو خان سخت بیمار ہے اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں۔ جو محافظ تمہیں لینے گئے تھے انہوں نے تمہارے سامنے باتو کے بیٹے سرتاک اور ایک راہب ولیئم کا بھی ذکر کیا ہو گا اس پر نکسار کہنے لگی ہاں سرتاک کے ساتھ میرے سامنے راہب ولیئم کا بھی ذکر کیا گیا تھا جو محافظوں کے کہنے کے مطابق میرا اور میرے شوہر کا بڑا ہمدرد ہے اس پر اغون خان پھر کہنے لگا۔

دیکھ نکسار سرتاک کے علاوہ راہب ولیئم یقیناً تمہارا اور تمہارے شوہر میخائیل کا بڑا ہمدرد تھا۔ چند ہفتے پہلے تک سرتاک اور ولیم راہب نے یہیں قیام کر رکھا تھا لیکن باتو کے بیمار ہونے کے بعد جب اس کے زندہ بچنے کی ساری امیدیں ختم ہو گئیں سرتاک اور راہب ولیم دونوں یہاں سے مشرق کی طرف منگولوں کے بڑے خاقان منگو کی طرف جا چکے ہیں۔ سرتاک وہاں قیام کر کے منگو خان سے اپنے لئے مغرب کے

منگولوں کے خاقان کا عہدہ حاصل کرنے کی کوشش کریگا۔ اگر سرتاک ایسا نہ کرتا تو پھر یقیناً" تمہارے شوہر کی طرح برقائی خان اس کا بھی خاتمہ کرا دیتا۔ اس لیے کہ یہ باتو خان اب چند ہی دنوں کا مہمان ہے۔ اس کی موت کے بعد منگول متحدہ طور پر باتو خان کے بھائی برقائی کو اپنا خاقان تسلیم کر لیں گے۔ برقائی خان اسلام قبول کر چکا ہے۔ مسلمانوں کی وہ بڑی آؤ بھگت کرتا ہے اور اس کے پاس اکثر و بیشتر مسلم مبلغ آتے رہتے ہیں اور ان علاقوں میں وہ اگر مسلمانوں کا مبلغ بن گیا تو مسلمانوں کی ایک اہم اور مستحکم سلطنت قائم ہو جائے گی۔ جبکہ میں اور وہ منگول جو نصرانیت سے متاثر ہیں ایسا نہیں چاہتے۔

تب نکسار کہنے لگی دیکھ اغون خان میں بھی یہ پسند نہیں کروں گی کہ دریائے وولگا کے ان علاقوں میں مسلمانوں کی ایک نئی سلطنت خطہ ارض پر اپنا وجود حاصل کر لے۔ لہٰذا میں بہت جلد اس برقائی خان کے خلاف حرکت میں آؤں گی اور اگر باتو خان کا بیٹا سرتاک منگو خان سے اپنے لئے خاقان کا عہدہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو میں سمجھتی ہوں برقائی خان کی اہمیت ویسے ہی ختم ہو کر رہ جائے گی پھر اس کا قتل کرنا انتہائی آسان ہو جائے گا۔ اس پر اغون خان بڑے خطرات کا اظہار کرتے ہوئے انکشاف کرنے لگا۔

دیکھ نکسار معاملہ ایسا نہیں ہے۔ یہ برقائی خان اپنے اخلاق اپنے کردار کی وجہ سے یہاں کے منگولوں میں انتہائی درجے کا ہر دلعزیز ہے۔ یوں جانو کہ نوے سے پچانوے فیصد منگول جانثارانہ انداز میں اس برقائی خان کو پسند کرتے ہیں۔ تب نکسار نے فوراً" پوچھ لیا۔

برقائی خان کے لیے منگولوں کے دل میں ایسی عزت اور احترام کی کیا وجہ ہے اس پر اغون خان کہنے لگا وہ یہ کہ وہ لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے۔ مہربانی سے پیش آتا ہے آدھے سے زیادہ اپنا مال لوگوں میں تقسیم کرتا ہے اور انہیں اپنی طرف مائیل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس پر نکسار نے شبہ کی نگاہ سے اغون خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ اگر یہ برقائی خان ایسے اوصاف کا مالک ہے تو پھر ایسا شخص میرے شوہر کو تو قتل نہیں کر سکتا۔ اس پر اغون خان کو شائد اپنی غلطی کا احساس ہوا

بھولے سے برقائی خان کی تعریف کر دی لہٰذا وہ اس کا ازالہ کرتے ہوئے کہنے لگا۔

دیکھ نکسار تم برقائی خان کو سمجھ نہیں سکتی وہ دوہرے کردار کا انسان ہے۔ اندر سے اور باہر سے اور۔ باہر سے اس نے لبادہ اوڑھ رکھا ہے اس کی وجہ سے یہ منگولوں کا ہر دلعزیز ہے اور اندر ہی اندر یہ دوسروں کی جڑیں کاٹنے والا شخص ہے۔ اس پر نکسار مطمئن ہوتے ہوئے کہنے لگی بہرحال تم فکر نہ کرو۔ میں اسے ایسا سبق دوں گی کہ اس کی پشتیں یاد رکھیں گی۔ نکسار کی اس گفتگو کے جواب میں اغون خان کچھ کہنے ہی والا تھا کہ خیمے سے باہر پہرہ دینے والے محافظوں میں سے ایک محافظ اندر آیا اغون خان کے سامنے اس نے اپنے سر کو خم کرتے ہوئے تعظیم دی پھر وہ کہنے لگا۔

خان میں ایک بری خبر لیکر آیا ہوں۔ باتو خان فوت ہو چکا ہے اور سارے منگول سردار باتو خان کے خیمے کے گرد جمع ہو رہے ہیں۔ اس پر اغون خان فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور نکسار کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ آہ جس بات کا مجھے ڈر اور خدشہ تھا وہی ہوئی۔ باتو خان مرچکا ہے اب سرتاک کی غیر موجودگی میں منگول متفقہ طور پر برقائی خان کو اپنا خاقان تسلیم کر لیں گے۔ اب آج کے بعد جبکہ باتو مرچکا ہے سرتاک کا جینا ان سرزمینوں میں انتہائی مشکل اور دوبھر ہو کر رہ جائے گا نکسار باتو کے مرجانے کے بعد اب جبکہ ان علاقوں میں برقائی خان خاقان بن جائے گا تو میں سمجھتا ہوں تیرا میرا کام بھی مشکل ہو جائے گا۔ اس پر نکسار کہنے لگی اغون خان فکر اور غم نہ کر۔ میں مشکل کام کو آسان کرنے کا بڑا اچھا ڈھنگ جانتی ہوں۔ اس پر اغون خان کہنے لگا اچھا میں جاتا ہوں۔ بعد میں تم سے ملاقات کروں گا اس کے ساتھ ہی اغون خان خیمے سے نکل گیا تھا۔

ملکہ روسودان کے خودکشی کرنے کے بعد منگولوں کی مدد سے ملکہ روسودان کا بھتیجا داؤد گرجستھان کا شہنشاہ بن گیا تھا۔ تخت نشین ہونے کے بعد اس نے سب سے پہلا کام جو کیا وہ یہ کہ اس نے اپنے جاسوس اور خاص آدمی ملکہ روسودان کی بیٹی اور گرجستھان کی شہزادی تھمر کی تلاش میں لگا دیئے تھے۔

داؤد ملکہ روسودان کا بھتیجا تھا اور اپنے دل کی گہرائیوں سے وہ روسودان کی بیٹی اور گرجستھان کی شہزادی تھمر کو پسند کرتا تھا۔ اس کے قرب کا متمنی تھا اس سے

شادی کرنے کا خواہاں تھا۔ لہٰذا تخت نشین ہونے کے بعد ہی اس نے اپنے آدمی تھمر کی تلاش میں مقرر کر دیئے تھے۔ اس صورت حال میں عمیر بن نصر اور تھمر بھی محتاط ہو گئے تھے اس لیے کہ انہیں بھی خبریں مل چکی تھیں کہ تخت نشین ہونے کے بعد داؤد نے تھمر کی تلاش میں اپنے آدمی لگا دیئے ہیں لہٰذا وہ اب حمود کے گھر میں اپنا زیادہ وقت گھر کے تہہ خانے کے اندر گزارنے لگے تھے۔

داؤد کے آدمی کئی بار حمود کے پاس تھمر کا پتہ کرنے آئے لیکن حمود نے ہر بار یہی کہہ کر ٹالا کہ ایک بار عمیر بن نصر اور تھمر اس کے پاس آئے ضرور تھے لیکن عمیر بن نصر کے ساتھ تھمر نے شادی کر لی تھی لہٰذا وہ دونوں سرائے باتو کی طرف چلے گئے تھے۔ ان حالات کی وجہ سے عمیر بن نصر اور تھمر اب زیادہ تر وقت حمود کے گھر کے تہہ خانے ہی میں رہنے لگے تھے۔

ایک روز عمیر بن نصر اور تھمر دونوں میاں بیوی عشاء کی نماز تہہ خانے میں پڑھنے کے بعد باہر آئے۔ وہ چاہتے تھے کہ تہہ خانے سے باہر حمود کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائیں اس کے بعد دوبارہ تہہ خانے میں چلے جائیں۔ جب وہ تینوں کھانے کے لیے بیٹھے ہی تھی کہ رات کی تاریکی میں بیرونی دروازے پر زوردار دستک ہوئی تھی۔

اس دستک پر تینوں چونک سے پڑے پھر حمود نے سوالیہ سے انداز میں باری باری عمیر بن نصر اور تھمر کی طرف دیکھتے ہوئے بڑی رازداری میں کہا۔ میرا جی کہتا ہے کہ گرجستھان کے نئے حکمران داؤد کی طرف سے پھر کوئی تھمر کا پوچھنے یہاں آیا ہے۔ تم دونوں ایسا کرو تہہ خانے میں چلے جاؤ میں دیکھتا ہوں دروازے پر کون ہے اس پر عمیر بولا اور کہنے لگا۔

دیکھ حمود میں اور تھمر دونوں میاں بیوی تہہ خانے میں زندگی بسر کرتے کرتے اب تنگ اور بیزار ہو چکے ہیں میرے خیال میں اب مجھے یہاں سے چلا جانا چاہیے۔ میں تھمر کو لیکر سرائے باتو کا رخ کروں گا۔ وہاں حالات جو بھی ہوئے ان سے میں اپنی بیوی بختائی اور برقائی خان کے ساتھ مل کر نپٹ لوں گا۔ میرے خیال میں اگر سرتاک تھمر کو پسند کرتا ہے اور اسے اپنانے پر تلا ہوا ہے تو جب اسے یہ خبر ہو گی کہ تھمر مجھ سے شادی کر چکی ہے اور میری بیوی ہے تو پھر میرے خیال میں باتو اسے میرے

خلاف کوئی قدم نہیں اٹھانے دے گا اس لیے کہ باتو کی بیٹی بختائی بھی اب میری بیوی ہے اور وہ میرا ہر صورت لحاظ رکھے گا۔

دیکھ حمود تم اٹھ کے دروازہ کھولو میں اور تھمر دونوں دروازے کی ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو جائیں گے اگر دستک دینے والے گرجستھان کے نئے حکمران داؤد کے آدمی ہوئے تو تم انہیں تلاشی کی خاطر اندر لے آنا جب وہ اندر داخل ہوں گے تو میں اور تھمر دروازے کی اوٹ ہی میں کھڑے رہیں گے تم دروازے کو پوری طرح کھول دینا اس طرح ہم دونوں میاں بیوی دروازے کی اوٹ میں ہو جائیں گے اور جب وہ تلاشی لے کر چلے جائیں گے تو میرا ارادہ ہے کہ میں آج رات تھمر کو لیکر یہاں سے نکل جاؤں گا۔ اب ہم زیادہ دن اس تہہ خانے کی زندگی نہیں بسر کر سکتے۔

تھمر نے بھی عمیر بن نصر کی ہاں میں ہاں ملائی تھی اس پر حمود کہنے لگا اگر تم دونوں میاں بیوی کا یہی ارادہ ہے تو آؤ میرے ساتھ اس پر عمیر بن نصر اور تھمر دونوں نے جلدی جلدی اپنے آپ کو مسلح کیا پھر وہ حمود کے ساتھ ہو لئے تھے۔

حمود دروازے پر آیا۔ عمیر بن نصر اور تھمر دونوں میاں بیوی دروازے کی اوٹ میں ہو گئے تھے پھر حمود نے جب دروازہ کھولا تو اس نے دیکھا دروازے پر دو سوار اپنے گھوڑوں کی باگیں پکڑے کھڑے تھے۔

رات کے وقت چاندنی رات میں ان دونوں سواروں نے بڑے غور سے حمود کی طرف دیکھا پھر ان میں سے ایک تھوڑا سا آگے بڑھا اور بڑی رازداری میں کہنے لگا اگر میں غلطی پر نہیں تو تمہارا نام حمود ہے۔ اس لیے کہ عمیر بن نصر نے ہمارے نئے خاقان برقائی کو دریائے ارس کے کنارے درکوش نام کی بستی کے ایک شخص حمود کا نام بتایا تھا جس کے ہاں اس نے تھمر کے ساتھ پناہ لینے کا وعدہ کیا ہوا تھا۔ اس پر حمود فوراً بولا اور کہنے لگا۔

دیکھ اجنبی یہاں تک نام کا تعلق ہے تو میرا نام حمود ہی ہے پر یہ تو کہو تم دونوں کون ہو کہاں سے آئے ہو اس پر وہ منگول پھر کہنے لگا۔

دیکھ بزرگ حمود برقائی خان کی وجہ سے سرائے باتو میں اب بہت سے لوگ اسلام قبول کر چکے ہیں اور ان منگولوں میں ہم دونوں بھی شامل ہیں۔ الحمدللہ ہم

دونوں مسلمان ہیں۔ ہم سے کسی قسم کا خطرہ مت محسوس کرو۔ ہم جانتے ہیں کہ گرجستھان میں اس وقت منگولوں کی وجہ سے ملکہ روسودان کا بھتیجا داؤد حکمران بن چکا ہے۔ داؤد چونکہ تھمر سے شادی کرنا چاہتا ہے اسے پسند کرتا رہا ہے لہٰذا اس کے آدمی بڑی سرگرمی سے تھمر کی تلاش میں ہیں۔ یہ ساری باتیں ہمیں گرجستھان کی سرحد میں داخل ہونے کے بعد ہی معلوم ہوئیں۔ ہم سے خطرہ مت محسوس کرو۔ ہم داؤد کے نہیں خان برقائی خان کے آدمی ہیں اور برقائی خان کا ایک انتہائی اہم پیغام لے کر ہم عمیر بن نصر سے ملنا چاہتے ہیں۔

دروازے کی اوٹ میں رہتے ہوئے عمیر بن نصر نے دیکھا سوار دو ہی تھے اس نے ان کے آگے پیچھے دائیں بائیں بھی دیکھا کوئی اور نہیں تھا لہٰذا اسے اطمینان ہو گیا کہ آنے والے ضرور برقائی خان کی طرف سے ہیں اس موقع پر اس نے بڑی رازدارانہ گفتگو تھمر کے کان میں کی پھر وہ دروازے کے سامنے آیا اور کہنے لگا۔ دیکھو برقائی خان کے دونوں قاصدوں میں درکوش نام کی اس بستی میں تم دونوں کو خوش آمدید کہتا ہوں اندر آ جاؤ بیٹھ کے آرام اور پر سکون ماحول میں بات کرتے ہیں۔

چاندنی رات میں جب ان دونوں منگولوں نے عمیر بن نصر کو اپنے سامنے دیکھا تو باری باری وہ آگے بڑھ کر عمیر سے بغلگیر ہوئے گھوڑوں کو انہوں نے اصطبل میں باندھ کر ان کے چارے کا انتظام کر دیا تھا۔ پھر حمود اور عمیر بن نصر ان دونوں کو دیوان خانے میں لے گئے۔ تھمر دیوان خانے میں عمیر بن نصر کے پہلو میں جا بیٹھی تھی۔

دیوان خانے میں تھوڑی دیر خاموشی رہی اس کے بعد آنے والے منگولوں میں سے ایک گویا ہوا اور کمرے میں اس کی آواز گونجی۔

محترم عمیر بن نصر جیسا کہ میں دروازے پر کھڑے ہو کر حمود کو بتا چکا ہوں کہ ہم دونوں برقائی خان کے قاصد ہیں اور الحمدللہ ہم دونوں بھی مسلمان ہیں۔ دیکھ عمیر بن نصر ہم سرائے باتو کے متعلق تمہارے لئے اہم خبریں لے کے آئے ہیں اور تمہیں لینے آئے ہیں تاکہ تم اور تھمر دونوں ہمارے ساتھ سرائے باتو چلو اس لیے کہ برقائی خان نے فی الفور تمہیں بلایا ہے اور وہ تمہاری سخت ضرورت محسوس کرتا ہے۔

دیکھ عمیر بن نصر سرائے باتو سے متعلق سب سے اہم اور دل سوختہ خبر جو ہے وہ یہ کہ تمہاری بیوی بختائی کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔ برقائی خان بختائی کے قتل کا ذمہ دار اس کے بھائی سرتاک اور راہب ولیئم کو ٹھہراتا ہے۔ برقائی خان کا خیال ہے کہ اس سرتاک اور راہب ولیئم نے بختائی کو اسلام سے منحرف کر کے پرانا دین قبول کرنے پر آمادہ کرنا چاہا جب بختائی نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تو انہوں نے اسے اس پر مجبور کیا کہ وہ کم از کم عمیر بن نصر کو چھوڑ دے لیکن جب بختائی نے ایسا کرنے سے بھی انکار کر دیا تو برقائی خان کا خیال ہے کہ اس سرتاک اور راہب ولیئم دونوں نے مل کر بڑے رازدارانہ انداز میں بارش کی ایک رات بختائی کو قتل کرا دیا۔ اس طرح بارش کی وجہ سے قاتلوں کے پاؤں کے نشانات نہیں پہچانے جا سکے اور ابھی تک بختائی کے قاتلوں تک نہیں پہنچا جا سکا۔

بختائی کے مرنے کا سن کر جہاں حسین و پر جمال تھمر کرینا ک بیداری اور دھرتی پر اترتی تاریکیوں کی طرح اداس اور ویران ہو گئی تھی۔ وہاں اس کے قتل کا سن کر عمیر بن نصر کے چہرے پر بے مروت قہر کے طوفان' بے اتھاہ خونی بھنور اور لہو رنگ انقلاب کی نمود جوش مارنے لگی تھی۔ کچھ دیر خاموش رہ کر وہ کچھ سوچتا رہا اس کی حالت سے یوں لگتا تھا جیسے وہ ویرانوں اور دیولاخوں میں حسرتوں کے انبار زندگی کی محرومی اور انتہائی کرب و دکھ سے الجھ کر رہ گیا ہو۔ اس کے بعد اس نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔

آنے والے منگولو! سنو میری بیوی بختائی کے قاتل اگر اس کا بھائی سرتاک اور راہب ولیم ہیں تو میں تم دونوں کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ دونوں میرے انتقام سے بچ نہیں سکیں گے راہب ولیم میری بیوی بختائی کے قتل کا کیا اہتمام کرے گا۔ میرے خیال میں یہ سب کچھ سرتاک ہی کے باعث ہے۔ شاید برقائی خان اپنے بھائی باتو خان کی وجہ سے اس کے خلاف کوئی اقدام نہیں کر سکا ہو گا۔ لیکن میں سرتاک کو کسی بھی صورت معاف نہیں کروں گا۔ اس پر دوسرا منگول کہنے لگا۔

دیکھ عمیر بن نصر تمہاری سوچیں درست نہیں ہیں۔ جہاں تک برقائی کا سرتاک کے خلاف حرکت میں آنے کا سلسلہ ہے تو میں تم پر یہ انکشاف کروں کہ باتو مرچکا

ہے اس کی موت کے بعد منگولوں نے متفقہ طور پر برقائی خان کو اپنا خاقان تسلیم کر لیا ہے۔

جہاں تک سرتاک کا تعلق ہے تو جب باتو بیمار تھا۔ طبیبوں کی وجہ سے اسے یقین ہو گیا تھا کہ باتو بچے گا نہیں لہٰذا وہ منگولوں کے مرکزی شہر قراقرم کی طرف بھاگ گیا تھا کہ منگولوں کے بڑے خاقان منگو خان کی خدمت میں حاضر ہو۔ ایسا کرنے سے اس کے دو مقاصد ہیں۔

اول یہ کہ وہ مغرب کے منگولوں کا خاقان بننا چاہتا تھا اس لیے کہ اسے یقین تھا کہ اس کے باپ باتو خان کے بعد منگول برقائی خان کو اپنا خاقان مقرر کر لیں گے۔ لہٰذا سرتاک منگو خان کے پاس گیا تاکہ وہاں سے ایک تحریری حکم اپنے لئے حاصل کرے۔ جس کے تحت اسے مغرب کے منگولوں کا خاقان مقرر کیا گیا ہو۔

دوسرے یہ کہ اس کا باپ باتو خان چونکہ بیمار پڑ گیا تھا اور اس کے بچنے کی کوئی امید نہ تھی لہٰذا اسے ڈر اور خدشہ تھا کہ اگر باتو خان مر گیا تو اس کے ساتھ ہی برقائی خان اس کے خلاف حرکت میں آئے گا۔ اور ضرور اسے بختائی کے قتل کی سزا دے کر رہے گا۔ لہٰذا وہ منگو خان کی طرف بھاگ گیا۔

لیکن برقائی بھی بڑا سیانا بڑا زیرک اور دانشمند انسان ہے۔ جب اسے خبر ہوئی کہ سرتاک اور راہب ولیئم دونوں منگو خاں کی طرف بھاگ گئے ہیں تو اس نے ان کے پیچھے اپنے جاسوس لگا دئے جنہوں نے برقائی خان کو خبر دی کہ سرتاک اپنے لیے خاقان کا حکم نامہ حاصل کرنے کے لیے منگو کی طرف چلا گیا ہے۔

برقائی خان کے جاسوسوں کا کہنا ہے کہ سرتاک منگو خان سے خاقان کا حکم نامہ حاصل کرنے کے بعد بہت جلد مغرب کی سمت جائے گا اور مغرب کے منگولوں کا خاقان ہونے کا اعلان کرتے ہوئے وہ ضرور برقائی خان کے خلاف حرکت میں آئے گا۔ اس پر عمیر بن نصر فوراً" اس منگول کی بات کاٹتے ہوئے کہنے لگا دیکھ میرے عزیز مجھے امید ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہونے پائے گا۔

اس کے بعد تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر عمیر بن نصر کہنے لگا۔ دیکھو میرے بھائیو اگر تم دونوں تھکاوٹ محسوس نہیں کر رہے تو میں ابھی اور اسی وقت اپنی بیوی

تمر کے ساتھ سرائے باتو کی طرف روانہ ہونا پسند کروں گا۔ اس پر ایک منگول کہنے لگا۔

دیکھو عمیر بن نصر آپ ہماری تھکاوٹ کا کوئی خیال اور احساس نہ کریں ہم سرائے میں رک کر آرام کر چکے ہیں۔ ہمارے گھوڑوں کو بھی ستانے کا موقع مل گیا ہے اسی لیے ہم ابھی اور اسی وقت آپ کے ساتھ کوچ کرنے پر آمادہ ہیں عمیر بن نصر اور تمر دونوں نے اٹھ کر جلدی جلدی تیاری کی حمود سے الوداعی ملاقات کرنے کے بعد اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے پھر وہ دونوں منگولوں کے ساتھ ہو لئے تھے۔

خیالات کی گہرائیوں میں پھینکتی اپنی ضروریات کی اسیر جاڑے کی لمبی رات اپنے دامن میں قدیم رسومات و روایات، کہنہ اساطیر و عقائد کو لئے بھاگی جا رہی تھی۔ سرما اپنے عروج پر تھا شمال کی طرف سے چلنے والی برفانی آندھیاں روحوں کو لخت لخت کئے دے رہی تھیں۔ فضاؤں میں چاروں طرف ساحلوں کی گیلی ریت جیسی چپ گور غریباں جیسی خاموشی اور لاوارث مدفن جیسا سکوت تھا۔

ایسے میں عمیر بن نصر اور تمر دونوں اپنے منگول ساتھیوں کے ساتھ دریائے ارس کے کنارے کنارے اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے چلے جا رہے تھے کہ ایک دم عمیر بن نصر نے گھوڑے کی باگیں روک لیں۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے تمر اور دونوں منگول بھی اپنے گھوڑوں کو روک چکے تھے۔ پھر تمر عمیر بن نصر کے قریب آئی اس نے دیکھا عمیر فضاؤں کے اندر کوئی آواز سننے کی کوشش میں تھا۔ اس موقع پر تمر قریب آئی اپنا ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے عمیر بن نصر کا ہاتھ اس نے اپنے گداز ہاتھ میں لیتے ہوئے بڑے پیار بڑی چاہت میں پوچھا کیا ہوا۔ آپ نے گھوڑا کیوں روک لیا۔ کیا آپ کوئی خطرہ محسوس کرتے ہیں۔ اس پر عمیر بن نصر کہنے لگا۔

تمر تمہارا کہنا درست ہے۔ میں اپنے پیچھے بھاگتے گھوڑوں کی آوازیں سنتا ہوں۔ سن تمر میں صحراؤں کا رہنے والا ایک بدو ہوں اور بھاگتے گھوڑوں کی آواز اور اپنے دشمنوں کی بو بڑی دور سے سونگ لیتا ہوں۔ تمر غور سے سن کیا تجھے اپنے پیچھے گھوڑے بھاگنے کا احساس نہیں ہوتا۔ اس دوران تک دونوں منگول بھی قریب آ گئے تھے پھر تھوڑی دیر تک جائزہ لینے کے بعد ایک منگول کہنے لگا۔

عمیر بن نصر آپ کا کہنا درست ہے واقعی کوئی ہمارے تعاقب میں ہے۔ کہیں یا تو نہیں کہ گرجستھان کے نئے حکمران داؤد کو آپ اور تمیر کے بھاگنے کی اطلاع ہو گئی ہے اور اس کے آدمی آپ کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے ہیں۔

اس پر عمیر کہنے لگا۔ میرے خیال میں داؤد کے آدمی اسی بستی میں ہماری تاک میں تھے۔ جس میں ہم نے قیام کر رکھا تھا اور کسی نے ضرور ہماری مخبری کی ہے۔ کہ ہم رات کی تاریکی میں نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ بہرحال ان کو آنے دو دیکھتے ہیں وہ کیا کرتے ہیں۔ تمر خوفزدہ سی آواز میں کہنے لگی۔

کیا ایسا ممکن نہیں کہ یہاں رکنے کی بجائے ہمیں اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگا کر دوڑا دینا چاہیے۔ اس پر عمیر بن نصر خدشات کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا نہیں تمر ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیے اگر ہم نے اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگا کر بھگا دیا تو وہ تعاقب کرنے والے ہمارے پیچھے لگے رہیں گے۔ اس تعاقب کے دوران ہو سکتا ہے کہ ہماری تلاش میں ادھر ادھر پھیلے ہوئے ان کے ساتھی بھی ان سے آ ملیں اور اگر ان کی تعداد زیادہ ہو گئی تو پھر ہمارے لیے ان سے نپٹنا بہت مشکل ہو جائے گا اس لیے کہ ابھی دریائے ارس کے کنارے کنارے گرجستھان کی سلطنت سے نکلنے کے لیے ہمیں ایک لمبا سفر کرنا ہے اور میں اس تعاقب کو لمبا نہیں کرنا چاہتا۔ اسی دریائے ارس کے کنارے اس کا خاتمہ کرنا چاہتا ہوں۔

اس کے ساتھ ہی عمیر بن نصر اپنے گھوڑے سے اتر کھڑا ہوا پھر وہ زمین پر بیٹھ گیا اور اپنے کان اس نے زمین کی چھاتی سے لگا دیئے تھے۔ تھوڑی دیر تک وہ کچھ سنتا اور جائزہ لینے کی کوشش کرتا رہا اس کے بعد وہ اٹھا اور دونوں منگولوں اور تمر کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

جہاں تک میں اندازہ لگا چکا ہوں تعاقب کرنے والوں کی تعداد ۷ یا ۸ کے لگ بھگ ہے اور مجھے امید ہے کہ ہم با آسانی ان سے نپٹ سکیں گے اب تعاقب کرنے والوں کے گھوڑوں کی آواز نیند سے الجھی ویران شب میں دل کو زخمی کرتی صداؤں کی طرح صاف سنائی دینے لگی تھی۔ یہ آوازیں سنتے ہوئے تمر بیچاری کی حالت سر منزل لٹ جانے والے قافلوں جیسی ہونے لگی تھی۔

دریائے ارس کے کنارے چاندنی رات میں عمیر بن نصر تھمر کی حالت دیکھ چکا تھا لہٰذا اس کو تسلی دینے کے انداز میں کہنے لگا دیکھ تھمر زیادہ فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ہم ان کا مقابلہ کریں گے اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ہم انہیں زیر کر کے پھر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ اس کے بعد عمیر بن نصر نے دونوں منگولوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

سنو! میرے دونوں ساتھیو! جس وقت میں حملے کی ابتداء کروں تم بھی ان پر ٹوٹ پڑنا اور مجھے امید ہے کہ ہم ان کو دریائے ارس کے کنارے لہو لہو کر کے رکھ دیں گے۔ یہاں تک کہتے کہتے عمیر بن نصر خاموش ہو گیا اس لیے کہ تعاقب کرنے والے نزدیک آ گئے تھے اور ان کے گھوڑے چاندنی رات میں ہیولوں کی طرح دکھائی دینے لگے تھے یہ دیکھتے ہوئے ان چاروں نے اپنی تلواریں کھینچ لی تھیں ڈھالیں سنبھال لی تھیں پھر عمیر بن نصر نے مزید یہ کہا کہ اپنے گھوڑے کی خرجین سے بھاری اور وزنی پھل کے دو خنجر نکال کر اس نے اپنی گود میں جما لئے تھے۔

وہ سوار اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے آئے اور عمیر بن نصر تھمر اور دونوں منگولوں کے قریب آ رکے تھے۔ تھوڑی دیر تک وہ چاروں کا جائزہ لیتے رہے۔ عمیر بن نصر کے اندازے کے مطابق تعاقب کرنے والوں کی تعداد میں آٹھ تھے تھوڑی دیر تک وہ سب چاروں کو عجیب سے انداز میں دیکھتے رہے پھر ان میں سے ایک نے تھوڑا سا اپنے گھوڑے کو آگے بڑھایا اور عمیر بن نصر کی طرف دیکھتے ہوئے وہ جوش مارتی شعلہ فشاں آگ اور گرجتے رعد کی طرح مخاطب ہوا۔

دیکھ بدو تو کیا خیال کرتا تھا کہ تو تھمر کو لیکر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ داؤد نے جو ہمیں تھمر کو تلاش کرنے کے کام پر لگایا تھا تو ہم اس میں ناکام نہیں ہونا چاہتے تھے۔ ہمیں پوری طرح شک تھا کہ تھمر نے درکوش نام ہی کی بستی میں کہیں قیام کر رکھا تھا لہٰذا ہم تاک میں تھے اور ہمیں امید تھی کہ کسی نہ کسی وقت کسی نہ کسی روز تم اور تھمر اس بستی سے نکل کر شمالی بیابانوں کی طرف جانے کی کوشش ضرور کرو گے۔ ہمارے اندازے درست ہوئے اب دیکھو ہم نے تمہیں آ لیا ہے دریائے ارس کے کنارے ہم تمہاری اور تمہارے دونوں ساتھیوں کی گردنیں

کاٹیں گے اور تھمر کو اپنے ساتھ گرجستان کے نئے شہنشاہ داؤد کے پاس لے کے جائیں گے۔

عمیر بن نصر تھوڑی دیر تک انہیں عجیب سے انداز میں دیکھتا رہا پھر قبر جیسی خاموش ظلمت کے سیاہ سناٹوں میں اس کی آواز آہنی بھیڑیوں کی خوفناک جھنکار کی طرح بلند ہوئی۔ سنو تعاقب کرنے والو' کسی خوش فہمی' کسی دھوکے کسی فریب میں مت رہنا اگر ہم سے ٹکراؤ گے تو پاش پاش ہو جاؤ گے۔ یہ مت خیال کرنا کہ ہم صرف تھمر کو چھوڑ کر تین ہیں اور تمہاری تعداد آٹھ ہے۔ ہم تین ہوتے ہوئے بھی تم آٹھوں کی حالت محرومیوں کی داستانوں' غمزدہ اشکبار جذبوں کی طرح بنا کے رکھیں گے۔ تمہارے سینوں کو دھواں دھواں تمہارے دلوں کو برباد تمہاری روحوں کو ویران کریں گے۔

تب تعاقب کرنے والوں میں سے وہی بولا جو پہلے مخاطب ہوا تھا۔ سن بدو! اپنے آپ پر اتنا گھمنڈ مت کر تھوڑی دیر تک جب ہم تم پر حملہ آور ہوں گے تو تمہاری اس لاف و گزاف کا پول کھل کے رہ جائے گا۔ تعاقب کرنے والا یہیں تک کہنے پایا تھا کہ عمیر بن نصر فوراً" حرکت میں آیا گود میں جو اس نے خنجر جما رکھے تھے وہ باری باری اس نے سنبھالے اور اس قدر تیزی سے تاک کر مارے کہ وہ خنجر تعاقب کرنے والوں میں سے دو کے دلوں میں پیوست ہو کے رہ گئے تھے اور وہ چیخیں مارتے ہوئے اپنے گھوڑوں سے گر گئے تھے۔

اپنے دو ساتھیوں کے اچانک مرنے کی وجہ سے تعاقب کرنے والوں پر ایک طرح سے بدحواسی طاری ہو گئی تھی اور اسی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عمیر بن نصر نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی پھر وہ خوابیدہ شب میں دشت عقوبت اور لہر لہر لپکتے شعلوں کی طرح ان پر حملہ آور ہو گیا تھا۔

عمیر بن نصر کی طرف دیکھتے ہوئے دونوں منگول بھی حرکت میں آئے اور وہ بھی اپنی تلواریں لہراتے ہوئے جاں سوز کراہوں اور لہراتی تاریکیوں کی طرح تعاقب کرنے والوں پر ٹوٹ پڑے تھے۔ اس موقع پر تھمر بھی پیچھے نہ رہی اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر اس نے تھوڑا سا چکر لگایا پھر وہ تعاقب کرنے والوں کی پشت کی طرف گئی اور پشت کی

طرف سے وہ ان پر زہریلی آوازوں اور سوزو اضطراب کے ابال کی طرح ٹوٹ پڑی تھی۔

رات کی تاریکی میں دریائے ارس کے کنارے تلواروں اور ڈھالوں کے لگاتار ٹکرانے سے آوازوں کا طوفان سا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اپنے پہلے ہی حملے میں عمیر بن نصر نے ایک تعاقب کرنے والے کا سر قلم کیا پھر وہ دوسرے پر حملہ آور ہو چکا تھا۔ تین تعاقب کرنے والوں کو منگولوں نے اپنے ساتھ الجھا لیا تھا جبکہ باقی تعاقب کرنے والے سے تھمر ٹکرا چکی تھی۔ اچانک عمیر بن نصر نے اپنے سے ٹکرانے والے تعاقب کرنے والے پر اپنا وار کیا تو وہ اسے روک نہ سکا اور عمیر کی تلوار اسے شانے سے پیٹ تک کاٹتی چلی گئی تھی۔

اس کے بعد عمیر بن نصر نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور پشت کی جانب سے اس تعاقب کرنے والوں پر حملہ آور ہوا جو تھمر سے ٹکرا رہا تھا اور لمحوں کے اندر اس کا بھی خاتمہ کر دیا۔ اس کے بعد اس نے ان تینوں تعاب کرنے والوں کی پشت کی طرف سے حملہ کر دیا تھا جو دونوں منگولوں سے ٹکرا رہے تھے عمیر بن نصر کی طرف دیکھتے ہوئے تھمر بھی ان پر حملہ آور ہو گئی تھی اس طرح تعاقب کرنے والے تین رہ گئے تھے۔ سامنے کی طرف سے دونوں منگول ان پر ضربیں لگا رہے تھے اور پشت کی طرف سے اب جو عمیر بن نصر اور تھمر بھی حملہ آور ہوئے تو وہ زیادہ دیر تک ٹھہر نہ سکے اور ان میں سے ایک عمیر بن نصر کے ہاتھوں مارا گیا۔ دوسرے دو کی گردنیں منگولوں نے کاٹ کر رکھ دی تھیں۔ اس طرح تعاقب کرنے والوں کا خاتمہ کرنے کے بعد وہ پھر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔

○

باتو خان کے مرنے کے بعد چند روز بعد اغون خان ایک روز صبح ہی صبح نکسار کے خیمے میں داخل ہوا اس وقت نکسار شب خوابی کے لباس میں اپنے بستر پر محو استراحت تھی۔ اغون خان ہلکے ہلکے کھانستا ہوا خیمے کے دروازے سے جب اندر داخل ہوا تو شب خوابی کے باریک لباس میں بستر پر لیٹی ہوئی حسین و پر جمال نکسار اٹھ کھڑی ہوئی اغون خان نے دیکھا۔

باریک جالی دار لباس میں جھلکیاں دیتا ہوا نکسار کا سرخ بدن صندلی تحریروں۔ ہوا لائی تھے اور شبنم کے لبوں پر ناچتی کرنوں جیسا لگ رہا تھا۔ اغون خان کو اپنے ے میں دیکھتے ہی نکسار اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کا جالی دار لباس میں اٹھنا یوں لگا جیسے ہوں اور خوشیوں کا طلسم اور گلابی حدت کا کوئی ہالہ حرکت میں آیا ہو۔ جلدی جلدی اس نے اپنا جالی دار لباس درست کیا۔ قریب ہی پڑی ہوئی اس نے سفید رنگ ں ہوئی عبا پہنی اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اغون خان آگے بڑھا اور معذرت طلب ازمیں کہنے لگا

مجھے امید نہیں تھی کہ تم اس وقت سوئی ہوئی ہو گی۔ میں اس وقت زحمت ے پر معذرت خواہ ہوں۔ اس پر نکسار نے بڑی شیریں آواز میں کہا نہیں ایسی کوئی ہ نہیں۔ مجھے آج اٹھنے میں کچھ تاخیر ہو گئی ورنہ میں اتنی دیر تک سونے کی عادی ں ہوں۔ کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ اغون خاں اس کے قریب بیٹھ گیا پھر وہ کہہ رہا ا

دیکھ نکسار باتو خان کے مرنے کی وجہ سے میں تمہیں زیادہ وقت نہ دے سکا۔ ائنہ رات میں نے برقائی خان سے تمہارے متعلق تفصیل سے بات کی تھی۔ میں ا اسے تم سے ملاقات کرنے پر آمادہ اور رضا مند کر لیا ہے۔ اگر تم زحمت محسوس کرو تو ابھی تیار ہو اور میرے ساتھ چلو میں تمہیں برقائی خان کے پاس لیکر چلتا ہوں ب بار تم دونوں کی ملاقات کرا دیتا ہوں اس کے بعد تم اپنے حسن اپنی جوانی اور اپنی صورتی کو کام میں لاتے ہوئے خود ہی برقائی خان سے ملنے کی راہیں استوار کرتی ا

ن نکسار۔ جب تو میرے ساتھ برقائی خان سے ملنے کے لیے جائے اس پر ہر ز ظاہر نہ کرنا کہ وہ تمہارے شوہر کا قاتل ہے۔ بلکہ تم اس پر یہ ظاہر کرنا کہ مجھے ی تھی کہ منگولوں کے خاقان باتو نے میرے شوہر میخائیل کو قتل کرا دیا ہے۔ میں ا دنیا میں تنہا اور اکیلی ہوں۔ منگولوں کے شہر سرائے باتو میں اس لیے آئی ہوں ا ئی منگولوں نے مجھ سے میرا شوہر چھینا لہٰذا میں چاہتی ہوں کہ ان منگولوں میں ا ایسا صاحب حیثیت ہو جو مجھے اپنے حرم میں داخل کر لے جہاں میں پر سکون

زندگی بسر کر سکوں۔ دیکھ نکسار مجھے امید ہے کہ تمہارے حسن۔ خوبصورتی۔ جوانی اور شباب سے متاثر ہو کر برقائی خان تمہیں اپنے حرم میں داخل کرنے پر آمادہ ہو جائے گا۔ جب وہ ایسا کر لے تو چند روز تم اس کے ساتھ خوب داد عیش دینا اس دوران تم کسی مناسب موقعے کی بھی تلاش میں رہنا۔ جب تمہیں کوئی ایسا موقع ملے تو بے دریغ اس برقائی خان کی گردن کاٹ کر رکھ دینا۔

یہاں تک کہنے کے بعد اغون خان لمحہ بھر کے لیے رکا پھر غور سے نکسار کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔ دیکھ نکسار کیا تو میرے لائحہ عمل سے اتفاق کرتی ہے۔ اس پر نکسار نے کچھ سوچا پھر کہنے لگی۔ دیکھ اغون خان جہاں تک میرے مرنے والے شوہر کا تعلق ہے تو میں اس کا انتقام تو ضرور لوں گی۔ لیکن باتو کے بھائی برقائی خان کے ساتھ مجھے کیا کرنا ہے یہ میں اس سے ملاقات کرنے کے بعد اندازہ لگا سکوں گی۔ اگر وہ میرے دل کو بھایا تو اس سے شادی کرنے کے بعد میں اپنے انتقام کی ہوس کو پورا کروں گی اور اگر میرے دل کو وہ نہ بھایا تو اس سے شادی نہیں کروں گی یوں ہی اس سے راہ و رسم بڑھاؤں گی اور پھر موقع جان کر اس کا خاتمہ کر دوں گی۔

نکسار جب خاموش ہوئی تو اغون خان تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر کہنے لگا چلو یوں ہی سہی۔ بہرحال تم تیار ہو تاکہ میں تمہیں ساتھ لیکر برقائی خان کے پاس چلوں۔ اس پر نکسار اپنی جگہ سے اٹھی اور کہنے لگی میں ابھی تھوڑی دیر تک تیار ہو کر آتی ہوں۔ اس کے ساتھ ہی نکسار خیمے کے دوسرے حصے کی طرف چلی گئی تھی۔ اغون خان وہیں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا تھا۔

تھوڑی دیر بعد نکسار لباس تبدیل کر کے اور اپنی نوک پلک درست کرنے کے بعد دوبارہ خیمے کے اس کمرے میں آئی۔ پوری طرح بن سنورنے کے بعد اغون خان نے جب اسے دیکھا تو وہ حیرت زدہ رہ گیا تھا۔ اب وہ اپنے نئے لباس میں جمال کی ترنم ریزی۔ خواب گوں راحت۔ رنگوں کی جھلمل بارش اور شبنم کے موتیوں پر ستاروں کی زرکار کرنوں جیسی لگ رہی تھی۔ تھوڑی دیر تک اغون خان اس کے سراپا اس کے حسن کہ اس کی شادابی اس کی خوبصورتی اس کی چاہت آمیز طلب میں کھو کر رہ گیا تھا۔ پھر اس نے اپنے سر کو جھٹکا۔ اپنی جگہ پر کھڑا ہوا پھر کہنے لگا اب

چلنا چاہیے۔ جواب میں نکسار نے دھیمی آواز میں کہاں چلنا چاہیے اب میں تیار ہوں۔ اس پر اغون خان خیمے سے نکلا۔ نکسار بھی اس کے پیچھے پیچھے خیمے سے نکل گئی تھی۔

دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے برقائی خان کے خیمے کے قریب آئے۔ خیمے سے باہر جو محافظ پہرہ دے رہا تھا اسے اغون خان نے مخاطب کرتے ہوئے کہا دیکھ میرے عزیز میں تھوڑی دیر پہلے خاقان سے ملکر گیا ہوں یہ جو خاتون میرے ساتھ ہے اس کا میں نے خاقان سے ذکر کیا تھا اور خاقان نے اس سے ملنا پسند کیا ہے۔ خاقان سے تم میری اور نکسار نام کی اس خاتون کی آمد کا ذکر کرو۔ اس پر وہ محافظ مڑا اور برقائی خان کے خیمے میں داخل ہوا۔

نکسار جب اس خیمے میں داخل ہوئے تو اس نے دیکھا پہلے ہی کمرے میں برقائی خان ایک مسند پر بیٹھا ہوا تھا۔ اور خیمے کے اس کمرے میں اس کے سامنے ملاقات کے لیے آنے والوں کے لیے نشستیں بنی ہوئی تھیں۔

نکسار جونہی خیمے میں داخل ہونے کے بعد چند قدم آگے بڑھی وہ یہ دیکھتے ہوئے حیران اور ششدر رہ گئی کہ منگولوں کے خاقان برقائی خان نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کا استقبال کیا تھا اور جب تک وہ اغون خان کے ساتھ مسند کے سامنے والی نشستوں میں سے ایک پر بیٹھ نہیں گئی اس وقت تک برقائی خان کھڑا رہا۔ نکسار کے بیٹھنے پر برقائی بھی اپنی جگہ بیٹھ گیا اس کے بعد خیمے میں برقائی کی آواز گونجی۔

دیکھ نکسار اول بات تو یہ کہ میں اپنے اس سرائے باتو شہر میں تجھے خوش آمدید کہتا ہوں۔ دوئم یہ کہ مجھے تمہارے شوہر میخائیل کے مرنے کا بے انتہا دکھ ہے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ تمہارا شوہر مارا جائے۔ لیکن اس وقت میرا بھائی باتو خان خاقان تھا اور اسی کے حکم پر تمہارے شوہر میخائیل کو گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا گیا۔ یہاں تک کہتے کہتے برقائی خان تھوڑی دیر کے لیے رکا تھا۔ برقائی خان کی ان باتوں سے اغون خان انتہائی پریشان اور بکھرا بکھرا سا دکھائی دے رہا تھا۔ نکسار بھی اغون خان کے چہرے اور اس پر نمودار ہونے والے تاثرات کا بغور جائزہ لے رہی تھی۔

تھوڑی دیر رک کر برقائی خان پھر کہنے لگا۔

دیکھ نکسار۔ میں اور میرے چند قریبی دوست منگول ہونے کے باوجود اسلام قبول کر چکے ہیں۔ ہم لوگ اس طرح کا ظلم روا نہیں رکھتے۔ جیسا میرے بھائی باتو نے مختلف لوگوں کے ساتھ روا رکھا تھا۔ اس نے تمہارے شوہر کو یہاں طلب کیا۔ اسے آگ کے پاس سے گذرنے اور اپنے سامنے جھکنے کو کہا۔ میخائیل نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تب باتو خان نے اس کا گلا گھونٹ کر اس کا کام تمام کر دیا۔ میں اپنے بھائی باتو خان کے اس فیصلے کے خلاف تھا۔ دوسرا بڑا اور بدترین فیصلہ میرے بھائی نے یہ کیا کہ اس نے گرجستھان کی ملکہ روسودان کو اپنی طرف دو دفعہ طلب کیا۔ شاید وہ اسے اپنے حرم میں داخل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن جب ملکہ روسودان نے آنے سے انکار کر دیا تب باتو خان نے اس پر حملہ آور ہونے کا اہتمام کیا روسودان بیچاری کو جب خبر ہوئی کہ اس پر حملہ ہو رہا ہے تو اس نے خودکشی کر کے اپنا خاتمہ کر لیا۔ میں باتو کے اس فعل کے بھی خلاف تھا۔

دیکھ نکسار باتو خان میرا بھائی ضرور تھا لیکن اس کے اور میرے مذہب میں فرق تھا وہ بت پرست ستارہ پرست تھا میں اسلام کا پیرو کار ہوں۔ اس طرح میرے اور اس کے خیالات اور فیصلوں میں بھی فرق تھا۔ وہ پرانی اور قدیم روایات کا پابند تھا جبکہ میں ان سے بغاوت کر چکا تھا۔ ایک بار پھر میں تمہارے شوہر کی موت اور مرگ پر افسوس کرتا ہوں۔

برقائی خان لمحہ بھر کے لیے رکا اس کے بعد وہ اپنا سلسلہ کلام جاری رکھے ہوئے تھا۔

دیکھ نکسار مجھے اغون خان نے بتایا ہے کہ چونکہ میرے بھائی باتو خان کے بیٹے سرتاک کا خیمہ خالی ہے لہٰذا تمہیں اس میں ٹھہرایا گیا ہے۔ تم جب تک چاہو اس خیمے میں قیام کر سکتی ہو۔ تمہاری حفاظت اور کفالت کا پورا اور مکمل انتظام کیا جائے گا۔ سرتاک اگر لوٹ آیا تو تمہارے رہنے کا اور اس سے بھی بہترین انتظام کیا جائے گا۔ یہاں تک کہنے کے بعد برقائی خان جب خاموش ہوا تب نکسار پہلی بار بولی۔

منگولوں کے عظیم خاقان۔ اس خیمے میں میری آمد پر آپ نے کھڑے ہو کر جو میرا استقبال کیا یسوع مسیح کی قسم میں اس کے لیے آپ کی حد درجہ ممنون ہوں۔ آپ کے اطوار سے انسانی ہمدردی اور محبت کی جھلک ملتی ہے۔ میں آپ سے یہ گزارش کروں کہ اب جبکہ آپ اپنے بڑے بھائی باتو کے ہاتھوں میرے شوہر میخائیل کا خاتمہ کیا جا چکا ہے تو میرے پاس کوئی ٹھکانہ نہیں جہاں میں رہوں۔ میرے شوہر کا محل اب میرے لیے بیگانہ ہو چکا ہے اس لیے کہ اب وہاں اس کے بھائی اور عزیز و اقارب ہیں۔ میخائیل سے میری نئی نئی شادی ہوئی تھی میری کوئی اولاد بھی نہیں ہے۔ لہٰذا اب میں وہاں نہ رہ سکوں گی۔ کیا ایسا ممکن نہیں کہ میں یہاں قیام کروں۔ اور اپنی پسند کے مطابق منگولوں میں کسی صاحب حیثیت شخص سے شادی کر کے اپنی زندگی خوشگوار گزار سکوں۔ اس پر برقائی کہنے لگا۔

دیکھ نکسار اگر تو ایسا چاہتی ہے تو تمہیں ایسا کرنے کی اجازت ہے تو جب تک چاہے یہاں قیام کر لے۔ اگر اس قیام کے دوران تو اپنی پسند اور مرضی سے کسی کے ساتھ شادی بھی کرنا چاہے گی تو اس کا انتظام میں خود کروں گا۔ برقائی خان کے اس جواب پر نکسار کے خوبصورت لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی وہ مزید کچھ کہنا چاہتی تھی کہ برقائی خان کا ایک محافظ اندر آیا۔ برقائی خان کے قریب آ کر وہ رکا پھر وہ دھیمی سی آواز اور سرگوشی میں کہنے لگا۔

خاقان محترم۔ خیمے سے باہر اس وقت آپ کا عزیز دوست عمیر بن نصر کھڑا ہے اس کے ساتھ گرجستھان کی ملکہ روسودان کی بیٹی تھمر بھی ہے۔ تھمر اور عمیر شادی کر چکے ہیں اور وہ دونوں آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے ہیں۔

اس محافظ کے یہ الفاظ سن کر برقائی خان بھڑک اٹھا اور کسی قدر ناراضگی اور ناپسندگی میں کہنے لگا۔ عمیر بن نصر کو میرے خیمے سے باہر روکنے کی کیا ضرورت تھی۔ کیا اس سے پہلے کسی نے میرے خیمے سے باہر عمیر بن نصر کو روکا ہے۔ تم جانتے ہو وہ میرا بھائی ہے۔ ہر لحاظ سے میں اس پر اعتماد اور بھروسہ کرتا ہوں۔ پھر تم لوگوں کو کیسے جرات اور جسارت ہوئی کہ میرے خیمے سے باہر اس کو روک دیا جائے۔ اس پر وہ محافظ اپنے سر کو خم کر کے کہنے لگا۔

خاقان محترم۔ میں نے انہیں نہیں روکا۔ جونہی وہ اپنے گھوڑوں سے اترے اور آپ کے خیمے کے قریب آئے میں نے انہیں اندر آنے کے لیے کہا پر عمیر بن نصر

نے کہا چونکہ برقائی خان اب منگولوں کا خاقان بن چکا ہے لہٰذا مجھے اب بغیر اجازت کے اس کے پاس نہیں جانا چاہیے۔ اس پر برقائی خان اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا اسے کیوں نہیں میرے پاس یونہی آنا چاہیے وہ میرا بھائی ہے۔ ٹھہرو میں اسے خود خیمے میں لے کر آتا ہوں۔

برقائی خان اپنے محافظ کے ساتھ جب خیمے سے باہر نکلا تو نکسار نے بڑی رازداری میں اپنے قریب بیٹھے اغون خان کو مخاطب کر کے پوچھا۔ عمیر بن نصر کون ہے جس پر برقائی خان اس قدر اعتماد اور بھروسہ کر رہا ہے۔ اس کے ساتھ اس نے اس قدر الفت اور محبت کا اظہار کیا ہے اس پر اغون خان کہنے لگا۔

یہ عمیر بن نصر بنیادی طور پر ایک عرب بدو ہے یہ کبھی سوداگروں کے قافلے کے ساتھ یہاں آیا کرتا تھا پہلے ایک سوداگر کا محافظ تھا۔ پھر ترقی کرتے ہوئے خود سوداگر بن گیا پھر ایسا ہوا کچھ عرصہ قبل یہ ہمارے اس سرائے باتو شہر میں داخل ہوا۔ اس وقت دو قبرصی تیغ زن بھی اس شہر میں داخل ہوئے تھے جو تیغ زنی میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ قبرصی تیغ زنوں میں سے ایک کے ساتھ ہمارے مرنے والے خاقان باتو نے اپنی بیٹی بختائی کو منسوب کر دیا تھا پر جب یہ سوداگر اس شہر میں داخل ہوا تو باتو خان کی بیٹی بختائی اسے پسند کرنے لگی۔ لیکن چونکہ باتو خان بختائی کو قبرصی تیغ زن سے منسوب کر چکا تھا لہٰذا منگول روایت کے مطابق یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس بدو اور قبرصی تیغ زن کے ساتھ تیغ زنی کا مقابلہ ہو اور جو جیتے بختائی اسی کے حوالے کر دی جائے۔ آخر مقابلہ ہوا اور خونخوار بدو نے بڑی آسانی سے اس قبرصی تیغ زن کو ہرا دیا جس کے جواب میں باتو خان نے اپنی بیٹی بختائی کی شادی اس بدو سے کر دی۔

وہ اپنا کچھ سامان گرجستھان کے مرکزی شہر قصبک میں چھوڑ آیا تھا۔ شادی کے چند روز بعد تک یہ اپنی بیوی بختائی کے ساتھ رہا پھر اپنا سامان لینے قصبک چلا گیا اس کی غیر موجودگی میں اس کی بیوی بختائی کو کسی نے قتل کر دیا۔ باتو بھی میرے خیال میں اپنی بیٹی بختائی کے مرنے ہی کے غم میں ہلاک ہو گیا۔

اب یہ قصبک سے لوٹ کر آیا ہے اور تمہارے سامنے محافظ نے یہ بھی کہا ہے کہ اس کے ساتھ گرجستھان کی شہزادی تھمر بھی ہے۔ کہتے ہیں تھمر بڑی حسین لڑکی ہے۔ باتو خان کا بیٹا سرتاک اسے پسند کرتا تھا مگر یہ سن کر مجھے انتہائی حیرت ہوئی ہے کہ تھمر اس بدو کی بیوی بن چکی ہے۔ اگر ایسا ہے تو یہ سرتاک اپنے بڑے خاقان منگوخاں سے مغربی منگولوں کا خاقان بن کر جب لوٹے گا تو سب سے پہلے اسی بدو کا سر کاٹے گا۔ اس لیے کہ سرتاک تھمر کو چاہتا تھا اور اس سے شادی کا خواہشمند تھا۔ اس بدو نے تھمر کو اپنے حرم میں داخل کر کے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا۔ اس پر نکسار اغون خان کی طرف دیکھتے ہوئے طنزیہ سے انداز میں کہنے لگی اور اگر اس بدو نے سرتاک کا بھی سر کاٹ دیا تب۔ نکسار کے اس سوال کا اغون خان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ لہٰذا وہ خاموش ہی رہا۔

دوسری جانب برقائی خان خیمے سے باہر نکلا اس کے خیمے سے باہر عمیر بن نصر اور تھمر دونوں اپنے گھوڑوں کی باگیں پکڑے کھڑے تھے جونہی عمیر بن نصر نے برقائی کو خیمے سے باہر نکلتے دیکھا اس نے اپنے گھوڑے کی باگ چھوڑ دی اور بڑی تیزی سے آگے بڑھا۔ اس دوران برقائی خان نے بھی اپنے بازو پھیلا دیئے تھے پھر دونوں پر جوش انداز میں ایک دوسرے سے بغلگیر ہو گئے تھے برقائی خان نے عمیر بن نصر کے شانے پر ایک بوسہ دیا اور کہنے لگا۔

دیکھ عمیر میرے بھائی تم نے میرے ساتھ بڑا ظلم بڑی زیادتی کی ہے تم خیمے سے باہر کیوں رکے میں بے شک اب منگولوں کا خاقان ہوں لیکن تمہارا بھائی تو ہوں اور پھر تم نے میری بہن تھمر کو بھی باہر ہی روک دیا میں تمہیں پہلی مبارک باد یہ دیتا ہوں کہ تم بحفاظت قبصک سے لوٹ آئے ہو دوسری مبارک باد میں تمہیں تھمر سے شادی کرنے پر دیتا ہوں آؤ خیمے میں آؤ پھر بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔

برقائی خان نے اپنے ایک محافظ کو ان دونوں کے گھوڑے اصطبل کی طرف لے جانے کا حکم دیا اور وہ محافظ فوراً حرکت میں آیا۔ عمیر بن نصر اور تھمر کے گھوڑوں کی باگیں اس نے پکڑ لیں تھمر فوراً حرکت میں آئی اور اپنے گھوڑے کی زین سے بندھی ہوئی ایک بڑی تھیلی اس نے اتار لی تھی عمیر بن نصر نے بھی اپنا ضروری سامان اتار لیا تھا پھر وہ دونوں برقائی خان کے ساتھ خیمے میں داخل ہوئے تھے۔

خیمے میں داخل ہونے کے بعد برقائی خان نے عمیر بن نصر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا دیکھ عمیر میرے بھائی یہ سامنے منگول سردار بیٹھا ہوا ہے اس کا نام اغون خان ہے شاید تم اسے پہلے سے جانتے ہو گے۔ عمیر بن نصر کہنے لگا ہاں میں اسے پہلے سے جانتاہوں یہ اکثر و بیشتر مجھ سے خریداری بھی کرتا رہا ہے۔ اس کے بعد برقائی خان پھر مسکراتے ہوئے کہنے لگا اور یہ جو تم اغون خان کے ساتھ بیٹھی ہوئی خاتون کو دیکھتے ہو یہ روسی حکمران میخائیل کی بیوی ہے وہی میخائیل جسے میرے بھائی باتو خان نے ہلاک کرا دیا تھا۔ اس پر عمیر بن نصر نکسار کے قریب گیا اور کہنے لگا میرا نام عمیر بن نصر ہے مجھے تمہارے شوہر کے باتو خان کے ہاتھوں مارے جانے کا دکھ اور صدمہ ہے یہ میری بیوی ہے اس کا نام تھمر ہے اب یہ صرف میری بیوی ہے کبھی یہ گرجستھان کی شہزادی ہوا کرتی تھی۔

عمیر بن نصر کے ان الفاظ کے ساتھ ہی نکسار اپنی جگہ سے اٹھی بڑے پرتپاک انداز میں وہ تھمر سے ملی اور اسے اپنے پاس ہی بیٹھنے کو کہا۔ تھمر نکسار کے قریب بیٹھ گئی جبکہ عمیر بن نصر کا بازو پکڑ کر برقائی خان نے شہ نشین کے اوپر اپنے پہلو میں لا بٹھایا تھا۔

اس موقع پر اغون خان اپنی جگہ پر اٹھا اور برقائی خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا خاقان معظم بس میں نکسار کا ہی آپ سے تعارف کرانا چاہتا تھا میں سمجھتا ہوں میرا کام ختم ہو گیا ہے اب میں جاتا ہوں برقائی خان نے اسے جانے کی اجازت دے دی جس پر اغون خان نے نکسار کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا نکسار آؤ چلیں۔ اس پر نکسار فوراً بولی تم چلو میں تھمر سے تھوڑی دیر گفتگو کروں گی اس لیے کہ یہ گرجستھان کی شہزادی رہی ہے اس لحاظ سے یہ ہمارے لئے بڑی محترم بڑی معزز اور صاحب حیثیت ہے نکسار کا یہ جواب سن کر اغون خان ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے خیمے سے نکل گیا تھا۔

اغون خان کے جانے کے بعد برقائی خان اپنے پہلو میں بیٹھے عمیر بن نصر کو مخاطب کرتے ہوئے بڑی شفقت بڑی محبت میں کہنے لگا۔

عمیر میرے بھائی میرے عزیز مجھے تمہاری بیوی بختائی کے مرنے کا از حد دکھ

اور افسوس ہے اور میں نادم ہوں کہ تمہاری غیر موجودگی میں میں اس کی حفاظت نہ کر سکا عمیر میرے بھائی تو جانتا ہے بختائی چونکہ مسلمان تھی لہٰذا وہ اپنے باپ کی نسبت میری زیادہ عزت کرتی تھی اور مجھے اپنا باپ ہی خیال کرتی تھی جس روز اسے ہلاک کیا تھا اس روز مجھے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے مجھے کسی نے زمین میں زندہ درگور کر دیا ہو کاش میں اس کی حفاظت کر سکتا لیکن میں قاتلوں کو معاف نہیں کروں گا۔ مجھے شبہ ہے اس کا قتل بڑے طے شدہ لائحہ عمل کے مطابق کیا گیا ہے اس پر عمیر بن نصر نے چونک کر پوچھا کیا آپ کو میری بیوی بختائی کے قتل کا کسی پر شبہ ہے اس پر برقائی خان نے کہا ہاں مجھے شبہ ہے بلکہ اب میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ جس پر مجھے شبہ تھا وہی قاتل ہے اس پر عمیر بن نصر نے پوچھا آپ کو کس پر شبہ ہے برقائی کہنے لگا۔

دیکھ عمیر میرے بھائی اللہ جھوٹ نہ بلوائے جس روز بختائی کو قتل کیا تھا اس روز میں نے اس کے بھائی سرتاک اور راہب ولیئم کے چہروں کا بغور جائزہ لیا تھا وہ دونوں چہرے مجھے اس روز قاتل لگے تھے میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ راہب ولیئم اور سرتاک دونوں نے مل کر بختائی کو قتل کر دیا ہے اس پر عمیر بن نصر نے چونک کر پوچھا برقائی میرے بھائی بختائی تو باتو خان کی بیٹی اور سرتاک کی بہن تھی پھر ایک بھائی اپنی بہن کو کیونکر قتل کرے گا اس پر برقائی خان بڑے وثوق سے کہنے لگا۔

دیکھ عمیر میرے بھائی میں اب یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ بختائی کے قاتل سرتاک اور ولیئم ہیں اس لیے وہ دونوں یہاں سے بھاگ چکے ہیں جن دنوں سرتاک یہاں سے بھاگا تھا ان دنوں میرا بھائی باتو سخت بیمار تھا اور قریب المرگ تھا سرتاک نے اس کی بیماری کو پس پشت ڈال دیا اور خود یہاں سے بھاگ گیا اسے خطرہ تھا کہ جب باتو کے مرنے کے بعد میں خاقان بنوں گا تو بختائی کے قتل کے معاملے میں اس سے اور راہب ولیئم سے ضرور باز پرس کروں گا۔

اسی بناء وہ دونوں پہلے ہی یہاں سے بھاگ گئے اب میرے جاسوسوں نے خبر دی ہے کہ وہ دونوں منگو خان کے پاس پہنچ چکے ہیں اور سرتاک منگو خان سے اپنے لئے مغربی منگولوں کے خاقان کا پروانہ حاصل کر چکا ہے اور عنقریب وہ منگو خان کا یہ حکم نامہ لیکر اپنے دونوں قبرصی محافظوں کے ساتھ واپس آئے گا تاکہ مجھے موجودہ مقام

سے محروم کر کے خود یہاں کا خاقان بنے۔

اس پر عمیر بن نصر نے بے پناہ غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ دیکھ برقائی میرے بھائی اب میں اس کے مقدر اس کی قسمت میں کوئی بلند مقامی نہ رہنے دوں گا سن میرے بھائی میں اس پر گرفت کروں گا اور مجھے اگر یقین ہو گیا کہ سرتاک ہی میری بیوی بختائی کا قاتل ہے تو سن رکھنا برقائی میرے عزیز میں اس سرتاک کی گردن کاٹ لوں گا میں اسے اس قابل ہی نہیں رکھوں گا کہ وہ منگولوں کا خاقان بن کر ایک پرقوت قاتل بنے۔

یہاں تک کہنے کے بعد عمیر بن نصر لحہ بھر کے لیے رکا اس کے بعد وہ اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

برقائی میرے بھائی میں چند یوم تک تمر کے ساتھ یہاں آرام کروں گا اس کے بعد میں یہاں آرام کروں گا اس کے بعد میں یہاں سے مشرق کی طرف کوچ کروں گا۔ قراقرم سے آنے والی شاہراہ پر گھات میں بیٹھوں گا اور جب سرتاک اپنے دونوں قبرصی محافظوں کے ساتھ وہاں سے گزرے گا تو اس پر گرفت کروں گا اس سے اصلیت اگلوانے کی کوشش کروں گا اور اس کے بعد میں اس کے لیے کسی سزا کا تعین کروں گا۔ اس پر برقائی خان کہنے لگا۔

سن عمیر میرے بھائی میں تمہارے خیالات کی تائید کرتا ہوں۔ وہ قاتلوں نے وہ خیمہ جس میں تم اور بختائی رہتے تھے چیر پھاڑ دیا تھا۔ جس روز بختائی کو قتل کیا گیا تھا اس روز زور دار بارش ہو رہی تھی خیمے کی چھت کو پھاڑ دیا گیا تھا تاکہ پانی اندر داخل ہو اور قاتلوں کے پاؤں کے نشانات باقی نہ رہیں۔

دیکھ عمیر بن نصر میں نے اپنے خیمے کے ساتھ ہی اب تمہارے لئے ایسا ہی خیمہ نصب کرایا ہے جیسا میرا ہے اب تم تمر کے ساتھ اسی خیمے میں رہو جب تم یہاں سے مشرق کی طرف کوچ کرنا چاہو گے تو میں اس کے لیے تمہارے لیے بہترین انتظامات کروں گا اس پر عمیر بن نصر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا برقائی میرے بھائی میں اب تمر کے ساتھ آرام کروں گا برقائی بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تمر او نکسار بھی کھڑی ہو گئیں برقائی اس موقع پر کچھ کہنا چاہتا تھا کہ نکسار بول پڑی۔

خاقان محترم میں پھر کسی وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر تفصیل سے گفتگو کروں گی اس وقت میں تمر کے ساتھ جانا چاہتی ہوں اس کے ساتھ تفصیل سے بات کرنا چاہتی ہوں اس پر برقائی خان نے مسکراتے ہوئے کہا ہاں ضرور تم تمر کے ساتھ جاؤ اور سنو خیموں کے اس شہر میں رہتے ہوئے جب تم کسی بھی چیز کی ضرورت محسوس کرو تو تم تمر اور میرے بھائی عمیر بن نصر سے کہہ سکتی ہو یہ تمہاری ہر ضرورت پوری کریں گے۔ اسکے ساتھ ہی عمیر بن نصر، تمر اور نکسار کو برقائی خان اپنے خیمے کے دروازے تک چھوڑنے آیا۔

وہ تینوں برقائی خان کے خیمے سے نکل ساتھ والے خیمے میں داخل ہوئے وہ خیمہ بھی بالکل نیا اور برقائی خان کے خیمے جیسا تھا۔ خیمے کے فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا خیمہ مختلف کمروں میں تقسیم کیا گیا تھا اور اس میں ضرورت کی ہر شے تھی۔ عمیر بن نصر تمر اور نکسار سامنے والے کمرے میں بیٹھ گئے۔ پھر نکسار عمیر بن نصر کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

عمیر بن نصر گو میں آپ سے متعلق زیادہ کچھ نہیں جانتی تاہم منگولوں کے خاقان برقائی نے جو آپکو عزت اور احترام دیا ہے اس سے میں اندازہ لگا چکی ہوں کہ آپ کے لیے یہاں منگولوں اور برقائی کی نگاہوں میں کیا عزت کیا احترام ہے اس کے علاوہ منگولوں کے پہلے خاقان نے جو اپنی بیٹی بختائی کو آپ کی زوجیت میں دیا تو اس لحاظ سے آپ کی دلیری بھی مجھے ان منگولوں کے اندر عیاں ہوتی ہے۔ آپ کی ان ہی صفات کو مدنظر رکھتے ہوئے میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں۔ اس پر عمیر بن نصر غور سے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

دیکھ نکسار تم کیا پوچھنا چاہتی ہو جواب میں نکسار کہنے لگی۔ ابن نصر آپ جانتے ہیں میں روسی حکمران میخائیل کی بیوہ ہوں اور اس کے ساتھ میری شادی چند ماہ پہلے ہی ہوئی تھی پھر ایسا ہوا کہ ایک روز منگولوں کا ایک قاصد ہمارے ہاں گیا اور اس نے میرے شوہر کو یہ پیغام دیا کہ منگولوں کے خاقان باتو نے اسے طلب کیا ہے جس وقت یہ قاصد گیا تھا اس وقت میں بھی اپنے شوہر کے پاس موجود تھی۔ باتو کا یہ پیغام سن کر میرا شوہر اپنے رفیق کے ساتھ ادھر دریائے دولگا کی طرف چلا آیا تھا۔ میخائیل چونکہ

مجھ سے بے پناہ محبت کرتا تھا اسی محبت کی ہی بنا پر اس نے مجھ سے شادی کی تھی۔ میں نے کبھی اسے چاہا نہ تھا اس بنا پر اس کی محبت یک طرفہ تھی لہٰذا جب باتو نے اسے اپنے ہاں بلایا تو وہ مجھے بھی اپنے ساتھ لیکر آیا۔ دریائے ڈان اور دریائے وولگا کے درمیان اس کا ایک جاننے والا سردار تھا جس کے ہاں اس نے مجھے رکھا اور خود یہاں چلا آیا یہاں اس کے ساتھ کیا بیتی مجھے کچھ خبر نہیں کچھ ہی عرصہ بعد کچھ قاصد اس سردار کے ہاں گئے جہاں میں نے قیام کر رکھا تھا جن دنوں وہ قاصد وہاں پہنچے ان دنوں وہ سردار اور اس کے اہل خانہ شمالی علاقوں کی طرف شکار کے لیے گئے ہوئے تھے۔ میں بھی ان کے ساتھ تھی لہٰذا ان قاصدوں کو کچھ عرصہ وہاں قیام کرنا پڑا جب ہم شکار سے لوٹے تب ان قاصدوں نے اطلاع دی کہ میرے شوہر میخائیل اور اس کے دوست کو منگولوں کے خاقان باتو کے بھائی برقائی نے قتل کر دیا ہے۔

میں ان قاصدوں کے ساتھ یہاں آئی اور آج ہی تم لوگوں کی آمد سے تھوڑی دیر پہلے منگول سردار اغون خان نے مجھے برقائی کے سامنے پیش کیا اس سے پہلے نہیں میں جانتی تھی کہ برقائی کیسا شخص ہے کردار کا کیسا ہے اس کے اطوار کیسے ہیں لیکن جب میں اس کے خیمے میں داخل ہوئی اس نے اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر میرا احترام میرا استقبال کیا اور پھر اس نے جس انداز جس لہجے میں مجھ سے گفتگو کی اس سے میں نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ وہ شخص کسی کو ناحق قتل نہیں کر سکتا ابن نصر میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ میرے شوہر کو کس نے قتل کیا تھا۔

نکسار کے اس استفسار پر عمیر بن نصر نے تھوڑی دیر تک بڑے غور سے نکسار کی طرف دیکھا پھر پوچھا۔

سن نکسار تمہارے اس سوال کے جواب میں جو کچھ میں کہوں گا کیا تم اس پر اعتماد اور بھروسہ کر لو گی اس پر نکسار کہنے لگی میں آپ پر اعتماد کروں گی مجھے امید ہے کہ آپ جیسا شجاع دلیر اور صحراؤں میں تندہی کی زندگی بسر کرنے والا شخص جھوٹ نہیں بول سکتا اس پر عمیر بن نصر نے ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں کہنا شروع کیا۔

سن نکسار اگر تو سچ ہی سننا چاہتی ہے تو حقیقت یہ ہے کہ تیرے شوہر میخائیل کو منگولوں کے رہنے والے خاقان باتو نے قتل کروایا تھا میں ان دنوں ہی یہاں پہنچا جن

دنوں تمہارے شوہر میخائیل کو قتل کیا گیا تھا دراصل منگولوں کے ہاں یہ قدیم روایت ہے کہ جب کسی کو ان کے خاقان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو اسے آگ کے پاس گزارا جاتا ہے تاکہ اگر کوئی بلا اس کے ساتھ ہو تو رفع دفع ہو جائے اس کے علاوہ ایسے لوگوں کو جو خاقان سے ملنا چاہتا ہے سجدے کے انداز میں جھکنے پر مجبور کیا جاتا ہے میخائیل نے چونکہ ایسا کرنے سے انکار کر دیا تھا لہٰذا باتو نے اس کا خاتمہ کرا دیا۔ یہ تو کہو کہ جو قاصد تمہاری طرف گئے تھے انہوں نے تمہیں کیا بتایا اور تمہیں وہ یہاں کیوں لیکر آئے کیا یہاں آتے ہوئے تم نے خطرات نہ محسوس کئے کہ جس خاقان نے تمہارے شوہر کو ہلاک کر دیا ہے وہ تمہارا بھی خاتمہ کر سکتا ہے۔

عمیر بن نصر کے اس استفسار کے جواب میں نکسار تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر دکھ اور غم میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہنے لگی۔

دیکھ ابن نصر میں سمجھتی ہوں مجھے انتہا درجے کا فریب اور دھوکہ دیا گیا ہے جن دنوں میں نے دریائے وولگا اور دریائے ڈان کے درمیان قیام کر رکھا تھا ان دنوں یہاں سے دو قاصد گئے وہ قاصد منگولوں کے مرنے والے خاقان باتو کے بیٹے سرتاک کی طرف سے بھیجے گئے تھے اور انہوں نے مجھے یہ پیغام دیا تھا کہ میرے شوہر کو برقائی خان نے قتل کروا دیا ہے مجھے یہ بھی کہا گیا تھا کہ اگر میں اپنے شوہر کا انتقام لینا چاہتی ہوں تو پھر منگولوں کے شہر سرائے باتو میں پہنچ جاؤں اور یہ کہ اس سلسلے میں سرتاک میری پوری مدد کریگا ان قاصدوں نے مجھے یہ بھی کہا تھا کہ سرتاک کے ساتھ ایک یورپی راہب بھی ہے جس کا نام ولیئم ہے وہ بھی اس سلسلے میں میری مدد پر آمادہ ہے مجھے یہ بتایا گیا تھا کہ میں اپنے حسن اپنی جوانی کو استعمال کرتے ہوئے برقائی خان کے ساتھ راہ و رسم استوار کروں اور موقع جان کر اسے قتل کر دوں اس وقت چونکہ مجھے اپنے شوہر میخائیل کے مرنے کا بڑا دکھ اور غم تھا لہٰذا میں برقائی خان سے انتقام لینے پر آمادہ ہو گئی اور قاصدوں کے ساتھ یہاں آ گئی۔

جب میں یہاں پہنچی تو پتہ چلا کہ سرتاک اور راہب ولیئم یہاں سے مشرق کی طرف روانہ ہو چکے ہیں تاہم منگولوں کے سردار اغون خان نے میرا پرتپاک خیر مقدم کیا اور مجھے سرتاک ہی کے خیمے میں ٹھہرایا پھر اس نے مجھ پر یہ انکشاف کئے کہ

چونکہ میرے شوہر کو برقائی خان نے قتل کر دیا تھا لہٰذا اب میں اپنے جمال اپنی خوبصورتی کو استعمال کرتے ہوئے برقائی خان سے تعلقات پیدا کروں اغون خان نے کہا تھا کہ وہ ایک بار مجھے برقائی سے ملاقات کرا دے گا اس کے بعد پھر میں اس کے پاس آتی جاتی رہوں اس کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کروں پھر موقع جان کر اسے ہلاک کر دوں اغون خان کا کہنا تھا کہ جب میں ایسا کر چکوں گی تو ایک طرف تو میں اپنے شوہر کا انتقام لینے میں کامیاب ہو جاؤں گی دوسری طرف برقائی خان کے بعد سرتاک منگولوں کا خاقان بن جائے گا۔

یہ اغون خان بھی مجھے کچھ اچھا انسان نہیں لگتا۔ بلا اجازت میرے خیمے میں اکثر و بیشتر آتا رہا ہے اس کا میری طرف دیکھنا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ میری طرف سے وہ انتہا درجے کی حرص و ہوس میں مبتلا ہے آج جب یہ مجھے برقائی کے پاس لیکر گیا تو میں نے اپنے دل میں یہ ٹھان رکھی تھی کہ برقائی بڑا مغرور بڑا سنگدل ہو گا لیکن جب میں اس سے ملی تو جو میں نے وسوسے اس کے متعلق پال رکھے تھے وہ یکسر بے کار ثابت ہوئے اس لیے کہ میں نے برقائی کو انتہائی مہذب انتہا درجے کا ہمدرد و نرم دل پایا میں جس وقت اس سے ملی تھی اس وقت ہی میرے دل میں یہ خیال اٹھا تھا کہ ایسا شخص ناحق کسی کو قتل نہیں کر سکتا اے ابن نصر اب جبکہ آپ نے مجھ پر حقیقت واضح کر دی ہے تو میں سمجھتی ہوں کہ یہ اغون خان سرتاک کا شخص ہے اور یہ سب مل جل کر برقائی خان کے قتل کے درپے ہیں تاکہ اس کا خاتمہ کر کے سرتاک کو خاقان بنا دیا جائے۔

نکسار کے اس انکشاف پر عمیر بن نصر گہری سوچ میں پڑ گیا تھا پھر وہ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا دیکھ نکسار تو ذرا میرے ساتھ آ۔ تو نے جو مجھ پر انکشاف کیا ہے اس سے میں سمجھتا ہوں کہ برقائی خان کی زندگی خطرے میں ہے۔ میں اسے اپنا بھائی خیال کرتا ہوں لہٰذا ہر صورت میں میں اس کا دفاع کرنا چاہتا ہوں نکسار فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی ہاں میں آپ کے ساتھ جانے کو تیار ہوں تھمر بھی کھڑی ہو گئی اور کہنے لگی میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گی دونوں کو ساتھ لیکر عمیر بن نصر خیمے سے نکلا اور برقائی کے خیمے کے قریب آیا محافظ کو مخاطب کر کے اس نے برقائی

سے متعلق پوچھا تو محافظ کہنے لگا کہ برقائی اس وقت اپنے اہل خانہ کے پاس ہے عمیر بن نصر تھمر اور نکسار کے ساتھ خیمے میں داخل ہو کر پہلے کمرے میں بیٹھ گیا تھا اور محافظ کو اس نے برقائی کو بلانے کے لیے کہہ دیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد برقائی خان اس کمرے میں داخل ہوا وہ کچھ فکر مند سا تھا عمیر بن نصر کے قریب آ کر اس نے بڑی پریشانی سے پوچھا عمیر میرے بھائی خیریت تو ہے اس پر عمیر بن نصر کہنے لگا برقائی میرے بھائی بیٹھو میں تم سے انتہائی اہم موضوع پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں برقائی جب بیٹھ گیا تو جو کچھ گفتگو اس کی نکسار کے ساتھ ہوئی تھی وہ ساری تفصیل کے ساتھ عمیر بن نصر نے برقائی سے کہہ دی تھی۔

اس انکشاف پر برقائی کا چہرہ غصے اور غضب میں آگ کے شعلوں کی مانند ہو گیا تھا تھوڑی دیر تک وہ پیچ و بل کھاتا رہا پھر اس نے اپنے محافظ کو طلب کیا وہ محافظ بھاگتا ہوا جب اس کے قریب آیا تب تحکمانہ انداز میں برقائی کہہ رہا تھا۔

ابھی اور اسی وقت اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ جاؤ اغون خان کو اس کے خیمے میں نظر بند کر دو جو بھی اس کے ملنے والے یا اس کے رشتہ دار ہیں یا اس کے لواحقین میں سے ہیں سب پر کڑی نگاہ رکھنے کا انتظام کرو سنو یہ لوگ سرائے باتو میں ایک بہت بڑی بغاوت اور فتنہ پیدا کرنے کے درپے ہیں برقائی خان کے اس انکشاف پر اس محافظ کا رنگ بھی غصے میں سرخ ہو گیا تھا پھر وہ خیمے سے نکل گیا تھا۔

محافظ کے جانے کے بعد تھوڑی دیر تک خیمے میں خاموشی رہی اس کے بعد برقائی خان کی آواز گونجی۔

عمیر میرے بھائی میں تیرا شکر گزار ہوں کہ تو نے بروقت مجھے اس سازش کی اطلاع اور دیکھ میخائیل کی بیوی میں تیرا بھی انتہا درجے کا ممنون ہوں کہ تو نے عمیر بن نصر پر اعتماد اور بھروسہ کیا اور یہ سارے واقعات اس پر انکشاف کر دیئے سن نکسار میں مسلمان ہوں اور جس طرح باتو نے تیرے شوہر میخائیل کو قتل کروایا تھا وہ مسلمانوں کے شایان شان نہیں ہے ہم مسلمان انسانیت کا احترام کرنے والے ہیں اس کے علاوہ نہ خود کسی کے سامنے جھکتے ہیں نہ اوروں کو جھکنے کے لیے کہتے ہیں لہٰذا میں کیوں تمہارے شوہر میخائیل کا خون کرتا۔ جواب میں نکسار کچھ کہنا چاہتی تھی کہ عمیر

بن نصر پہلے ہی بول پڑا وہ کہہ رہا تھا۔

برقائی میرے بھائی اب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ سرتاک اور راہب ولیم اس منگول سردار اغون خان کے ساتھ مل کر ایک بہت بڑی سازش تیار کر رہے تھے اب میرا دل اسے بھی تسلیم کر چکا ہے کہ میری بیوی بختائی کو سرتاک ہی نے قتل کیا تھا۔ لہٰذا میں اس سے انتقام ضرور لوں گا۔ میں اس کا سر ضرور کاٹوں گا اور اس کا سر کاٹنے سے پہلے اس سے تسلیم کرواؤں گا کہ واقعی بختائی کے قتل کا اہتمام اس نے ہی کروایا تھا۔ برقائی میرے بھائی میں آج کا دن یہاں قیام کروں گا کل میں یہاں سے مشرق کی طرف روانہ ہوں گا میری بیوی تمر میرے ساتھ جائے گی اس لیے کہ یہ فنون سپہ گری کا بہترین تجربہ رکھتی ہے اور میری اس مہم میں میری بہترین معاون اور مدد گار ثابت ہو سکتی ہے میں راستے ہی میں سرتاک اور اس کے دونوں قبرصی محافظوں کو روکوں گا اور ان سے وہی سلوک کروں گا جو انہوں نے میری بیوی بختائی سے کیا۔

یہاں تک کہنے کے بعد عمیر بن نصر جب رکا تو برقائی خان نے کچھ سوچا اس کے بعد وہ کہنے لگا۔

دیکھ عمیر میرے بھائی تھوڑی دیر تک جب اغوں خان کو اس کے خیمے میں نظر بند کر دیا جائے گا تو وہ جان جائے گا کہ نکسار نے حقیقت حال مجھ پر واضح کر دی ہے اس لیے اغون خان کے چاہنے والے بختائی کی طرح نکسار کو بھی ٹھکانے لگانے کی کوشش کریں گے بہرحال میں اس کے خیمے کے ارد گرد محافظ مقرر کروں گا جو اس کی بہترین حفاظت کریں گے۔ برقائی خان کی اس گفتگو پر نکسار بیچاری پیلی ہو گئی تھی۔ فکر مندی کے آثار اس کے چہرے پر نمایاں ہو گئے تھے۔ پھر وہ کہنے لگی۔ خاقان کیا ایسا ممکن نہیں کہ میں بھی یہاں سے تمر اور عمیر بن نصر کے ساتھ مشرق کی طرف روانہ ہو جاؤں یہاں خطرات میں دو چار رہنے سے بہتر ہے کہ میں ان کے ساتھ رہ کر محفوظ رہوں گو تمر سے میری کوئی طویل ملاقات نہیں ہوئی تھوڑی ہی دیر کی ملاقات ہے تاہم میں خیال کرتی ہوں کہ تمر کا مزاج مجھ سے ملتا جلتا ہے اور ہم اکٹھے اور باہم رہ سکتی ہیں نکسار کی اس گفتگو سے برقائی کے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ نمودار ہوئی

ی پھر وہ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور عمیر بن نصر اور تمر کو اس نے اپنے پیچھے آنے کہا عمیر بن نصر اور تمر دونوں اٹھ کھڑے ہوئے تھے برقائی انہیں لیکر ساتھ والے مرے میں چلا گیا تھا جبکہ اکیلی نکسار بیچاری اس کمرے میں حیران پریشان بیٹھی رہ گئی ہے۔

بڑے تجسس میں نکسار کی نگاہیں اس کمرے کی طرف جمی ہوئی تھیں جس میں تینوں گئے تھے تھوڑی دیر بعد وہ لوٹ آئے اور اپنی ۔ اپنی نشستوں پر آ کر بیٹھ گئے۔ تینوں کے چہروں پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ تھی اس کے بعد برقائی نکسار کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا۔

دیکھ نکسار تو برا مت ماننا کہ تجھے اس کمرے میں تنہا چھوڑ کر میں تمر اور عمیر بن نصر کو لیکر دوسرے کمرے میں چلا گیا دراصل معاملہ ہی ایسا تھا کہ ان کے ساتھ تنہائی میں گفتگو کرنا تھی جو گفتگو ہوئی اب میں تم پر بھی اس کا انکشاف کرتا ہوں دیکھ نکسار پہلے تو مجھے یہ بتا تیرا شوہر تو مر چکا اب تو بیوہ ہے ابھی تو نو عمر ہے نوجوان ہے خوبصورت ہے حسین ہے تو اپنی زندگی تنہا تو بسر نہیں کر سکتی کیا تو دوسری شادی کرنا پسند کریگی۔

اس پر نکسار نے ایک بار تینوں کی طرف باری باری غور سے دیکھا پھر وہ برقائی سے کہنے لگی خاقان اگر کوئی مناسب اور اچھا شخص مل گیا جو مجھے سہارا دینے میں مخلص ہوا تو میں ضرور اس سے شادی کر لوں گی۔ اب میں ویسے ہی واپس جانا پسند نہیں کروں گی۔ اس پر برقائی نے گہری مسکراہٹ میں کہا دیکھ نکسار آج سے تو میری بہن ہے ایسے ہی جیسے یہ تمر ہے۔ اب میں تجھے بہن ہی کہہ کر مخاطب کروں گا۔ دیکھ میری بہن کیا تو پسند کریگی کہ تجھے عمیر بن نصر کی زوجیت اور اس کے حرم میں داخل کر دیا جائے اس پر نکسار نے چونک کر عمیر بن نصر اس کے بعد تمر کی طرف دیکھا پھر وہ خوشی اور مسرت ملی جلی آواز میں کہنے لگی۔

ہاں اگر عمیر بن نصر مجھے اپنی زوجیت میں داخل ہونے پر رضا مند ہو جائیں اور اگر تمر مجھے زوجیت میں شراکت دار اور حصہ دار بنانا قبول کر لے تو میں سمجھوں گی میں نے زندگی میں کچھ کھویا نہیں بلکہ بہت کچھ پایا ہے تاہم اغون خان اور ان کے

بھیجے ہوئے قاصد مجھے آپ اور عمیر بن نصر کے متعلق بہت کچھ بتاتے رہے ہیں لیکن آپ دونوں سے مل کر یہ ساری باتیں وہم ہی وہم ثابت ہوئی ہیں نکسار کا یہ جواب سن کر برقائی ہی نہیں عمیر بن نصر اور تھمر کے چہرے پر بھی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی اس کے بعد برقائی کہنے لگا دیکھ نکسار علیحدگی میں جا کر میں عمیر بن نصر اور تھمر سے اسی موضوع پر گفتگو کی تھی میں تمہیں اچھی خبر یہ دیتا ہوں کہ عمیر بن نصر تمہیں اپنی زوجیت میں داخل کرنے پر بخوشی آمادہ ہے اور خود تھمر بھی تمہیں عمیر بن نصر کی بیوی کی صورت میں دیکھنے پر اپنی رضا مندی اور خوشی کا اظہار کر چکی ہے۔ چونکہ تم خود بھی اب اس بات پر راضی ہو لہٰذا میرا فیصلہ یہ ہے کہ ابھی تھوڑی دیر تک تمہیں عمیر بن نصر کے حرم میں داخل کر دوں گا اس لیے کہ عمیر بن نصر کل تھمر کے ساتھ یہاں سے کوچ کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا تم بھی اس کے ساتھ جاؤ گی۔ دو کے بجائے تم تین زیادہ بہتر اور مستحکم رہو گے۔ اس پر نکسار فوراً بولی۔

دیکھ خاقان میں آپ کی بڑی ممنون اور مشکور ہوں کہ آپ نے میری زندگی کو ایک نیا رخ اور لائحہ عمل عطا کر دیا ہے۔ لیکن میری ایک گزارش بھی ہے کہ اس شادی سے پہلے مجھے حلقہ اسلام میں بھی داخل کیا جائے تاکہ میرا آپ عمیر بن نصر اور تھمر کے ساتھ ایک گہرا تعلق اور رشتہ ہے۔ نکسار کا یہ جواب سن کر برقائی کے چہرے پر گہری مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ تھوڑی دیر تک وہ مسکراتا ہی رہا پھر کہنے لگا دیکھ نکسار میری بہن اب جبکہ برقائی تجھے اپنی بہن کہہ چکا ہے اور تجھے عمیر بن نصر کی زوجیت میں دینے کا عزم کر چکا ہے تیری ہر خواہش تیری ہر آرزو کا احترام کیا جائے گا جیسا تو چاہ رہی ہے ویسا ہی ہو گا۔

یہاں تک کہنے کے بعد برقائی تھوڑی دیر تک رکا اس کے بعد وہ عمیر بن نصر کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

عمیر میرے بھائی تمہاری یہاں سے روانگی کے بعد میں ہر روز کسی بلند کوہستانی چوٹی پر کھڑے ہو کر تمہارا بڑی بے چینی سے انتظار کیا کروں گا۔ دیکھ میرے بھائی تم نکسار اور تھمر کے ساتھ جلد لوٹ آنا۔ تم تینوں سے میرا ایک گہرا تعلق اور رشتہ ہے جب تم سرتاک سے یہ بات اگلوانے میں کامیاب ہو جاؤ گے کہ میرے خلاف اغون

خان سرتاک کے ساتھ سازش میں شریک تھا تو پھر اس اغون خان اس کے سارے رشتہ دار اور ساتھیوں کے سر قلم کرا دوں گا۔ ان لوگوں کو کبھی بھی مذہب کو آڑ بناتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف حرکت میں آنے کی اجازت نہیں دوں گا۔

اس کے ساتھ ہی برقائی خان اٹھ کھڑا ہوا اسی روز نکسار کو عمیر بن نصر کی زوجیت میں دے دیا گیا تھا۔ وہ رات عمیر بن نصر، تھمر اور نکسار نے اپنے خیمے میں گزاری اور پھر اسی رات کے پچھلے پہر عمیر بن نصر تھمر اور نکسار کے ساتھ وہاں سے مشرق کی طرف کوچ کر گیا تھا۔ تاکہ سرائے باتو میں کسی کو یہ خبر نہ ہو کہ وہ تینوں کس طرف اور کہاں گئے ہیں۔

○

پت جھڑ کی رت عروج پر آ گئی تھی آسمان پر ادہام کے زنگار، جنگل کی کالی رات کی طرح گہرے بادل چھائے ہوئے تھے اور پھر تھوڑی دیر ہی بعد برف باری شروع ہو گئی تھی۔ عمیر بن نصر تھمر اور نکسار تینوں اپنے گھوڑوں کو اس شاہراہ پر سرپٹ دوڑا رہے تھے جو دریائے دولگا کے قریب سے نکلتی ہوئی دریائے یورال کو پار کر کے بحیرہ ارال کے شمال اور جھیل بالکش کے جنوب میں ہوتی ہوئی تھیان شان کے دروں میں سے گزر کر کوہستان الطائی اور پھر وہاں سے آگے صحرائے گوبی سے ہوتی ہوئی کوہستان خنجان کی طرف چلی گئی تھی۔

برف باری کے باعث زمین کا سینہ بڑی تیزی سے سفید آنچل اوڑھنے لگا تھا۔ اس طرح لگاتار سفر کرتے ہوئے عمیر بن نصر تھمر اور نکسار تینوں تھیان شان کے اس درے میں پہنچ گئے جہاں سے منگولوں کے مسکن سے آنے والی شاہراہ گزرتی تھی اور اگر اس شاہراہ کے کنارے کوئی بیٹھ جائے تو وہاں سے گزرنے والے کو با آسانی دیکھا جا سکتا تھا اور اسے اپنے تیروں کا ہدف بھی بنایا جا سکتا تھا۔

تھیان شان کے درے میں آ کر عمیر بن نصر نے اپنے گھوڑے کو روک لیا۔ پھر وہ کوہستانی سلسلے کے اوپر چڑھ کر اپنے گھوڑے کو ادھر ادھر گھمانے لگا۔ اس موقع پر نکسار عمیر بن نصر کے قریب آئی اور پوچھنے لگی آپ کس شے کی تلاش میں ہیں اس پر عمیر بن نصر کہنے لگا۔

سن نکسار! سرتاک کے لیے ہم یہیں گھات میں بیٹھیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہاں قریب ہی کوئی غار مل جائے جس میں ہم تینوں میاں بیوی آرام سے بیٹھ کر چند یوم تک اپنے دشمنوں کا انتظار کر سکیں ہمارے پاس وافر مقدار میں کھانے کی اشیاء ہیں لہٰذا ہم کئی ہفتے تک لگاتار یہاں قیام کر کے سرتاک اور اس کے ساتھیوں کا انتظار کر سکتے ہیں عمیر بن نصر کا جواب سن کر نکسار خاموش ہو گئی تھی پھر وہ تینوں بڑی تیزی سے مناسب غار تلاش کرنے لگے تھے۔

تھوڑی دیر بعد تھیان شان کے درے کے بالکل کنارے وہ ایک کافی بڑی اور مناسب غار تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے وہ غار اس قدر وسیع تھی کہ اس میں وہ اپنے گھوڑوں کے ساتھ سما سکتے تھے اور بوقت ضرور غار کا منہ بھی بند کر سکتے تھے اس لیے کہ قریب ہی بڑے بڑے پتھر بھی تھے۔

سب سے پہلے عمیر بن نصر اپنے گھوڑے کی باگ تھامے اس غار میں داخل ہوا برفباری پہلے کی نسبت تیز ہو چکی تھی تھمر اور نکسار بھی بڑی تیزی سے اس کے پیچھے پیچھے غار میں داخل ہو گئی تھیں۔ اپنے گھوڑے کی باگ چھوڑ کر عمیر بن نصر نے پہلے اپنی تلوار بے نیام کی غار گو چھوٹی تھی پھر بھی اس کے اندر ایک چکر لگایا اپنی سلامتی اور حفاظت کا جائزہ لیا اس نے دیکھا غار کے اندر کوئی سوراخ نہیں تھا بلکہ غار اندر سے بالکل چٹان کی طرح پتھریلی اور سنگین تھی۔

یہ صورتحال دیکھتے ہوئے عمیر بن نصر کسی قدر مطمئن ہو گیا تھا وہ تھمر اور نکسار کے قریب آیا اور انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔ تم دونوں بہنیں گھوڑوں کی زینوں سے سامان اتار کر یہیں بیٹھو میں غار کے باہر کوہستانی سلسلے کے اوپر جاتا ہوں لکڑیاں کاٹتا ہوں۔ گھاس کاٹتا ہوں ہمیں غار میں گھاس اور لکڑیوں کا ڈھیر لگا لینا چاہیے اس لیے کہ خبر نہیں کتنے دن ہمیں اس غار کے اندر قیام اور انتظار کرنا پڑے۔

اس پر تھمر فوراً بولی اور کہنے لگی۔ گھوڑے یہیں غار کے اندر ہی چھوڑ جاتے ہیں میں آپ کو تنہا اور اکیلے نہیں جانے دوں گی۔ میں اور نکسار دونوں بھی آپ کے ساتھ جائیں گے۔ اور لکڑیاں اور گھاس کاٹنے میں آپ کی مدد کریں گے تھمر کا جواب سن کر عمیر بن نصر خوش ہو گیا تھا پھر وہ کہنے لگا اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو پھر آؤ

جلدی کریں اس لیے کہ لکڑیاں برفباری میں بھیگ گئیں تو ہمارے لئے مصیبت کا باعث بنیں گی۔ آگ ہم روشن نہیں کر سکیں گے۔ اس کے ساتھ ہی عمیر بن نصر نے اپنے گھوڑے کے ساتھ بندھا ہوا کلہاڑا اتارا تھمر اور نکسار نے اپنی تلواریں اور خنجر باندھ لئے تھے پھر وہ تیزی سے باہر نکل گئے تھے۔

غار کے قریب ہی انہوں نے دیکھا کہ کافی بڑی بڑی بھورے رنگ کی خشک گھاس تھی جو لحہ بہ لحہ برفباری سے سفید ہوتی جا رہی تھی اور گھاس کے اندر ہی خشک درختوں کا نہ ختم ہونے والا ایک سلسلہ تھا۔ یہ صورتحال دیکھتے ہوئے وہ تینوں خوش ہو گئے تھے پھر عمیر بن نصر اپنے کلہاڑے کو حرکت میں لایا بڑی تیزی سے وہ چھوٹے بڑے درخت کاٹ کر ان کے ٹکڑے کرتے ہوئے لکڑی کے ڈھیر لگانے لگا تھا۔ دوسری طرف تھمر اور نکسار بھی بڑی تیزی سے حرکت میں آیا اور اپنی تلواروں اور اپنے خنجروں سے گھاس کاٹ کاٹ کر ڈھیر لگانے لگی تھیں۔

پھر انہوں نے اندازہ لگایا کہ وہ اس قدر گھاس اور لکڑیاں کاٹ چکے ہیں کہ وہ کئی دنوں تک ان کے کام آ سکتی ہیں تو پھر انہوں نے لکڑیاں اور گھاس اٹھا اٹھا کر غار کے اندر جمع کرنی شروع کر دی تھیں جب ساری لکڑیاں اور گھاس غار کے اندر لے گئے تو پھر تینوں مل کر گھوڑے کی زینوں سے سامان اتارنے لگے تھے۔

نکسار اور تھمر نے جلدی جلدی گھوڑے کی زینوں سے دو بڑے بڑے کمبل کھول کر غار کے اندر بچھائے اور اس کے اوپر انہوں نے بستر بچھا دیئے تھے۔ گھوڑے کی زینوں سے ضرورت کا سارا سامان کھانے پینے کی اشیاء اور پانی کی چھاگلیں اتار لی گئی تھیں اس کے بعد گھوڑوں کی پیٹھوں سے زینیں اور منہ سے دھانے نکالنے کے بعد گھوڑوں کو غار کے ایک کونے میں باندھ کر ان کے آگے خشک گھاس ڈال دی گئی تھی۔ گھوڑے بھوکے تھے بڑی تیزی سے گھاس چبانے لگے تھے۔

نکسار اور تھمر دونوں کھانے پینے کی اشیاء غار کے ایک طرف جمانے لگی تھیں جبکہ عمیر بن نصر نے بستروں کے قریب ہی گھاس تھوڑی سی جمع کی اور اسے پہلے آگ دکھائی اور جب گھاس خوب آگ' پکڑ گئی تو اس کے اوپر اس نے چھوٹی چھوٹی خشک لکڑیاں اور بڑی لکڑیوں کی چھال ڈالنی شروع کر دی تھی جس نے تیزی سے آگ

پکڑنی شروع کر دی جب کچھ آگ جمع ہوئی تو اس نے س کے اوپر بڑی لکڑیاں رکھ دیں وہ بھی خشک ہو کر آگ پکڑ گئیں اس طرح غار کے اندر الاؤ گرم ہو گیا تھا۔ جب آگ خوب بھڑک اٹھی تو تینوں اپنے بستروں پر بیٹھ گئے پھر تمر عمیر بن نصر کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

کیا ہمیں اس غار کا منہ کھلا رکھنا چاہیے ایسا نہ ہو کہ منہ کھلا رکھنے سے کوئی جنگلی جانور درندہ کوہستانی سلسلوں میں لٹیروں کا کوئی گروہ ادھر آن گھسے اور ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرے اس پر عمیر بن نصر کہنے لگا دیکھ تمر مجھے تم دونوں کی سلامتی اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے غار کا منہ ہم بڑے بڑے پتھروں سے بند کر دیں گے۔ اس کا تھوڑا سا حصہ ننگا رکھیں گے اور باری باری وہاں بیٹھ کر پہرہ دیا کریں گے اور یہ پہرہ صرف دن کے وقت رہے گا تاکہ جب بھی کوئی درے سے گزرے تو ہمیں پتہ چل جائے کہ کون گزرا ہے۔ اس پر نکسار بولی اور کہنے لگی اگر ہمارے دشمن رات کے وقت گزر گئے تب۔ جواب میں عمیر بن نصر مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

دیکھ نکسار یہ ایسے ویران اور سنسان راستے ہیں کہ یہاں رات کے وقت کوئی سفر نہیں کرتا رات کسی نہ کسی سرائے یا بستی میں بسر کرتے ہیں صرف دن کے وقت سفر کرتے ہیں لہٰذا ہمیں خبر ہو جائے گی کہ سرتاک اور اس کے دونوں قبرصی محافظ کب اور کس وقت یہاں سے گزرتے ہیں۔

تھوڑی دیر تک عمیر بن نصر کا پھر سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

دیکھ تمر اور نکسار تم دونوں بہنیں مل کر بلکہ پہلے تینوں مل کر کھانا کھاتے ہیں میرے خیال میں اب شام ہو رہی ہے سورج غروب ہونے والا ہے اس کے بعد ہم تینوں آگ کے پاس بیٹھ کر آرام کریں گے اتنی دیر تک میں غار کا منہ بڑے بڑے پتھروں سے بند کرتا ہوں۔ اس پر نکسار کہنے لگی یہ کام میں اور تمر آپ کو اکیلے تو نہیں کرنے دیں گے۔ میں اور تمر اس کام میں آپ کے ساتھ لگیں گی۔ پہلے تینوں مل کے غار کا منہ بند کرتے ہیں اس کے بعد اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی تینوں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تینوں نے مل کر بڑے

بڑے پتھروں سے غار کا منہ بند کر دیا ہوا کے لیے غار کے اوپر کے حصے میں تھوڑا سا سوراخ رہنے دیا گیا تھا۔ اس کے بعد وہ تینوں بستر پر آ کر بیٹھ گئے اور خوشگوار ماحول میں کھانا کھانے لگے تھے۔

لگاتار کئی روز تک ان تینوں میاں بیوی نے کوہستان تھیان شان کے درے میں قیام کیا باری باری دن کے وقت وہ غار کے دہانے کے پاس بیٹھ کے پہرہ دیتے اور صحرائے گوبی کی طرف آنے والی شاہراہ پر کڑی نگاہ رکھتے اور رات کے وقت غار میں آلاؤ گرم کر کے تینوں سو رہتے۔

ایک روز جبکہ عمیر بن نصر غار کے دہانے کے پاس صحرائے گوبی کی طرف سے آنے والی اس شاہراہ ریشم پر گہری نگاہ رکھے ہوئے تھا ایک دم وہ چونک کر اٹھ کھڑا ہوا پتھر جن سے اس نے غار کا دہانہ بند کر رکھا تھا وہ دھکا دے کر اس نے ایک دم گرا دیئے پھر وہ بلند آواز میں تمر اور نکسار کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ تمر اور نکسار تم دونوں بہنیں فوراً" تیار ہو جاؤ۔ میں مشرق کی طرف سے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں سن رہا ہوں اور میرا دل کہتا ہے کہ یہ سرتاک اور اس کے قبرصی محافظوں کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ میں درے کے بالکل کنارے جاتا ہوں تم دونوں بہنیں اتنی دیر تک تینوں گھوڑوں کو تیار کر کے درے کے دہانے کی چٹانوں کی اوٹ میں آ جاؤ۔ اس کے ساتھ ہی عمیر بن نصر نے اپنی پیٹھ پر تیروں کا ترکش درست کیا کندھے پر لٹکی تیر کمان کا جائزہ لیا پھر وہ اپنے سر پر اپنا آہنی خود درست کرتا ہوا غار سے باہر بھاگ گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد تمر اور نکسار بھی تینوں گھوڑوں کی باگیں پکڑے وہاں پہنچ گئیں تھیں۔ انہوں نے اپنا سارا سامان اور بستر لپیٹ کر اپنے گھوڑوں کی زینوں سے باندھ دیا تھا۔ عین اسی وقت انہوں نے دیکھا ذرا فاصلے پر مشرق میں کوہستانی سلسلے کے درے کے اندر تین سوار ہیولیوں کی طرح نمودار ہوئے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی عمیر بن نصر چلا اٹھا۔ دیکھ تمر تم اور نکسار دونوں اپنے تینوں گھوڑوں کو جو ہمارے قریب بلند چٹان ہے اس کی اوٹ میں پتھروں کے ساتھ باندھ آؤ۔ پھر دونوں میرے پاس آ جاؤ۔ آج اس درے میں سرتاک اور اس کے دونوں قبرصی ساتھیوں کا تماشہ قابل دید ہو

گئے۔ عمیر بن نصر کے کہنے پر تھمر اور نکسار دونوں حرکت میں آئیں گھوڑوں کو کھینچتی ہوئی وہ چٹانوں کی اوٹ میں جا کر پتھروں سے باندھ آئیں پھر عمیر بن نصر کے دائیں بائیں پہلو میں وہ بھی گھات میں بیٹھ گئیں تھیں۔

جب تینوں سوار نزدیک آئے تو عمیر بن نصر کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر وہ دائیں بائیں پہلو میں تھمر اور نکسار کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ سنو میری دونوں رفیقو۔ آنے والے یہ تینوں سوار سرتاک اور اس کے دونوں قبرصی ساتھی ہیں۔ میں تینوں کو پہچان چکا ہوں۔ اس کے ساتھ عمیر بن نصر نے اپنے کندھے سے کمان اتاری اور پیٹھ پر لٹکتے ہوئے ترکش سے اس نے چند تیر نکال لئے اور اپنے پہلو میں رکھ لئے تھے۔

جونہی وہ تینوں عمیر بن نصر کے تیروں کی مسافت میں داخل ہوئے عمیر بن نصر نے ایک تیر اپنے منہ میں پکڑا۔ دوسرا اس نے چلے پر چڑھا دیا تھا۔ پھر اس نے سانس روکی اور تاک کر تیر مارا۔ تیر ایک قبرصی کا سینہ چیرتا ہوا نکل گیا تھا اور وہ قبرصی چیخ مارتا ہوا زمین پر گر گیا تھا۔ سرتاک اور دوسرا قبرصی اس اچانک حملے پر ابھی ششدر اور حیران تھے کسی رد عمل کا اظہار کرنا ہی چاہتے تھے کہ اتنی دیر تک عمیر بن نصر دوسرا بھی تیر چلا چکا تھا۔ دوسرا تیر دوسرے قبرصی کا سینہ چیرتا ہوا نکل گیا تھا۔ دوسرا قبرصی بھی دم توڑ کے اپنے گھوڑے سے نیچے گر گیا تھا۔

یہ صورت حال دیکھتے ہوئے سرتاک فوراً حرکت میں آیا تھا۔ اپنے گھوڑے سے چھلانگ لگا کر وہ نیچے اترا اور قریب ہی چٹان کی اوٹ میں ہو کر حالات کا جائزہ لینے لگا تھا۔ اتنی دیر تک عمیر بن نصر زمین پر لیٹتے ہوئے اپنی اوٹ سے باہر آیا وہ سانپ کی طرح رینگتا ہوا سرتاک کی طرف بڑھنے لگا تھا۔ سرتاک سے تھوڑا قریب جا کر عمیر بن نصر نے کھولتے ہوئے لہجے میں کہا۔ دیکھ باتو کے بیٹے سرتاک۔ میں تیرے دونوں قبرصی محافظوں کا خاتمہ کر چکا ہوں۔ اب میں بالکل تیرے نزدیک ہوں تو میرے تیروں کی زد میں ہے۔ تیری بہتری اسی میں ہے کہ تو اپنی جگہ پر کھڑا ہو جائے۔ تاکہ میں تیرے ساتھ اپنا معاملہ طے کر سکوں۔ دیکھ میں عمیر بن نصر ہوں۔ وہی عمیر بن نصر جس سے کبھی تیرے باپ باتو نے تیری بہن بخائی کو مجھ سے بیاہا تھا۔

عمیر بن نصر کے ان الفاظ پر سرتاک اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا تھا عمیر بن نصر بھی اوٹ سے نکل آیا پھر وہ اپنی تلوار اور ڈھال اپنے دائیں بائیں ہاتھ میں لئے سرتاک کی طرف بڑھا تھا۔ قریب جا کر عمیر بن نصر سرتاک کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

دیکھ سرتاک اب جبکہ ان ویرانوں اور سنگلاخوں میں تیرے دونوں قبرصی محافظوں کا خاتمہ کر چکا ہوں تو تمہارے لیے بہتری یہی ہے کہ میرے ساتھ ان ویرانوں میں مت ٹکراؤ۔ جو میں کہتا ہوں وہی کرو۔ چپ چاپ میرے ساتھ ہو لو میں تمہیں تمہارے خاقان برقائی خان کے پاس لیکر جاؤں گا۔ اس پر سرتاک چھاتی تانتے ہوئے کہنے لگا۔

دیکھ صحرائے عرب کے بدو۔ یہ تیری غلط فہمی۔ تیرا فریب نظر ہے کہ میں تیرے ساتھ برقائی کے پاس جاؤں گا۔ اگر مجھے جانا ہی ہے تو وہاں میں اکیلا ہی جاؤں گا۔ اور اس کے سامنے اپنے خاقان منگو کا وہ حکم نامہ پیش کروں گا جس کے تحت منگو نے مجھے مغربی منگولوں کا خاقان مقرر کیا ہے اور ایسا میں ان دیولاخوں کے اندر تیرا خاتمہ کرنے کے بعد جاؤں گا۔ تو نے میرے دونوں قبرصی محافظوں کا خاتمہ کر کے اپنی موت کے پروانے پر دستخط کر دیئے ہیں۔ اس پر عمیر بن نصر انتہائی برہمی میں کہنے لگا۔

دیکھ بزدل سرتاک۔ میں بخائی نہیں ہوں جسے تو رات کی تاریکی میں بارش کے اندر اپنے ساتھیوں کے ذریعے قتل کرا دے گا۔ مت بھول کہ تو بخائی کا قاتل ہے اور بخائی کے شوہر کی حیثیت سے میں تم سے انتقام لوں گا۔ اس پر سرتاک اپنی تلوار لہراتے ہوئے کہنے لگا۔ یہ تو وقت بتائے گا کہ ان دیولاخوں میں کون کس سے انتقام لیتا ہے۔ اس پر عمیر بن نصر پہلے سے زیادہ غضبناکی میں کہنے لگا۔ میں تین بار گنوں گا۔ اس دوران اگر تو نے میرے ساتھ برقائی خان کے پاس جانے پر آمادگی ظاہر کر دی تو میں تجھے کچھ نہیں کہوں گا۔ بصورت دیگر میں تجھ پر حملہ آور ہو جاؤں گا۔ اس کے ساتھ ہی سرتاک کے جواب کا انتظار کئے بغیر عمیر بن نصر نے گنتی گننا شروع کر دی تھی۔

عمیر بن نصر کے تین گننے کے بعد جب سرتاک اس کے ساتھ جانے پر آمادہ نہ ہوا تو عمیر بن نصر بپھرے ہوئے تیندوے کی طرح آگے بڑھا اور سرتاک پر اس نے

حملہ کر دیا تھا۔ دونوں درے کے اندر ایک دوسرے پر غالب رہنے کی تگ و دو کرنے لگے تھے۔ اور ایک دوسرے پر بڑھ بڑھ کر حملہ آور ہونے لگے تھے۔ عین اسی وقت تدریجی بلندی کے اوپر سے تھمر اور نکسار بھاگتی ہوئی نمودار ہوئیں ان دونوں کے ہاتھوں میں اپنی ڈھالیں اور تلواریں تھیں ان کی طرف دیکھتے ہوئے سرتاک پریشان اور فکر مند ہو گیا تھا۔ اس موقع پر عمیر بن نصر کے چہرے پر مسکراہٹ تھی اور وہ سرتاک کو کہنے لگا۔

سرتاک تو فکر مند نہ ہو۔ یہ آنے والی دونوں میری بیویاں ہیں۔ ایک گرجستھان کی شہزادی تھمر ہے جسے تو نے حاصل کرنے کی کوشش کی تھی اب یہ میری بیوی ہے اور دوسری تمہارے باپ باتو کے ہاتھوں مرنے والے روسی حکمران میخائیل کی بیوہ نکسار ہے جس کے ذریعے تم نے سازش کر کے برقائی خان کا خاتمہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اب یہ نکسار بھی میری بیوی ہے اور میری ایک بہترین ساتھی۔ تو فکر مند نہ ہو یہ میری طرف سے حملہ آور نہیں ہوں گی۔ یہ ایک طرف ہٹ کر کھڑی رہیں گی اور میرے سامنے تیری بے بسی کا تماشہ دیکھیں گی۔

اس کے ساتھ ہی عمیر بن نصر نے تھمر اور نکسار کو ایک طرف ہٹ کر کھڑے رہنے کے لیے کہا جبکہ وہ خود بڑی تیزی اور تسلسل کے ساتھ اللہ و اکبر کی تکبیریں بلند کرتا ہوا سرتاک پر بڑھ چڑھ کر حملے کرنے لگا تھا سرتاک ان حملوں کی تاب نہ لاتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگا تھا۔

آخر سرتاک کو پیچھے دباتے ہوئے عمیر بن نصر نے اپنی ڈھال اس کے شانے پر دے ماری یہ ڈھال ایسے زور سے پڑی تھی کہ سرتاک اپنا توازن کھو بیٹھا اور اپنے پیچھے ایک پتھر پر گر گیا۔ عین اسی لمحہ عمیر بن نصر نے اپنی تلوار کی نوک اس کی شہ رگ پر رکھ دی تھی۔ اس کے بعد عمیر بن نصر نے اپنی تلوار کی نوک پر دباؤ ڈالتے ہوئے سرتاک سے اس کی تلوار اور ڈھال چھین کر دور پھینک دی تھی۔ پھر اس نے تحکمانہ انداز میں اسے اٹھنے کو کہا۔ جس کے جواب میں سرتاک فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ عمیر کہنے لگا۔

دیکھ سرتاک میں نے تجھے پہلے ہی کہا تھا کہ میرے ساتھ تیغ زنی کا مقابلہ کرنا

تیرے بس کی بات نہیں ہے۔ تو جانتا ہے بختائی کو حاصل کرنے کے لیے میں نے اس قبرصی تیغ زن کو لمحوں کے اندر مات کر دیا تھا جس کے ساتھ کوئی بھی منگول مقابلہ کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ پھر تیری میرے سامنے کیا حیثیت تھی۔ دیکھ سرتاک قبل اس کے کہ میں تلوار مار کر تیری گردن کاٹوں بتا بختائی کا قتل کیا واقعی تیرے ایما پر ہوا تھا۔ اگر تو نے جھوٹ بولنے کی کوشش کی تو میں تجھے اس درے کے اندر زمین پر لٹا دوں گا اور تمہارا ایک ایک عضو آہستہ آہستہ کاٹ کر علیحدہ کرتے ہوئے تمہیں انتہائی کرب اور ذلت کی موت مار دوں گا۔ اب بھی میں صرف تین تک گنوں گا اگر تم نے سچ اور صحیح جواب نہ دیا تو پھر میں تیرے بدن کی شکست و ریخت کا کام شروع کر دوں گا۔

عمیر بن نصر کی گنتی شروع کرنے سے قبل ہی سرتاک انتہائی بے بسی میں تقریباً چلاتے ہوئے کہہ اٹھا دیکھ عمیر بن نصر تو میرے اعضا مت کاٹنا میں سچ کہتا ہوں کہ بختائی کو واقعی میں نے ہی قتل کرایا تھا اور نکسار کے ساتھ سازش کا کھیل اور برقائی خان کے قتل کا اہتمام بھی میں نے ہی کیا تھا۔ اس پر عمیر بن نصر نے پوچھا کیا اس کام میں منگول سردار اغون خان بھی تمہارے ساتھ شامل تھا۔ اس پر سرتاک نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ عمیر بن نصر نے پھر پوچھا دوسرے منگولوں کے نام کہو جو اس کام میں تمہارے ساتھ شریک تھے اس پر سرتاک نے جب دوسرے منگولوں کے نام بھی بتا دیئے تب عمیر بن نصر نے اپنی تلوار بلند کی اور پھر زور سے گرائی کہ سرتاک کی اس نے گردن کاٹ کر رکھ دی تھی۔

سرتاک کے لباس سے عمیر بن نصر نے اپنی تلوار صاف کر کے نیام میں رکھ لی اور تھمر اور نکسار کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ میری دونوں رفیقو میری ساتھیو۔ جس کام کے لیے ہم مشرق کی ان سرزمینوں کی طرف آئے تھے اس کام کی ہم تکمیل کر چکے آؤ اب اپنے گھوڑوں پر ہم سوار ہوں اور وقت ضائع کئے بغیر سرائے باتو کی طرف کوچ کر جائیں۔

اس پر تھمر اور نکسار دونوں حرکت میں آئیں وہ کوہستانی سلسلے کے اوپر گئیں اور تینوں گھوڑوں کو لے کر آئیں۔ پھر تینوں اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے۔

اور تھوڑی ہی دیر بعد وہ اس شاہراہ پر اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑا رہے تھے جو تھان شیان کے درے سے گزرتی ہوئی جھیل بالکش اور بحرہ آرال کے پاس سے ہوتی ہوئی دریائے بورال کے اس پار سرائے باتو کے خیموں کے شہر کی طرف چلی گئی تھی۔

○

لالہ صحرا

وقار عظیم
پاکستانی پوائنٹ
ڈاٹ کام

شہر یثرب کی مشہور معروف کاہنہ سجاح بنت قطبہ اپنی حویلی کے دیوان خانے میں بیٹھی تھی کہ حویلی کے صدر دروازے پر زور دار دستک ہوئی اس پر کاہنہ سجاح جو دیوان خانے کی مسہری پر نیم دراز تھی اٹھ کھڑی ہوئی اور زور زور سے آوازیں دیتے ہوئے وہ پکارنے لگی۔ ارباط' ارباط تم کہاں ہو؟ بھاگ کر آؤ۔ سجاح کی اس پکار پر ایک لڑکی جو جادوئے بابل جیسی پر کشش' سحر سامری جیسی جاذب نظر اور لالہ رو تھی وہ شعلہ بے تابی کی طرح حویلی کے سکونتی حصے سے دیوان خانے کی طرف بھاگی تھی اس لڑکی کا آتشیں چہرہ گل احمر اور اسکی سلگتی صورت آتشی کرنوں جیسی دیکھائی دے رہی تھی وہ لڑکی اپنی خوبصورتی اپنے حسن اپنے جمال میں گل تر سے خوش تر یادوں کی مہک سے کہیں زیادہ نشاط انگیز اور سحر انگیز تھی۔ وہ لعل و مرجان لڑکی بھاگتی ہوئی دیوان خانے کے دروازے پر آئی اور شبنم کی سی آسودگی میں اس نے سجاح کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا اے عظیم کاہنہ کیا آپ نے مجھے آواز دی؟ وہ لڑکی کچھ اس انداز سے بولی تھی گویا اسکے خوش و خنداں چہرے سے خوشبوئے عروساں اور بہاروں کے پھول جھڑنے لگے ہوں جواب میں وہ کاہنہ اسے مخاطب کر کے کہنے لگی دیکھ ارباط حویلی کے دروازے پر دستک ہوئی ہے دروازہ کھول اور دیکھ کون آیا ہے اس پر وہ لڑکی مزید کچھ کہے حویلی کے صدر دروازے کی طرف بھاگ گئی تھی۔

ارباط نام کی اس حسین لڑکی نے کاہنہ کی حویلی کا دروازہ کھولا تو حویلی کے دروازے پر ایک کوہ پیکر اور تندومند جوان کھڑا تھا۔ شاید اسی نے ہی حویلی کے دروازے پر دستک دی تھی اور اس جوان کے دائیں ہاتھ ایک نوخیز نو عمر لڑکی بھی بڑی بے چینی سے دروازہ کھلنے کا انتظار کر رہی تھی۔

دستک دینے والے جوان کے ساتھ جو لڑکی تھی وہ اپنے حسن اپنی خوبصورتی' اپنی جوانی اور اپنے شباب میں کرنوں کی مسکراہٹ مسرت اور شادمانی کے نغمے آزادی کے گیت اور فتح کے اعلان جیسی پرکشش تھی۔ وہ لالہ صحرا احمری کرنیں بکھیرتی نئی صبح جیسی خوش کن نور کے بے بہا دخینوں اور پکے ہوئے لسوڑے جیسی بھرپور تھی اسکا انگارہ بدن سپنوں کے گیتوں کی معصومیت کے رنگوں' سنسنی خیزی رنگ و نکہت اور جمال وحدت جیسا تھا جب وہ عجیب و نوخیز چلتی ہوئی کاہنہ کی حویلی میں داخل ہوئی تو یوں لگا جیسے کہ وہ لڑکی قدم قدم قیامت اور نظر نظر نظارے برپا کرنے کی لئے پیدا کی گئی ہو۔

حویلی میں داخل ہونے کے بعد اس نووارد لڑکی نے دروازہ کھولنے والی لڑکی ارباط کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا کیا کاہنہ اندر ہے اس پر ارباط بڑے نشاط انگیز لہجے میں کہنے لگی ہاں کاہنہ اندر ہی ہے اس نے مجھے حویلی کا دروازہ کھولنے کے لئے بھیجا ہے۔ ارباط کا جواب سن کر اس لڑکی کے چہرہ پر خوشیاں اور مسکراہٹیں بکھر گئی تھیں۔ پھر وہ اپنے ساتھی جوان کے ساتھ حویلی کے دیوان خانے کی طرف بڑی تیزی سے بڑھی تھی جب وہ دونوں دیوان خانے میں داخل ہوئے تو کاہنہ سجاح نے اپنی مسہری پر بیٹھے ہی بیٹھے بڑی گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا اور ان دونوں کو اپنی مسہری کے سامنے ہاتھ سے ایک نشست پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ دونوں چپ چاپ بیٹھ گئے دروازہ کھولنے والی لڑکی ارباط بھی کاہنہ کے پلنگ کے ساتھ آکر کھڑی ہوگئی تھی۔ اس موقع پر وہ نووارد لڑکی کی کاہنہ کو مخاطب کر کے بولی اور کہنے لگی۔

اے کاہنہ میں آپ سے اپنی زندگی کے ایک راز کی بات کرنا چاہتی ہوں اور اسکے لئے میں تنہائی چاہتی ہوں شاید اس نووارد لڑکی کا اشارہ ارباط کی طرف تھا جو کاہنہ کی مسہری کی پاس کھڑی تھی۔ اس لڑکی کے یہ الفاظ سن کر کاہنہ نے اپنے پلنگ کے قریب کھڑی ارباط کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اگر تمہارا اشارہ ارباط کی طرف ہے کہ یہ یہاں سے چلی جائے تو تم اسکی موجودگی میں بھی اپنی زندگی کا ہر راز مجھ سے کہہ سکتی ہو۔ یہ لڑکی گو میری لونڈی ہے پر میں نے اسے اپنے ہاں بیٹیوں کی طرح رکھا ہوا ہے۔ میرے ہر راز کو یہ اپنا راز اور میری عزت کو یہ اپنی عزت خیال کرتی ہے۔ لہٰذا تم اسکی موجودگی میں بھی جو چاہے کہہ سکتی ہو۔ اس پر وہ نوارد لڑکی بولی اور کہنے لگی۔

اگر آپ زحمت محسوس نہ کریں تو میں تنہائی چاہوں گی۔ اس پر کاہنہ نے ارباط کو ہاتھ کے اشارے سے وہاں سے چلے جانے کا حکم دیا جسکے جواب میں ارباط فوراً دیوان خانے سے نکل گئی تھی۔

ارباط کے جانے کے بعد وہ نوارد لڑکی بولی اور کاہنہ کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے پوچھا اے کاہنہ میں نے جو آپ سے کام کہا تھا اسکا کیا بنا۔ اس نوارد لڑکی کے اس سوال پر کاہنہ سجاح کا چہرہ سرخ سا ہوگیا تھا تاہم جلد ہی اس نے اپنے آپ پر قابو پالیا تھا۔ پھر وہ لڑکی کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگی۔ سن عمارہ بنت حضیر تمہارے کہنے پر میں نے رقیم بن بکر سے بات کی تھی وہ تمہیں کسی بھی صورت طلاق دینے پر آمادہ نہیں ہے لہٰذا تم یوں سمجھو کہ میں تمہارا کام کرنے میں ناکام رہی ہوں۔ رقیم بن بکر ایک ماں کی طرح میری عزت کرتا ہے اور میں بھی اسے اپنا بیٹا ہی خیال کرتی ہوں لیکن اسکے باوجود بھی اس نے تمہارے معاملے میں میری بات ماننے سے صاف انکار کر دیا ہے۔ کاہنہ سجاح کا یہ جواب سن کر وہ لڑکی جس کا نام کاہنہ نے عمارہ بنت حضیر لیا تھا غصے اور غضب ناکی میں سرخ ہوگئی تھی۔ اسکی آنکھیں آگ برسانے لگیں تھیں اور چہرہ انتقام کی آگ میں تمتما اٹھا تھا پھر وہ دوبارہ بولی اور کاہنہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

سنو کاہنہ میں نے دو وجوہات کی بنا پر تمہیں یہ کام کرنے کو کہا تھا ایک یہ کہ ایک کاہنہ کی حیثیت سے تم سرائے یثرب میں صاحب عزت اور قابل تکریم خیال کی جاتی ہو دوسری وجہ یہ کہ رقیم بن بکر کا تمہارے ہاں بڑا آنا جانا ہے اور تم نے اسے اپنا بیٹا بھی بنا رکھا ہے اس بنا پر بھی میں نے تم سے گزارش کی تھی کہ تمہارے ذریعے میرا کام ہو جائے لیکن رقیم بن بکر ایسا کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ تو پھر اے کاہنہ میں یوں کہوں گی کہ اسکی موت اسے آوازیں دینے لگی ہے۔ یہاں تک کہنے کے بعد عمارہ بنت حضیر تھوڑی دیر کے لئے رکی پھر وہ اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے جوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کاہنہ سجاح سے کہنے لگی محترم کاہنہ یہ جوان جو میرے ساتھ بیٹھا ہے اسکا تعلق میرے ہی قبیلے سے ہے۔ اسکا نام مصدع بن مرہ ہے۔ یہ مجھ سے دیوانہ وار محبت کرتا ہے اور میں بھی اسے پسند کرتی ہوں۔ رقیم بن بکر سے آزاد ہونے کے بعد میں اسی مصدع بن مرہ سے شادی کرنا چاہتی ہوں اے کاہنہ تو جانتی ہے کہ اس

ے قبل رقیم بن بکر کا باپ بھی موت کے گھاٹ اتر چکا ہے اور اب رقیم بھی اپنے باپ کی طرح ذلت اور نقبت کی موت مارا جائے گا۔ لہٰذا اسکے خلاف کوئی کاروائی کرنے سے پہلے اے محترم و عظیم کاہنہ تم میری طرف سے اسے کھلے الفاظ میں کہہ دینا کہ اب میں اس سے طلاق حاصل کرنے میں زیادہ دیر انتظار نہیں کروں گی اگر وہ اپنی جان' اپنی خیریت اور اپنی زندگی چاہتا ہے تو مجھے طلاق دے کر فارغ کر دے ورنہ وہ خون اور موت سے کھیلے گا اور اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔

یہاں تک کہنے کے بعد عمارہ بنت حضیر خاموش ہوئی کاہنہ بولی اور کہنے لگی اے بنت حضیر تو بے فکر رہ میں اپنی لونڈی ارباط کے ذریعے یہ پیغام رقیم بن بکر کو پہنچاتی ہوں آگے ان دھمکیوں کے جواب میں وہ جو بھی فیصلہ کرے اسکی مرضی ہے پر اے بنت حضیر میں چونکہ رقیم بن بکر کو ایک عرصہ سے جانتی ہوں لہٰذا اسکے سلسلے میں میں تم سے یہ ضرور کہوں گی کہ رقیم بن بکر جنگ کا عقاب اور قہروں بھرا ایک جھکڑ ہے جو اپنے مخالفوں کے لئے وقت کے ماتھے پر قیامت کی رات اور لٹے ہوئے نگر کی اداسی بن کر نمودار ہوتا ہے۔ جنگ میں وہ نئی صفوں اور قطاروں کے اندر ایک مینار کی طرح کھڑا ہو کر اور بلند و بالا پہاڑ ہے اپنے دشمنوں پر وہ اندھیروں کے بھنور نئی شمشیر برہنہ' تباہی کا قاصد اور منزل کا آخری نوحہ ثابت ہوتا ہے۔ اے عمارہ بنت حضیر میں یہ بھی جانتی ہوں کہ اس رقیم بن بکر نے کسی سے انتقام لینا ہوتا ہے تو پھر اس پر وہ رقص قضا' سنگدل سیاہ رات کے پھیلاؤ اور لپکتے شعلوں کی طرح نزول کرتا ہے اور اسکی حالت اجاڑ غاروں کی ویرانی اور لہروں کے پیچ و تاب جیسی بنا کر رکھ دیتا ہے اگر اسکے باوجود تم یہ خیال کرتی ہو کہ سورما رقیم بن بکر کو اپنے سامنے ڈھیر کرنے کی ہمت اور جرات رکھتا ہے تو پھر تم یہ کام بھی کر دیکھو میں تمہارا پیغام رقیم بن بکر کو پہنچا دوں گی پر میں تمہیں یہ پیشگی کہتی ہوں کہ وہ ایسی دھمکیوں سے ڈرنے والا اور خوفزدہ ہونے والا نہیں ہے۔ عمارہ بنت حضیر نے کاہنہ کی ان باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا اور وہ اپنے ساتھی نوجوان مصدع بن مرہ کے ساتھ کاہنہ کے پاس سے اٹھ کر چلی گئی تھی۔

عمارہ بنت حضیر کے جانے کے بعد کاہنہ نے پھر زور زور سے پکارا ارباط ارباط تم کہاں ہو بھاگ کر آؤ جواب میں ارباط بھاگتی ہوئی دیوان خانے میں داخل ہوئی اور کاہنہ

کو مخاطب کرکے پوچھا اے عظیم کاہنہ کیا ہوا کاہنہ سجاح نے اپنے بستر پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا یہاں بیٹھو میں تمہارے ساتھ ایک راز کی بات کرنا چاہتی ہوں۔ حسین، پرکشش اور خوبصورت ارباط چپ چاپ کاہنہ کے بستر پر بیٹھ گئی تھی قبل اسکے کہ کاہنہ اسے مخاطب کرتے ہوئے کچھ کہتی ارباط نے بولنے میں پہل کی اور کاہنہ کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔

اے عظیم کاہنہ مجھ سے ایک بری بات سرزد ہوئی ہے اور وہ یہ کہ میں دیوان خانے سے باہر چھپ کر کھڑی رہی اور اس لڑکی اور آپ کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ میں ساری سن چکی ہوں اس موقع پر اے عظیم کاہنہ میں آپ سے یہ پوچھوں گی کہ یہ لڑکی کیوں رقیم بن بکر کے خلاف ہے اور اسکی جان کے درپے ہے ارباط کے اس سوال پر کاہنہ سجاح نے چونک کر اسکی طرف دیکھا اور پوچھا کیا تو جانتی ہے کہ یہ لڑکی کون ہے۔ اس پر ارباط بولی اور کہنے لگی ہاں میں جانتی ہوں یہ بنو اوس کے سردار حضیر بن سماک کی بیٹی عمارہ ہے۔ کاہنہ پھر بولی اور کہنے لگی تو یہ بھی جانتی ہے کہ اس عمارہ بنت حضیر کی شادی ہوچکی ہے۔ اس پر ارباط نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا نہیں میں یہ نہیں جانتی کہ اسکی شادی ہوچکی ہے۔ کاہنہ پھر بولی اور کہنے لگی اسکی شادی رقیم بن بکر سے ہوئی ہے کاہنہ کے اس انکشاف پر ارباط کی حالت اچانک سلگتی دوپہر جیسی افسردہ ٹیلوں سے لپٹ کے روتی ویرانیوں، شپ کے اندھیروں، خزاں کے طوفانوں اور وحشی آندھیوں جیسی افسوس ناک ہوگئی تھی۔ کاہنہ نے بھی اسکی اس بدلتی کیفیت کا جائزہ لے لیا تھا۔ تھوڑی دیر تک کاہنہ اسے بغور دیکھتی رہی پھر اس نے عجیب سے انداز میں ارباط کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا اے ارباط قبل اسکے کہ میں تم سے رقیم بن بکر اور عمارہ بنت حضیر کی شادی کی تفصیل کہوں تو یہ تو بتا کہ میرے شادی کے اس انکشاف پر تیری حالت یکسر کیوں بدل گئی۔ کیا تمہاری اس بدلتی حالت سے میں یہ اندازہ لگالوں کہ تم رقیم بن بکر کو پسند کرتی ہو کاہنہ کے ان الفاظ پر ارباط چونک سی گئی اسکی گردن تھوڑی دیر کے لئے جھکی رہی پھر آہستہ آہستہ اس نے کاہنہ کی طرف دیکھا اور وہ کہنے لگی۔

اے عظیم کاہنہ آپ کا اندازہ درست ہے۔ آپ جانتی ہیں کہ رقیم بن بکر لگاتار

آپ کی حویلی میں آتا ہے۔ آپ اسکے ساتھ محبت اور شفقت کے ساتھ پیش آتی رہی ہیں۔ مجھے اسکی عادات اور اس کے اطوار بے حد پسند ہیں اور جب بھی وہ آپ سے ملنے کے لئے آتا میں اکیلے چھپ چھپ کر اسے دیکھتی رہی ہوں اور اس سے محبت کرتے ہوئے اسکی پرستش کرتی رہی ہوں۔ اے کاہنہ میں جانتی ہوں وہ رقیم بن بکر ایک غلام ہے پر آپ اسے ایک بیٹے کی طرح چاہتی ہیں۔ اگر اس سے محبت کر کے میں نے کوئی گناہ کوئی جرم کیا ہے تو میں اپنے اس گناہ اپنے اس جرم کا اقرار کرتی ہوں۔ ارباط کی یہ گفتگو سن کر کاہنہ خوش ہوئی اور کہنے لگی۔

دیکھ ارباط تو نے میری کافی مشکلیں حل کر دی۔ سن تو نے رقیم بن بکر سے محبت کرکے کوئی گناہ نہیں کیا بلکہ وہ اپنے عادات و اطوار میں ہے ہی ایسا کہ اس سے محبت کی جائے۔ دیکھ میں عمارہ بنت حضیر کے ساتھ اسکی شادی کی تفصیل تمہیں بتاتی ہوں اور پھر تمہیں خود ہی پتہ چل جائے گا کہ یہ عمارہ بنت حضیر کیوں اسکی جان کے درپے ہے یہاں تک کہنے کے بعد کاہنہ تھوڑی دیر کے لئے رکی پھر وہ ارباط کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

سنو ارباط کچھ عرصہ پہلے تک رقیم بن بکر بنو اوس کے ایک سردار کا غلام تھا چند دن پہلے یہ رئیس بنو اوس کے سردار بن سماک کے ساتھ وادی تیما کی طرف گیا تھا۔ ایک غلام کی حیثیت سے رقیم بن بکر بھی اسکے ساتھ تھا۔ وادی تیما سے واپسی کے دوران بنو قلب کے کچھ لوگ بنو اوس کے سردار حضیر بن سماک پر حملہ آور ہوئے بنو قلب کے ان لوگوں کی حضیر بن سماک کے ساتھ پرانی دشمنی چلی آئی تھی اور وہ حضیر بن سماک کا قتل چاہتے تھے۔ وہ حملہ آور تعداد میں چار تھے۔ اس موقع پر رقیم بن بکر نے بڑی بہادری اور جرات مندی کا مظاہرہ کیا اس نے بنو قلب کے ان چاروں حملہ آوروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور حضیر بن سماک کی جان بچائی حضیر بن سماک رقیم بن بکر کی اس کارگزاری سے ایسا خوش ہوا کہ اس نے نہ صرف یہ کہ اپنے دوست رئیس سے خرید کر رقیم بن بکر کو آزاد کر دیا بلکہ اس نے اپنی اکلوتی اور حسین ترین بیٹی عمارہ بنت حضیر کی شادی رقیم بن بکر کے ساتھ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

حضیر بن سماک دیوانگی کی حد تک رقیم بن بکر کو پسند کرنے لگا تھا۔ وہ یہ بھی مانتا

تھا کہ اسکی بیٹی جو حسب و نسب پر اعتقاد رکھنے والی تھی وہ کبھی بھی رقیم بن بکر کے ساتھ شادی پر آمادہ نہ ہوگی جبکہ حضیر بن سماک ہر صورت میں اپنی بیٹی عمارہ بنت حضیر کی شادی رقیم بن بکر کے ساتھ کرنا چاہتا تھا۔ دوسری طرف عمارہ بنت حضیر اس جوان کو پسند کرتی ہے جو ابھی ابھی اسکے ساتھ آیا تھا اور جسکا نام مصدہ بن مرہ ہے۔ پس حضیر بن سماک نے اپنی بیٹی کو یہ تاثر دیا کہ وہ اسکی شادی ایک ایسے جوان سے کرنا چاہتا ہے جسکو وہ بے حد پسند کرتی ہے اور جسے وہ آنے والے دنوں میں اپنی جان اور اپنی روح کی طرح عزیز رکھے گی۔ اپنے باپ کی ان باتوں سے اس نے یہ تاثر لیا کہ اسکا باپ اسکی شادی مصدع بن مرہ سے کر رہا ہے۔ اسی چکر میں عمارہ بنت حضیر کچھ بول نہ سکی لیکن جس دن اسکا نکاح ہوا تھا نکاح کے دروان اسے یہ ضرور پتہ چل گیا کہ اسکی شادی مصدع بن مرہ سے نہیں بلکہ رقیم بن بکر سے ہو رہی ہے لیکن عمارہ بنت حضیر کو یہ بھی خبر نہ تھی کہ رقیم بن بکر کوئی غلام ہے وقتی طور پر وہ اس پر آمادہ ہوگئی اس لئے کہ شادی کے روز وہ نکاح سے انکار کرتی تو نہ صرف اس کے باپ بلکہ پورے بنو اوس کی بے عزتی کا سوال تھا لہٰذا وہ خاموش ہو رہی۔

پس نکاح کے بعد جب رقیم بن بکر اسکے پاس آیا اور عمارہ بنت حضیر کو یہ خبر ہوئی کہ اسکا نکاح ایک غلام کے ساتھ کر دیا گیا ہے تو اس نے شادی کی پہلی رات ہی رقیم بن بکر کو مخاطب کر کے کہا **انا خیر منک نسب** یعنی میں حسب و نسب میں تم سے بہتر ہوں لہٰذا میں تم سے نفرت کرتی ہوں اور کسی بھی صورت تمہیں اپنے شوہر کی حیثیت سے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں اب صورت حال یہ ہے کہ عمارہ بنت حضیر رقیم بن بکر کو ناپسند کرتی ہے اور اس سے وہ طلاق لینے کی خواہش مند ہے تاکہ وہ طلاق حاصل کرنے کے بعد اپنے محبوب مصدع بن مرہ سے شادی کر سکے دوسری طرف رقیم بن بکر اسے طلاق دینے کے لئے تیار نہیں ہے وہ اس لئے کہ عمارہ کے باپ حضیر بن سماک نے سختی کے ساتھ رقیم بن بکر کو کہہ رکھا ہے کہ وہ کسی بھی صورت عمارہ کو طلاق نہ دے اگر حضیر بن سماک نے اسے یہ وصیت نہ کی ہوتی تو ہوسکتا ہے رقیم بن بکر اسے اب تک طلاق دے کر فارغ کر چکا ہوتا۔ لیکن حضیر بن سماک کا کہا مانتے ہوئے عمارہ کو رقیم طلاق نہیں دے رہا اور اب یہ عمارہ مختلف حربے

استعمال کرتے ہوئے رقیم سے گلو خلاصی کروانا چاہتی ہے۔ مجھے خدشہ ہے کہ اگر یہ سلسلہ مزید بڑھا تو یہ عمارہ بنت حضیر رقیم بن بکر کی جان لینے سے بھی گریز نہ کرے گی۔

کاہنہ کی یہ ساری گفتگو سننے کے بعد ارباط نے کسی قدر سنبھلی ہوئی حالت میں کہا اے عظیم کاہنہ اب میں سمجھی کہ کن حالات میں عمارہ بنت حضیر اور رقیم بن بکر کی شادی ہوئی اور کیوں یہ عمارہ بنت حضیر رقیم بن بکر کی جان لینے کے درپے ہے اے کاہنہ اب جبکہ آپ جان چکی ہیں کہ میں رقیم بن بکر کو پسند کرتی ہوں وہ اب میری امیدوں کا سہارا میری آنکھ کا تارا اور میرے دل کی دھڑکن ہے۔ اے عظیم کاہنہ اگر تم پسند کرو تو میں عمارہ بنت حضیر کے خلاف رقیم بن بکر کے حق میں جاسوسی کروں۔ ارباط کے ان الفاظ پر کاہنہ کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی پھر وہ پوچھنے لگی وہ کیسے اس پر ارباط بڑی رازداری سے بولی اور کہنے لگی کہ بنو اوس کے سردار حضیر بن سماک کے ہاں جو لونڈی کام کرتی ہے وہ میرے ساتھ ہی یثرب کے بازار میں بکی تھی میں اور وہ ایک عرصہ تک اکٹھی رہی ہیں۔ ہم دونوں نے ایک دوسرے کو بہن بنا رکھا تھا۔ میں اسے اس کام پر لگاؤں گی کہ وہ عمارہ بنت حضیر پر نگاہ رکھے اور وہ جو بھی سازش رقیم بن بکر کے خلاف تیار کرے اسکی اطلاع مجھے کر دے اور میں فوراً ہی اس سازش کا انکشاف رقیم بن بکر سے کر دیا کروں۔ ارباط کی یہ بات سن کر کاہنہ بے حد خوش ہوئی اور کہنے لگی۔ سنو ارباط تمہیں ایسا کرنے کی اجازت ہے کاہنہ کا یہ جواب سن کر ارباط کے سرخ باریک ہونٹوں پر خوش کن اور خوشگوار مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ تھوڑی دیر تک دیوان خانے میں خاموشی رہی پھر کاہنہ بولی اور کہنے لگی۔

سنو ارباط مجھے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی ہے کہ تم رقیم بن بکر کو پسند کرتی ہو گو اب تک وہ ایک غلام کی حیثیت سے زندگی بسر کرتا رہا ہے لیکن وہ اپنی سیرت اور اخلاق کے لحاظ سے ایک بہترین اور نہایت پسندیدہ انسان ہے۔ لیکن ساتھ یہ بھی لکھ رکھو کہ یک طرفہ محبت مجھے پسند نہیں ہاں اگر رقیم نے بھی تمہیں پسند کرنا شروع کر دیا تو میں تمہیں یہ یقین دیلاتی ہوں کہ میں تمہیں آزاد کر کے رقیم کے ساتھ بیاہ دوں گی بلکہ تم دونوں کی گزر بسر کا خوب اور باعزت انتظام بھی کر دوں گی کاہنہ سجاح کے یہ الفاظ سن کر ارباط کے چہرہ پر دور دور تک خوشیاں بکھر گئی تھیں۔ وہ شاید سجاح کا شکریہ

ادا کرنے کے لئے الفاظ تلاش کر رہی تھی پر ایسا کرنے میں کامیاب نہ ہو رہی تھی سجاح نے بھی اسکی اس کیفیت کا اندازہ لگا لیا تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ مسکراتی رہی پھر کہنے لگی یہ تم پر احسان نہیں ہوگا ارباط بلکہ میں اسے اپنا فرض جان کر کروں گی اسلئے کہ تم جانتی ہو کہ رقیم بن بکر کو میں اپنے بیٹوں کی طرح پسند کرتی ہوں اور تمہیں میں نے اپنی بیٹی بنا رکھا ہے۔ لہٰذا تمہارے بھلے اور تمہاری بہتری کا کام میرے اوپر فرض بن جاتا ہے۔

سنو ارباط تم آج ہی سے اپنا کام شروع کر دو۔ تم آج ہی سے بلکہ اسی وقت بنو اوس کے سردار حضیر بن سماک کی حویلی کی طرف جاؤ اور اسکے ہاں جو تمہاری دوست لونڈی کام کرتی ہے اس سے رابطہ قائم کرو تاکہ وہ عمارہ بنت حضیر کی سرگرمیوں کی تمہیں اطلاع کرتی رہے اور اگر وہ کوئی خطرناک قدم رقیم بن بکر کے خلاف اٹھانا چاہئے تو ہم اسکی اطلاع بروقت رقیم کو کر سکیں سنو ارباط رقیم میں اپنے سگے بیٹوں جیسا عزیز رکھتی ہوں اور اسکی دو وجوہات ہیں اول یہ وہ دلیر ہے شجاع اور بہادر ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی شریف' عادل اور انکساری پسند انسان ہے اور دوسری بڑی وجہ اسے پسند کرنے کی یہ ہے کہ وہ احناف میں سے ہے۔ کاہنہ سجاح کی یہ گفتگو سن کر ارباط کسی قدر حیرت اور تعجب سے بولی اے کاہنہ یہ احناف کیا ہوتے ہیں ارباط کے اس سوال پر کاہنہ کے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ نمودار ہوئی وہ کہنے لگی۔

سن ارباط یہ احناف وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو جہالت کے اس دور میں بھی بت پرستی اور شرک میں مبتلا نہیں کرتے بلکہ یہ ابراہیم کی شریعت کے پیروکار ہیں اور یہ یہودیوں کی طرح اس سرزمین میں اس نبیؐ کے آنے کے منتظر بھی ہیں۔ جو اس کائنات میں آخری رسولؐ ہونے کے ساتھ ساتھ کبر ابلیس کے مقابلہ میں ہدایت و روشنی کا ایک کیمیا گر اور منبع ہوگا۔ آنے والا وہ رسولؐ ان گرم بیابانوں کی ریگ میں مراد موسیٰ و عمران عیسیٰ و مریم اور مژدہ ابراہیم و اسمٰعیل بن کر نمودار ہوگا۔ وہ جلیل و جمیل رسولؐ جہالت کے اندھیرے اور شرک میں ایک نور قمر اور فضائے نجوم کی طرف واحدنیت کی روشنی پھیلائے گا وہ آنے والا رسولؐ انسانیت کے لئے انیس و مونس اور ہمدم و ہمدرد ثابت ہوگا اور بڑی بڑی جابر اور قاہر قوتوں کے سامنے خدا کا پیغام سناتے

ہوئے انہیں عقبیٰ کی عقوبت کا خوف دلائے گا بس یہ احناف لوگ ابراہیم کی شریعت پر عمل کرتے ہوئے اسی آنے والے رسولؐ کے منتظر ہیں۔ لہٰذا یہ لوگ مجھے پسند ہیں اور انہی لوگوں میں تمہارا رقیم بن بکر بھی شامل ہے۔

سنو ارباط اب جب کہ تم مجھ پر اس بات کا اظہار کر چکی ہو کہ تم رقیم بن بکر سے محبت کرتی ہو اسے پسند کرتی ہو تو میں سمجھتی ہوں کہ تم آج کے بعد اسکے بھلے ہی کام کرو گی۔ سنو ارباط میرے پاس ایک ایسا راز ہے جسے میں آج تک رقیم بن بکر پر ظاہر نہیں کر سکی وہ اس بنا پر کہ میں اسے دشواریوں' اذیتوں سے بچانا چاہتی ہوں ارباط تو جانتی ہے کہ چند ماہ پہلے رقیم بن بکر کے باپ کو انتہائی بے دردی سے قتل کر دیا تھا۔ اور پھر کافی تلاش کے باوجود قاتلوں کا سراغ نہ ملا تھا لیکن میں نے ان قاتلوں کا سراغ لگا لیا ہے۔ اے ارباط تو جانتی ہے کہ ایک کاہنہ کی حیثیت سے میرے قبضے میں ایک جن ہے اسی سے کام لیتے ہوئے میں نے رقیم بن بکر کے باپ کے قاتل کو تلاش کیا ہے۔ گو جنات غیب کا علم نہیں جانتے پر ماضی میں پیش آنے والے حادثات سے متعلق یہ ضرور روشنی ڈالتے ہیں لہٰذا میں بھی اسی کے ذریعے سے یہ جان چکی ہوں کہ رقیم کے باپ کا قاتل کون ہے۔ کاہنہ سجاح کی اس گفتگو پر ارباط چونکی اور کہنے لگی اے عظیم کاہنہ کون ہے رقیم بن بکر کے باپ کا قاتل اس پر کاہنہ سجاح بڑی راز داری سے کہنے لگی۔ رقیم بن بکر کے باپ کا قاتل ایک یہودی نوجوان رباح بن خلود ہے۔ جسکا تعلق بنو قریظہ کے ساتھ ہے۔ یہ سن کر ارباط فوراً بولی اور کہنے لگی اے عظیم کاہنہ اس انکشاف کی اطلاع ہمیں فوراً رقیم بن بکر کو کرنی چاہئے تاکہ وہ اس یہودی نوجوان رباح بن خلود سے اپنے باپ کا انتقام لے سکے۔ اے کاہنہ آپ جانتی ہیں کہ جب سے رقیم بن بکر کا باپ مارا گیا ہے وہ الجھا الجھا اداس اور افسردہ رہنے لگا ہے۔ اگر وہ اپنے باپ کے قاتلوں سے انتقام لے لے گا تو اسکی یہ کیفیت جاتی رہے گی۔ اس پر کاہنہ سجاح خدشوں کا اظہار کر کے کہنے لگی۔

سنو ارباط جو کچھ تم کہہ رہی ہو میں جانتی ہوں رقیم کی محبت سے مغلوب ہو کر کہہ رہی ہو۔ پر میں نے اب تک اس راز کو راز اس لئے رکھا کہ مجھے خطرہ اور خدشہ تھا کہ اگر میں نے رقیم کو اسکے باپ کے قاتل کے متعلق بتا دیا تو وہ رباح بن خلود کے

ساتھ الجھے گا کہیں ایسا نہ ہو کہ رباح بن خلود اپنے اوباش دوستوں کے ساتھ ملکر رقیم بن بکر کے پیچھے نہ پڑ جائے اور اسے کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ اس پر ارباط بولی اور کہنے لگی۔ اے عظیم کاہنہ یثرب کے اس معاشرے اور قبائل کے اندر آپکی حیثیت قبائل کے سرداروں سے بھی زیادہ بلند اور عظیم ہے اور لوگ آپ کا احترام اپنے سرداروں سے بھی زیادہ کرتے ہیں۔ آپ نے رقیم بن بکر کو اپنا بیٹا بنا رکھا ہے۔ کیا ان اوباش اور بدماشوں کے مقابلے میں آپ رقیم بن بکر کی پشت پناہی کرتے ہوئے اسکی حفاظت کا انتظام نہ کر سکیں گی۔ ارباط کی یہ گفتگو سن کر کاہنہ سجاح کے چہرے پر عجیب سے ولولے اور عزائم رقص کرنے لگے تھے۔ پھر وہ فیصلہ کن انداز میں کہنے لگی تمہارا کہنا درست ہے ارباط میں اب رقیم کو ضرور اسکے باپ کے قاتلوں سے آگاہ کر دوں گی۔ اسپر ارباط فورا سجاح کی بات کاٹتے ہوئے کہنے لگی اگر آپ پسند کریں تو میں خود رقیم کو اسکے باپ کے قاتل سے متعلق نہ بتادوں اس پر کاہنہ سجاح مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

ہاں ارباط تمہیں ایسا کرنے کی اجازت ہے ۔ کاہنہ سجاح کی یہ اجازت ملنے پر ارباط بے حد خوش ہوگئی تھی پھر وہ دوبارہ بولی اور کاہنہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی اے عظیم کاہنہ میں اب بنو اوس کے سردار حضیر بن سماک کی طرف جاتی ہوں اور اسکے ہاں جو لونڈی کام کرتی ہے اسے اپنے راز میں لیتی ہوں اسکے بعد میں سیدھی جبل سطح کے پہلو میں وادی بطحان کی طرف نکل جاؤں گی اور وہاں سے رقیم بن بکر سے ملکر اسے بتاؤں گی کہ اسکے باپ کا قاتل بنو قریظہ کا یہودی نوجوان رباح بن خلود ہے۔ ارباط کی اس بات پر کاہنہ سجاح کے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر وہ کہنے لگی ہاں تم جاؤ اور ایسا ہی کرو۔ کاہنہ سجاح کا یہ جواب سن کر ارباط کے چہرہ پر خوشیاں ہی خوشیاں بکھر گئی تھیں۔ جن سے مغلوب ہو کر وہ کاہنہ کو کہنے لگی اے عظیم کاہنہ رقیم بن بکر جیسے جوان کی حمایت کر کے میں سمجھتی ہوں کہ تم نے اپنی زندگی کا سب سے بڑا اور نیک کام کیا ہے۔ ارباط کے ان الفاظ پر کاہنہ سجاح نے چونک کر اسکی طرف دیکھا۔ پھر وہ کسی قدر مسکراتے ہوئے کہنے لگی نہیں ارباط ایسی بات نہیں تم رقیم کی حمایت کو میری زندگی کا دوسرا بڑا کام کہہ سکتی ہو۔ اسکے علاوہ بھی میں نے اپنی زندگی میں ایسا فیصلہ کیا تھا۔ جسے میں اپنی زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ کہہ سکتی ہوں اور جس پر میں

ہمیشہ فخر اور ناز کرتی رہوں گی۔ کاہنہ کے یہ الفاظ سن کر ارباط نے فورا پوچھا اے عظیم کاہنہ وہ کون سا کام ہے جس پر آپ فخر کر سکتی ہیں۔ اور جسے آپ اپنی زندگی کا سب سے بڑا کام قرار دے رہی ہیں۔ ارباط کے اس استفسار پر کاہنہ سجاح نے کچھ سوچا اور دوبارہ کہنے لگی۔

سنو ارباط میری بیٹی جس کام کو میں اپنی زندگی کا سب سے بڑا کام قرار دیتی ہوں اور جس پر میں اب تک فخر کرتی ہوں وہ کام میں نے مکہ میں قریش کے سردار عبدالمطلب کے لئے کیا تھا۔ اس پر ارباط نے پھر پوچھا اے عظیم کاہنہ کیا آپ مجھے اس کام کی نوعیت نہ بتائیں گی جو آپ نے قریش مکہ کے سردار عبدالمطلب کے لئے کیا تھا اس پر کاہنہ بولی ہاں میں تمہیں اسکی تفصیل بتاتی ہوں جو کچھ یوں ہے۔

کہ قریش مکہ کے سردار عبدالمطلب بن ہاشم نے زم زم کھودنے کے وقت جب قریش کی جانب سے رکاوٹیں دیکھیں تو اس نے نذر مانی اسکے دس بیٹے ہوں گے اور سن بلوغت میں پہنچ کر اسکی حفاظت کریں گے تو وہ ان میں سے ایک بیٹے کو کعبہ اللہ کے پاس اللہ کی خوشنودی کے لئے قربان کر دے گا۔

جب ان کے ہاں پورے دس بیٹے ہوئے اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ وہ اسکی حفاظت کرسکتے ہیں۔ تو عبدالمطلب نے ان سب کو جمع کیا اور اپنی نذر کی خبر دے کر اسے پوری کرنے کی دعوت بھی دی بیٹوں نے انکی بات مانی اور دریافت کیا کہ کیا طریقہ اختیار کیا جائے عبدالمطلب نے کہا تم میں سے ہر ایک ایک تیر لے اور اس پر اپنا نام لکھ کر میرے پاس لے آئے چنانچہ عبدالمطلب کے بیٹوں نے ایسا ہی کیا۔

عبدالمطلب اپنے بیٹوں اور ان تیروں کو کعبہ اللہ کے اندر ہبل نام کا جو بت رکھا رہتا ہے اسکے پاس لے گئے شاید تم جانتی ہوگی کہ ہبل نام کا یہ بت کعبہ اللہ کے اندر ایک باؤلی پر رکھا رہتا ہے یہ باؤلی وہ ہے جس پر کعبہ اللہ کی نذر و نیاز میں جو چیزیں آتی وہاں جمع ہوتی رہتی ہیں ہبل کے پاس ہر وقت سات تیر رکھے رہے تھے ہر تیر پر کچھ نہ کچھ لکھا ہوتا ہے۔

ایک تیر پر خون بہا مرقوم ہے۔ جب کسی خون بہا کی ادائیگی میں اختلاف ہوتا ہے تو ان ساتوں تیروں کو حرکت دی جاتی اور جسکا نام نکلتا اس پر خون بہا کا بار ڈالا

جاتا۔ ایک تیر پر ہاں لکھا ہوا ہے جو کسی کام کے کرنے کی نشاندہی کرتا ہے۔ جب کوئی کام کرنے کا ارادہ ہوتا ہے تو اس تیر کو دوسرے تیروں میں ملا کر لوگ حرکت دیتے ہیں اگر ہاں لکھا ہوا تیر نکلے تو اس کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ ایک تیر پر نہیں لکھا ہوا ہے جب کوئی کام کرنا چاہے تو اسے بھی دوسرے تیروں کے ساتھ ملا کر جنبش دی جاتی ہے اگر یہی تیر نکلتا ہے تو وہ کام کرنے سے باز رہا جاتا ہے۔

اسی طرح ایک تیر میں تم میں ہے اور ایک تیر پر ملا ہوا' ایک تیر پر تم میں سے نہیں اور ایک تیر پر پانی لکھا ہوا ہے۔ جب وہ پانی کے لئے کنواں کھودنا چاہتے ہیں تو وہ ان تیر کو اور پانی سے متعلقہ تیر کو بھی رکھ دیتے ہیں۔ پھر جس طرح کا تیر نکلتا ہے اسکے مطابق عمل کرتے ہیں۔ جب وہ کسی لڑکے کا ختنہ یا نکاح کرنا چاہتے ہیں یا میت کو دفن کرنا چاہتے ہیں یا کسی شخص کے نسب میں انھیں کوئی شک ہوتا تو اسے اور اسکے ساتھ سو درہم اور ذبح کرنے کے لئے کوئی جانور بھی ہبل کے پاس لے جاتے یہ سب کچھ اس شخص کے حوالے کر دیتے جو تیروں کو ہلا کر نکالا کرتا ہے۔ اس شخص کو بھی اسکے پاس لے جاتے جسکے متعلق کوئی کام کرنا ہوتا ہے۔ پھر کہتے ہیں اے ہمارے معبود فلاں بن فلاں کے ساتھ ہم اس قسم کے معاملہ کرنا چاہتے ہیں۔ جو بات حق ہو وہ ہمارے لئے ظاہر کر دے پھر تیروں والے سے کہا جاتا ہے کہ وہ تیروں کو حرکت دے اگر اس شخص کے لئے وہ تیر نکلتا جس پر لکھا ہو تم میں سے تو وہ ان میں نہایت شریف سمجھا جاتا اگر اس کے لئے وہ تیر نکلتا جس پر تم میں ملا ہو لکھا ہوتا تو اس شخص کا درجہ ان میں سے پہلے تھا وہ اسی مرتبے پر رہتا۔

لیکن وہ شخص نہ کسی کے نصب میں شامل ہو سکتا تھا نہ کسی کا حلیف شمار ہوتا اگر قرعہ اندازی میں اسکے سوا کوئی اور معاملہ ہوتا جسے وہ کرنا چاہتے اور اسمیں ہاں نکلتا تو ویسا ہی کرتے اگر نہیں نکلتا تو معاملہ اس سال ملتوی کر دیتے یہاں تک کہ اسے دوبارہ لاتے اور اس وقت تک اپنے معاملات روکے رکھتے ہیں۔

عبدالمطلب بھی اپنے بیٹوں اور تیروں کو لے کر وہاں پہنچے اور ہبل کے پاس تیر ہلانے والوں کے پاس آکر کہا میرے ان بچوں کے لئے تیر ہلا کر نکالو اور جو نظر مانی تھی اسکی کیفیت بھی وہ تیر نکالنے والوں سے کہہ دی پس جب تیر نکالا گیا تو یہ تیر

عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے عبداللہ کے نام نکلا وہ عبداللہ عبدالمطلب کو بہت عزیز تھا لیکن پھر بھی عبدالمطلب نے اسکا ہاتھ تھاما چھری لی اور کعبہ کے پاس اسلاف و ہائلہ کے بتوں کے پاس اسے پکڑ کر لے آئے تاکہ اسے ذبح کریں۔ قریش کے لوگوں کو جب اسکی خبر ہوئی تو عبدالمطلب سے کہا تم یہ کیا کرنا چاہتے ہو۔ انھوں نے کہا میں اسے ذبح کرنا چاہتا ہوں۔ قریش اور ان کے دوسرے بیٹوں نے کہا کہ اسے ہرگز ذبح نہ کیجئے جب تک آپ مجبور نہ ہو جائیں اور پھر کچھ لوگوں نے عبدالمطلب کو مشورہ دیا کہ وہ یثرب میں میرے پاس آئیں اور اس سلسلے میں مجھ سے مشورہ کریں پس عبدالمطلب مکہ سے نکل کر میرے پاس یثرب آئے اور اس سلسلے میں انھوں نے مجھ سے مشورہ کیا۔

میں نے اپنے تابع جن سے رہنمائی حاصل کی پھر میں نے عبدالمطلب کو مشورہ بھی دیا کہ تم لوگ اپنی بستی کی طرف لوٹ جاؤ اور اپنے بیٹے کو اور دس اونٹوں کو پاس پاس رکھو پھر ان دونوں پر تیروں کے ذریعے قرعہ ڈالو اگر تیر تمہارے اس بیٹے پر نکلے تو اونٹوں کی تعداد بڑھاتے جاؤ یہاں تک کہ تمہارا پروردگار راضی ہو جائے اور اونٹوں پر تیر نکل آئے جب ایسا ہو تو بیٹے کی جگہ اونٹوں کو ذبح کر دینا پس میرا یہ مشورہ سن کر عبدالمطلب ہی نہیں باقی تمام لوگ بھی خوش ہوگئے وہ واپس گئے انھوں نے کعبہ اللہ میں جا کر ایک طرف دس اونٹ اور ایک طرف عبداللہ کو رکھا قرعہ ڈالا پھر بھی وہ عبداللہ کے نام نکلا اس طرح وہ اونٹ بڑھاتے گئے یہاں تک کہ جب اونٹوں کی تعداد سو ہوگئی تو قرعہ اونٹوں کے نام نکلا۔ اس طرح عبدالمطلب نے میرے اس مشورے پر عمل کرتے ہوئے اپنے بیٹے عبداللہ کے بجائے سو اونٹوں کی قربانی دی یوں میں نے ایک اچھا مشورہ دیتے ہوئے ایک انسانی جان بچائی اور مجھے اپنے اس فیصلے پر ہمیشہ فخر رہے گا کہ قریش مکہ کا سردار عبدالمطلب مکہ سے چل کر مجھ سے صلاح و مشورہ کرنے یہاں آیا اور یہی بات میرے لئے فخر و ناز کی ہے۔

یہاں تک کہنے کے بعد کاہنہ سجاح جب خاموش ہوئی تو ارباط بڑے متاثر کن انداز میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔ اے عظیم کاہنہ واقعی آپ نے بہت عمدہ اور اچھا مشورہ دیا تھا اور واقعی یہ آپ کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ اے کاہنہ کیا

اب مجھے اجازت ہے کہ میں یہاں سے نکل کر بنو اوس کے سردار حضیر کے ہاں کام کرنے والی اپنی ساتھی لونڈی سے ملوں اور اسکے بعد میں رقیم بن بکر کو اسکے باپ کے قاتل کی اطلاع دینے وادی بطحان کی طرف جاؤں جہاں وہ حضیر بن سماک کا ریوڑ چراتا ہے۔ اس پر سجاح نے مسکراتے ہوئے کہا ہاں بیٹی تمہیں ایسا کرنے کی اجازت ہے سجاح کی یہ اجازت پا کر ارباط تقریباً بھاگتی ہوئی اس کمرے سے نکل گئی تھی۔

○

کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ ارباط جبل سلح میں وادی بطحان میں داخل ہوئی جہاں رقیم بن بکر بنو اوس کے سردار حضیر بن سماک کا ریوڑ چرایا کرتا تھا۔ ارباط نے دیکھا رقیم بن بکر وادی بطحان میں ایک چٹان نما پتھر پر بیٹھا ہوا تھا اور وادی میں دور دور تک اسکا ریوڑ چر رہا تھا۔ جس میں بھیڑ بکریاں اونٹ اور گھوڑے شامل تھے وادی بطحان کی اس چٹان پر بیٹھا رقیم بن بکر خود بھی چٹان ہی دیکھائی دے رہا تھا۔ اسکے چہرے پر طوفانوں کی جوش مارتی دیگ جیسے جذبے تھے اور اسکی آنکھوں میں زندگی کا راز حرکت پذیر تھا۔ اپنے چہرے اپنی جسمانی ساخت اپنے قد کاٹھ سے وہ ایسا لگتا تھا جیسے وہ جگر آشوب لمحوں میں جمال فن کا مظہر' ظلمتوں میں رہبر' الام کے مہیب سایوں میں رموز کا محرم اور نرغہ باطل میں سفیر حق بن کر پیدا ہوا ہو۔ ارباط آہستہ آہستہ چلتی جب اس چٹان کے قریب گئی جس پر رقیم بن بکر بیٹھا ہوا تھا تو اسکی آمد سے رقیم بن بکر چونک کر اٹھ کھڑا ہوا لمحہ بھر کے لئے اس نے مڑ کر ارباط کی طرف دیکھا پھر اسکی نگاہیں جھک گئیں تھیں۔ ارباط اسکے قریب گئی اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

میں آپ سے کچھ کہنے آئی ہوں جس میں آپ ہی کا فائدہ ہے۔ رقیم بن بکر نے ارباط کی طرف دیکھے بغیر اور نگائیں جھکائے ہی جھکائے پوچھا حیرت ہے کہ تم مجھے آپ کہہ کر مخاطب کر رہی ہو میں تو غلام ہوں اور مخاطب کے ایسے الفاظ کی قدردانی سے ناآشنا ہوں پھر بھی کہو تم مجھ سے کیا کہنا چاہتی ہو۔ اس پر ارباط بولی اور کہنے لگی کہ آپ جانتے ہیں میں کون ہوں اس پر رقیم بن بکر بولا اور کہنے لگا میں نے تمہیں اس سے پہلے کئی بار کاہنہ سجاح کے ہاں دیکھا ہے۔ تم کون ہو کاہنہ سجاح سے تمہارا کیا رشتہ ہے۔ تمہارا کیا نام ہے۔ اس کا مجھے علم نہیں ہے اس پر ارباط مسکراتے ہوئے کہنے

لگی۔ میرا نام ارباط بنت روبیل ہے۔ میں کاہنہ سجاح کی لونڈی ہوں اور آپ کے فائدے کی ایک بات لے کر آئی ہوں اس پر رقیم بن بکر نے نگاہیں جھکائے ہی جھکائے پوچھا کہو تم کیا کہنا چاہتی ہو۔ رقیم بن بکر کے خاموش ہونے پر ارباط پھر بولی اور کہنے لگی۔

میں آپکے لئے دو کام کرکے آرہی ہوں پہلا یہ کہ آپ جانتے ہیں کہ آپ کی بیوی اور بنو اوس کے سردار کی بیٹی عمارہ بنت حضیر آپ کے خلاف ہے۔ وہ آپ سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے طرح طرح کے حربے استعمال کرتی ہے۔ کاہنہ سجاح کی رضامندی سے میں نے بنو اوس کے سردار حضیر بن سماک کے ہاں کام کرنے والی لونڈی کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ آج کے بعد وہ لونڈی سائے کی طرح عمارہ بنت حضیر پر نگاہ رکھے گی اور جو کوئی بھی سازش عمارہ بنت حضیر آپ کے خلاف تیار کیا کرے گی میں اسکی پیشگی آپکو اطلاع کر دیا کروں گی۔ ارباط بنت روبیل کی یہ گفتگو سن کر رقیم بن بکر نے شکر گزار انداز میں ارباط بنت روبیل کی طرف دیکھا اور کہنے لگا اے بنت روبیل میں تیرا ممنوں ہوں اگر تو میرے لئے یہ کام کرے اور یہ تو کہو تم میرے لئے ایسا کام کرتے وقت کیوں اپنی جان کو خطرے میں ڈالنا چاہتی ہو۔ اس پر ارباط بولی اور کہنے لگی آپ کو جب غلامی سے نجات دلائی جاچکی ہے تو پھر آپ کیوں غلامانہ انداز میں حضیر بن سماک کے ریوڑ چراتے ہیں۔ اس پر رقیم بن بکر جھٹ بولا اور کہنے لگا بس وہ میرا محسن ہے اس نے مجھے آزادی دلائی ہے لہٰذا میں اپنی مرضی سے اسکے ریوڑ چراتا ہوں اور اسکے لئے مجھے وہ خوب معاوضہ بھی دے دیتا ہے اس پر ارباط بنت روبیل بولی اور کہنے لگی اگر ایسا ہے تو آپ میرے سلسلے میں بھی یہ سمجھ لیں کہ آپ میرے محسن ہیں لہٰذا میں آپکی خدمت کرنا چاہتی ہوں اس پر رقیم بن بکر جھٹ بولا اور کہنے لگا۔

میں نے تو آج تک بنو اوس کے سردار حضیر بن سماک کے علاوہ اور کسی پر کوئی احسان نہیں کیا۔ میں ایک غلام تھا اور ایک غلام کسی پر کیا احسان کر سکتا ہے۔ کہو بنت روبیل میں نے تم پر کیا احسان کیا ہے اور تم کیسے اور کس طرح مجھے اپنا محسن خیال کرتی ہو اس پر ارباط بنت روبیل فیصلہ کن انداز میں کہنے لگی۔ میں یہ ساری بات کسی مناسب وقت پر آپ سے کہوں گی۔ بہرحال میں آپ کے لئے یہ کام کروں گی۔ جیسے

کوئی اپنے قریبی اپنے محسن کے لئے کرتا ہے۔ یہ تو آپ کے کے لئے ایک بات ہے اس پر رقیم بن بکر جھٹ بولا اور کہنے لگا اور دوسری بات کیا ہے۔ جواب میں ارباط بنت روبیل مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپکے باپ کے قاتل کا پتہ چل گیا ہے اور میں دوسری بات یہی کہنے آئی ہوں کہ آپکے باپ کو قتل کرنے والا رباح بن خلود ہے۔ اس قاتل کا انکشاف خود کاہنہ سجاح نے مجھ پر کیا ہے وہ کئی دن پہلے سے قاتل سے متعلق جانتی تھی کیونکہ اسکے تابع نے اسے خبر دے دی تھی لیکن وہ قاتل کا نام اس لئے نہیں ظاہر کر رہی تھی کہ کہیں اس سے انتقام لینے کی غرض آپ مزید الجھنوں اور دشواریوں میں نہ پھنس کر رہ جائیں پر میں آج اس لئے آپ کے باپ کے قاتل کا نام آپ کو بتا رہی ہوں تاکہ آپ اس سے انتقام لے کر اپنے دل کو سکون اور اپنی روح کی راحت کا سامان کریں۔ ارباط بنت روبیل کی یہ گفتگو سن کر رقیم بن بکر نے چونک کر کہا کیا یہ وہی رباح بن خلود ہے جسکا تعلق یہودیوں کے قبیلے بنو قینقاع سے ہے اور جسکے بھائی زرگری کا کام کرتے ہیں اس پر ارباط بنت روبیل بولی آپکا اندازہ درست ہے واقعی رباح بن خلود کا تعلق یہودیوں کے قبیلہ بنو قینقاع سے ہے اور اس کے دوسرے بھائی زرگری کا کام کرتے ہیں۔

ارباط کی یہ گفتگو سننے کے بعد رقیم کہنے لگا اے بنت روبیل گو ایک غلام کی حیثیت سے اس صحرائی معاشرے میں میرا کوئی نام میرا کوئی وطن میری کوئی قوم اور میری کوئی امید نہیں ہے۔ پھر بھی اے بنت روبیل اپنے باپ کا انتقام اس رباح بن خلود سے لینے کے لئے اگر مجھے دنیا کی نبض پر ہاتھ رکھنا پڑا تب بھی میں ایسا کر گزروں گا۔ اے بنت روبیل تو دیکھے گی کہ میں الوقت سیف قاطع کی طرح اس رباح بن خلود پر نزول کروں گا اور اسکے سارے وسواسات اور ساری بدگمانیاں نکال کر رکھ دوں گا۔ یہاں تک کہنے کے بعد رقیم بن بکر جب خاموش ہوا تو ارباط بنت روبیل نے بڑے غور سے رقیم بن بکر کے چہرے کی طرف دیکھا اس نے اندازہ لگایا کہ غصہ میں اسکی حالت بڑی تیزی سے تبدیل ہونا شروع ہوگئی تھی اس لئے کہ رقیم بن بکر کے چہرے کی شکنوں میں ہست و نیست کے کھیل اور بھیانک عداوتیں جوش مارنے لگی تھیں اسکی

غضب آلود نگاہوں میں طوفانوں کے سایوں جیسی ہولناکیاں رقص کرنے لگی تھیں۔ سمندر کی موجوں جیسا بلند و بالا رقیم بن بکر اس سمے حیات کے پردے میں موت کا سلگتا راز' سفاک تقدیر' پھنکتا بارود' عذاب کا فشار دیکھائی دے رہا تھا۔ اسکے جسم و جاں میں بھیانک عداوتیں انتقام کی بھبھوکا سی چنگاریاں' سلگتی خزاں اور اجل قاطع طریق کا سا سا بن گیا تھا۔ تھوڑی دیر تک اسکی ایسی ہی کیفیت رہی۔ پھر رقیم بن بکر نے کسی حد تک اپنے آپ کو سنبھالا اسکے بعد وہ ارباط بنت روبیل کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

اے بنت روبیل تیرا شکریہ کہ تو نے مجھے میرے باپ کے قاتل سے متعلق اطلاع کی اور ہاں کاہنہ سجاح کا بھی میری طرف سے شکریہ ادا کرنا کہ اس نے میرے باپ کے قاتل رباح بن خلود کی نشاندہی کی ہے اب یہ رباح بن خلود میرے ہاتھوں بچ نہ سکے گا اور سنو بنت روبیل میری خوش قسمتی اور اس رباح بن خلود کی بدقسمتی کہ یہ شخص تمہارے آنے سے تھوڑی ہی دیر پہلے مجھ سے ملنے کے بعد وادی بطحان کے جنوب مغربی حصے کی طرف گیا ہے۔ جہاں وہ اپنے نئے خریدے ہوئے گھوڑے کو سدھانے کے ساتھ ساتھ اسے کافی دور تک دوڑانے کی مشق بھی کرتا ہے۔ اے بنت روبیل تو یہیں رک میں وادی بطحان کے جنوبی حصے کی طرف جاتا ہوں جہاں رباح بن خلود اپنے گھوڑے کو سدھاتا اور دوڑاتا ہے میں وادی کے اس سنسان اور ویران حصے میں اس رباح بن خلود سے نمٹوں گا اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی کہ وادی بطحان میں رباح بن خلود کیسے اور کس کے ہاتھوں مارا گیا۔

یہاں تک کہنے کے بعد رقیم بن بکر ارباط بنت روبیل کے جواب کا انتظار کئے بغیر طوفانی انداز میں حرکت میں آیا چٹان کے قریب پڑی ہوئی اپنی ایک بڑی چادر اس نے اٹھائی اپنی کمر سے بندھی ہوئی تلوار درست کی پھر وہ ریوڑ میں قریب ہی چرتے ہوئے ایک گھوڑے کی طرف بھاگا تھا۔ جلدی جلدی اس نے اس گھوڑے کو پکڑا لگام کی جگہ اس نے اسکا منہ اپنی چادر سے باندھا ایک انتہائی زور دار اور زہریلی جست کے ساتھ وہ گھوڑے پر سوار ہوا پھر وادی بطحان میں اس نے اپنے گھوڑے کو جنوب مغرب کی سمت سرپٹ دوڑا دیا تھا۔

تھوڑی دور آگے جانے کے بعد اس نے اپنے گھوڑے کو روک لیا اس لئے کہ

اس نے دیکھا اس کے سامنے وادی بطحان میں ایک نوجوان وادی میں لمبے راستے کی صورت میں بنی ہوئی پٹی پر اپنے گھوڑے کو بار بار دوڑانے کے ساتھ ساتھ اسے جنگ میں سود مند ثابت ہونے والے کرتب بھی سکھا رہا تھا۔ جوں ہی اس نوجوان نے رقیم بن بکر کو گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر اپنی طرف آتے دیکھا وہ رک گیا اپنے گھوڑے کی پکڑی ہوئی باگ اس نے چھوڑ دی آگے بڑھا اور رقیم بن بکر کو وہ مخاطب کر کے کہنے لگا۔

اے رقیم بن بکر میں یہ کیا دیکھتا ہوں کہ تو گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہے اور گھوڑے کے منہ کو لگام دینے کے بجائے تم نے اپنی چادر ہی سے اسکا منہ باندھ کر لگام کا کام لیا ہے۔ کیا تجھے کہیں جانے اور کچھ کرنے کی جلدی اور عجلت تھی۔ رقیم بن بکر اسکے قریب آیا گھوڑے سے وہ اترا اپنی تلوار اس نے بے نیام کی پھر وہ اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔ سن رباح بن خلود مجھے واقعی تیری طرف آنے کی جلدی اور عجلت تھی۔ اے خلود کے بیٹے اس وادی میں تیری زندگی کا آج کا دن آخری دن ثابت ہوگا۔ اس لئے کہ بتانے والے نے مجھے بتا دیا ہے کہ تو ہی میرے باپ کا قاتل ہے اس انکشاف پر رباح بن خلود کا چہرہ پیلا اور عرق آلود ہوگیا تھا۔ تاہم اس نے اپنے آپ کو سنبھالا ایک جھٹکے کے ساتھ اس نے اپنی تلوار بے نیام کی پھر وہ رقیم بن بکر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

سنو بکر کے بیٹے وادی بطحان میں اپنی قضا اپنی موت کو آواز نہ دو تم جانتے ہو کہ یثرب شہر میں ابھی کوئی ایسا جوان پیدا نہیں ہوا جو تیغ زنی میں میرا مقابلہ کر سکے اگر تجھے اس بات کی خبر ہو ہی چکی ہے کہ میں نے تیرے باپ کو قتل کیا ہے تو اسے راز ہی میں رہنے دے اور اسکے انتقام پر نہ اتر اگر تو ایسا کرے گا تو خود اپنی جان کا ہی نقصان کرے گا اے بکر کے بیٹے تم جانتے ہو میں جسکے پیچھے پڑتا ہوں موت بن کر سائے کی طرح اسکا تعاقب کرتا ہوں اے رقیم بن بکر تو یہ بھی جانتا ہے کہ چند ماہ پہلے تک تو صرف ایک غلام تھا اور انتہائی بے بسی اور لاچارگی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور تھا۔ اب جبکہ تجھے غلامی سے نجات ملی ہے اور تو آزاد ہوا ہے تو ایک آزاد انسان کی حیثیت سے اس زندگی کا لطف اٹھا اگر تو مجھ سے ٹکرایا تو اسکا انجام یہ ہوگا کہ میں تیرے جسم تیری جان کو پھر موت کی غلامی کا طوق پہنا کر رکھ دوں گا۔ اے بکر کے بیٹے مجھ سے نہ ٹکرا

ہی تیری بہتری ہے اور اگر تو نے میری بات نہ مانی تو پھر لکھ رکھ میں تم پر مایوسی کا اندھیرا اور تباہی کی آگ بن کر حملہ آور ہونگا۔ تیرے چہرے کی شکنوں میں شکستگی، تیری روح میں اضطراب، تیرے برگ برگ میں وحشت اور تیری رگ رگ میں آتش بھر کر رکھ دونگا قبل اسکے کہ میں اپنی تلوار کو تیرے خلاف حرکت میں لاؤں تو یہاں سے چلا جا اور اپنے باپ کا انتقام لینے کا ارادہ ترک کر دے۔ یہاں تک کہنے کے بعد رباح بن خلود جب خاموش ہوا تو رقیم بن بکر نے اپنے پوری انقلابی شعور اور زندگی کی بھرپور حلاوت میں اسے مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

سن بدکردار کی نسل، مکار کی اولاد اور ظلمت کے فرزند قسم مجھے اپنے اس پروردگار کریم کی آسمان جس کا جلال اور زمین جسکی دستکاری ہے۔ وادی بطحان کے ان میدانوں میں میں تیرے گھمنڈ، تیرے سارے ساحرانہ عزائم نکال کر رکھ دوں گا۔ تیری بدی کی دھول پر موت کی خاک اڑاؤں گا اور تیرا یہ دعویٰ غلط ثابت کروں گا کہ یثرب میں کوئی ایسا جوان ابھی تک پیدا نہیں ہوا جو تیغ زنی میں تیرا مقابلہ کر سکے۔ اے خلود کے غلیظ اور متکبر بیٹے لکھ رکھو کہ اس وادی بطحان میں میں صبح کی روشنی کی مانند تیری روح کو مستقیم کر کے رکھ دوں گا۔ یہاں تک کہنے کے بعد رقیم بن بکر تھوڑی دیر کے لئے رکا پھر دوبارہ بولا اور رباح بن خلود کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

اے ابن خلود اپنی تلوار سنبھال میں تجھ پر حملہ آور ہونے لگا ہوں پھر دیکھتے ہیں اس وادی سے کون خون آلود اور کون کامیاب نکلتا ہے۔ رقیم بن بکر کے اس چیلنج پر رباح بن خلود نے اپنی تلوار اپنے سامنے کرلی تھی اسکے بعد رقیم بن بکر اسباب ہلاکت، سناٹے کی چھاؤں، اعمال کے جادو اور افعال کے سحر کی طرح آگے بڑھ کر رباح بن خلود پر حملہ آور ہوا۔ کچھ دیر تک دونوں جم کر لڑتے رہے اور ایک دوسرے پر خوفناک انداز میں حملہ آور ہونے کے ساتھ ساتھ اپنا دفاع بھی کرتے رہے۔ رباح بن خلود کا خیال تھا کہ وہ جلد ہی رقیم بن بکر پر قابو پالے گا اور اسے اپنے سامنے زیر کرلے گا لیکن اس کا ہر ارادہ اسکی ہر امید بے کار اور ناکارہ ثابت ہوئی اسلئے کہ رقیم بن بکر موت کے سایوں کی اس وادی میں رباح بن خلود کے سامنے پتھر اور فولاد کی طرح سنگین ثابت ہو رہا تھا۔ اچانک رقیم بن بکر نے ایک عجیب سی قوت اشتراق اور جذب استغراق

کے انداز میں رباح بن خلود پر حملہ آور ہوتے ہوئے زور دار انداز میں اپنی لات اسکے پیٹ پر ماری جسکے رد عمل کے طور پر رباح بن خلود انتہائی بے بسی کی حالت میں اپنا توازن کھوتا ہوا دور جاگرا اس موقع پر رقیم بن بکر نے اپنی فتح مندی سے بھرپور ایک قہقہ لگایا پھر وہ رباح بن خلود کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

سن اندھیروں کے فرزند! موت کی اس وادی میں میں تو تیرے حواس پراگندہ اور تیرے خیالات بے خانماں کرتے ہوئے تیرے جگر میں التہاب' تیرے دل میں کریدنی' تیرے ذہن میں مدو جزر بھرتے ہوئے تیری ساری ہم آہنگی و توازن تیرے سارے قرار جان اور فراغ دل میں غم دہر کی کدورت بھر کے رکھ دوں گا۔ دیکھ میں نے تجھے بے بسی کے ساتھ زمین پر گراتے ہوئے ایک بار تم پر اپنی برتری کا اظہار کر دیا ہے۔ ایسے موقع پر میں تیزی سے آگے بڑھ کر تیری گردن بھی کاٹ سکتا تھا پر میں تجھے ایک بار پھر مقابلہ کرنے کا موقع دیتا ہوں اٹھ اپنی تلوار سنبھال اور پھر میرے سامنے آ اور پھر دیکھتے ہیں کہ یثرب شہر میں تجھ سے تیغ زنی میں مقابلہ کرنے کے لئے کوئی جوان پیدا ہوا ہے یا نہیں رقیم بن بکر کے اس چیلنج پر رباح بن خلود پھر کپڑے جھاڑتا ہوا اٹھا اور طوفانی انداز میں رقیم بن بکر پر حملہ آور ہوگیا تھا۔

کچھ دیر تک دونوں جم کر ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتے رہے۔ ہر کوئی اپنے پورے سحر و جذب سے کام لیتے ہوئے دوسرے کو پست و پامال کرنے کی کوشش میں تھا۔ لیکن جلد ہی صورت حال نمایاں اور واضع ہونے لگی۔ اس لئے کہ رقیم بن بکر نے اندیشہ و عواقب سے بے نیاز ہو کر لمحہ بہ لمحہ برقی عضبناکی اور لحظہ لحظہ انت آور طوفانوں کی صورت اختیار کر لی تھی اور اب وہ اپنے حملوں میں ایک عجیب سا جوش اور جذبہ پیدا کرتے ہوئے رباح بن خلود پر سیلابی پانی کے شور' قضائے الٰہی مشیت ربی اور قہر کی لاٹھی کی طرح حملہ آور ہونے لگا تھا۔ اسکے حملہ آور ہونے کے انداز میں ابھی تک شادابی اور ورق ناخواندہ کی سی تازگی تھی جبکہ دوسری طرف رباح بن خلود اپنا سارا خمار و خرافات اپنی ساری سانپ کی سی پھنکار اپنی ساری شرارت و کجروی اور اپنے سارے کانٹے اور پھندے بھول چکا تھا اس پر لمحہ بہ لمحہ ماندگی و کسل طاری ہوتی جارہی تھی اور اسکی حالت کچھ اسطرح دیکھائی دینے لگی تھی جسطرح جال کے اندر پھنسے ہوئے

پرندے' جسطرح مذبح میں کھڑے جانور یا اجاڑ غاروں کی ویرانی ہوتی ہے۔ رقیم بن بکر کے تیز' خوفناک اور جان لیوا حملوں کے سامنے رباح بن خلود کچھ اس انداز میں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا جیسے کوئی بے بس اور مجبور و داو خواہ انسان کسی مغیث کو تلاش کرتا ہو۔ اچانک رقیم بن بکر نے تلوار رباح بن خلود کے بائیں شانے پر گرانا چاہی رباح بن خلود فوراً اپنی تلوار اپنے شانے کی حفاظت کے لئے جب بائیں طرف لایا تو رقیم بن بکر نے کمال تیزی سے کام لیتے ہوئے اپنا رخ بدلا اور بڑی سرعت اور تیزی کے ساتھ بجلی کے کوندے کے سے انداز میں اس نے اپنی تلوار رباح بن خلود کے دائیں کندھے پر گرا دی تھی۔

رقیم بن بکر کی تلوار رباح بن خلود کو کاٹتے ہوئے نکل گئی تھی۔ وادی بطحان کی سنسان فضاؤں کے اندر اس لمحہ رباح بن خلود کی ایک آہوں بھری چیخ بلند ہوئی پھر چاروں طرف خاموشی چھا گئی تھی۔ رقیم بن بکر نے فوراً پیچھے بیٹھ کر ریت سے اپنی تلوار صاف کی اسے نیام میں کیا رباح بن خلود کے گھوڑے کو مار کر اس نے وہاں سے بھگا دیا پھر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے یثرب کی طرف سرپٹ دوڑانے لگا تھا۔ اپنے ریوڑ کی طرف واپس جانے کے بجائے رقیم بن بکر سیدھا یثرب کی طرف گیا شہر کے اندر دو چار گلیوں میں سے ہونے کے بعد وہ شہر سے نکلا اور اپنے گھوڑے کو وہ وادی بطحان کی اس سمت سرپٹ دوڑا رہا تھا جہاں وہ اپنا ریوڑ ارباط بنت روبیل کی نگرانی میں چھوڑ آیا تھا۔

ارباط ابھی تک وادی بطحان کی اسی چٹان پر بیٹھی ہوئی تھی جہاں رقیم بن بکر اسے چھوڑ کر گیا تھا۔ اسکے قریب آکر رقیم جب اپنے گھوڑے سے اترا تو ارباط بنت روبیل بڑی تیزی سے اسکے پاس آئی اور بڑی جستجو میں اس سے پوچھا اے بکر کے بیٹے تو نے رباح بن خلود کا کیا کیا۔ رقیم بن بکر نے پہلے گھوڑے کو ریوڑ کی طرف ہانک رہا تھا پھر وہ ارباط کو مخاطب کر کے کہنے لگا سن بنت روبیل کیا ایک سلسلے میں تو میری راز دار بنے گی رقیم بن بکر کے اس سوال پر ارباط نے تھوڑی دیر بڑے غور اور انہماک سے دیکھا پھر وہ رقیم کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ سن بکر کے بیٹے گو میں کاہنہ سجاح کی لونڈی ہوں لیکن سن میں تمہارے ساتھ عہد کرتی ہوں کہ اگر کوئی ایسا موقع آیا کہ

برے وقت اور بدبختی نے تم پر نزول کرنے کی کوشش کی تو تم دیکھو گے کہ ارباط بنت روبیل تمہاری حفاظت تمہاری سلامتی کی خاطر اپنی جان تک کو بھی نچاور اور قربان کر دے گی۔ ارباط بنت روبیل کے ان الفاظ پر رقیم بن بکر نے چونک کر اسکی طرف دیکھا اس نے اندازہ لگایا کہ ارباط بنت روبیل کے چہرے اور آنکھوں میں اس لمحہ اس کے لئے محبت ہی محبت اور چاہت ہی چاہت تھی لہٰذا اسی قدر نرم انداز میں رقیم بن بکر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

سنو بنت روبیل میں تیرے ان جذبات کی قدر کرتا ہوں تیرے ان الفاظ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور تجھ پر پورا بھروسہ اور اعتماد کرتا ہوں۔ سن ارباط وادی بطحان کے جنوبی حصے میں میں نے اپنے باپ کا انتقام لیتے ہوئے رباح بن خلود کو قتل کر دیا ہے اور اسکے گھوڑے کو میں نے مار کر یثرب کی طرف بھگا دیا تھا۔ میں بھی وادی بطحان کے جنوبی حصے سے اپنے گھوڑے کو سیدھا یثرب کی طرف لے گیا تھا اب تم واپس شہر کی طرف جاؤ میں بھی ریوڑ کو اکٹھا کرتے ہوئے شہر کی طرف ہانکتا ہوں اور اس راستے کی طرف لے جاتا ہوں جس راستے پر میں اپنا گھوڑا تھوڑی دیر قبل یثرب کی طرف لے گیا تھا۔ میں اپنے گھوڑے کے وہ آثار مٹا دینا چاہتا ہوں جو شہر میں داخل ہوتے ہیں۔ اسطرح جب لوگوں کو یہ پتا چلے گا کہ رباح بن خلود قتل کر دیا گیا ہے تو جب کھوجی اسکا کھرا تلاش کرنے کی کوشش کریں گے تو نہیں جانیں گے کہ قاتل رباح بن خلود کو قتل کر کے یثرب کی طرف گیا ہے۔ اس لئے کہ وادی بطحان کے سارے آثار کو ایسا پامال کروں گا کہ کوئی بھی کھوجی اسے تلاش نہ کر سکے گا لہٰذا کوئی بھی وثوق اور یقین سے یہ نہ کہہ سکے گا کہ میں نے رباح بن خلود کو قتل کیا ہے اور سن ارباط بنت روبیل اگر کسی نے مجھ پر شک کر بھی لیا تو جو حالات مجھ پر ٹوٹیں گے میں بڑی دلیری اور بڑی شجاعت کے ساتھ ان کا سامنا کروں گا اور تو دیکھے گی اے بنت روبیل جس کسی نے بھی مجھ سے رباح بن خلود کا انتقام لینے کی کوشش کی میں اسے خاک و خون میں نہلا کر رکھ دوں گا۔ یہاں تک کہنے کے بعد رقیم بن بکر جب خاموش ہوا تو ارباط بولی اور کہنے لگی۔

سنو رقیم میں اب یہاں سے کاہنہ سجاح کی طرف جاتی ہوں اور اسے پورے

حالات سے آگاہ کرتی ہوں تم بھی اپنے ریوڑ کو لیکر گھوڑے کے آثار مٹاتے ہوئے یثرب آؤ ریوڑ کو بنو اوس کے سردار حضیر بن سماک کے ہاں چھوڑو اور پھر تم سیدھے کاہنہ سجاح کے ہاں آؤ وہاں آرام سے بیٹھ کر اس رونما ہونے والے واقع کے متعلق سوچیں گے۔ پھر فیصلہ کریں گے کہ ہمیں کیا قدم اٹھانا چاہئے۔ رقیم نے ارباط بنت روبیل کی اس تجویز سے اتفاق کیا اسکے بعد ارباط اس سے اجازت لیتی ہوئی بڑی تیزی سے شہر کی طرف جا رہی تھی۔ جبکہ رقیم بن بکر بھی حرکت میں آیا اس نے اپنے ریوڑ کو اکٹھا کیا اور اس سمت لے گیا جس سمت وہ تھوڑی دیر پہلے اپنے گھوڑے کو شہر کی طرف لے کر گیا تھا پھر وہ اپنے گھوڑے کے پاؤں کے آثار مٹاتا ہوا شہر کی طرف جا رہا تھا۔

ارباط بنت روبیل کسی متوحش ہرنی کی طرح بھاگتی اور پھلانگتی ہوئی کاہنہ سجاح کی حویلی میں داخل ہوئی تھی اور سیدھی اس کمرے کی طرف آئی تھی جس میں اس وقت کاہنہ سجاح اکیلی بیٹھی ہوئی تھی۔ ارباط بھاگتی ہوئی اس کمرے میں داخل ہوئی اور ابھی وہ کاہنہ سجاح سے کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ کاہنہ نے بولنے میں پہل کی اور ارباط کو مخاطب کر کے کسی قدر فکر مند لہجے میں پوچھنے لگی۔

سنو ارباط کیا ہوا جو تم یوں بدحواسی کے عالم میں بھاگی چلی آ رہی ہو۔ کیا کوئی غیر معمولی بات ہوئی ہے اس پر ارباط فوراً بولی اور کاہنہ سجاح کو وہ مخاطب کر کے کہنے لگی اے عظیم کاہنہ آپ کا اندازہ درست ہے واقعی ایک غیر معمولی حادثہ ہوا ہے اور وہ یہ کہ رقیم بن بکر نے اپنے باپ کے قاتل رباح بن خلود کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔

اے کاہنہ یہ کچھ اسطرح ہوا کہ میں بنو اوس کے سردار حضیر بن سماک کی لونڈی سے گفتگو کرنے کے بعد سیدھی وادی بطحان میں رقیم بن بکر سے ملنے کے لئے گئی۔ وہاں میں نے رقیم بن بکر پر یہ انکشاف کیا کہ اسکے باپ کا قاتل رباح بن خلود ہے اب یہ رباح بن خلود کی بدقسمتی کہ اس وقت وہ بھی وادی بطحان کے جنوبی حصے میں اپنے گھوڑے کو دوڑانے کے ساتھ ساتھ جنگی تربیت دینے میں مصروف تھا۔ مجھ سے یہ انکشاف سننے کے بعد رقیم بن بکر اپنے ریوڑ کے ایک بے زین گھوڑے پر بیٹھا اور

رباح بن خلود کی طرف چلا گیا وہاں میرے خیال میں دونوں میں مقابلہ ہوا جس کے نتیجہ میں رقیم بن بکر نے رباح بن خلود کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

جب رباح بن خلود کو قتل کرنے کے بعد اے عظیم کاہنہ رقیم بن بکر لوٹ کر میرے پاس آیا تو میں نے اسے تنبیہہ کی کہ ریوڑ کو بنو اوس کے سردار حضیر بن سماک کی حویلی میں چھوڑنے کے بعد وہ سیدھا آپکی طرف آئے تاکہ اسکی سلامتی کا کوئی بندوبست کیا جاسکے۔ ارباط کی گفتگو سن کر کاہنہ سجاح خوش ہوئی اور کہنے لگی۔ بس میں اس خدشے سے رقیم بن بکر کو آج تک یہ نہ بتاسکی کہ اسکے باپ کا قاتل رباح بن خلود ہے بہرحال جو کچھ ہونا تھا ہو چکا ہاں میری بیٹی تو نے یہ اچھا کیا کہ تو نے اسے میرے پاس آنے کو کہہ دیا میں اسکی سلامتی کا کوئی نہ کوئی بندوبست ضرور کروں گی۔ اب آؤ میرے پاس بیٹھو تاکہ رقیم بن بکر کی سلامتی کا کوئی انتظام کریں اسکے ساتھ ہی ارباط بنت روبیل کاہنہ سجاح کے پاس بیٹھ گئی تھی پھر دونوں گفتگو کرتے ہوئے بڑی بے چینی سے رقیم بن بکر کا انتظار کرنے لگی تھیں۔

بنو اوس کا سردار حضیر بن سماک اپنے دیوان خانے میں بیٹھا تھا کہ اس نے بلند آواز میں اپنی بیٹی عمارہ بنت حضیر کو پکارا تھوڑی دیر بعد عمارہ بنت حضیر بھاگی ہوئی دیوان خانے کے دروازے پر آئی اور اپنے باپ حضیر بن سماک سے پوچھا اے میرے باپ کیا آپ نے مجھے بلایا۔ حضیر اس بات پر سرہلاتے ہوئے اپنے سامنے ایک نشست کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ آؤ بیٹھو بیٹی میں تم سے ایک اہم موضوع پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ اپنے باپ کی اس گفتگو پر عمارہ بنت حضیر کے چہرے پر تھوڑی دیر کے لئے کچھ خدشات نمودار ہوئے تھے پھر وہ اپنے آپ کو سنبھالتی ہوئی اپنے باپ کے سامنے بیٹھ گئی تھی تھوڑی دیر تک دیوان خانے میں خاموشی رہی پھر حضیر بن سماک بولا اور اپنی بیٹی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

سنو عمارہ میری بیٹی مجھے آج پھر یہ اطلاع ملی ہے کہ تم مصدع بن مرہ کے ساتھ کاہنہ سجاح کی حویلی کی طرف گئی تھی۔ اے میری بیٹی تو جانتی ہے کہ تو میری واحد اولاد ہے میں تجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز سمجھتا ہوں اس لئے تیرے ہر سکھ اور تیری ہر خواہش عزیز رکھتا ہوں پر تو جانتی ہے تیرا نکاح رقیم بن بکر سے ہو چکا ہے۔ مصدع

بن مرہ سے ملتے یا اس کا ساتھ دیتے تم اچھی نہیں لگتی ہو۔ میری بیٹی یہاں تک کہنے کے بعد حضیر بن سماک خاموش ہوا تو عمارہ کھل کر بولی اور کہنے لگی اے میرے باپ آپ جانتے ہیں میں شروع دن سے ہی مصدع بن مرہ کو پسند کرتی ہوں اور اس کے ساتھ شادی کی خواہش مند تھی لیکن آپ نے مجھے اندھیرے میں رکھ کر میری شادی غلام رقیم سے کر دی۔ جسے میں ناپسند کرتی تھی اور پھر آپ جانتے ہیں وہ غلام ابن غلام ہے میرے اور اس کے درمیان زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ لہٰذا ایک شوہر کی حیثیت سے اسے قبول کرنا تو بہت دور کی بات میں اسے اپنے جیسے معاشرے کا ایک فرد بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوں اے باپ مصدع بن مرہ کے ساتھ آنا جانا معیوب نہیں ہے کیونکہ میں نے رقیم کو اپنا شوہر تسلیم نہیں کیا اور نہ ہی میں نے اس کے ساتھ بیوی کے حقوق ادا کئے ہیں لہٰذا اے میرے باپ میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش رقیم سے طلاق اور مصدع بن مرہ سے شادی ہے امید ہے آپ میرے آڑھے نہیں آئیں گے۔

اپنی بیٹی عمارہ کی اس گفتگو کے جواب میں بنو اوس کے سردار حضیر بن سماک نے تھوڑی دیر تک سوالیہ اور جواب طلب انداز میں عمارہ کی طرف دیکھا پھر وہ کہنے لگا عمارہ میری بیٹی رقیم بن بکر سے تیری نفرت بے بنیاد اور بلا وجہ ہے وہ کسی دور میں غلام ضرور رہا ہے اب وہ ہماری طرح آزاد ہے اور پھر تو جانتی ہے کہ وہ بڑے بڑے آزاد جنگجوؤں اور سورماؤں کو اپنے سامنے زیر اور مغلوب کرنے کا فن خوب جانتا ہے۔ اگر میں اس کی شادی تیرے ساتھ نہ کرتا تو یثرب میں ایسی بیشمار لڑکیاں تھیں جو اس سے شادی کرنے کی خواہشمند تھیں اے میری بیٹی میرا ذاتی خیال ہے تو خوش قسمت ہے کہ تیری شادی رقیم بن بکر سے ہوئی۔ دیکھ مصدع بن مرہ کے ساتھ مل کر رقیم بن بکر کے خلاف غلط قدم نہ اٹھانا اگر تم نے ایسا کیا تو پھر لکھ رکھنا تمہیں اپنے باپ کی حمایت حاصل نہ ہوگی میں جانتا ہوں رقیم بن بکر اس وقت تک تمہیں طلاق نہ دے گا جب تک میں نہ چاہوں گا اور مجھے یہ امید ہے کہ تم رقیم بن بکر کے ساتھ رہو تو تم اس کے ساتھ رہتے ہوئے اس کے اطوار' اس کی عادات کو دیکھ کر ضرور اس کی طرف مائل ہونے پر مجبور ہو جاؤ گی اس پر عمارہ بنت حضیر کچھ کہنا چاہتی تھی

کہ عین اس وقت دیوان خانے کے دروازے پر رقیم بن بکر نمودار ہوا اسے دیکھتے ہی عمارہ بنت حضیر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے باپ کو مخاطب کر کے اور رقیم بن بکر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگی۔

اے میرے باپ یہ دیکھو آپ کا چہیتا اور پسندیدہ رقیم بن بکر آگیا ہے اب آپ میری جگہ اسی سے بات کریں اس کے ساتھ ہی غصے اور خفگی میں عمارہ بنت حضیر پاؤں پٹختی ہوئی دیوان خانے سے نکل گئی۔ رقیم بن بکر کے پاس سے گزرتے ہوئے وہ اس کے سامنے لمحہ بھر رکی اور پھر وہ انتہائی غصے میں رقیم بن بکر کو مخاطب کر کے کہنے لگی تمہاری بہتری اور تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ مجھے طلاق دے کر فارغ کر دو اگر تم صدیوں کا بھی انتظار کر لو تب بھی میں تمہیں نہ پسند کر سکتی ہوں نا تمہاری طرف مائل ہو سکتی ہوں آج یا کل جلد یا بادیر تمہیں مجھے طلاق دینا ہوگی اور اگر تم ایسا نہ کرو گے تو پھر اے ابن بکر لکھ رکھو تم اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے اس کے ساتھ ہی عمارہ قہراور غضب آلودگی کا اظہار کرتی ہوئی حویلی کے اندرونی حصے کی طرف چلی گئی تھی جب کہ رقیم بن بکر اس کی باتوں پر دھیان دیئے یا کوئی اثر لئے بغیر دیوان خانے میں داخل ہوا اور اس جگہ بیٹھ گیا جہاں سے اس کی بیوی عمارہ بنت حضیر اٹھ کر گئی تھی۔

بنو اوس کا سردار حضیر بن سماک رقیم بن بکر سے کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ رقیم بن بکر نے بولنے میں پہل کی اور اپنے سسر حضیر بن سماک کو مخاطب کر کے وہ کہنے لگا۔

اے بنو اوس کے سردار میں نے اپنے باپ کے قاتل کو تلاش کر لیا ہے رقیم بن بکر اس انکشاف پر حضیر بن سماک چونک سا پڑا اپنی جگہ پر اس نے پہلو بدلا بڑے شوق اور بڑی جستجو سے اس نے رقیم بن بکر کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے راز درانہ انداز سے پوچھا اے ابن بکر میرے بیٹے تیرے باپ کا قاتل کون ہے اس پر رقیم بن بکر ایک دفعہ دیوان خانے سے اٹھ کر باہر گیا ادھر ادھر کا جائزہ لیا اس نے دیکھا وہاں کوئی بھی نہ تھا دوبارہ وہ اندر آیا اپنی جگہ پر بیٹھتے ہوئے کہنے لگا۔

میرے باپ کا قاتل بنو قینقاع کا رباح بن خلود ہے یہ سنتے ہی حضیر بن سماک غصے اور غضبناکی میں آگ بگولہ سا ہو گیا تھا پھر وہ رقیم بن بکر کو مخاطب کر کے کہنے لگا

بکر کے بیٹے تجھے کیسے معلوم ہوا کہ بنو قینقاع کا رباع بن خلود تمہارے باپ کا قاتل ہے رقیم بن بکر پھر بولا اور کہنے لگا اس کا انکشاف کاہنہ سجاح نے کیا ہے اس مزید انکشاف پر حضیر بن سماک کی حالت اور زیادہ غضب ناک ہو گئی تھی تو پھر اس نے پوری قہروانی میں رقیم بن بکر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

سنو رقیم میرے بیٹے اگر بنو قینقاع کا رباح بن خلود تمہارے باپ کا قاتل ہے تو پھر وہ اس جرم کی سزا سے بچ نہ سکے گا میں عنقریب کسی مناسب موقع پر اپنے آدمیوں کو استعمال کرونگا اور اس کا خاتمہ کروا دونگا حضیر بن سماک کی یہ بات سن کر رقیم بن بکر کے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر وہ کہنے لگا۔

اے بنو اوس کے سردار اب آپ کو یہ زحمت کرنے کی ضرورت نہیں ہے میں آپ کو صرف یہ بتانے آیا تھا کہ میں نے وادی بطحان میں رباح بن خلود سے اپنے باپ کا انتقام لیتے ہوئے اسے قتل کر دیا ہے اس کے بعد رقیم بن بکر نے رباح بن خلود سے مقابلہ کرنے اور اسے قتل کرنے اور اس کی لاش کو وہاں چھوڑ کر اس کے گھوڑے کو وہاں سے بھگانے' اپنے یثرب کی طرف آنے اور گھوڑے کے نشانات مٹانے کی ساری تفصیل حضیر بن سماک سے کہہ دی تھی یہ ساری باتیں سننے کے بعد حضیر بن سماک مطمئن انداز میں بولا۔

سن رقیم میرے بیٹے تم نے بہت اچھا کیا اب تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے اگر کسی نے تم پر رباح بن خلود کے قتل کا شک کیا اور تم سے انتقام لینے کی کوشش کی تو تو دیکھے گا میں تیرے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن جاؤنگا اور سن میں نے فیصلہ کیا ہے کہ آج کے بعد تو وادی بطحان میں میرے ریوڑ نہیں چرائے گا اس لئے کہ میں تجھے یثرب کے معاشرے میں عمومی طور پر اور اپنی بیٹی عمارہ کی نگاہوں میں خصوصی طور پر صاحب توقیر اور باعزت دیکھنا چاہتا ہوں آج کے بعد تو میرا تجارتی مال وادی القریٰ خیبر اور تیماء کی طرف لے جایا کرے گا۔ بس آج کے بعد تو ریوڑ نہیں چرائے گا بلکہ میرے تجارتی مال و متاع کی نگہبانی کرے گا۔

اور سن رقیم میرے بیٹے میں آج ہی اپنے ریوڑ چرانے کے لئے ایک چرواہے کا بندوبست کر رہا ہوں ایک ہفتہ تک یثرب کا ایک تجارتی کارواں وادی القریٰ' تیماء

اور خیبر کی طرف جائے گا اس کارواں میں میرا بھی مال ہوگا بس تو اس مال کے ساتھ میرے امین اور میرے مال کے نگہبان بن کر جاؤ گے اور اس مال پر جو بھی منافع حاصل ہوگا اس منافع کا پانچواں حصہ میں تمہیں دیا کرونگا تاکہ تم اپنے پاس اپنی ضرورت بسر کے لئے کچھ رقم پس انداز کر سکو اور مجھے امید ہے کہ جب تمہارے پاس اس طرح اپنی کمائی ہوئی کچھ رقم ہوگئی اور عمارہ کو یہ خبر ہوگئی کہ تم تجارت سے اچھا خاصا کمانے لگے ہو تو مجھے امید ہے کہ وہ ضرور تمہاری طرف مائل ہونے پر مجبور ہو جائے گی اب تم جا کر آرام کرو اور ہفتہ تک شاید تمہیں وادی القریٰ کی طرف تجارتی کارواں کے ساتھ کوچ کرنا پڑے۔

اور ہاں کسی اور پر رباح بن خلود کے قتل کا انکشاف نہ کرنا میں حالات کو تمہارے حق میں سدھارنے میں ضرور کامیاب ہو جاؤنگا اس گفتگو کے بعد رقیم بن بکر حنیر بن سماک کے دیوان خانے سے اٹھا اور باہر نکل گیا تھا تھوڑی دیر بعد رقیم بن بکر کاہنہ سجاح کی حویلی میں داخل ہوا جب وہ کاہنہ کے کمرے میں داخل ہوا تو کمرے میں بیٹھی کاہنہ سجاح اور ارباط بنت روبیل دونوں اسے دیکھ کر پھول کی طرح کھل اٹھی تھیں کاہنہ سجاح نے ہاتھ کے اشارے سے ایک نشست پر رقیم بن بکر کو بیٹھنے کو کہا جب رقیم وہاں بیٹھ گیا تب کاہنہ بولی اور کہنے لگی۔

سن بکر کے بیٹے تو نے وادی بطحان میں رباح بن خلود کا خاتمہ کر کے ایک بہترین کارنامہ سرانجام دیا ہے یہ بنو قینیقاع کا رباح بن خلود یقیناً" اپنے آپ کو بڑا شجاع بڑا دلیر بڑا بہادر اور ناقابل تسخیر خیال کرتا تھا لیکن تیری جرات مندی اور دلیری کا جواب نہیں کہ تو نے اسے وادی بطحان میں لہولہان کر کے اپنے باپ کا انتقام لے لیا دیکھ بکر کے بیٹے اب تو اپنی چھوٹی سی اس کٹیا میں نہیں رہے گا جس میں اب تک تو رہتا رہا ہے اس لئے کہ تو اپنے باپ کے مرنے کے بعد اکیلا رہتا ہے۔

تیرے دشمن یقیناً" رباح بن خلود کے قتل کو تم سے منسوب کریں گے اور تم سے انتقام لینے کی کوشش کریں گے لہٰذا آج کے بعد تم مستقل طور پر میری حویلی میں رہو گے تمہارے کھانے پینے اور ضروریات کی ہر شے کا نظام میرے ہاں سے ہوگا۔

سجاح جب خاموش ہوئی تو تب رقیم بن بکر بولا اور کہنے لگا۔

اے عظیم کاہنہ تیرا شکریہ میں تمہاری حویلی میں ہی رہونگا لیکن جہاں تک لوگوں کا مجھے سے انتقام لینے کا تعلق ہے میں تم پر یہ انکشاف کروں کہ میں بنو اوس کے سردار حنیر بن سماک کو بتا آیا ہوں کہ میں نے رباح بن خلود کو قتل کر کے اپنے باپ کا انتقام لے لیا ہے اس نے بھی مجھے یہ ضمانت دی ہے کہ اگر کسی نے رباح بن خلود کے قتل کا انتقام لینے کی کوشش کی تو وہ اپنی پوری قوت اور شدومد کے ساتھ میرا ساتھ دے گا رقیم بن بکر کی یہ گفتگو سن کر کاہنہ سجاح اور ارباط بنت روبیل خوش ہوگئیں تھیں پھر سجاح دوبارہ بولی اور ارباط کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

سنو ارباط اب تم رقیم کو اپنے ساتھ لے جاؤ حویلی کے جس کمرے میں تم نے اپنی رہائش رکھی ہوئی ہے اس کے ساتھ والا کمرہ رقیم کے لئے تیار کر دو اور یہ بھی سنو کہ آج کے بعد رقیم کے کھانے پینے' اس کے کپڑوں کی صفائی ستھرائی سب تمہارے ذمہ ہوگی سجاح کا یہ فیصلہ سن کر ارباط بنت روبیل انتہا درجہ کی خوش ہوگئی تھی پھر وہ رقیم بن بکر کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی میرے ساتھ آئیں میں آپ کو وہ کمرہ دکھاتی ہوں جس میں آپ کی رہائش ہوگی رقیم بن بکر نے ایک بار کاہنہ سجاح کی طرف ممنونیت سے دیکھا پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور چپ چاپ ارباط بنت روبیل کے ساتھ ہو لیا تھا۔

○

اس واقعہ سے چند روز بعد دوپہر کے قریب ایک دن جب کہ کاہنہ سجاح اور رقیم بن بکر آپس میں گفتگو کر رہے تھے ارباط بنت روبیل باہر سے بھاگتی ہوئی آئی اور دونوں کے پاس وہ آکر رکی پھر اپنی سانس پر قابو پاتے ہوئے کہنے لگی میں آپ دونوں کے لئے ایک بہت اہم اور بڑی خبر لے کر آئی ہوں اس پر کاہنہ سجاح نے پوچھا! اے میری بیٹی تم کیسی اور کس طرح کی خبر لائی ہو ارباط بولی اور کہنے لگی۔

اے عظیم کاہنہ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ رقیم بن بکر چند یوم تک بنو اوس کے سردار حنیر بن سماک کا تجارتی سامان لے کر وادی القرای' تیماء اور خیبری طرف روانہ ہونے والا ہے اور یہ یثرب کے ایک بہت بڑے تجارتی کارواں کے ساتھ روانہ ہوگا۔ اے عظیم کاہنہ مصدع بن مرہ جسے عمارہ بنت حنیر پسند کرتی ہے اور اس سے

شادی کی خواہش مند ہے اسے اس کے ساتھیوں اور رباح بن خلود کے اہل خانہ کو شک ہوگیا ہے کہ رباح بن خلود کا قتل رقیم بن بکر نے کیا ہے وہ اعلانیہ اس کا اظہار نہیں کرنا چاہتے اور نہ ہی اعلانیہ رقیم بن بکر سے انتقام لینا چاہتے ہیں۔

اس لئے اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو ان کا اپنا بھید کھل جائے گا کہ رباح بن خلود نے رقیم بن بکر بے باپ کو قتل کیا تھا اور پھر معاملہ آگے بڑھے گا وہ لوگ بھی عیاں ہوں گے جنہوں نے رباح بن خلود کو رقیم بن بکر کے باپ کو قتل کرنے کے لیکھا تھا یقیناً" ان لوگوں میں مصدع بن مرہ بھی ہوگا لہٰذا یہ لوگ خاموش ہیں اور اندر ہی اندر انہوں نے رقیم بن بکر کے خلاف ایک سازش تیار کی ہے اس پر کاہنہ بولی اور دوبارہ اس نے پوچھا

اے بیٹی ان لوگوں نے رقیم بن بکر کے خلاف کیا سازش تیار کی ہے اس پر ارباط پھر کہنے لگی انہوں نے یہ سازش تیار کی ہے کہ جب رقیم بن بکر تجارتی کارواں کے ساتھ وادی القرای اور تیماء کی طرف جائے تو وہیں اس کا کام تمام کر دیا جائے اس مصدع بن مرہ نے بنو قینیقاع کے یہودی رباح بن خلود کے بھائیوں اور قرابت داروں کے ساتھ مشورہ کرنے کے بعد خیبر کے دو بہترین تیر زنوں کا انتخاب کیا ہے جو رقیم بن بکر پر اس وقت حملہ آور ہوں گے جب یہ وادی القرای یا تیماء میں اپنے تجارتی کارواں کے ساتھ پڑاؤ کرے گا یہاں تک کہنے کے بعد جب ارباط بنت روبیل خاموش ہوئی تو کاہنہ سجاح تھوڑی دیر خاموش رہ کر سوچتی رہی پھر وہ کہنے لگی۔

سنو رقیم میرے بیٹے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے جس طرح تم نے رباح بن خلود کا خاتمہ کیا ہے میرے خیال میں تم خیبر کے دونوں کرائے کے جوانوں کا بھی خاتمہ کرنے میں کامیاب رہو گے بے فکر ہو کر تم اپنے تجارتی کارواں کے ساتھ روانہ ہونا مجھے امید ہے کہ یہ بدمعاش اوباش تمہارا بال بھی بھیگا نہیں کر سکیں گے جواب میں رقیم بن بکر مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

اے عظیم کاہنہ آپ دیکھیں گی کہ میرا خاتمہ کرنے کے لئے جو انہوں نے کرائے کے دو جوان حاصل کئے ہیں جس طرح رباح بن خلود کی لاش وادی بطحان سے یثرب میں آئی تھی ایسے ان دونوں کی لاشیں بھی وادی القرای یا تیماء سے خیبر کی طرف

جائیں گی رقیم بن بکر شاید کچھ اور کاہنہ کو کہتا پر کاہنہ کو ملنے کے لئے یثرب کے کچھ لوگ آگئے تھے لہٰذا رقیم بن بکر اور ارباط بنت روبیل دونوں اٹھ کر اپنے اپنے کمروں کی طرف چلے گئے تھے۔

○

یثرب کے بنو اوس اور بنو خزرج کا ایک متحدہ تجارتی قافلہ کارواں یثرب سے شمالی شہروں کی طرف تجارتی لین دین کے لئے روانہ ہوا اس میں بنو اوس کے سردار حضیر بن سماک کا مال لے کر رقیم بن بکر بھی شامل تھا یہ کافی بڑا کاروان تھا جو تجارت کی غرض سے نکلا تھا یثرب سے نکل کر یہ تجارتی کارواں خیبر کی طرف گیا انہوں نے تجارتی لین دین کیا اس کے بعد یہ کارواں قبیلہ سعد بن بکر کی طرف گئے یہاں بھی تجارتی لین دین ہوا یہاں تجارتی کارواں نے چند دن قیام کیا اس کے بعد وادی القریٰ کی طرف کوچ ہوا یہاں بھی پہلے علاقوں کی نسبت زیادہ تجارتی لین دین کیا گیا۔ یہاں بھی تجارتی کارواں نے چند دن قیام کیا اس کے بعد یہ تجارتی کارواں تیماء کی طرف کوچ کر گیا تیماء میں بھی اس کارواں نے خوب تجارتی لین دین کیا۔ دو دن تیماء میں قیام کیا گیا اور مال کے تبادلے سے فارغ ہونے کے بعد جب اس کارواں نے واپس یثرب کی طرف روانہ ہونا تھا اس سے ایک روز پہلے انہوں نے اپنے تجارتی لین دین کا جائزہ لینے کے لئے اور کچھ ستانے کے لئے تیماء شہر سے باہر ایک سرائے کے قریب پڑاؤ کر لیا تھا اس کارواں نے اس سرائے کے باہر اپنے خیمے گاڑ دیئے تھے اور یوں لگتا تھا جیسے سرائے کے باہر ایک نیا شہر آباد ہوگیا ہو۔

اس تجارتی سفر میں رقیم بن بکر کو بھی خوب فائدہ حاصل ہوا تھا حضیر بن سماک کے تجارتی مال سے اس نے خوب کچھ کمایا بھی تھا اور ان علاقوں کا کچھ مال اس نے حضیر بن سماک کے لئے اس کی ضرورتوں کے مطابق خرید بھی کیا تھا اس سارے تجارتی لین دین کے دوران رقیم بن بکر انتہائی محتاط اور چوکنا رہا تھا اس لئے کہ اسے خطرہ تھا کہ مصدع بن مرہ کی طرف سے کسی وقت بھی اس پر حملہ آور ہو کر اس کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔

لہٰذا دن کے وقت وہ اکثر سو لیتا اور رات وہ جاگ کر گزار دیتا تھا تیماء سے باہر

جس وقت تجارتی کارواں نے پڑاؤ کر رکھا تھا وہ رات بھی رقیم بن بکر نے جاگتے ہوئے ہی گزاری تھی اس روز آدھی رات کے وقت جب کہ آسماں پر ستارے دنیا کی ابتدا اور آغاز کے گیت اور خدا وند کے لئے بے آواز ترانہ حمد گاتے ہوئے اپنی منزلوں کو رواں تھے۔ داستانون کا ہم زاد آسماں چپ اور خاموش تھا اس رات صحرائے بیکراں کے اندر آندھیوں کے جھکڑ چل نکلے تھے چاروں طرف ہوا ورندوں کی طرح دھاڑ رہی تھی اور ہلکی ہلکی غبار آلود چاندنی میں خیموں کے سائے بری طرح لرز اور کانپ رہے تھے۔

ایسے میں ویران کھنڈروں کی سی ویرانی اور سنسان دیواروں کی سی چپ میں موت کی ہلچل میں لپٹی رقیم بن کے خیمے سے باہر ایسی چیخیں بلند ہوئیں جنہوں نے فضاؤں کے سینے میں اضطراب اور رنگ رنگ میں وحشت بھر دی تھی ایسے میں رقیم بن بکر اپنے خیمے میں ننگی زمین پر لیٹا جاگ رہا تھا اپنے خیمے سے باہر دل ہلا دینے والی یہ چیخیں سن کر وہ رات کے اس چوکنے سکوت میں چنگاری کی طرح بھڑک اٹھا اور طوفانی انداز میں وہ اپنے خیمے سے باہر آیا اور احتیاط کی خاطر اس نے اپنی تلوار اور ڈھال سنبھال رکھی تھی وہ باہر آیا تو اس نے دیکھا کہ دو جوان اس کے خیمے سے باہر گرے پڑے تھے اور چند ہی فاصلے پر تین اشخاص بھاگتے ہوئے مخالف سمت جا رہے تھے اس نے خیمے کے قریب گرے ہوئے جوانوں کا جائزہ لیا وہ خون میں لت پت تھے اور مر چکے تھے ان کی یہ حالت دیکھتے ہوئے رقیم بن بکر تفکرات اور جستجو میں مبتلا ہو گیا تھا۔

لہٰذا وہ ان تینوں کے پیچھے بھاگا جو شاید ان دو کا قتل کرنے کے بعد مخالف سمت گئے تھے لیکن رقیم بن بکر کو مایوسی کا سامنا کرنا پڑا اس لئے کہ وہ تینوں جنہوں نے ان دو جوانوں کو رات کے سناٹے میں قتل کر دیا تھا موت کے تاریک بیولوں اور فطرت کی پر اسرار قوتوں کی طرح تجارتی کارواں کے خیموں میں کہیں چھپ گئے تھے رقیم بن بکر نے انہیں بہت تلاش کیا لیکن وہ اسے کہیں نہ ملے اتنی دیر تک نزدیکی خیموں کے لوگ مرنے والوں کی چیخیں سن کر جاگ اٹھے تھے اور رقیم بن بکر کے خیمے کے قریب جمع ہو گئے تھے اور کچھ لوگ اپنے ہاتھوں میں جلتی ہوئی مشعلیں بھی اٹھائے تھے۔

ان تینوں قاتلوں کو تلاش کرنے میں ناکام رہنے کے بعد رقیم بن بکر پھر اپنے

خیمے کی طرف آیا رقیم بن بکر جب واپس اپنے خیمے کے پاس آیا تو اس نے دیکھا وہاں بہت سے لوگ جمع تھے جو اس کے خیمے سے باہر مرنے والے دونوں جوانوں کی لاشوں کا جائزہ لے رہے تھے رقیم بن بکر بھی جب ان کے اندر آیا تو ایک جوان نے ان دونوں مرنے والوں کا جائزہ لینے کے بعد بلند آواز میں کہا میں ان دونوں کو جان پہچان چکا ہوں۔

یہ دونوں خیبر کے یہودی ہیں اور میرا ذاتی اندازہ یہ ہے کہ رات کی تاریکی میں یہ رقیم بن بکر پر حملہ آور ہونے کے لئے آئے تھے لیکن اچھا ہوا ان کا خاتمہ کر دیا گیا اس جوان کے اس انکشاف پر رقیم بن بکر کچھ فکر مند ہو گیا تھا تاہم اس کے دل میں ایک کانٹے کی طرح یہ تجسس لگا ہوا تھا کہ آخر خیبر کے ان دونوں یہودیوں کو جو مصدع بن مرہ کے کہنے پر اسے قتل کرنے کے لئے آئے ہوں گے کس نے اس کی حمایت اور مدد کرتے ہوئے ان دونوں کا خاتمہ کر دیا ہے بہرحال تجارتی کارواں کے لوگ حرکت میں آئے ان دونوں کی لاشوں کو اٹھا کر انہوں نے صحرا میں دفن کر دیا رات کا باقی حصہ سبھی لوگوں نے قریباً" جاگ کر گزرا اس کے بعد وہ تجارتی کارواں حیاء سے یثرب کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

○

ایک روز صبح ہی صبح جب کہ عمارہ بنت حضیر اپنی لونڈی کو گھریلو کام کاج کے متعلق ہدایات دے رہی تھی مصدع بن مرہ کی لونڈی حویلی میں داخل ہوئی اشارے سے اس نے عمارہ بنت حضیر کو اپنی طرف بلایا اور جب عمارہ بنت حضیر اس کے قریب گئی تو مصدع بن مرہ کی لونڈی اسے مخاطب کر کے کہنے لگی تمہیں مصدع بن مرہ نے ابھی اور اسی وقت بلایا ہے شاید وہ کسی بے حد اہم اور ضروری موضوع پر تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔ مصدع بن مرہ کی اس لونڈی کا یہ پیغام سن کر عمارہ بنت حضیر فوراً" تیار ہو گئی اور اس کے ساتھ چل دی تھی اپنی حویلی سے نکلنے کے بعد تین حویلیاں چھوڑنے کے بعد اس لونڈی کے ساتھ عمارہ بنت حضیر مصدع بن مرہ کی حویلی میں داخل ہوئی اس وقت مصدع بن مرہ اپنے دیوان خانے میں اکیلا بیٹھا ہوا تھا عمارہ بنت حضیر دیوان خانے میں داخل ہوئی اور کسی قدر پریشانی اور تجسس میں مصدع بن مرہ کی

طرف دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا کیا کوئی غیر معمولی بات ہوگئی جو تم نے مجھے بلوایا ہے اس پر مصدع بن مرہ نے مسکراتے ہوئے کہا پہلے بیٹھو پھر بتاتا ہوں عمارہ حضیر اس کے سامنے بیٹھ گئی پھر مصدع بن مرہ بولا اور کہنے لگا۔

سنو عمارہ تم جانتی ہو کہ وقت بڑی تیزی سے گزرتا جا رہا ہے اور ہم ابھی تک رقیم بن بکر کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے اس سے پہلے اس نے اپنے باپ کے قاتل رباح بن خلود کو موت کے گھاٹ اتارا اور ہم خاموشی کے سوا کچھ نہ کر سکے پھر تم جانتی ہو کہ میں نے خیبر کے دو یہودیوں کو بھاری رقم دے کر اس کے پیچھے لگایا تھا تاکہ وہ تجارتی کارواں کے ساتھ نکلے تو اس کا خاتمہ کر دیا جائے لیکن یہ رقیم بن بکر کچھ ایسا خونخوار انسان ہے کہ دیکھو وہ ان یہودیوں کے ہاتھوں سے بھی بچ گیا اور الٹا ان یہودیوں کا خاتمہ کر دیا۔

اب گذشتہ رات میں نے بنو قینیقاع کے ان یہودیوں سے بات کی ہے جو رباح بن خلود کے رشتہ دار ہیں اور اس کا انتقام رقیم بن بکر سے لینا چاہتے ہیں اب ہم نے یہ لائحہ عمل اختیار کیا ہے کہ بنو اوس اور بنو خزرج دونوں قبائل کے درمیان جنگ کی ابتدا کرائی جائے اور اس جنگ کے دنوں میں کسی نہ کسی طرح رقیم بن بکر کو موت کے گھاٹ اتار کر اس کا خاتمہ کر دیا جائے اس کے علاوہ کوئی طریقہ کار نہیں اس رقیم بن بکر سے نمٹنے کا۔

سنو عمارہ اس جنگ کی ابتدا کرنے کے لئے میں نے صرف بنو قینیقاع کے یہودیوں سے بات ہی نہیں کی بلکہ اور بہت سے عوامل بھی اس میں شامل ہیں اور وہ یہ کہ بنو قریظہ والے بھی چاہتے ہیں کہ دونوں قبائل کے درمیان جنگ ہو اس لئے کہ ایک عرصہ ہوا دونوں قبائل آپس میں نہیں ٹکرائے اور بنو قریظہ سے ان کے سود لینے کی رفتار سست ہوگئی ہے بنو قریظہ والے چاہتے ہیں کہ جب یہ دونوں قبائل آپس میں لڑیں گے تو اس جنگ کے لئے ضرور ان سے قرضے لیں گے اس کے لئے وہ ان سے بھاری سود وصول کریں گے اس طرح ان کی آمدنی میں اضافہ ہوگا اس کے علاوہ میں نے بنو اوس اور بنو خزرج میں بھی کچھ ایسے لوگوں کو تیار کیا ہے۔

جو دونوں قبائل کے درمیان جنگ چاہتے ہیں اور یہ سب کچھ وہ اپنے اپنے

مفادات کے تحت کرنا چاہتے ہیں اس جنگ کی ابتدا کرنے میں اوس اور خزرج کے کچھ سرکردہ لوگوں کی مرضی بھی شامل ہے بنو اوس اور بنو خزرج میں ہونے والی اس جنگ کا نام ہم نے جنگ حاطب تجویز کیا ہے اس کی ابتدا کچھ یوں ہوگی کہ سب سے پہلے بنو اوس کا ایک جوان حاطب بن حارث حرکت میں آئے گا یہ بنو خزرج کے ایک یہودی پڑوسی کا قتل کرے گا اس یہودی پر بنو خزرج والے بڑا بھروسہ بڑا اعتماد کرتے ہیں اور یہ ان میں بڑا ہر دلعزیز ہے اس کے علاوہ ہم نے بنو خزرج کے بھی کچھ لوگوں کو تیار کیا ہے جو مرنے والے اس یہودی کا انتقام بنو اوس سے لیں گے اور ایسا کرنے کے بعد دونوں قبائل کے اندر جنگ برپا ہونا ایک یقینی عمل بن کر رہ جائے گا۔

اس جنگ میں ہم کچھ ایسے جوان مقرر کریں گے جو رقیم بن بکر کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے اس طرح ہمیشہ کے لئے ہم دونوں کی اس سے جان چھوٹ جائے گی یہاں تک کہنے کے بعد مصدع بن مرہ جب خاموش ہوا تو عمارہ بنت حضیر بڑی فکر مندی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ سنو مصدع ایک معمولی کام کے لئے دونوں قبائل کا اس قدر خون بہنا کیا اچھی بات ہے اس پر مصدع بن مرہ بڑی ڈھٹائی سے کہنے لگا کیا اچھی کیا بری بات ہے اس کو چھوڑو ہمارا اصل مقصد اور مدعا تو رقیم بن بکر کو راستہ سے ہٹانا ہے اس کا خاتمہ اب اسی طرح سے کیا جاسکتا ہے عمارہ بنت حضیر پھر بولی اور کہنے لگی۔

حیرت ہے کہ ایک شخص کا خاتمہ کرنے کے لئے دونوں قبائل کے درمیان جنگ برپا کرنا لازمی ہوگیا ہے کیا ایسا ممکن نہیں کہ کسی اور طریقہ سے اس رقیم بن بکر کا خاتمہ کر دیا جائے اس پر مصدع بن مرہ بڑی مایوسی سے کہنے لگا نہیں ہرگز نہیں اور کوئی ایسا طریقہ نہیں اگر میں نے کسی اور کو بھاری رقم دے کر رقیم بن بکر کو قتل کرنے پر آمادہ کیا تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ رقیم بن بکر اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دے گا اور اگر ہم اعلی اعلان اس پر حملہ کر کے اس کا خاتمہ کرتے ہیں تو تمہارا باپ قاتلوں کے خلاف ایسا حرکت میں آئے گا کہ ان کے خاندانوں تک کا صفایا کر دے گا اور تمہارے باپ کے خوف کی وجہ سے کوئی رقیم بن بکر پر اعلانیہ حملہ آور ہونے کے لئے تیار نہیں ہوتا لہٰذا تمہارے اور میرے ربط کی خاطر یہ ضروری

ہوگیا ہے کہ دونوں قبائل کے درمیان جنگ برپا کی جائے۔

مصدع بن مرہ کی اس گفتگو کے بعد عمارہ بنت حفیر تھوڑی دیر تک سوچتی رہی پھر وہ مدہم اور راز دار آواز میں کہنے لگی۔ سنو مصدع حالات کیسے بھی ہوں میں پوری طرح تمہارا ساتھ دینے کا عہد کئے ہوئے ہوں تم جو بھی قدم اٹھاؤ گے اس میں تمہیں میری حمایت مکمل طور پر حاصل ہو گی لہٰذا اگر تم خیال کرتے ہو کہ رقیم بن بکر کا خاتمہ کرانے کے لئے اوس اور خزرج دونوں قبائلوں میں جنگ برپا کرنا لازمی ہے تو اس میں بھی تمہیں میری تائید حاصل ہو گی عمارہ بنت حفیر کا یہ جواب سن کر مصدع بن مرہ خوش ہوگیا تھا اس پر عمارہ بنت حفیر بولی اور کہنے لگی کیا اب میں جاؤں مصدع بن مرہ نے مطمئن انداز میں کہنے لگا ہاں تم جاؤ اس کے ساتھ ہی عمارہ بنت حفیر اپنی جگہ سے اٹھی اور دیوان خانے سے وہ باہر آئی پھر وہ مصدع بن مرہ کی حویلی سے نکل کر اپنی حویلی کا رخ کر رہی تھی۔

○

یثرب کے دونوں قبائل اوس اور خزرج کے درمیان جنگ کرانے کے لئے آخر وہی کچھ ہوا جس کا لائحہ عمل مصدع بن مرہ جیسے لوگوں نے تیار کیا تھا اس لائحہ عمل کے نتیجے میں بنو اوس کے ایک نوجوان حاطب بن الحارث نے قبیلہ خزرج کے ایک یہودی کو قتل کر دیا جس کے نتیجے میں طے شدہ لائحہ عمل کے مطابق بنو خزرج کا ایک جوان یزید بن الحارث اپنے چند ساتھوں کے ساتھ حرکت میں آیا اور اس نے بنو اوس کے نوجوان حاتم بن الحارث کو قتل کر دیا قبیلہ اوس اور خزرج کے اس باہمی اقتال کے نتیجہ میں دونوں قبیلوں کے درمیان جنگ کی باتیں ہونے لگی تھیں اور لوگ یہ خدشہ محسوس کر رہے تھے کہ دونوں قبائل کے درمیان جنگ ٹل نہیں سکتی بلکہ ہر حالت میں ہو کر رہے گی۔

ایک روز جب کہ سورج غروب ہونے کو قریب تھا رقیم بن بکر کاہنہ سجاح کی حویلی میں داخل ہوا اس نے دیکھا کاہنہ اپنے کمرہ خاص میں اکیلی بیٹھی ہوئی تھی رقیم بن بکر اس کے کمرے میں داخل ہوا کاہنہ سجاح نے کمال شفقت، نرمی اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اس کا استقبال کیا اور اسے اپنے سامنے ایک خالی نشست پر بیٹھنے کو

کہا رقیم بن بکر اس نشست پر بیٹھ گیا اور پھر وہ کاہنہ سجاح کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

اے عظیم کاہنہ میں ایک بری خبر لے کر آیا ہوں جس سے اس سارے شہر کا امن و امان خطرے میں پڑ جائے گا رقیم بن بکر کی بات کاٹتے ہوئے کاہنہ کہنے لگی اگر اس خبر سے تمہاری مراد یہ ہے کہ یثرب کے قبائل اوس اور خزرج جنگ کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں تو یہ خبر میں پہلے ہی سن چکی ہوں کاہنہ سجاح کی یہ گفتگو سن کر رقیم بن بکر تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھا رہا اس کے بعد وہ دوبارہ بولا اور کاہنہ سجاح کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

اے عظیم کاہنہ تمہارا اندازہ درست ہے اوس اور خزرج ایک دوسرے کے خلاف جنگ کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں دونوں قبائل نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ٹھیک سات دن بعد دونوں قبائل جبل سلع کے پہلو میں وادی بطحان میں اپنے اپنے جنگجوؤں کے ساتھ جمع ہوں گے اس طرح دونوں قبائل ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار ہو کر ایک دوسرے کو نیچا دیکھنے دکھانے کی کوشش کریں گے۔

اے عظیم کاہنہ یہ جو جنگ اوس اور خزرج مل کر اپنے اوپر مسلط کر رہے ہیں اسے جنگ حاطب کا نام دیا جا رہا ہے میں سمجھتا ہوں کہ فطرت کی پر اسرار قوتیں اس شہر کا سکون درہم برہم کرنے پر تل گئیں ہیں گردش بطل گزوں اس شہر میں موت کی ہلچل اور زیر آلود کیفیت طاری کرنے کا فیصلہ کر چکی ہے۔ اے عظیم کاہنہ اگر ایسا ہوا تو لوگ پنکھ پکھروں کی طرح آندھیوں کا شکار ہو کر رہ جائیں گے یہ اوس اور خزرج کی ساری سطوت و تمکنت و جاہ و جلال دل آشوبی اور ذلت کا شکار ہو کر رہ جائیگی۔

اے عظیم کاہنہ اگر اوس خزرج کے درمیان یہ جنگ حاطب ہوئی تو پھر بڑے بڑے سورما موت کے تاریک ہیولوں قیروریخت اور خوابوں کی آندھیوں سے بغلگیر ہو جائینگے اس شہر اور اس کے مضافات میں قیامت مچے گی حشر اٹھے گا زندگی کی حسین صورتیں وقت کی دھول میں کھو کر غیر مستقل جذبوں میں ڈھل کر رہ جائیں گی اوس اور خزرج کے دونوں قبائل کے پاس سوائے تعصب اور افسوس کے کچھ نہ رہے گا کاش کوئی ایسا مصلح کاش کوئی ایسا کیمیا گر کوئی ایسا حکیم کوئی ایسا مہربان ہوتا جو دونوں قبائل کو سمجھاتا انہیں ان کے نقصانات ان کی منفعت سے آگاہ کرتا اپنے ہاتھوں سے

اپنے اوپر مسلط کی جانے والی جنگ سے باز رکھتا۔

رقیم بن بکر کے خاموش ہو جانے کے بعد کاہنہ سجاح تھوڑی دیر سر جھکائے کچھ سوچتی رہی پھر وہ رقیم بن بکر کو مخاطب کر کے کہنے لگی سنو بکر کے بیٹے تمہارے اندازے درست ہیں بے شک اوس خزرج کی یہ آپس کی جنگ شعور زندگی میں تباہی کی آگ اور مایوسی کا اندھیرا بھر دے گی بڑے بڑے بے خزاں مجاہد آگ کے ایندھن اور شام کے ماتمی سایوں' مایوسی کی گھٹاؤں کا شکار ہو جائیں گے اور خون کا وہ کھیل شروع ہوگا کہ امیدوں کی روشنی سحرکاری اور ساری زمزمہ ریزی یخ بستہ اداسی' جنونی کیفیت اور منزل خونبار میں تبدیل ہو کر رہ جائے گی۔

اے ابن بکر میں جانتی ہوں کہ اس جنگ سے یثرب کے معصوم اور دلکش اور حسین مناظر غیر آسودہ نقوش میں تبدیل ہو کر رہ جائیں گے پر ہم سب بے بس اور لاچار ہیں اس ساری قہرمانیت کو روکنے کے لئے ہم کچھ بھی تو نہیں کر سکتے اے بکر کے بیٹے جنگ کے جو بادل یثرب شہر میں منڈلانے لگے ہیں میرا اندازہ ہے کہ ضرور برس کر رہینگے یہاں تک کہنے کے بعد کاہنہ سجاح خاموش ہوگئی تھی۔

کاہنہ سجاح کے چپ ہو جانے کے بعد کمرہ میں پھر تھوڑی دیر تک سکوت طاری رہا اس کے بعد رقیم بن بکر نے کاہنہ سجاح کو پھر مخاطب کر کے کہنا شروع کیا اے عظیم کاہنہ تم جانتی ہو کہ بنو اوس کی طرف سے مجھے بھی اس جنگ میں حصہ لینا ہوگا مجھے نہیں بلکہ اوس خزرج کے ہر جوان اس بدوقت جنگ میں اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر کودنا ہوگا اس جنگ میں حصہ لینے سے پہلے اے کاہنہ سجاح میری ایک خواہش اور ایک آرزو تھی کاش وہ پوری ہوسکتی رقیم بن بکر کی اس گفتگو کے جواب میں کاہنہ سجاح نے چونک کر اس کی طرف دیکھا پھر اس نے ماں جیسی شفقت پھولوں جیسی نرمی میں رقیم بن بکر کو مخاطب کر کے پوچھا۔

اے بکر کے بیٹے تیری وہ کون سے خواہش کون سی آرزو ہے جو تو چاہتا ہے کہ اس جنگ سے پہلے ہو پوری ہو اس پر رقیم بن بکر پھر بولا اور کہنے لگا اے عظیم کاہنہ تم جانتی ہو کہ میں بنو اوس کے سردار حضیر بن سماک کا مال لے کر یثرب کے تجارتی کارواں کے ساتھ خیبر وادی القریٰ اور تیماء کی طرف گیا تھا تیماء میں جب کارواں شہر

سے باہر پڑاؤ کئے ہوئے تھا تو میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ وہاں کچھ لوگوں نے مجھ پر حملہ آور ہو کر میرا خاتمہ کرنے کی کوشش کی تھی یہ خیبر کے دو یہودی تھے اور میرا اندازہ ہے کہ انہیں مصدع بن مرہ نے ہی میرا کام تمام کرنے کے لئے مقرر کیا ہوگا۔

پر دیکھ عظیم کاہنہ وہاں ایسا ہوا کہ اس رات جب کہ ہم نے تجارتی کارواں کے ساتھ تیماء شہر سے باہر پڑاؤ کر رکھا تھا اور تیز آندھیاں چل رہی تھیں گو میں اس حملے کی امید رکھتا تھا اسی بنا پر میں اپنے خیمے میں جاگ رہا تھا پر کاہنہ ایسا ہوا جوں ہی خیبر کے یہ دونوں حملہ آور یہودی خیمہ کے قریب ہوئے میرے خیمہ سے باہر ہی کوئی تین نامعلوم اور ناآشنا اجنبی ان دونوں پر حملہ آور ہوئے اور ان کی گردنیں کاٹ کر تجارتی کارواں کے خیموں کے اندر ہی کھو گئے میں نے ان تینوں اپنے مہربانوں اور ہمدردوں کو بڑا تلاش کرنے کی کوشش کی پر میں ایسا کرنے میں ناکام ہوا۔

اے کاہنہ جب سے ان تین جوانوں نے مجھ پر احسان کرتے ہوئے مجھ پر حملہ آور ہونے والے دونوں یہودیوں کا خاتمہ کیا ہے تب سے میں ان کے متعلق کچھ جاننے کے لئے ایک طرح تشویش جستجو میں مبتلا ہوں کاش میں جان سکتا کہ وہ کون تھے کوئی مجھے یہ بتا سکتا کہ مجھے پر احسان کرنے والے وہ محسن کس قبیلے سے تھے اور کس ناطے' کس رشتے سے انہوں نے مجھ پر یہ احسان کیا اور کس ناطے سے انہوں نے میرے ساتھ نیکی اور بھلائی کی ہے یہاں تک کہنے کے بعد رقیم بن بکر خاموش ہو گیا تھا۔

رقیم بن بکر کی یہ ساری گفتگو سن کر کاہنہ سجاح اپنی جگہ پر بیٹھی ہلکی ہلکی مسکراتی رہی اور غور سے رقیم بن بکر کی طرف دیکھتے ہوئے اس کے چہرے کے تاثرات اور اس کی آنکھوں میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کا جائزہ لیتی رہی دوسری طرف رقیم بن بکر بھی بڑی انہماک اور توجہ سے کاہنہ سجاح کے اس انداز کو دیکھ رہا تھا تھوڑی دیر تک وہ ایسی کیفیت میں مبتلا رہا پھر وہ کاہنہ سجاح کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

اے عظیم کاہنہ اگر میں غلطی پر نہیں تو تمہارے چہرے کی بشاشت اور آنکھوں کی چمک اس بات کی غمازی کرتی ہے تم ان تینوں اشخاص سے خوب واقف اور خوب

آگاہ ہو جنہوں نے تیماء شہر سے باہر خیبر کے دونوں یہودیوں کو موت کے گھاٹ اتار کر میری مدد اور میری حفاظت کی تھی رقیم بن بکر کی اس گفتگو پر کاہنہ سجاح کھل کر ہنس دی اور پھر وہ کہنے لگی سنو بکر کے بیٹے تمہارا اندازہ درست ہے یقیناً" میں تمہارے ان تینوں محسنوں سے خوب اور اچھی طرح واقف ہوں اس پر رقیم بن بکر نے تڑپ کر کاہنہ سجاح سے پوچھا اے عظیم کاہنہ کیا تم مجھے بتاؤ گی کہ وہ میرے محسن کون ہیں اس پر کاہنہ سجاح جھٹ سے بولی اور کہنے لگی تمہارے ان تین محسنوں میں سے ایک میری لونڈی ارباط بنت روبیل ہے اور دوسرے دو بنو اوس کے جوان ہیں جو میرے معتقد ہیں اور انہیں میں نے تمہاری حفاظت کے لئے تجارتی کارواں کے ساتھ بھیجا تھا ارباط بنت روبیل بھی اپنی مرضی اور اپنی رضامندی سے تمہاری حفاظت کی خاطر مجھ سے اجازت لے کر ان دونوں جوانوں کے ساتھ ہولی تھی روانگی کے وقت وہ مردوں سا جنگی لباس پہنے ہوئے تھی میں تمہیں یہ بھی بتاتی چلوں یہ ارباط بنت روبیل تیغ زنی کے فن میں خوب ماہر ہے یہاں تک کہنے کے بعد کاہنہ سجاح جب خاموش ہوئی رقیم بن بکر تھوڑی دیر تک گردن جھکائے کچھ سوچتا رہا اس کے بعد اس نے کچھ کہنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اسی لمحہ کمرے میں ارباط بنت روبیل داخل ہوئی تھی۔

رقیم بن بکر ارباط بنت روبیل کو دیکھ کر خوش ہوگیا تھا۔ کاہنہ سجاح سے کچھ کہنے کے بجائے وہ اس کی طرف پلٹا اور اس سے کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ ارباط اس کے سامنے بیٹھی ہوئی اس سے پہلے ہی بولی اور بڑی فکر مندی سے اس سے مخاطب کر کے کہنے لگی اے ابن بکر میں آپ کے لئے ایک بری خبر لے کر آئی ہوں ارباط بنت روبیل کے ان الفاظ پر کاہنہ سجاح چونک سی پڑی تھی قبل اس کے کہ رقیم بن بکر کسی ردعمل کا اظہار کرتا کاہنہ پہلے ہی بولی اور پوچھنے لگی۔

اے ارباط میری بیٹی تو رقیم کے لئے کیسی بری خبر لے کر آئی ہے اس پر ارباط پھر بولی اور کہنے لگی اے عظیم کاہنہ میں بنو اوس کے سردار حضیر بن سماک کی لونڈی سے مل کر آئی اس نے مجھ پر انکشاف کیا ہے کہ ایک ہفتہ بعد بنو اوس اور بنو خزرج کے درمیان جو جنگ ہونے والی ہے اس کے لئے مصدع بن مرہ نے بنو خزرج کے دو جوانوں یعنی عامر بن ثعلب اور جذیمہ بن عوف کو بھاری رقم دے کر اس بات پر آمادہ کر لیا ہے کہ وہ جنگ کے دوران صرف رقیم بن بکر پر نگاہ رکھیں اور ہر حالت میں اسے موت کے گھاٹ اتار دیں۔ سنو رقیم میں تمہیں مشورہ دیتی ہوں کہ تم اس جنگ میں حصہ ہی مت لو اور یہاں سے نکل جاؤ اس پر رقیم بن بکر مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

سنو بنت روبیل تو جو میرے ساتھ ہمدردی اور نیکی کا مظاہر کرتی ہے اس کے لئے میں تیرا بے حد شکر گزار ہوں پر دیکھ میں کیسے اور کیوں کر اس جنگ میں حصہ نہ لوں اگر میں نے ایسا کیا تو بنو اوس مجھے اپنے قبیلہ سے نکال باہر کریں گے اور پھر مصدع بن مرہ جیسے لوگ شیر ہو جائیں گے اور جہاں کہیں بھی میں انہیں دکھائی دونگا وہ مجھ پر حملہ آور ہو کر میرا کام تمام کر دیں گے۔ جب تک میں بنو اوس کے اندر ہوں اور حضیر بن سماک کی مجھے ہمدردیاں حاصل ہیں اس وقت تک یہ مصدع بن مرہ جیسے کتے کھلے عام مجھ پر بھونک نہیں سکتے۔ لہٰذا اے بنت روبیل اس جنگ میں مجھے حصہ ضرور لینا ہوگا۔ لیکن میں اس عامر بن ثعلب اور جذیمہ بن عوف سے اپنی حفاظت بھی خوب کروں گا اس پر ارباط نے فکر مندی سے رقیم کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا وہ کیسے۔

رقیم کہنے لگا وہ اس طرح تم جانتی ہو قبائل جنگ کے شروع میں انفرادی مقابلے منعقد کئے جاتے ہیں بڑے بڑے سورما میدان میں نکلتے ہیں اور کبھی کسی کا نام لے کر کبھی ویسے ہی مقابلے کے لئے للکارتے ہیں اے بنت روبیل جب انفرادی مقابلے ہوں گے تو میں بھی میدان میں اتروں گا پہلے میں عامر بن ثعلب کو مقابلے کے لئے للکاروں گا اور تم جانتی ہو جب کسی کو مقابلے کے لئے للکارا جائے تو اسے ہر صورت میں میدان میں نکلنا پڑتا ہے لہٰذا عام بن ثعلب جب میرے مقابلے پر آئے گا تو میں انفرادی جنگ میں اس کا قلع قمع کر دونگا اس کے بعد میں جذیمہ بن عوف کو مقابلے کے لئے للکاروں گا اور عامر بن ثعلب کی طرف اس کا بھی خاتمہ کر کے اس مصدع بن مرہ کی ساری تجویزوں پر پانی پھیر دونگا۔

رقیم بن بکر کی یہ تقریر سن کر ارباط کے قوس قزاح کی رنگیں لہر جیسے چہرے پر پھول برساتی خوشیاں، شوخ نگاہوں میں دھکیلی روشنی اور اس کے صندعی خوشبو جیسے

پرکشش گالوں پر خوشگوار حرارت اور اس کے آسمان کے ستاروں جیسے دھکیلے گلابی گلابی جوان جسم پر اطمینان سکون اور طمانیت کے جذبات خوب دیکھے اور پرکھے جاسکتے تھے ایسے میں رقیم بن بکر نے اچانک کاہنہ سجاح کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اے عظیم کاہنہ میں ایک موضوع پر ارباط بنت روبیل سے تنہائی میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں کیا تم اسے اجازت دو گی کہ یہ اپنے کمرے میں جا کر میری بات سنے رقیم بن بکر کی یہ بات سن کر سجاح کے چہرے پر خوشگوار پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی پھر وہ اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

میں جانتی ہوں تم ارباط سے کیا کہنے والے ہو جو کچھ تم اسے کہنا چاہتے ہو میری موجودگی میں ہی کہو تاکہ میں بھی سنوں تمہارے درمیان کیا گفتگو ہوتی ہے پر رقیم بن بکر نے کسی قدر شرماتے ہوئے کہا اے عظیم کاہنہ وہ گفتگو آپ کے سامنے کرنے والی نہیں ہے اس پر سجاح نے بھی کھل کر بولتے ہوئے کہا اگر میں غلطی پر نہیں تو تم ارباط بنت روبیل سے یہ پوچھنا چاہتے کہو کہ کیوں اس نے تیماء شہر سے باہر تم پر حملہ آور ہونے والے دو یہودیوں کو ٹھکانے لگایا کیوں تمہارا اس قدر خیال رکھتی ہے کیوں تمہیں اس قدر عزت دیتی ہے اور کیوں تمہاری خاطر اس قدر بھاگ دوڑ کرتی ہے کہو ابن بکر کیا یہی سوالات میں جو تم ارباط بنت روبیل سے پوچھنا چاہتے ہو اس پر رقیم بن بکر نے کسی قدر اپنی گردن کو ختم کرتے ہوئے کہا۔

اے عظیم کاہنہ تمہارا اندازہ درست ہے یہ باتیں میں ارباط بنت روبیل سے پوچھنا چاہتا ہوں اس پر کاہنہ سجاح نے بڑے پیارے انداز بڑی نرمی بڑی شفقت سے پھر رقیم بن بکر کو مخاطب کر کے کہا سنو رقیم یہ بچاری تمہارے سوالوں کا کیا جواب دے گی میں تمہیں بتاتی ہوں کہ یہ تم سے محبت کرتی ہے تمہیں پسند کرتی ہے جب تم یہاں میرے پاس آتے ہو تو چھپ چھپ کر تمہیں دیکھتی ہے یہ تمہیں اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کا فیصلہ کر چکی ہے تم اس کے جواب میں کیا کہتے ہو۔

اس پر رقیم بن بکر نے اپنی جھکی ہوئی گردن کو سیدھا کیا اس سے اس کی چھاتی تن گئی تھی پھر وہ کاہنہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا اے عظیم کاہنہ اگر ارباط بنت روبیل کے میرے متعلق یہ تاثرات ہیں تو میں آج آپ کی موجودگی میں وعدہ کرتا

ہوں کہ میں اس کی چاہتوں اور محبتوں کا ایسا ہی جواب دونگا جس کی یہ مجھ سے توقع رکھتی ہے اے عظیم کاہنہ میں اسے مایوس نہیں کرونگا اسے میں اپنی زندگی کا ساتھی بناؤنگا اور یہ کہ اس کا محافظ بن کر اپنی زندگی بسر کرونگا۔

رقیم بن بکر کا یہ جواب سنکر کاہنہ خوش ہوگئی تھی ارباط بنت روبیل کی بھی عجیب حالت ہو چکی تھی وہ ساز نوید جیسی خوش کن اور روشنیوں کے سلوب جیسی پر سکون دکھائی دے رہی تھی۔ وہ نسوانیت کے وقار میں جھرنے کی طرح معصومیت جیسی پرکشش دکھائی دینے لگی تھی ایسا لگتا تھا کائنات مسکرا کر اس کی آنکھوں میں سما گئی ہو جس کی بنا پر اس کا تبسم آفریں چہرہ خوابوں کا اسیر اس کی غزل خواں آنکھیں تخیل کی اڑان میں کھو گئی ہوں اس سے شرم و حیا کے باعث ارباط بنت روبیل کی گردن جھک گئی تھی اور وہ سجاح یا رقیم بن بکر کی طرف دیکھنے کے بجائے نیچے زمین کی طرف دیکھنے لگی تھی اس موقع رقیم بن بکر پھر بولا اور کاہنہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

اے عظیم کاہنہ ایسے موقع پر میرا دل چاہتا ہے کہ ارباط بنت روبیل بھی اپنے منہ سے اپنے تاثرات کا اظہار کرے اس پر کاہنہ مسکراتے ہوئے کہنے لگی یہ ضرور تمہارے سامنے اپنی محبت کے تاثرات اور اپنی چاہتوں کا اظہار کرے گی پھر سجاح نے ارباط کی طرف دیکھتے ہوئے کہا بولو بیٹی تم بھی کچھ کہو تمہارے لئے یہ انتہائی خوش کن اور مبارک موقع ہے کہ رقیم بن بکر جس سے آج تک تم چھپ چھپ کر محبت کرتی ہو تمہارے سامنے ہے تمہیں اپنانے کا یہ فیصلہ کر چکا ہے اس موقع پر ضرور تمہیں اپنے تاثرات کا اظہار کرنا چاہئے۔ کاہنہ سجاح کے الفاظ کے جواب میں ارباط بچاری کی حالت عجیب سی ہوگئی تھی اسکی پر اسرار گوم نیلی آنکھوں کے اندر حیات بخش رنگ جوش مارنے لگے تھے پھر اس نے اپنی جھکی گردن سیدھی کی بڑے غور سے اس نے چند ساعتوں تک رقیم بن بکر کی طرف دیکھا پھر وہ بہتے پانی کے دھیمے راگ، قہقہوں کی جلترنگ، محبت کی بازگشت اور میٹھے نغموں جیسے انداز میں رقیم بن بکر سے کہنے لگی اے ابن بکر میں صرف اتنا ہی کہہ سکتی ہوں کہ میں تو آپ کے لئے پیدا ہوئی تھی اس کے ساتھ ہی ارباط بنت روبیل اپنی جگہ سے اٹھی اور بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔

کاہنہ اور رقیم بن بکر دونوں ہی اس کا جواب سن کر خوش ہوگئے تھے۔ پھر سجاح

اسے زور زور سے پکارنے لگی ارباط بھاگ کر میرے پاس آؤ جواب میں ارباط آہستہ آہستہ اور اپنے سر کو جھکائے کاہنہ کے سامنے آن کھڑی ہوئی اس پر کاہنہ اس کو مخاطب کر کے کہنے لگی ارباط میری بیٹی کھانا لے کر آؤ رقیم بن بکر کو بھوک لگی ہوگی یہیں بیٹھ کر تینوں کھانا کھاتے میں کاہنہ کی اس گفتگو پر ارباط اور زیادہ خوش اور پر سکون ہوگئی تھی پھر وہ بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی تھوڑی دیر بعد وہ کھانا لے آئی پھر وہ تینوں نے اکھٹے بیٹھ کر کھانا کھایا تھا۔

○

بنو اوس خزرج کے درمیان جنگ کرنے کے لئے جو دن مقرر ہوا تھا اس روز صبح ہی صبح دونوں قبائل کے جوان جبل سلح کے پہلو میں وادی بطحان میں جمع ہوئے دونوں قبائل کے سرداروں نے اپنے اپنے مسلح جوانوں کی صفیں درست کیں اس کے بعد انفرادی مقابلوں کی ابتدا کر دی گئی تھی ان انفرادی مقابلوں میں کبھی بنو خزرج کے جوان غالب اور مغلوب ہوتے رہے پھر دنوں لشکروں کے وسط میں کھلے میدان کے اندر رقیم بن بکر نمودار ہوا وہ اپنے ہاتھ میں اپنی وزنی اور چوڑے پھل کی تلوار اور ڈھال تھامے ہوئے تھا دونوں لشکر کے وسط میں آکر رقیم بن بکر نے بلند آواز میں عامر بن ثعلب کو مقابلے کے لیے للکارا تھوڑی دیر بعد بنو خزرج کا عامر بن ثعلب اپنے لشکر سے نمودار ہوا اور بڑی تیزی سے وہ اپنی تلوار لہلاتا ہوا رقیم بن بکر کی طرف بڑھا تھا۔

عامر بن ثعلب جب مقابلہ کرنے کے لیے رقیم بن بکر کے سامنے آیا تو رقیم بن بکر نے اسے مخاطب کر کے کہا اے ثعلب کے بیٹے کیا تمہیں مقابلے کی دعوت دے کر میں نے تمہارے دل کی خواہش پوری نہیں کر دی کسی وہم کسی دھوکے میں نہ رہنا میں جانتا ہوں مصدع بن مرہ نے ایک بھاری رقم دے کر تمہیں اور جذیمہ بن عوف کو میرے قتل پر آمادہ کیا تھا میں نے پہلے تمہیں مقابلے کی دعوت دی ہے اور تمہارا خاتمہ کرنے کے بعد میں جذیمہ بن عوف کو بھی مقابلے کی دعوت دوں گا ان انفرادی مقابلوں میں تم دونوں کی گردن کاٹ کر رکھ دوں گا تاکہ تم عین جنگ کے دوران میرے خلاف کوئی سازش اور کوئی مکاری نہ کرنے پاؤ۔

رقیم بن بکر کے اس انکشاف پر تھوڑی دیر کے لیے عامر بن ثعلب کے چہرے پر خوف پیدا ہوا تھا لیکن جلد ہی اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور کہنے لگا دیکھ بکر کے بیٹے میں تجھ پر حملہ آور ہوتا ہوں اگر تو میرے حملوں کا دفاع کرتا ہے تو کر دیکھ اس کے ساتھ ہی عامر بن ثعلب نے رقیم بن بکر پر حملہ کر دیا تھا۔

شروع شروع میں رقیم بن بکر نے اپنے آپ کو صرف اپنے دفاع تک محدود رکھا اور اس کے بعد وہ اچانک جارحیت پر اترا آیا تھا عمر بن ثعلب پر اسرار قوت بیکراں آرزوؤں کے سرسام اور شرار برق کی طرح حملہ آور ہوتے ہوئے اس کے دل میں تجسس اور ذہن میں تحیر برپا کرنے لگا تھا اپنے تیز حملوں میں رقیم بن بکر نے عامر بن ثعلب کے لیے آسمان کی اونچائی اور زمین کی گہرائی برابر کر کے رکھ دی تھی اس کے حملوں میں عجیب سی بے لوثی و جان نثاری تھی وہ پیچ و تاب کھاتے شعلوں' دریاؤں کی روانگی' نئے پتھر کی بارش کی طرح عامر بن ثعلب پر حملہ آور ہوتے ہوئے بڑی تیزی سے اس کی حالت برگشتہ بخت اور بے ضمیری جیسی کرنے لگا تھا۔

اچانک رقیم بن بکر نے پینترا بدلتے ہوئے اپنی ڈھال عامر بن ثعلب کے شانے پر مارنا چاہی عامر بن ثعلب نے فوراً" اپنی ڈھال آگے کرتے ہوئے جب رقیم بن بکر کی ڈھال کو اپنی ڈھال پر لینا چاہا تو کمال ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے رقیم بن بکر نے اپنی ڈھال کے ساتھ تلوار بھی عامر بن ثعلب پر گرا دی تھی عامر بن ثعلب اپنا دفاع نہ کر سکا اور رقیم بن بکر کی تلوار اسے کاٹتی ہوئی نکل گئی تھی یوں اس انفرادی جنگ میں رقیم بن بکر نے عامر بن ثعلب کا سر کاٹ کر رکھ دیا تھا اس کے بعد اس نے اپنی خون آلود تلوار فضا میں بلند کی اور اپنے دوسرے دشمن جذیمہ بن عوف کو مقابلے کے لیے للکارا تھوڑی دیر بعد جزیمہ بن عوف بھی بنو خزرج کے لشکر سے نکلا اور اپنی تلوار اور ڈھال غصہ میں لہراتا ہوا وہ رقیم بن بکر کی طرف بڑھا تھا۔

جذیمہ بن عوف نے رقیم بن بکر کے پاس آتے ہی اس پر حملہ کر دیا تھا شاید وہ رقیم بن بکر کی تھکاوٹ اور اپنے تازہ دم ہونے سے فائدہ اٹھا کر اپنی کامیابی کو یقینی بنانا چاہتا تھا لیکن اس کا ہر فعل اس کی بھول ثابت ہوا وہ اس لیے کہ عامر بن ثعلب کی طرح رقیم بن بکر اس پر بھی گرجتے ہولوں اور صحرائے وحشت کی طرح حملہ آور ہو گیا

تھا تھوڑی دیر تک دونوں ڈٹ کر لڑتے رہے پھر جذیمہ بن عوف پر بھی تھکاوٹ اور پژ مردگی طاری ہونے لگی کچھ دیر مزید دونوں دھوپ اور سایوں کی شیزہ کاری کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ بر سر پیکار رہے پر جذیمہ بن عوف نڈھال ہونے لگا جس طرح شام کی دہلیز پر شب کے سائے پھیلتے ہیں اس طرح اس کے دل پر کراہٹیں اور سانسوں میں دکھ کی پکار پھیلنے لگی تھی لمحہ بہ لمحہ اس کی حالت ٹوٹے خوابوں کی دھجیوں جیسی ہونے لگی تھی اس کے جسم کی خوش حالی اور روح کی ہریالی رخصت ہونے لگی تھی بدن کی تہوں میں خود اعتمادی کی انہدام اور اس کے اعصاب پر امیدوں کی جگہ حسرتوں کا نزول ہونے لگا تھا۔

اپنی اس تھکاوٹ اور پژمردگی کے باعث جذیمہ بن عوف زیادہ دیر تک رقیم بن بکر کے سامنے اپنا دفاع نہ کر سکا اور رقیم بن بکر نے جذیمہ بن عوف کی گردن بھی کاٹ کر رکھ دی تھی۔ اپنے ان دونوں دشمنوں کا خاتمہ کرنے کے بعد رقیم بن بکر بنو اوس کے لشکر میں واپس چلا گیا اس کے بعد دونوں لشکروں میں عام جنگ چھڑ گئی تھی شروع شروع میں بنو اوس کا پلہ بھاری تھا لیکن بعد میں بنو خزرج بنو اوس پر غالب آنے لگے یہاں تک کہ اس جنگ حاطب میں بنو اوس کو بنو خزرج کے ہاتھوں شکست ہوئی بنو اوس کا سردار حضیر بن سماک اس جنگ میں زخمی ہوا اور جو اس جنگ میں بنو اوس کے جوان بچ رہے انہیں بنو خزرج والوں نے قیدی اور اسیر بنا لیا تھا رقیم بن بکر بھی بنو خزرج کے ہاتھوں قیدی اور اسیر ہو گیا تھا بنو خزرج نے اپنی فتح کے بعد بنو اوس کے ساتھ ان شرائط پر صلح کا معاہدہ کیا کہ بنو اوس کے جو جوان انہوں نے قیدی بنائے ہیں ان کا معقول فدیہ ادا کر کے وہ جوان بنو اوس والے چھڑا کر لے جا سکتے ہیں اور ہر جوان کو چھڑانے کی انہوں نے خاصی بڑی رقم مقرر کر دی تھی۔

اس طرح بنو اوس کے لوگ اپنے اپنے عزیزوں اور رشتے داروں کا فدیہ بنو خزرج کو ادا کر کے اپنے اپنے قیدی اور اسیر چھوڑانے لگے تھے۔

بنو اوس کا سردار حضیر بن سماک اپنے دیوان خانے میں زخمی حالت میں پڑا ہوا تھا بنو اوس کے طبیب اس کے زخم کی مرہم پٹی کر گئے تھے اور بنو اوس کے لوگ برابر اس کی تیمارداری کو آ رہے تھے شام کے وقت جب حضیر بن سماک کے پاس بنو اوس

کے لوگوں کا آنا جانا بند ہوا تو اس کی بیٹی اور رقیم بن بکر کی بیوی عمارہ بنت حضیر اپنے زخمی باپ کے پاس آئی اور اس کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

اے میرے باپ گو آپ نے بڑی نیک نیتی اور بڑے خلوص کے ساتھ رقیم بن بکر سے میری شادی کی تھی پر میں اس رقیم بن بکر کو سمجھ نہ سکی اے میرے باپ میں آج اعتراف کرتی ہوں کہ اس شخص کو ٹھکانے لگانے کے لیے میں مصدع بن مرہ کے ساتھ مل کر اپنی انتہائی کوشش کی لیکن لگتا ہے کہ قانون فطرت رقیم بن بکر کے حق میں تھا میرا اور مصدع بن مسرہ کا ہر حربہ رقیم بن بکر کے مقابل ناکام ہی پڑا میں اور مصدع دونوں ہی بری طرح ناکام رہے اس پر اے میرے باپ میں نے اندازہ لگایا کہ رقیم بن بکر سچائی اور میں باطل پر ہوں اس کے بعد میں اپنے اس رویہ پر شرمندہ ہوں کہ میں اب تک آپ اور رقیم بن بکر دونوں ہی کے آگے اذیت کا باعث بنی رہی ہوں۔

اب میں اپنی ساری غلطیوں کی معافی مانگتے ہوئے اپنے ناروا سلوک کی مغفرت طلبی کرتے ہوئے رقیم بن بکر کی طرف رجوع کرنا چاہتی ہوں اے میرے باپ میں نے عہد کر لیا ہے میں ایک مخلص بیوی کی حیثیت سے اس کے ساتھ رہوں گی اس کی خدمت کروں گی اور ایک پر خلوص ساتھی کی حیثیت سے اپنی پوری زندگی اس پر نچھاور کر کے رکھ دوں گی! اے میرے باپ اس جنگ میں گو! رقیم بن بکر نے بہترین شجاعات اور جوان مردگی کا اظہار کیا ہے لیکن بنو اوس کے دوسرے لوگوں کی طرح اسے بھی اسیر بنا لیا گیا ہے میرے باپ آپ دیکھتے ہیں بنو اوس کے لوگ اپنے اپنے رشتے داروں کا فدیہ ادا کر کے اسیری سے نجات دلا رہے ہیں میں سوچتی ہوں رقیم بن بکر کا کون فدیہ ادا کرے گا اور کون اسے بنو خزرج کی قید سے چھڑائے گا۔

سو اے میرے باپ میں نے ارادہ اور عزم کر لیا ہے کہ میں خود رقیم بن بکر کا فدیہ ادا کروں گی اسے باعزت بنو خزرج سے لا کر اپنی حویلی میں لاؤں گی اور بیوی کی حیثیت سے اس کی خدمت کروں گی یہاں تک کہنے کے بعد عمارہ جب خاموش ہوئی تو اس کا باپ حضیر بن سماک دکھ پریشانی اور غمگین سے لہجے میں اس سے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

اے میری بیٹی تو نے بہت دیر تو نے بہت تاخیر کر دی دیکھ وقت کا پرندہ کسی کا انتظار نہیں کرتا تجھے میں نے بڑی مہلت دی تجھے میں نے سمجھنے اور اپنے کو سنوارنے کا بہترین موقع فراہم کیا لیکن تو نے میری کوئی بات نہ مانی اے میری بیٹی اب وقت گزر چکا ہے اور تیرے پاس سوائے پچھتاوے اور سوائے تاسف کے کچھ نہیں رہا اے میری بیٹی رقیم بن بکر کے ساتھ تیری شادی کر کے میں تجھے تاکستانوں میں کھیلنے والا ایک پھول بنانا چاہتا تھا لیکن تو نے میری ہر خواہش کو الٹا کر کے رکھ دیا اب تو اے میری بیٹی ان سرزمینوں میں صحرا اور ویرانوں کا ایک پھول ہے جو نہ کسی کے کام آ سکتا ہے اور نہ کوئی دوسرا اس سے مستفید ہو سکتا ہے یہاں تک کہتے کہتے حضیر بن سماک خاموش ہو گیا۔ اس لئے کہ لوگ اس کی تیمار داری کرنے کے لیے آ گئے تھے لہٰذا عمارہ بنت حضیر اس کے کمرے سے اٹھ کر باہر آئی عین اس وقت مصدع بن مرہ کی لونڈی حویلی میں داخل ہوئی اور عمارہ بن حضیر کو اشارے سے اپنے پاس بلایا جب عمارہ اس کے پاس گئی لونڈی نے بڑی راز داری میں کہا۔

اے بنت حضیر جلدی کرو مصدع بن مرہ نے کسی انتہائی اہم کام کے سلسلے میں تمہیں بلایا ہے یہ پیغام سن کر عمارہ بن حضیر نے تھوڑی دیر اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر کچھ سوچا پر شائد اس نے آخری فیصلہ کیا اور وہ اس لونڈی کے ساتھ ہو لی تھی جس وقت مصدع بن مرہ کی وہ لونڈی عمارہ بنت حضیر کو بلانے آئی تھی اس وقت شام گہری رات میں ڈھل چکی تھی اور ہر طرف تاریکی پھیل چکی تھی اس لونڈی کے ساتھ عمارہ بن حضیر جب مصدع بن مرہ کی حویلی میں داخل ہوئی اس نے دیکھا مصدع بن مرہ اپنے دیوان خانے میں بیٹھا ہوا تھا عمارہ بنت حضیر اس دیوان خانے میں داخل ہوئی اور مصدع بن مرہ کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے اس نے پوچھا کہو تم نے مجھے کیوں بلایا ہے اس پر مصدع بن مرہ نے کہا پہلے تم بیٹھو پھر میں تمہارے ساتھ بات کرتا ہوں اس پر عمارہ بنت حضیر ایک بے رخی اپناتے ہوئے کہنے لگی نہیں میں بیٹھوں گی نہیں میں نے اپنی زندگی کی راہیں بدل لی ہیں میں تمہاری لونڈی کے بلانے پر کبھی بھی نہ آتی صرف اس نیت سے اس طرف آئی ہوں کہ تمہیں یہ بتاؤں کہ آج کے بعد میرا تمہارے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی تم کبھی بھی اپنی لونڈی بھیج کر مجھے بلانے

کی کوشش کرنا اگر تم ایسا کرو گے تو یاد رکھو تم پچھتاؤ گے۔

عمارہ بنت حضیر کی یہ گفتگو سن کر مصدع بن مرہ کمال حیرت سے کہنے لگا اے بنت حضیر تم کیا کہہ رہی ہو میں نے تمہیں لونڈی بھیج کر اس لیے بلایا تھا کہ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ آج کی رات تمہیں لے کر میں یثرب شہر سے نکل جاؤں گا اور ہم دونوں شادی کر کے بہترین اور کامیاب زندگی بسر کریں گے لیکن تم تو کچھ اور ہی ارادے ظاہر کر رہی ہو عمارہ بنت حضیر ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی میں تمہارے ساتھ بھاگ کر جانے کے لیے تیار نہیں ہوں میں اپنے شوہر رقیم بن بکر کی طرف رجو کرنے کا ارادہ کر چکی ہوں میں اپنے باپ سے معقول رقم لے کر بنو خزرج کو رقیم بن بکر کا فدیہ ادا کروں گی اور اسے چھڑا کر لاؤں گی اس کے ساتھ پوری زندگی ایک وفا شعار بیوی کی حیثیت سے بسر کر دوں گی اس پر مصدع بن مرہ اپنی جگہ پر سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا نہیں تم ایسا نہیں کر سکتی میں تمہیں ایسا کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دوں گا جواب میں عمارہ بنت حضیر کہنے لگی مجھے ایسا کرنے کے لیے کسی سے اجازت لینے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

اور سن رکھو اگر تم نے میرے راستے میں آنے کی کوشش کی تو اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے اس پر مصدع بن مرہ جل بھن کر آگے بڑھا عمارہ بنت حضیر کو اس نے پکڑ لیا اس کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ کمرے کے ایک کونے میں لے گیا پہلے اس کے منہ پر اس نے کس کر ایک کپڑا باندھا پھر وہ جلدی سے اسے لے آیا جس سے اس نے عمارہ کے ہاتھ باندھنے کے بعد اس کے دونوں پاؤں بھی کس کر باندھ دیئے تھے اس کے بعد مصدح بن مرہ بھاگا بھاگا اپنے اصطبل کی طرف گیا جو اس نے ایک گھوڑے پر زین ڈالی کچھ سامان گھوڑے کی زین سے باندھا اس کے بعد وہ گھوڑے کو دیوان خانے کے سامنے لایا عمارہ بنت حضیر کو اٹھا کر اس نے اپنے گھوڑے پر بٹھایا خود بھی گھوڑے پر سوار ہوا یوں عمارہ بنت حضیر کو لے کر یثرب سے نکل کر تیماء شہر کی طرف اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑا رہا تھا۔

○

رات آہستہ آہستہ اور قطرہ قطرہ ہو کر گزرتی چلی جا رہی تھی۔ یثرب کے نواح

میں کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد مصدع بن مرہ نے اپنے سرپٹ دوڑتے ہوئے گھوڑے کی لگام کسی قدر کھینچ کر اسے میانہ روی پر مجبور کر دیا تھا ہو سکتا ہے کہ اس نے اندازہ لگا لیا ہو کہ اسے آرام اور سکون سے سفر کرنا چاہیے اور یہ کہ رات کے وقت اس کا کوئی تعاقب نہیں کرے گا اس طرح وہ رات کی تاریکی میں یثرب سے صرف تیماء جانے والی شاہراہ پر عمارہ بنت حضیر کو لے کر سفر کرتا رہا۔

یہاں تک کہ جب مشرق سے سورج طلوع ہونے کے آثار دکھائی دئے تو مصدع بن مرہ چونک سا پڑا تھا اس کے پیچھے یثرب کی طرف سے آنے والی شاہراہ پر ایک سوار اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا آ رہا تھا یہ صورت حال دیکھتے ہوئے مصدع بن نے اپنی تلوار اور ڈھال احتیاطاً" سنبھال لی تھی اتنی دیر تک پیچھے سے آنے والا سوار قریب آگیا وہ اپنے منہ اور اپنے سر کو خوب اچھی طرح ڈھانپے ہوئے تھا اور بڑی تیزی سے وہ اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا مصدع بن مرہ کے پاس سے گزر گیا تھا اس کے گزر جانے کے بعد مصدع بن مرہ پر سکون اور مطمئن ہو گیا تھا اور پھر وہ اپنی اسی رفتار سے تیماء کی طرف بڑھنے لگا تھا لیکن مصدع بن مرہ ابھی کچھ زیادہ دور نہ گیا تھا کہ وہ دنگ رہ گیا۔ وہی سوار جو تھوڑی دیر پہلے اپنے چہرے کو ڈھانپے اس کے پاس سے گزرا تھا وہ شاہراہ پر اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا تھا مصدع بن مرہ اپنے سامنے عمارہ بنت حضیر کو سمیٹتے ہوئے جب اس کے قریب گیا تو اس سوار نے اپنے چہرے سے اپنا سیاہ رنگ کا نقاب ہٹا دیا مصدع بن مرہ نے دیکھا وہ رقیم بن بکر تھا جو اس کی راہ روک کھڑا ہوا تھا۔

رقیم بن بکر کو یوں اچانک اپنے سامنے دیکھ کر ایک بار تو مصدع بن مرہ کے حواس جاتے رہے پھر اس کے چہرے پر پیلاہٹیں رقص کرنے لگی تھیں دوسری طرف عمارہ بنت حضیر بھی رقیم بن بکر کو دیکھ چکی تھی اس کے چہرے پر اب مایوسی کے بجائے خوشیاں رقص کرنے لگی تھیں مصدع بن مرہ نے فوراً" اپنے آپ کو سنبھالا پھر وہ حرکت میں آیا عمارہ بنت حضیر کو اس نے اپنے گھوڑے سے نیچے صحرا کی ریت پر پھینک دیا اپنی تلوار اور ڈھال سنبھال لی اور رقیم بن بکر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

دیکھ بکر کے بیٹے آج تک تو میرے ہاتھوں بچتا رہا پر آج ان صحرائی ویرانوں کے

اندر میں تیرا کام تمام کر کے رہوں گا آخیر تیرے ساتھ ساتھ میری پرانی دشمنی چلی آ رہی ہے اس کی تکمیل ہوتی رہے گی اس پر رقیم بن بکر بھی بولا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا دیکھ قنوطیت منکریت کے علمبردار کسی خوش فہمی کسی دھوکے اور فریب میں مت رہنا ان صحرائی ویرانوں کے اندر میں تمہیں المیوں اور آہوں کے مراحل سے گزار دوں گا تجھے اپنے سامنے مٹی کی طرح مطیع کروں گا تجھ پر موت کی رات اور قدر کی نحوست اور بدشگونی کی خاک نچھاور کر کے رہوں گا اور تیری حالت کالی بھیانک رات جیسی کروں گا۔

دیکھ اپنی تلوار اور ڈھال سنبھال پھر میں تجھ پر حملہ آور ہوتا ہوں اس کے بعد تجھ پر ثابت ہو گا کہ ان ویرانوں میں تو میرا کام تمام کرتا ہے یا میں تیری گردن کاٹ کر اس عمارہ بنت حضیر کو واپس یثرب لے کر جاتا ہوں رقیم بن بکر کے اس چیلنج پر مصدع بن مرہ اپنی تلوار ڈھال لہراتا ہوا آگے بڑھا اور رحیم بن بکر پر حملہ کر دیا تھا۔

رقیم بن بکر نے مصدع بن مرہ سے بھی مقابلہ کرنے کا وہی طریقہ اپنایا جو اس نے بنو خزرج بنو اوس کی جنگ میں عامر بن ثعلب اور جذیمہ بن عوف کے خلاف استعمال کیا تھا شروع شروع میں وہ اپنے دفاع تک محدود رہا پھر وہ اچانک جارحیت پر اتر آیا تھا۔

وہ چنگاریوں کی طرح بھڑک اٹھا تھا اور اس کی آنکھوں میں بے لگام خوف ناک غصیلی چمک جوش مارنے لگی تھی اس کی حالت اس تیزی سے بدلی تھی گویا سویا ہوا سمندر بیدار ہوا ہو اور بے یقینی کے دھندلکے پھیلانے لگا ہو اس کے ساتھ ہی رقیم بن بکر ابدی اضطراب موج سموم و سراب کی طرح مصدع بن مرہ پر حملہ آور ہوتے ہوئے بڑی تیزی سے اس پر بے بسی طاری کرنے لگا تھا۔

مصدع بن مرہ تھوڑی دیر تک جم کر رقیم بن بکر کے سامنے مقابلہ کرتا رہا لیکن جلد ہی رقیم بن بکر نے اسے اپنے سامنے ادھر ادھر بھاگتے ہوئے کچھ اس طرح حرکت میں لانا شروع کیا جس طرح کوزہ گر چاک کو حرکت دیتا ہے رات کی ان ختم ہوتی سنسان مسافتوں میں رقیم بن بکر بڑی تیزی کے ساتھ مصدع بن مرہ کے شیرازہ خیال کو منتشر کرتا اور اسے پر آلام کا مژدہ سناتا ہوا اس کی کتا[illegible]ندگی کے اوراق سے ہر

حسین نقش کو مٹانے لگا تھا ایک موقع پر جب مصدع بن مرہ نے رقیم بن بکر کی تلوار کو اپنی ڈھال پر روکا تھا تو اپنی تلوار کے ساتھ ہی رقیم بن بکر نے اپنی ڈھال بھی مصدع بن مرہ کے شانے پر دے ماری جس سے مصدع بن مصرہ لڑکھڑا گیا تھا اس کی اس لڑکھڑاہٹ سے رقیم بن بکر نے پورا فائدہ اٹھایا اپنی تلوار فوراً" بلند کر کے ایک عجیب سی نا آشنا تب و تاب کے ساتھ گرائی اور سنگین موت مصدع بن مرہ پر طاری کرتے ہوئے اس نے اس کی گردن کاٹ دی۔

مصدع بن مرہ کا خاتمہ کرنے کے بعد رقیم بن بکر نے ریت سے اپنی تلوار صاف کر کے میان میں کی اپنا خنجر نکال کر اس نے پہلے عمارہ بنت حضیر کی وہ رسیاں کاٹیں جن میں اس کے پاؤں اور ہاتھ جکڑے ہوئے تھے پھر اس نے اس کے منہ پر باندھا ہوا کپڑا بھی اتار دیا عمارہ بنت حضیر اٹھ کھڑی ہوئی تھوڑی دیر تک وہ عجیب سی شکر گزاری ممنونیت سے رقیم بن بکر کی طرف دیکھتی رہی پھر وہ بھاگ کر آگے بڑھی اور رقیم بن بکر کے دونوں پاؤں پکڑتے ہوئے اس نے کہا میں اب تک اندھیروں اور تاریکی میں بھٹکتی رہی میں تسلیم کرتی ہوں کہ میں غلطی پر تھی میں آپ سے معافی مانگتی ہوں اور عہد کرتی ہوں کہ میں صحیح معنوں میں آپ کی وفا شعار بیوی اور زندگی کا بہترین ساتھی بن کر رہوں گی۔

اس پر رقیم بن بکر فوراً" پیچھے ہٹ گیا اور کسی قدر بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے عمارہ بنت حضیر سے کہنے لگا دیکھ بنت حضیر ایسی باتیں ان ویرانوں میں اچھی نہیں لگتیں تو اس مصدع بن مرہ کے گھوڑے پر سوار ہو جا ہمیں فوراً" واپس جانا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ یثرب میں یہ بات مشہور ہو جائے کہ تجھے مصدع بن مرہ نکال لے گیا ہے اس طرح تیری نہیں تیرے باپ کی بھی بدنامی ہو گی میں چاہتا ہوں کہ وقت ضائع کئے بغیر ہم یثرب کی طرف روانہ ہو جائیں عمارہ بنت خضیر شاید رقیم بن بکر کی بات کو سمجھ گئی تھی وہ حرکت میں آئی اور مصدع بن مرہ کے گھوڑے پر سوار ہو گئی اس کے بعد دونوں نے اپنے اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور اس شاہراہ پر وہ اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑا رہے تھے جو یثرب کی طرف جاتی تھی۔

○

رقیم بن بکر عمارہ بنت حضیر کو لے کر اس کی حویلی میں داخل ہوا اپنے گھوڑے باہر صحن میں ہی کھڑا کر کے عمارہ کے ساتھ اس دیوان خانے میں داخل ہوا جس میں حضیر بن سماک زخمی ہونے کے بعد قیام کئے ہوئے تھا دیوان خانے میں آنے کے بعد عمارہ بنت حضیر بچاری اپنے باپ سے لپٹ گئی اور رونے لگی اس پر رقیم بن بکر نے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

اے بنت حضیر مجھے تمہاری لونڈی نے بتا دیا تھا کہ مصدع بن مرہ تمہیں رات کی تاریکی میں اٹھا کر لے گیا لہٰذا میں نے تعاقب کیا اور تمہیں مصدع بن مرہ سے چھڑا لیا مجھے افسوس ہے کہ وہ مصدع بن مرہ جسے تم پسند کرتی تھی وہ میرے ہاتھوں مارا گیا یہ دیکھ میں نے بنو اوس کے سردار حضیر بن سماک کی عزت کا خیال کرتے ہوئے تمہاری مدد کی اور تمہیں واپس لے آیا ہوں اب تم اپنے باپ کے پاس رہو اور اپنی مرضی سے زندگی بسر کرو اس پر عمارہ بنت حضیر نے چونک کر حضیر بن سماک سے علیحدہ ہوئی اور رقیم بن بکر کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

میں اب یہاں نہیں رہوں گی میں آپ کے ساتھ جاؤں گی اس لیے کہ میں آپ کی بیوی ہوں میں اپنے پہلے ناروا سلوک کی آپ سے معافی مانگ چکی ہوں میں ایک بار پھر اپنے باپ کی موجودگی میں بھی آپ سے معافی مانگتی ہوں اور عہد کرتی ہوں کہ میں آپ کے ساتھ ایک وفا شعار بیوی کی حیثیت سے دن کاٹوں گی اس پر حضیر بن سماک بڑے دکھ سے کہنے لگا اے میری بیٹی میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ تو دیر سے ہوش میں آئی ہے اس لیے کہ تیرے لیے ایسا کرنے کا وقت گزر چکا ہے میں نے تجھے پہلے بھی کہا تھا کہ میں تجھے تاکستانوں کا پھول بنانا چاہتا تھا لیکن تو اپنے رویے سے ویرانوں کا پھول بن کر رہ گئی اب تیرا اور رقیم بن بکر کا کوئی رشتہ نہیں رہا۔

اپنے باپ کے اس انکشاف پر عمارہ نے چونک کر رقیم بن بکر کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا۔

جنگ حاطب سے پہلے اے بنت حضیر میں تجھے طلاق دے چکا ہوں اور میں کاہنہ فلاح کی لونڈی ارباط بنت روبیل سے شادی کر چکا ہوں اسی نے مجھے بنو خزرج کی مدد دلوائی۔ رقیم بن بکر کے اس انکشاف پر عمارہ بنت حضیر اپنے ہاتھ کانوں پر لے

گئی اور پھر وہ زور سے چلائی نہیں ایسا نہیں ہو سکتا آپ مجھے طلاق نہیں دے سکتے اس پر حضیر بن سماک بولا۔

تجھے طلاق ہو چکی ہے میری بیٹی اب تیرا رقیم بن بکر کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں رہا اپنے باپ کا یہ فیصلہ سن کر عمارہ بنت حضیر بچاری انتہائی بے بسی میں سسک سسک کر رونے لگی تھی اور اس کی آنکھوں سے لگاتار آنسو بہنے لگے تھے ایک بار عجیب سے انداز میں اس نے رقیم بن بکر کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر بے بسی لاچارگی کی پرچھائیاں تھیں پھر وہ کھل کر روتی اور دھاڑیں مارتی ہوئی دیوان خانے سے نکلی اور بھاگتی ہوئی حویلی کے اندرونی حصے کی طرف چلی گئی تھی اس کے ساتھ ہی رقیم بن بکر بھی حرکت میں آیا دیوان خانے سے وہ نکلا اپنے گھوڑے کی باگ اس نے تھامی پھر وہ حضیر بن سماک کی حویلی سے نکل کر آہستہ آہستہ بوجھل بوجھل سی چال چلتا کاہنہ سجاح کی حویلی کی طرف جا رہا تھا۔

رزم گاہ

وقار عظیم
پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

بروصہ شہر کے قصر شاہی میں مراد اول کا بیٹا اور عثمانیوں کا شہنشاہ سلطان محمد اپنے وزیروں اور مشیروں کے ساتھ قصر کے ایک کمرے میں مجلس ترتیب دیئے ہوئے کسی انتہائی اہم موضوع پر گفتگو کر رہا تھا کہ سلطان کا حاجب اندر آیا سر کو جھکا کر اس نے سلطان محمد کو تعظیم دی پھر کہنے لگا۔

سلطان محترم دو اشخاص آپ سے ملاقات کے متمنی ہیں۔ ایک آپ کا شاہی جاسوس اس کا کہنا ہے کہ وہ سلطان کے لیے ایک انتہائی اہم خبر لایا ہے اور دوسرا قسطنطنیہ کے شہنشاہ قسطنطین کا قاصد ہے وہ بھی اپنے شہنشاہ کا کوئی اہم پیغام لیکر آیا ہے۔

یہاں تک کہنے کے بعد سلطان محمد کا وہ حاجب جب خاموش ہوا تو سلطان نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا پہلے میرے شاہی مخبر کو لاؤ میں دیکھوں وہ کیا خبر لیکر آیا ہے اس پر حاجب مڑا تھوڑی دیر بعد وہ آیا اور شاہی مخبر کو اس نے سلطان محمد کے سامنے لا کھڑا کیا تھا۔ شاہی مخبر کو دیکھتے ہی سلطان نے پوچھا کہو تم کیا خبر لائے ہو اس پر شاہی مخبر کہنے لگا۔

سلطان محترم قسطنطنیہ کی جس مہم پر آپ نے مجھے روانہ کیا تھا اس سلسلے میں انتہائی اہم خبر لیکر آیا ہوں اور وہ خبر یہ ہے کہ قسطنطنیہ میں ہنگری کا ایک صناع اپنی بیٹی کے ساتھ اسیری کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ سلطان محترم ہنگری کے اس صناع کا نام افونش ہے اور اس کی بیٹی کا نام زیلہ۔ یہ صناع توپیں ڈھالنے میں اپنا جواب نہیں رکھتا اسی صناعی کو لیکر یہ شخص ہنگری سے قسطنطنیہ میں آیا اس وقت وہ نصرانی تھا قسطنطنیہ میں قیام کے دوران اس نے ایک یہودی عالم سے متاثر ہو کر یہودیت اختیار کر لی قسطنطنیہ کا شہنشاہ اسے اپنے اسلحہ خانے میں مقرر کر کے اس سے بہترین کام لینا چاہتا

تھا لیکن جس وقت پادریوں کو یہ پتا چلا کہ ایک نصرانی نے یہودیت اختیار کر لی ہے تو وہ اس کے خلاف ہو گئے لہٰذا پادریوں کی عدالت نے افونش اور اس کی بیوی اور بیٹی کے خلاف فیصلہ دے دیا اس لیے کہ افونش کی طرح اس کی بیوی اور بیٹی بھی یہودیت اختیار کر چکی تھیں۔

سلطان محترم جہاں تک اس افونش کا تعلق ہے تو اس کا شمار ہنگری کے اعلیٰ پایہ کے صناعوں میں کیا جاتا ہے اور وہ ایک ایسا صناع ہے جو توپ سازی میں اپنا جواب اپنی مثال نہیں رکھتا۔ قسطنطنیہ کا شہنشاہ بھی اسے توپ سازی میں اپنے لئے استعمال کرنا چاہتا تھا اس کی یہ خواہش نہیں تھی کہ افونش اور اس کے اہل خانہ کو اسیر کیا جائے لیکن جس وقت افونش اس کی بیوی اور بیٹی نے نصرانیت ترک کر کے یہودیت اختیار کر لی تو قسطنطنیہ میں آیا صوفیہ کے کلیسا کے بڑی پادری کے کہنے پر قسطنطنیہ کے پادریوں اور راہبوں نے ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا ان کا مقصد یہ تھا کہ افونش چونکہ مرتد ہو گیا ہے لہٰذا اس کی خیریت اسی میں ہے کہ وہ یہودیت ترک کر کے دوبارہ نصرانیت اختیار کرے اسی صورت میں وہ قسطنطنیہ کے اندر باعزت طور پر رہ سکتا ہے ورنہ وہ سزا کا حقدار ہو گا۔

قسطنطنیہ کا شہنشاہ قسطنطین نہیں چاہتا تھا کہ ہنگری کے اس صناع کو کوئی سزا دی جائے جس کا نام افونش ہے لیکن پادریوں اور راہبوں کے زور دینے پر قسطنطین مجبور ہوا اور افونش اس کی بیوی اور زیلہ کو سینٹ رومانوس کے دروازے کے قریب ایک عمارت کے اندر محبوس کر دیا گیا ہے اور اس پر واضح کر دیا گیا ہے کہ اگر وہ دو ماہ کے اندر اندر یہودیت ترک کر کے نصرانیت اختیار کر لے تو اسے کچھ نہیں کہا جائے گا بصورت دیگر اسے قسطنطنیہ کے مقابلے کے میدان میں مصلوب کر دیا جائے گا۔

سلطان محترم اسی نظربندی کے دوران ہنگری کے صناع افونش کی بیوی فوت ہو گئی اب وہ اپنی بیٹی زیلہ کے ساتھ سینٹ رومانوس کے دروازے کے قریب ایک عمارت کے اندر محبوس ہے اور یہ عمارت قسطنطنیہ کے بالکل قریب ہے سلطان محترم اگر ہنگری کے اس صناع افونش کو وہاں سے نکال کر ہم یہاں لانے میں کامیاب ہو

جائیں تو وہ ہمارے لئے توپیں ڈھالنے کا بہترین کام سرانجام دے سکتا ہے۔

سلطان محترم چونکہ قسطنطنیہ کے شہنشاہ قسطنطین نے افونش کو قید و نظر بندی میں ڈال رکھا ہے لہٰذا افونش اب قسطنطین سے انتہائی طور پر برہم اور برگشتہ ہے میرے خیال میں اگر کوشش کی جائے تو وہ یہاں آنے پر رضا مند ہو جائے گا اور اگر اسے یہاں لایا جائے تو میں سمجھتا ہوں وہ ہمارے لئے بہترین کام سرانجام دے سکتا ہے۔

یہاں تک کہنے کے بعد آنے والا وہ شاہی مخبر جب خاموش ہوا تو سلطان محمد تھوڑی دیر تک مسکرا کر اسے دیکھتا رہا پھر اپنے قریب بیٹھے ہوئے اپنے وزیر کدک احمد کی طرف سلطان محمد نے دیکھا اسے کوئی مخصوص اشارہ کیا جس کے جواب میں سلطان محمد کا وزیر کدک احمد اپنی جگہ سے اٹھا آگے بڑھ کر بڑے شفقت آمیز انداز میں نقدی کی ایک تھیلی شاہی مخبر کو دی اس کے بعد اس بڑے کمرے میں سلطان محمد کی آواز گونجی تھی۔

اے میرے عزیز تم قسطنطنیہ سے میرے لیے بہترین خبر لیکر آئے ہو میں سمجھتا ہوں ہم کوشش کریں گے کہ افونش کو یہاں لائیں اور اس کی صناعی سے فائدہ حاصل کریں اب تم جاؤ جاکر آرام کرو اس کے ساتھ ہی شاہی مخبر مڑا اور اس کمرے سے نکل گیا۔

شاہی مخبر کے جانے کے بعد ایک بار پھر سلطان محمد کا حاجب اندر آیا اور اسے دیکھتے ہے سلطان کہنے لگا اب قسطنطنیہ کے شہنشاہ قسطنطین کے قاصد کو بھیجو میں دیکھوں وہ کیا کہتا ہے۔

تھوڑی دیر بعد حاجب ایک نصرانی کو لیکر اندر آیا جس کے گلے میں چاندی کی صلیب لٹک رہی تھی۔ حاجب نے اس قاصد کو جو قسطنطنیہ سے آیا تھا سلطان محمد کے سامنے لا کھڑا کیا اسے دیکھتے ہی سلطان محمد نے تحکمانہ انداز میں پوچھا۔

کہو تمہارے شہنشاہ قسطنطین نے کس غرض سے تمہیں میرے پاس بھیجا ہے اس پر اس قاصد نے اپنی گردن سیدھی کی پھر کہنے لگا۔

مسلمانوں کے سلطان محمد ثانی کے نام قسطنطنیہ کے عظیم شہنشاہ قسطنطین نے یہ

پیغام بھیجا ہے کہ سلیمان کے پوتے کو اورنہ شہر کا حکمران مقرر کر دیا جائے اس سے پہلے بھی وہی اورنہ شہر کا حاکم تھا۔ ہمارے شہنشاہ کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر سلیمان کے پوتے کو اورنہ کا حکمرنہ مقرر نہ کیا گیا تو عثمانیوں کے ساتھ قسطنطنیہ کے تعلقات بگڑ جائیں گے اور دونوں کے درمیان جنگ کے خطرات اٹھ کھڑے ہوں گے۔

قسطنطنیہ کے شہنشاہ قسطنطین کے اس قاصد کے الفاظ سن کر سلطان محمد کی حالت غصے اور غضبناکی میں عذاب رتوں کے گرم لمحوں خونی حدتوں اور لمحوں کے طوفانوں میں پت جھڑ کی مار جیسی ہو کے رہ گئی تھی۔ اس لمحہ سلطان کے چہرے پر صحرا صحرا اٹھتی پیاس دشت دشت درد غریبی اور آنکھوں میں زندگی کی بے کراں مسافتوں میں نفرتوں کی اداس رتوں جیسی کیفیت طاری ہو گئی تھی کچھ دیر تک ایسے ہی جذبے سلطان کے چہرے پر رقص کرتے رہے اور کمرے میں جنگل کی کالی رات اور آتش کے ساگر جیسی گہری اور منسوں ناک خاموشی طاری رہی اس کے بعد سلطان کی آواز اس کمرے میں بلند ہوئی تھی سلطان نے قسطنطنیہ کے شہنشاہ کے قاصد کو مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا تھا۔

سنو قاصد اگر تم سفیر بنکر نہ آئے ہوتے تو جو الفاظ تم نے کہے ہیں ان کے جرم میں تمہاری گردن بھی ماری جا سکتی تھی۔ سلیمان کے پوتے کو اورنہ کا حکمران مقرر کرنے کی سفارش کر کے تمہارے شہنشاہ قسطنطین نے عثمانی سلطنت کے داخلی امور میں مداخلت کی ہے۔ اسے خبر ہے کہ سلیمان کا پوتا بدکردار ہے اور وہ اندرون خانہ قسطنطنیہ کی سلطنت سے ملا ہوا ہے لہٰذا اسے ہمارے باپ مراد اول نے اورنا کی حکمرانی سے الگ کر دیا تھا۔ اب قسطنطین نے اس کی سفارش کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ اور قسطنطین آپس میں عثمانی سلطنت کے خلاف گٹھ جوڑ کئے ہوئے ہیں۔

یہاں تک کہنے کے بعد سلطان نے تھوڑی دیر تک توقف کیا اس کے بعد پھر کہنا شروع کیا سنو قاصد تم لوٹ جاؤ اپنی اس ساری گفتگو کے جواب میں اپنے شہنشاہ قسطنطین سے کہنا کہ تم ہمارے مقدرات کے نگہبان بننے کی کوشش مت کرو۔ بہت جلد وہ وقت آئے گا کہ ہم تقدیر کا شیشہ بن کر اس کے سامنے آئیں گے اور اسے پگھلنے کے عمل اور دشت اجل کا سامنا کرنا ہو گا۔ سنو قاصد اپنے شہنشاہ کے پاس

لوٹ جاؤ اور اس سے کہنا کہ تمہارے اس مطالبے کا جواب ہم قسطنطنیہ کے دروازوں پر آ کے دیں گے۔ اب تم جا سکتے ہو اس کے ساتھ ہی قسطنطنیہ کے شہنشاہ قسطنطین کا وہ قاصد نامراد سا کمرے سے نکل گیا تھا۔

قسطنطنیہ کے قاصد کے جانے کے بعد سلطان محمد نے اپنے وزیر کدک احمد کی طرف دیکھا پھر کہا۔

کدک احمد میرے عزیز پہلے میں نے ارادہ کیا تھا کہ قسطنطنیہ پر حملہ آور ہونے میں کچھ تاخیر سے کام لوں گا تاکہ اس سے متعلق بہتر انداز میں کوئی فیصلہ کیا جائے لیکن اب قسطنطنیہ کے حکمران قسطنطین کے رو عمل کو دیکھتے ہوئے میں قسطنطنیہ پر فی الفور حملہ آور ہونے کا فیصلہ کر چکا ہوں اور یہ حملہ کرنے سے پہلے میں ہنگری کے صناع افونش اور اس کی بیٹی کو وہاں سے نکلوانا چاہتا ہوں تاکہ انہیں یہاں شہر لایا جائے اور وہ ہمارے لئے کار آمد توپیں ڈھالنے کا کام شروع کریں۔

یہاں تک کہنے کے بعد سلطان محمد لمحہ بھر کے لیے رکا دوبارہ اس نے اپنے وزیر کدک احمد کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

کدک احمد تم جانتے ہو ہنگری کے صناع کو سینٹ رومانوس کے قریب سے نکال کر بروصہ شہر میں لانا ایک انتہائی مشکل اور بظاہر ناممکن کام ہے تمہارے خیال میں اس کام کی سرانجام دہی کون بہتر انداز میں کر سکتا ہے میرے خیال میں اس کام کو کرنے کے لیے کم از کم دو تین جوانوں پر مشتمل ایک وفد روانہ کرنا چاہیے جو کسی نہ کسی طرح ہنگری کے اس صناع افونش کو قسطنطنیہ سے نکال کر بروصہ لائے کہو کدک احمد اس مہم کے لیے تم کس کو مناسب خیال کرتے ہو۔

سلطان محمد کے اس استفسار پر کدک احمد نے تھوڑی دیر تک گردن جھکا کر کچھ سوچا پھر سلطان کی طرف دیکھا اور کہنا شروع کیا۔

سلطان محترم اگر آپ اس مہم پر تین اشخاص کو بھیجنا چاہتے ہیں تو میری نگاہوں میں اس وقت تین اشخاص ایسے ہیں جو اس کام کو بہترین انداز میں سرانجام دے سکتے ہیں اس پر سلطان محمد کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی اور پوچھا وہ لوگ کون ہیں جو اس کام کو کامیابی سے انجام دے سکتے ہیں اس پر کدک احمد کہنے لگا۔

سلطان محترم ان میں سے پہلا تو اناطولیہ کے دستوں کا سالار محمود پاشا ہے۔ آپ اسے جانتے ہیں ایک کڑیل اور خوبرو جوان ہونے کے ساتھ بلا کا شجاع نڈر اور دلیر جوان ہے اور ہر مشکل اور ناممکن کام کو کر گزرنے کی ہمت اور جرات رکھتا ہے۔ سلطان محترم دوسرا شخص جو اس کام پر مقرر کیا جا سکتا ہے وہ نبی چری کا چھوٹا سالار حسن ہے جبکہ تیسرا شخص رومیلیہ کے دستوں سے تعلق رکھتا ہے اور اس کا نام مراد بے ہے۔ سلطان محترم میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر ان تینوں جوانوں کو اس مہم پر مقرر کیا جائے تو یقیناً" وہ اس مہم کو کامیاب بنا کر لوٹیں گے۔ یہ تینوں جوان ایک دوسرے کو جانتے ہیں آپس میں ان کا دوستانہ اور رفیقانہ گہرا رابطہ ہے۔ اور یہ ایک دوسرے کے مزاج کو سمجھتے ہیں ان میں جو محمود پاشا ہے اسے اس مہم کا سالار اعلیٰ مقرر کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ محمود پاشا حسن اور مراد بے سے کہیں زیادہ شجاع اور دلیر ہے۔

اپنے وزیر کدک احمد کا یہ جواب سن کر سلطان محمد کے چہرے پر اطمینان بخش مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر سلطان نے تحکمانہ انداز میں کہا کدک احمد اگر ایسا ہے تو جاؤ ان تینوں کو سارا معاملہ سمجھا کے پھر میرے پاس لاؤ اس کے ساتھ ہی کدک احمد کمرے سے نکل گیا تھا۔ جبکہ سلطان محمد اپنے دیگر مشیروں کے ساتھ قسطنطنیہ کی طرف سے آنے والے قاصد کے پیغام سے متعلق گفتگو کرنے لگا تھا۔

تھوڑی دیر بعد سلطان محمد کا وزیر کدک احمد اپنے ساتھ تین جوانوں کو لیکر آیا ان میں سے ایک سلطان کے لشکر کے اناطولی دستوں کا سالار محمود پاشا تھا۔ دوسرا رمیلیاد کے دستوں کا نائب سالار مراد بے اور تیسرا نبی چری کا سالار حسن تینوں سلطان محمد کے سامنے آن کھڑے ہوئے جبکہ وزیر کدک احمد دوبارہ اپنی نشست پر جا بیٹھا تھا۔

سلطان محمد تھوڑی دیر بڑے غور اور انہماک سے تینوں جوانوں کو دیکھتے رہے سب سے پہلے ان کی نگاہ محمود پاشا پر جمی۔

سلطان نے دیکھا محمود پاشا کے چہرے پر اس لمحے ہر قدم ٹھوکر کھڑی کر دینے والے طوفان ہر موڑ پر الجھن ڈال دینے والا ایک کرب تھا۔ اس کی آنکھوں میں چھید

چھید کر دینے والی لپٹیں اور زندگی کے تلاطم خیز جذبوں کے طنبور جوش مار رہے تھے۔ اپنے چہرے اپنے لمبے قد کاٹھ اور اپنی جسمانی ساخت میں وہ موت کے کرب خیز سناٹے جیسا سنگ جان' ہزاروں برس کی سزا جھیل کر نکلنے والے کرب آمیز جیسا بیباک اور مرگ کے تہوار میں ہولناک تباہی جیسا باہمت اور جرات مند دکھائی دیتا تھا۔ اس کے دوسرے دونوں ساتھی حسن اور مراد بے بھی اسی جیسے قد آور بھرے ہوئے اور کڑے جسموں کے مالک تھے۔ سلطان محمد تھوڑی دیر تک تینوں کا جائزہ لیتا رہا اس کے بعد وہ محمود پاشا کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔

دیکھ محمود میرے خیال میں مجھے تفصیل سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ کدک احمد تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو سب کچھ بتا چکا ہو گا۔ اس دوران میں محمود پاشا کی آواز پہلی بار کمرے میں گونجی۔

سلطان محترم میں اپنی اور اپنے ساتھیوں کی طرف سے آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جس مہم کے لئے ہم پر اعتماد اور بھروسہ کیا گیا ہے ہر صورت میں اس مہم کو ہم کامیاب کرنے کی کوشش کریں گے۔ سلطان محترم کدک احمد اس مہم سے متعلق مجھے اور میرے دونوں ساتھیوں کو تفصیل کے ساتھ بتا چکے ہیں۔ آپ حکم کیجئے کہ ہمیں کب تک اس مہم پر روانہ ہونا ہو گا۔ اس پر سلطان نے جواب دیا۔

محمود پاشا میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تم تینوں آنے والی رات قسطنطنیہ کی طرف کوچ کر جاؤ۔ کوچ سے پہلے جس چیز کی تم ضرورت محسوس کرتے ہو وہ کہو اس کا انتظام کر دیا جائے گا۔ اس پر محمود پاشا نے اپنے دائیں بائیں کھڑے مراد بے اور حسن سے مشورہ کیا اس کے بعد جواب میں کہا۔

سلطان محترم اگر ہم تینوں کو عیسائی پادری جیسے لباس سنہری صلیبیں ضروریات کا دیگر سامان آج ہی مہیا کر دیا جائے تو آنے والی شب کو میں اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ بروصہ سے کوچ کر جاؤں گا۔ ایک کشتی کا بھی انتظام کیا جائے جس میں دو ملاح ہوں وہ ملاح بھی ہمارے لئے بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔

محمود پاشا کے خاموش ہونے پر سلطان محمد نے جواب دیا۔

دیکھ محمود پاشا اس مہم کے سلسلے میں تم تینوں جس چیز کی ضرورت محسوس کرو گے

کدک احمد اس کا انتظام کرے گا۔ میرے خیال میں اب تم تینوں کدک احمد کے ساتھ جاؤ اپنی ضروریات کی ہر شے اس سے کہو وہ کدک احمد مہیا کرے گا۔ میرا خیال یہ ہے کہ آنے والی شب تم کشتی کے ذریعے قسطنطنیہ کی طرف کوچ کر جاؤ۔ اس کے ساتھ ہی سلطان محمد نے اپنے وزیر کدک احمد کی طرف کوئی مخصوص اشارہ کیا جس کے جواب میں کدک احمد اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا پھر وہ محمود پاشا' حسن اور مراد بے کو لے کر اس کمرے سے نکل گیا تھا۔

اسی روز سلطان محمد کے وزیر کدک احمد نے تینوں کے لئے ساری ضروریات اور دیگر انتظامات مکمل کر دیئے تھے اور آنے والی شب کو وہ تینوں ایک کشتی میں بروصہ کے ساحل سے قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔ محمود پاشا' حسن اور مراد بے اپنے گلے میں سنہری صلیبیں لٹکائے ہوئے تھے اور انہوں نے پادریوں کے سے لباس پہن رکھے تھے۔ جبکہ کشتی کے دونوں ملاح عام سے لباس میں تھے۔ تاہم انہوں نے بھی اپنے گلوں میں صلیبیں لٹکا رکھی تھیں۔ اس طرح پانچ سواروں کو لیکر وہ کشتی رات کی تاریکی میں قسطنطنیہ کے ساحل کی طرف بڑھی تھی۔

رات کی تاریکی اور سناٹے ہی میں وہ سب قسطنطنیہ کے ساحل پر جا پہنچے۔ رات انہوں نے کشتی ہی میں بسر کی اور اپنے کام کی ابتدا کرنے کے لئے وہ لائحہ عمل بھی طے کرتے رہے۔ جب سورج طلوع ہوا تو انہوں نے دیکھا کہ ساحل کے ساتھ ان گنت ماہی گیروں کی کشتیاں کھڑی تھیں۔ محمود پاشا نے اپنی کشتی کے دونوں ملاحوں کو ماہی گیروں کی کشتیوں کے اندر اپنی کشتی کھڑی کرنے کا حکم دیا۔ اور خود وہ حسن اور مراد بے کے ساتھ ساحل پر اترا اور قسطنطنیہ کے مشہور اور معروف گرجے آیا صوفیا کی طرف چلدیا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ آیا صوفیہ کے کلیسا میں داخل ہوئے۔ وہ تینوں چونکہ پادریوں کے لباس میں تھے لہٰذا کسی نے ان سے کوئی رکاوٹ نہ کی تھی۔ تھوڑی دیر تک آیا صوفیہ کے کلیسا میں وہ ادھر ادھر گھوم پھر کر روپہلی کشتیوں اور پیالوں میں رنگا رنگ کے نوادرات دیکھتے رہے اس کے بعد انہوں نے آیا صوفیہ کے متبرک پردوں کے روپہلے نقوش کا جائزہ لیا۔ اس کے بعد وہ کلیسا کی قرباں گاہ کی طرف گئے جس کے

اوپر مریم کی بہت بڑی تصویر بنی تھی۔ جسے گہرے نیلے رنگ کا لباس پہنایا گیا تھا۔ اس کے سامنے روشنیاں ایک خاص فن کاری سے لگائی گئیں تھیں۔ مریم سے اوپر ایک چہرہ تھا یہ عیسیٰ علیہ ابن مریم تھے۔

تھوڑی دیر تک محمود پاشا، حسن اور مراد بے آیا صوفیہ کے کلیسا میں گھومتے پھرتے رہے پھر تینوں ایک دوسرے کو مخصوص اشارہ کرتے ہوئے کلیسا کے اندر موجود ایک پادری کے قریب آئے اور محمود پاشا اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

دیکھ میرے عزیز ہم تینوں پادری ہیں۔ ہمارا تعلق اناطولیہ سے ہے۔ ہمیں قسطنطنیہ اور آیا صوفیہ کا یہ کلیسا دیکھنے کا بڑا شوق تھا اور اسی غرض سے ہم اناطولیہ سے نکل کر اس سمت آئے ہیں۔ کلیسا کو دیکھنے کے بعد ہم کلیسا کے بشپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ کیا تم ہمیں اس کا نام اور اس کی رہائش گاہ کے متعلق کچھ بتاؤ گے۔ اس پر وہ پادری بڑی نرمی سے پیش آیا اور محمود پاشاہ سے کہنے لگا۔

اگر آپ تینوں اناطولیہ سے آئے ہیں تو اس کلیسا میں ہم آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ آیا صوفیہ کے بشپ کا نام سیورس ہے اور وہ اس وقت وہ سامنے بیٹھا ہوا ہے۔ وہ سفید ریش والا شخص جس کے اردگرد بہت سے پادری جمع ہیں۔ محمود پاشا نے اس پادری کا شکریہ ادا کیا۔ وہ قرابوک اور مراد بے کے ساتھ آگے بڑھ گیا تھا۔

تینوں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے آیا صوفیہ کے کلیسا کے بشپ سیورس کے پاس آئے۔ تینوں نے بڑی عقیدت مندی سے آگے بڑھ کر اپنے آپ کو کافی جھکا کر سیورس سے مصافحہ کیا پھر محمود پاشا کہنے لگا مقدس باپ۔ ہم تینوں پادری اناطولیہ سے آئے ہیں۔ ہمیں قسطنطنیہ کے علاوہ آیا صوفیہ کا یہ گرجا دیکھنے کا بڑا شوق تھا۔ اب جبکہ ہم گرجا میں خوب اچھی طرح گھوم چکے ہیں تو آپ سے ملاقات کا بھی شرف حاصل کرنا چاہتے تھے۔ محمود پاشا کے اس انکشاف پر آیا صوفیہ کا بڑا پادری سیورس بڑا خوش ہوا۔ ہاتھ کے اشارے سے تینوں کو اس نے اپنے پہلو میں بیٹھنے کو کہا۔ جب وہ تینوں بیٹھ گئے تب سیورس نے محمود پاشا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

میرے عزیزو۔ اناطولیہ میں عیسائیت کے کیا حالات ہیں۔ کیا وہاں مسلمانوں کے اندر رہتے ہوئے عیسائی محفوظ ہیں۔ مقدس باپ اور اپنی مرضی اور منشا کے مطابق

اپنے مذہب کی پیروی کر سکتے ہیں۔ اس پر محمود پاشا کہنے لگا۔ مقدس باپ اس سلسلے میں مسلمان خاصے روادار ہیں اور مذہب کے معاملے میں وہ کبھی بھی ہمارے لئے کوئی روک رکاوٹ ثابت نہیں ہوئے۔ یہاں تک کہنے کے بعد محمود پاشا پھر سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

مقدس باپ جب ہم تینوں قادری قسطنطنیہ کے ساحل پر اترے تو وہاں پر موجود ماہی گیروں سے ہم نے ایک عجیب و غریب بات سنی۔ اس پر سیورس نے فوراً محمود پاشا کی بات کاٹ دی۔ میرے عزیز تو نے ان ماہی گیروں سے کیا سنا۔ محمود پاشا کہنے لگا۔

مقدس باپ وہ ماہی گیر کہہ رہے تھے کہ ہنگری کا رہنے والا ایک بڑا ہی بے مثل اور نایاب صناع ہے جس کا نام افونش ہے اور وہ توپیں ڈھالنے میں بڑی مہارت رکھتا ہے۔ وہ ملاح کہہ رہے تھے کچھ عرصہ پیشتر وہ قسطنطنیہ میں داخل ہوا پر یہاں آنے کے بعد اس نے عیسائیت ترک کر کے یہودیت اختیار کر لی اور اب اسے سینٹ رومانوس کے قریب ایک عمارت میں نظر بند کر دیا گیا ہے اور کوشش کی جا رہی ہے کہ وہ یہودیت ترک کر کے نصرانیت اختیار کر لے اور اگر اس نے ایسا نہ کیا تو اسے اس کی بیٹی کے ساتھ مصلوب کر دیا جائے گا۔ مقدس باپ کیا یہ حقیقت ہے یا وہ ماہی گیر یونہی ایک دوسرے کو کوئی افسانہ سنا رہے تھے۔

محمود پاشا کی یہ ساری گفتگو کے جواب میں بڑے پادری سیورس نے تھوڑی دیر تک غور و فکر کیا پھر غور سے محمود پاشا کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہنا شروع کیا۔

دیکھ میرے عزیز جو کچھ تم نے سنا وہ درست ہے ہنگری کا صناع جس کا نام تم نے افونش بتایا ہے وہ واقعی یہاں آ کر مرتد ہو گیا تھا لہٰذا آیا صوفیہ میں سارے پادریوں اور راہبوں کی ایک مجلس طلب کی گئی جس نے یہ فیصلہ کیا کہ اس کو اس کے اہل خانہ سمیت سینٹ رومانوس کے دروازے کے قریب ایک عمارت میں اس وقت تک نظر بند کر دیا جائے جب تک وہ یہودیت ترک کر کے دوبارہ عیسائیت اختیار نہیں کرتا اور اگر وہ ایسا کرنے سے انکار کر دے تو اسے مصلوب کر دیا جائے۔ دیکھ میرے عزیز بڑے بڑے پادریوں اور راہبوں نے اسے راہ راست پر لانے کی کوشش کی ہے مگر وہ

نہیں مانتا۔ وہ انتہائی ضدی اور ہٹ دھرم ہو چکا ہے۔ وہ کسی بھی صورت یہودیت ترک کرنے پر آمادہ نہیں۔

بڑے پادری سیوس کی اس گفتگو کے بعد محمود پاشا نے کچھ سوچا پھر بڑے پادری کو مخاطب کرتے ہوئے وہ بولا۔

مقدس باپ اگر یہ فریضہ میں اور میرے دونوں ساتھی ادا کر دیں تو کیا آپ ہمیں ایسا کرنے کی اجازت دیں گے۔ آپ ہمیں موقعہ فراہم کیجئے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں ہفتوں میں نہیں دنوں کے اندر افونش کی کایا پلٹ کر رکھ دوں گا۔ اور وہ یہودیت ترک کر کے نصرانیت اختیار کرنے پر ہر صورت میں آمادہ ہو جائے گا۔ محمود پاشا کے اس انکشاف پر بڑے پادری سیورس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک پیدا ہوئی پھر وہ کہنے لگا۔

سن میرے اجنبی دوست۔ اگر تم تینوں مل کر ایسا کر گذرو تو میں سمجھوں گا اس شہر میں اجنبی ہوتے ہوئے بھی تم نے وہ معرکہ سر کیا جسے ہم نہ کر سکے۔ اس پر محمود پاشا نے جب دیکھا کہ لوہا گرم ہے تو اس نے ایک اور ضرب لگائی۔

مقدس باپ اگر آپ ہمیں اس افونش کو راہ راست پر لانے کی اجازت دیتے ہیں تو پھر ہمارے ساتھ اپنا کوئی آدمی بھیجئے جو ہمیں افونش تک چھوڑ آئے اور ہمیں یہ بھی اجازت دلوائے کہ ہم چند روز تک اسے دن یا رات کے کسی حصے میں مل کر اسے راہ راست پر لانے کی کوشش کرتے رہیں۔ اس پر سیورس ایک عزم میں کہنے لگا۔

دیکھ میرے عزیز ابھی میں اپنا ایک پادری تم تینوں کے ساتھ بھجواتا ہوں وہ تمہیں افونش کے پاس لے جائے گا اور جو پادری تمہارے ساتھ جائے گا وہ ان محافظوں سے بات کرے گا جو افونش کی نگرانی پر مقرر ہیں اور وہ ان محافظوں سے کہہ دے گا کہ تمہیں اور تمہارے دونوں ساتھیوں کو گاہے بگاہے دن یا رات کے کسی بھی حصے میں افونش سے ملنے کی اجازت ہو گی۔ اس پر محمود پاشا نے حسن اور مراد بے کو مخصوص اشارہ کیا پھر وہ تینوں اٹھ کھڑے ہوئے پھر محمود پاشا کہنے لگا۔

مقدس باپ اگر ایسا ہے تو میں وقت ضائع کرنے کی کوشش نہیں کروں گا آپ کسی کو ہمارے ساتھ بھیجیے جو ہمیں افونش تک لے جائے۔ اس پر سیورس نے ایک

پادری کو حکم دیا اور وہ چپ چاپ محمود پاشا حسن اور مراد بے کو لیکر آیا صوفیہ کے کلیسا سے نکل گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد محمود پاشا اور اس کے دونوں ساتھی ایک پادری کی رہنمائی میں جٹ رومانوس کے دروازے کے قریب ایک بلند عمارت میں داخل ہوئے۔ جو انطاکیہ شہر کی فصیل کے قریب ہی تھا۔ سیڑھیاں چڑھ کر وہ پادری انہیں اوپر کی منزل پر لے گیا جہاں سارے محافظوں کو اس پادری نے جمع کیا پھر انہیں سیورس کے فیصلے سے آگاہ کرتے ہوئے انہیں بتایا کہ اس کے ساتھ جو پادری آئے ہیں یہ افونش کو پھر یہودیت سے نصرانیت کی طرف لانے کی کوشش کریں گے اور دن رات کے جس حصے میں بھی یہ افونش سے ملنا چاہیں انہیں منع نہ کیا جائے اور بلا روک ٹوک انہیں آنے دیا جائے۔ ان سارے محافظوں کو یہ ہدایات دینے کے بعد وہ پادری تینوں کو لیکر ایک کمرے میں داخل ہوا۔ اس کمرے میں محمود پاشا نے دیکھا ڈھلتی ہوئی عمر کا ایک شخص اور ایک نوخیز لڑکی لیٹی ہوئی تھی۔

محمود پاشا نے دیکھا وہ لڑکی شبنم کے لبوں پر ناچتی کرنوں جیسی نازک اندام' گلابی رنگت کے ہالے جیسی پرکشش۔ زندگی کی خوشبو میں سرمدی دھند کی طرح خوش جمال' خوابوں کے صنم کدوں میں روشنی کی اڑان جیسی حسین تھی۔ اس کا کرنوں سے تراشا جسم ستاروں کی مانند تھا اور اس کے جسم کے کنوار پن سے مشک و عنبر کی مہک اٹھتی تھی۔

اس ڈھلتی ہوئی عمر کے شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پادری محمود پاشا کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ یہ جو شخص سامنے بیٹھا ہوا ہے یہی ہنگری کا صناع ہے اور اس کا نام افونش ہے۔ اس کے قریب جو نو عمر لڑکی ہے یہ اس کی بیٹی ہے اس کا نام زیلہ ہے۔ اب تم ان دونوں سے ملو میں رخصت ہوتا ہوں۔ یہاں کے محافظوں کو میں نے تفصیل کے ساتھ بتا دیا ہے تم جب بھی ان سے ملنا چاہو گے کوئی تمہیں روکے گا نہیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ پادری وہاں سے چلا گیا تھا۔

پادری کے جانے کے بعد محمود پاشا اپنے دونوں ساتھیوں حسن اور مراد بے کے ساتھ آگے بڑھا۔ اس کمرے میں صرف دو ہی مسہریاں تھیں۔ ایک پر خود افونش بیٹھ

تھا دوسری پر اس کی بیٹی زیلہ لیٹی ہوئی تھی۔ جو اپنی حالت سے بیمار اور ناساز لگتی تھی۔ تینوں آگے بڑھ کر افونش کے قریب کھڑے ہو گئے۔ پھر قبل اس کے کہ ان میں سے کوئی افونش کو مخاطب کر کے کچھ کہتا افونش خود ہی بول پڑا۔ اگر تم لوگ مجھے اور میری بیٹی کو یہودیت سے نصرانیت کی طرف لانے کو بھیجے گئے ہو تو تم سب کو مایوسی ہو گی۔

افونش جب خاموش ہوا تو محمود پاشا کہنے لگا دیکھ افونش جو کچھ تو نے کہنا ہے تو کہہ چکا یا مزید کچھ کہنا ہے۔ اس پر افونش کہنے لگا میں نے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا ہوں۔ محمود پاشا بولا۔

دیکھ افونش ہم تمہیں عیسائیت کی طرف لانے کے لئے نہ بھیجے گئے ہیں اور نا ہم تمہیں ایسا کرنے کے لئے کہیں گے۔ بلکہ یہ جانو کہ ہم تو ایک اور ہی اہم کام کے سلسلے میں تمہارے پاس آئے ہیں۔ دیکھ افونش یوں جانو میں اور میرے دونوں ساتھی تمہارے ہمدرد ہیں۔ میں تمہیں اس موجودہ مصیبت سے نجات دلانا چاہتا ہوں۔ اگر تم برا نہ مانو تو کیا تم علیحدگی میں کچھ دیر کے لئے ہماری بات سننا پسند کرو گے۔ اس پر افونش کہنے لگا۔ علیحدگی میں کیوں۔ تم گفتگو کو اپنے دونوں ساتھیوں سے راز میں رکھنا چاہتے ہو۔ اگر ایسا ہے تو میں ضرور تمہیں علیحدگی دوں گا۔ محمود کہنے لگا نہیں میرے دونوں ساتھیوں سے میرا کوئی راز نہیں۔ افونش کہنے لگا تو اس کا مطلب ہے کہ میری بیٹی سے گفتگو کو راز میں رکھنا چاہتے ہو۔ اگر ایسا ہے تو سنو۔ میری زندگی کا کوئی راز میری بیٹی کے لئے راز نہیں ہے۔ اگر تم کچھ ہماری بہتری اور بھلائی کے لئے کہنا چاہتے ہو تو ہماری بیٹی کی موجودگی میں کہہ سکتے ہو۔ سن رکھو میری بیٹی ہر راز کو راز رکھنے کی ہمت اور جرات رکھتی ہے۔

مزید کچھ کہنے سے پہلے محمود پاشا نے اپنے ساتھی حسن کو اشارہ کیا وہ اشارہ ملتے ہیں دبے پاؤں حرکت میں آیا اور کمرے کا دوازہ اس نے اندر سے بند کر لیا تھا۔ ایسا ہونے کے بعد محمود پاشا پھر بولا۔

دیکھ افونش اگر تم پسند کرو تو میں اور میرے ساتھی تینوں تمہارے ساتھ یہاں مسہری پر بیٹھ جائیں۔ افونش ایک طرف کھسک گیا۔ کہنے لگا بخوشی بیٹھو۔ محمود پاشا

حسن اور مراد بے وہاں بیٹھ گئے۔ محمود پاشا کہنے لگا۔

سن افونش اگر میں تم سے یہ کہوں کہ میں اور میرے دونوں ساتھی تمہیں اور تمہاری بیٹی کو اس اسیری اور زندانی کی زندگی سے رہائی دلانے کے لئے آئے ہیں تو کیا تم ہم پر اعتماد کرو گے۔

محمود پاشا کی اس گفتگو سے حسین اور پرجمال زیلہ کی آنکھوں میں ایک چمک پیدا ہوئی تھی اور اس کے بیمار چہرے پر ایک ہلکی ہلکی مسکراہٹ بھی نمودار ہو گئی تھی۔ شاید وہ آنے والے دنوں کی خوش آئند آرزوؤں میں کھو کر رہ گئی تھی۔ محمود پاشا کے اس سوال کے جواب میں افونش نے کچھ سوچا پھر کہا کہ نہیں۔ میں تم پر اعتماد اور بھروسہ نہیں کرتا۔ اس پر محمود پاشا نے تعجب اور پریشانی میں پوچھا وہ کیوں۔ افونش کہنے لگا۔

اس لئے کہ تم تینوں پادریوں کا ہماری طرف بھیجا جانا کسی علت سے خالی نہیں ہے۔ تم تینوں ضرور مجھے اور میری بیٹی کو کسی چکر میں پھانسنے کی کوشش کرو گے لہٰذا میں کسی بھی صورت میں تم تینوں کے کسی چکمے اور جال میں نہیں آؤں گا۔ محمود پاشا مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

دیکھ افونش یہ سب تیری نظر فریبی ہے۔ میں تمہیں یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ ہم تینوں کا تعلق یہاں کے پادریوں سے نہیں۔ ہم تینوں دور سے آئے ہیں اور تمہیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔ افونش کے بولنے سے پہلے ہی اس کی بیٹی زیلہ نحیف لیکن چوڑیوں کی کھنک اور پائیل کی چھن چھن جیسی آواز میں افونش کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ اے میرے باپ پہلے ان کی پوری بات کو سن لیجئے کیا کہنا چاہتے ہیں۔ پھر جائزہ لیجئے کہ ان کی گفتگو میں وزن ہے یا نہیں۔ یا یہ کہ یہ ہمیں یہاں سے نکالنے میں مخلص ہیں یا نہیں۔ اپنی بیٹی کے ان الفاظ کے جواب میں افونش نے لمحہ بھر کے لئے بڑے غور سے محمود پاشا کی طرف دیکھا پھر وہ کہنے لگا۔

دیکھ اجنبی پادری چلو میں یہ بات تسلیم کر لیتا ہوں کہ تم تینوں کا تعلق ان سر زمینوں سے نہیں مگر تم یہ تو کہو تم تینوں پادری ہم دونوں باپ بیٹی کو یہاں سے نکال کر کدھر لیکر جاؤ گے۔ اس پر محمود پاشا حوصلہ افزا انداز میں کہہ رہا تھا۔

دیکھ افونش یوں جانو ہم تمہارے ہمدرد' تمہارے دکھ درد کے ساجھی ہیں۔ میں تمہیں یہ بتاؤں کہ یہاں سے نکال کر ہم تم دونوں باپ بیٹی کو وہاں لے جائیں گے جہاں تمہارے لئے اسیری نہیں ہو گی۔ زندانی کی زندگی نہیں ہو گی کوئی قید کوئی پابندی نہیں ہو گی۔ وہاں تم اپنی پوری آزادی اور خودمختاری میں اپنی خواہش' اپنی آرزوؤں کے مطابق زندگی بسر کر سکو گے۔ وہاں تم پر یہ پابندی نہیں ہو گی کہ تم نصرانیت اختیار کرو یا یہودیت پر قائم رہو۔ جس مذہب سے بھی تمہارا تعلق ہے اس کا احترام کیا جائے گا۔ کہو تم ہمارے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو۔ اور ہاں افونش جواب دینے سے پہلے یہ بات لکھ رکھنا اگر تم ہاں میں جواب دیتے ہو تو پھر میں اور میرے دونوں ساتھی یہیں تمہارے پاس ہی قیام کریں گے اور پھر جب رات کچھ گذر جائے گی تو ہم تمہیں یہاں سے نکال باہر لے جائیں گے۔ اب کہو کیا تم ہمارے ساتھ جانے پر آمادہ ہو۔

اس پر افونش اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی بیٹی زیلہ کی مسہری پر جا بیٹھا۔ تھوڑی دیر تک دونوں باپ بیٹی بڑی راز داری میں سرگوشیوں میں گفتگو کرتے رہے اس کے بعد افونش اٹھ کر پھر اپنی پہلی جگہ پر آیا اور محمود پاشا سے کہنے لگا۔

دیکھ اجنبی اپنی بیٹی سے صلاح و مشورہ کرنے کے بعد میں یہ فیصلہ کرنے میں کامیاب ہوا ہوں کہ ہم دونوں باپ' بیٹی تم پر اعتماد اور بھروسہ کرتے ہیں۔ اگر تم ہم دونوں کو یہاں سے نکال کر کہیں اور لے جاؤ جہاں ہمارے لئے آزادی' خودمختاری اور جان و مال کی حفاظت کا سامان ہو تو ہم تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولیں گے۔ اس پر محمود پاشا فوراً" کہنے لگا۔

دیکھ افونش جہاں میں تمہیں اور تمہاری بیٹی کو لے جانا چاہتا ہوں وہاں تمہاری جان کے علاوہ تمہاری بیٹی زیلہ کی عصمت' عزت اور اس کی جان ایسے ہی محفوظ اور قابل عزت ہو گی جس طرح خود ہماری اپنی عورتوں کی۔ اس پر افونش دکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا پر ہم دونوں باپ بیٹی کو یہاں سے کیسے نکالو گے۔ اس لئے کہ گزشتہ کئی دنوں سے میری بیٹی زیلہ بیمار ہے اور یہ چل پھر نہیں سکتی اور نہ یہ تمہارے ساتھ یہاں سے بھاگ سکے گی۔ بھاگنا تو بہت دور کی بات یہ صحیح طرح سے چل بھی نہیں سکتی۔ گذشتہ کئی دنوں سے بیمار ہے اور ان ظالموں نے اس کی بیماری

کے لئے کسی طبیب کا بھی بندوبست نہیں کیا اور اس کی بیماری زور پکڑتی جا رہی ہے جس کی وجہ سے میں اس کی صحت کے متعلق بڑا فکر مند ہوں۔

اس پر محمود پاشا کہنے لگا دیکھ افونش تو فکر مند مت ہو۔ اگر تمہاری بیٹی بیمار ہے تو اسے یہاں سے نکالنا تمہارا مسئلہ نہیں۔ یہ ہمارا کام ہے۔ اسے ہم یہاں سے کیسے لے جاتے ہیں تم دیکھتے رہنا۔ تم صرف ہاں کرو کہ تم ہمارے ساتھ جانے پر آمادہ ہو۔ اس پر افونش کے بجائے مسہری پر لیٹی ہوئی اس کی بیٹی زیلہ کہنے لگی ہاں ہم دونوں باپ بیٹی آپ کے ساتھ جانے کے لئے بخوشی تیار ہیں۔ اب آپ کہئے کیا کہتے ہیں۔ جواب میں محمود پاشا اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔ اشارے سے اس نے حسن' مراد بے کو اپنے قریب آنے کو کہا۔ دونوں محمود پاشا کے قریب ہو گئے۔ پھر محمود پاشا راز داری میں کہنے لگا۔ دیکھ حسن تو ابھی اور اسی وقت قسطنطنیہ سے نکل جا۔ اپنے کشتی بانوں کی طرف جا۔ انہیں اپنے ساتھ لیکر کشتی کو سینٹ رومانوس کے دوازے کے دائیں جانب ہٹ کر جو فصیل کے ساتھ سمندر پڑتا ہے وہاں کشتی کو لا کھڑا کیا جائے۔ کشتی کو کھڑا کرنے کے بعد تم پھر دوبارہ یہاں لوٹ آنا۔ اور اپنے دونوں ملاحوں سے کہنا کہ وہ چوکس رہیں۔ خصوصیت کے ساتھ اس وقت جب چاند غروب ہو جائے۔ جب چاند غروب ہو گا تو ہم افونش اور اس کی بیٹی زیلہ کو لیکر یہاں سے نکلیں گے۔ دونوں ملاحوں سے کہنا چاند غروب ہو جانے کے بعد اپنی کشتی کے اندر چھوٹی سی مشعل روشن رکھیں تاکہ ہمیں پتہ ہو کہ ہماری کشتی کہاں ہے اور کشتی کو بالکل فصیل کے قریب لا کر رکھیں۔ تاکہ فصیل سے اترنے کے بعد ہم با آسانی کشتی میں بیٹھ کر فوراً" یہاں سے کوچ کر جائیں۔ آپ کی ساری ہدایات کو میں سمجھ چکا ہوں اور آپ کی ہدایات کے مطابق ہی سارے کام کی تکمیل ہو گی۔ میں اب جاتا ہوں اس کے ساتھ ہی حسن وہاں سے نکل گیا تھا۔

حسن کے جانے کے بعد محمود پاشا نے دیکھا افونش اور زیلہ کے چہروں پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ تھی اس کے بعد افونش پھر بولا۔

دیکھ اجنبی میں نہیں جانتا تم تینوں کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ تمہارے نام کیا ہیں پر اتنا اندازہ ضرور لگا چکا ہوں کہ تم اپنے گروہ اپنے وفد کے سرکردہ ہو۔ محمود پاشا

کہنے لگا دیکھ افونش تمہارا اندازہ درست ہے۔ اس بار افونش نے کسی قدر فکر مندی میں پوچھا۔

پر دیکھ میرے اجنبی مہربان جب چاند غروب ہو جائے گا تو تم کیسے ہم دونوں باپ بیٹی کو یہاں سے نکالو گے تم تینوں پادری ہو۔ تم فنون سپہ گری سے بھی ناواقف ہو گے۔ باہر اتنے پہریدار ہیں ان کی موجودگی میں تم ہم دونوں کو کیسے نکالو گے۔ اس پر محمود پاشا نے ہلکی سی مسکراہٹ میں جواب دیا۔

دیکھ افونش یہ تو وقت بتائے گا کہ میں تمہیں اور تمہاری بیٹی زیلہ کو یہاں سے نکالنے کا کیا اہتمام کرتا ہوں۔ اس کے بعد محمود پاشا ذرا پیچھے ہٹا۔ اور تھوڑی دیر تک اس نے مراد بے کے کان میں کھسر پھر کی جس کے جواب میں مراد بے بھی وہاں سے نکل گیا تھا۔ محمود پاشا پھر افونش کی مسہری پر بیٹھ گیا تھا۔

تھوڑی دیر تک کمرے میں خاموشی رہی پھر زیلہ بولی اور براہ راست محمود پاشا کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگی۔ دیکھ اجنبی مہربان۔ اگر آپ مجھے فصیل کے ذریعے سے اس شہر میں نکالنا چاہتے ہیں تو پھر ہم دونوں باپ بیٹی کا یہاں سے نکلنا مشکل اور دشوار ہی نہیں بلکہ یوں جانو کہ یہ ناممکن ہے۔ میں بیمار ہوں فصیل پر چڑھ نہیں سکوں گی۔ پھر کیونکر تم لوگ مجھے فصیل کے اوپر سے فصیل کے ساتھ سمندر میں کھڑی کشتی تک لے جاؤ گے۔

اس پر محمود پاشا کہنے لگا میری گفتگو میری ایک تجویز کو گستاخی نہ سمجھا جائے تو میں کچھ کہوں۔ اس پر زیلہ ہی نے کہا آپ کہیں آپ کی کوئی بھی بات ہمارے لئے ناگوار نہیں ہو گی۔ جواب میں محمود پاشا پھر کہنے لگا۔

دیکھ افونش کی بیٹی۔ اگر تو بیمار ہے تب بھی میں تمہیں فصیل کے اوپر سے سمندر میں کھڑی کشتی تک لے جا سکتا ہوں۔ اگر تو برا نہ مانے تو میں تم سے یہ کہوں گا کہ جس قدر محافظ تم دونوں باپ بیٹی پر مقرر ہیں ان کا خاتمہ کرنے کے بعد میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر اس عمارت سے باہر لے جاؤں پھر عمارت کی تاریکی میں میں تمہیں اپنی پیٹھ پر رسیوں سے باندھ دوں گا اور پھر میں تمہیں لیکر فیصل پر چڑھوں گا اور تمہیں دوسری طرف کشتی تک لے جاؤں گا۔ کہو ایسا ممکن ہے یا نہیں۔ جواب

میں زیلہ کہنے لگی مجھے پیٹھ پر باندھنے کے بعد آپ کیسے فصیل پر چڑھیں گے اور کیسے بخیریت دوسری طرف اتریں گے۔ اس پر محمود پاشا کہنے لگا۔ دیکھ افونش کی بیٹی یہ میرا کام ہے۔ سوار جب گھوڑے پر بیٹھتا ہے تو اس سے یہ نہیں پوچھتا کہ وہ کیسے بھاگے گا۔ وہ اپنی طاقت اور قوت پر بھاگتا ہے۔ تو بھی دیکھنا میں اپنی طاقت اور قوت کے بل بوتے پر تمہیں فصیل پر لیکر چڑھوں گا بھی اور بخیریت دوسری طرف کشتی تک لے بھی جاؤں گا۔ اس پر زیلہ ہلکی سی مسکراہٹ میں کہنے لگی۔ اگر آپ ایسا کر گذریں تو یوں جانیں میں زندگی بھر آپ کا یہ احسان نہیں بھولوں گی۔ اس کمرے میں رہتے ہوئے ہر روز رات کے وقت مجھے موت اپنی آنکھوں کے سامنے دکھائی دیتی ہے۔ اگر آج مجھے آپ یہاں سے نکال لے گئے میں سمجھوں گی دنیا میں آپ ہمارے سب سے بڑے محسن ہیں۔ پر یہ کہیں آپ پادری ہوتے ہوئے محافظوں سے کیسے نپٹیں گے۔

زیلہ کے اس استفسار پر محمود پاشا کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر وہ کہنے لگا دیکھ افونش کی بیٹی اس وقت میں تم سے کچھ نہیں کہوں گا۔ جب وقت آئے گا تو تم خود دیکھ لینا میں یہ سارے کام کیسے احسن طریقے سے سرانجام دیتا ہوں۔ اس بار زیلہ نے احتجاجی انداز میں کہا دیکھ اجنبی میں نہیں جانتی تیرا کیا نام ہے پھر تو مجھے بار بار افونش کی بیٹی کہہ کر کیوں پکارتا ہے۔ تو مجھے زیلہ بھی کہہ سکتا ہے۔ اس لئے کہ میرا نام زیلہ ہے کیا تم اپنا اور اپنے ساتھیوں کے نام نہیں بتاؤ گے۔ اس پر محمود پاشا کہنے لگا دیکھ زیلہ ہم تینوں کے نام فی الوقت راز میں رہنا ہی بہتر ہیں۔ یوں جانو ہمارا ہر چیز کو راز میں رکھنا بہتری پر مبنی ہے۔ ہاں کشتی میں جانے کے بعد جو بھی تم سوال کرو گی اس کا ہم تسلی بخش جواب دیں گے۔ محمود پاشا کی اس گفتگو سے زیلہ مطمئن اور خاموش ہو گئی تھی۔

یہاں گفتگو کرنے کے بعد محمود پاشا اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر نکل گیا تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ محافظوں سے گفتگو کرنے کے بعد ساتھ ساتھ اس کمرے اور اس کے گردو نواح کا جائزہ بھی لیتا رہا اس کے بعد وہ پھر دوبارہ افونش کے پاس آ کر بیٹھ گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد مراد بے بھی آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چرمی تھیلا تھا جو لا کر اس نے محمود پاشا کے سامنے رکھ دیا۔ محمود پاشا نے کھول کر دیکھا وہ تھیلا رسے اور رسیوں

سے بھرا ہوا تھا۔ ان کے علاوہ اس چرمی تھیلے کے اندر ایک آنکڑہ بھی تھا جسے رسے سے باندھ کر کمند کے طور پر استعمال کیا جا سکتا تھا۔ ان ساری چیزوں کا جائزہ لینے کے بعد محمود پاشا نے چرمی تھیلے کو اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا تھا۔ اس موقع پر افونش سے نہ رہا گیا وہ پوچھنے لگا۔ دیکھ اجنبی مہربان چمڑے کے اس تھیلے میں تمہارا ساتھی کیا لیکر آیا ہے۔ جواب میں محمود پاشا مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ اس میں تم دونوں باپ بیٹی کو یہاں سے نکال لے جانے کا سامان ہے۔ بس تم دیکھتے جاؤ کہ میں کیسے تم دونوں باپ بیٹی کو یہاں سے نکالتا ہوں۔ محمود پاشا کے جواب پر افونش اور زیلہ مطمئن ہو گئے تھے۔ کمرے میں پھر خاموشی طاری ہو گی تھی یہاں تک کہ کافی دیر بعد حسن بھی لوٹ آیا اور محمود پاشا سے کہنے لگا جو ہدایات آپ نے جاری کی تھیں اس کے مطابق میں عمل کر آیا ہوں۔ کشتی ہماری اس وقت سینٹ رومانوس کے دروازے کے قریب کھڑی ہے اور وہ چاند غروب ہو جانے کے بعد اس کے اندر چھوٹی سی مشعل کو روشن رکھیں گے۔ حسن کا جواب سن کر محمود پاشا مطمئن اور خوش ہو گیا تھا اس کے بعد حسن بھی وہاں بیٹھ گیا اور وقت گزارنے کے لئے وہ ادھر ادھر کی گفتگو کرنے لگے تھے۔

رات جب کافی بیت گئی اور چاند طلوع ہوا تب محمود پاشا اپنی جگہ سے اٹھا اور افونش کی طرف دیکھتے ہوئے راز دارانہ سے انداز میں سرگوشی کی دیکھ افونش تم دونوں باپ بیٹی کو جو یہاں سے نکالنے کا میں نے عہد کیا تھا اس کی ابتدا کا وقت ہو گیا ہے۔ دیکھ تم دونوں باپ بیٹی یہیں بیٹھو میں اور میرے دونوں ساتھی پہلے تمہارے کمرے کے باہر پہرہ دینے والے چار محافظوں سے نپٹتے ہیں۔ اس کے بعد تمہیں یہاں سے نکالیں گے۔ محمود پاشا کی اس گفتگو سے حسین و خوبصورت زیلہ کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا اور وہ خوفزدہ آواز میں کہنے لگی دیکھ ہمارے مہربان اجنبی کہیں ایسا نہ ہو یہ محافظ تم پر غالب آ جائیں اور تمہارے ساتھ ساتھ ہم دونوں باپ بیٹی کی بھی گردنیں کاٹ کے رکھ دیں۔ محمود پاشا جواب میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ افونش پہلے ہی بول پڑا۔

دیکھ میری بیٹی میری بچی اب ڈر خوف کاہے کا اگر ہم دونوں باپ بیٹی یہاں سے نہ نکلے تب بھی ہمارے مقدر میں موت اور مرگ ہی ہے اور اگر ہم یہاں سے نکلتے ہوئے دونوں باپ بیٹی مر گئے تب بھی انجام تو وہی ہے پھر میری بیٹی ڈرنا کاہے کا۔ مجھے

امید ہے کہ ان تین باہمت جوانوں کی وجہ سے ہم دونوں باپ بیٹی اس اسیری کی زندگی سے نجات پانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

افونش کے خاموش ہو جانے پر محمود پاشا نے زیلہ کی طرف دیکھا اور کہا دیکھ زیلہ یہ مت خیال کرنا کہ ہم تینوں تمہارے لئے اجنبی ہیں اب چونکہ تم دونوں کی مدد کرنے کا ہم عہد کر چکے ہیں لہٰذا تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر تمہاری طرف کوئی آئے گا تو ہم تینوں کی لاشوں سے گزر کر آئے گا۔ اس پر زیلہ نے خدشہ ظاہر کیا دیکھ اجنبی مہمان تم تینوں پادری اور راہب قسم کے لوگ ہو باہر پہرہ دینے والے محافظ مسلح بھی ہیں اور تیغ کے دھنی بھی ہوں گے پھر تم تینوں کیونکر ان کا مقابلہ کر سکو گے۔ اس پر محمود پاشا حرکت میں آیا اور اس نے اپنے لباس کے اوپر پہنا ہوا پادریوں کا لباس ہٹایا۔ زیلہ دنگ رہ گئی پادریوں کے اس لباس کے نیچے بہترین قسم کا وہ جنگی لباس پہنے ہوئے تھا۔ اس پر زیلہ چونکی اور پوچھا کیا میں یہ سمجھ لوں کہ تم تینوں پادری نہیں ہو اس پر محمود پاشا نے ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں کہا دیکھ زیلہ ابھی تو کچھ بھی مت سمجھ بس مجھے ذرا اپنے کام کی تکمیل کرنے دے پھر تو جو پوچھے گی میں تیری ہر بات کا جواب دوں گا اس کے ساتھ ہی محمود پاشا نے آنکھوں ہی آنکھوں سے حسن اور مراد بے کو مخصوص اشارہ کیا۔ اس پر وہ دونوں محمود پاشا کے پیچھے پیچھے کمرے سے نکل گئے تھے۔ پھر محمود پاشا نے محافظوں کو بلا کر ایک جگہ جمع کیا۔ خود وہ ان کے سامنے رہا جبکہ حسن اور مراد بے محمود پاشا کے اشارے پر ان کے پیچھے کھڑے ہو گئے تھے۔

پھر پلک جھپکتے میں ایک انقلاب ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ایک جھٹکے کے ساتھ محمود پاشا نے اپنی چمکتی ہوئی تلوار نکالی اس کے ساتھ ہی مراد بے اور حسن بھی حرکت میں آ چکے تھے۔ انہوں نے بھی ایک جھٹکے سے اپنی تلواریں نکالیں اور اپنے سامنے دو کی پشت پر اپنی تلواروں کی نوک رکھتے ہوئے ایک ساتھ دونوں نے غراتے ہوئے کہا تم دونوں میں سے کسی نے بھی حرکت کرنے کی کوشش کی تو اس کی گردن کاٹ دی جائے گی اتنی دیر میں محمود پاشا فضا میں اپنی تلوار بلند کر چکا تھا اور دیگر دو کو تحکمانہ انداز میں کہنے لگا بالکل خاموش کھڑے رہو اگر تم میں سے کسی نے بھی اپنا

ہاتھ اپنے تلوار کے دستے پر لے جانے کی کوشش کی تو میں وہ ہاتھ ہی نہیں کاٹوں گا اس کا پکا ہوا سر بھی اس کے تن سے جدا کر کے باہر پھینک دوں گا۔

محمود پاشا کے ان الفاظ پر چاروں محافظ سراسیمہ اور دنگ رہ گئے تھے اتنی دیر تک مراد بے اور قرابوک حرکت میں آئے ان دونوں نے ان چاروں کو ان کے سارے ہتھیاروں سے محروم کر دیا تھا اور سب کے ہتھیار اکٹھا کر کے ایک کونے میں رکھ دیئے تھے اس کے بعد محمود پاشا دوبارہ بولا اور اسی تحکمانہ انداز میں اس نے حکم دیا اب تم چاروں ہم تینوں کے آگے آگے اس کمرے میں چلو جس میں اس وقت افونش اور زیلہ ہیں۔ ان چاروں میں سے کسی نے کوئی اعتراض نہ کیا اور آگے آگے چل دیئے۔ کمرے کے ایک کونے میں ان چاروں کو محمود پاشا نے لا کھڑا کیا اور پھر مراد بے کی طرف دیکھتے ہوئے محمود پاشا کہنے لگا۔ میرے بھائی تم اپنے کام کی ابتدا کرو۔

چاروں کی یہ کارروائی دیکھتے ہوئے افونش اور زیلہ دونوں دنگ اور حیران سے رہ گئے تھے۔ پھر سب کے دیکھتے ہی دیکھتے مراد بے حرکت میں آیا اس نے چرمی تھیلا اٹھایا اس میں سے رسیاں نکال کر پہلے ان چاروں کے ہاتھ کس کر اس نے پشت کی طرف باندھنے کے بعد سب کے پاؤں بھی ایک دوسرے کے ساتھ جکڑنے کے ساتھ ساتھ ان کے ہاتھ بھی ایک دوسرے سے جکڑ دیئے گئے تھے۔ اس کے بعد چھوٹے چھوٹے کپڑے مراد بے نے اس تھیلے سے نکالے اور ان کے منہ پر کس کر پٹیوں کی صورت میں باندھ دیئے تھے۔ یہ سارا کام مکمل ہونے کے بعد محمود پاشا نے اپنی تلوار نیام میں کی افونش اور زیلہ کے پاس آیا پھر اس کی دھیمی اور رازدارانہ آواز بلند ہوئی۔

تم دونوں باپ بیٹی ہم تینوں کی اس کارگزاری پر کیسا محسوس کر رہے ہو محمود پاشا کے ان الفاظ پر حسین و جمیل زیلہ کے چہرے پر زہد شکن مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر وہ کہنے لگی۔ دیکھئے آپ کی کارگزاری دیکھتے ہوئے میں یہ اندازہ لگانے میں حق بجانب ہوں کہ آپ تینوں پادری نہیں ہیں بلکہ بہترین قسم کے جنگجو اور جنگی مہارت رکھنے والے ہیں۔ کیا میں یہ جان سکوں گی آپ کون ہیں اس پر محمود پاشا کہنے لگا دیکھ زیلہ قسطنطنیہ کی فصیل کے اندر تمہیں کچھ جاننے کی ضرورت نہیں ہے پہلے اس دوزخ سے نکلتے ہیں میں تم سے وعدہ کرتا ہوں جو بھی تم کہو گی ہم تمہیں بتائیں گے۔ میں تمہیں

یہ بھی بتا چکا ہوں کہ تم دونوں باپ بیٹی کی زندگیاں ہی نہیں بلکہ تمہاری عصمت، تمہاری عزت بھی ہمارے لئے بڑی قابل عزت اور ذی وقار ہو گی تم دونوں باپ بیٹی تیاری کرو ہم یہاں سے نکلیں گے۔ محمود پاشا کے ان الفاظ پر افونش اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا محمود پاشا زیلہ کی مسہری پر بیٹھ گیا پھر اس نے زیلہ سے کہا دیکھ زیلہ تو میری پیٹھ پر سوار ہو جا میرا ساتھی تجھے رسیوں سے باندھ دیتا ہے اس پر زیلہ کہنے لگی نہیں رسیوں سے باندھنے کی ضرورت نہیں ہے میں آپ کہیں تو تھوڑا بہت چل کر بھی جا سکتی ہوں۔ اس پر محمود پاشا کہنے لگا۔ اگر تم میری گردن پر اپنی گرفت مضبوط رکھ سکتی ہو تو پھر رسیوں سے باندھنے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ میں جب کمند کے ذریعے فصیل پر چڑھوں گا تو تمہاری گرفت مضبوط ہونی چاہئے ایسا نہ ہو کہ تم نیچے گر پڑو اور ہمارے لئے مصیبت اٹھ کھڑی ہو۔ اس پر زیلہ کہنے لگی۔

اگر ایسا ہے تو مجھے رسیوں سے باندھ دیجئے یہ نہ ہو کہ جب آپ فصیل پر چڑھیں تو میں نیچے آ رہی ہوں۔ محمود پاشا نے مسکراتے ہوئے مراد بے کی طرف دیکھا اور کہا میرے بھائی میرے عزیز ذرا زیلہ کو میری پیٹھ پر باندھ دو۔ مراد بے فوراً" حرکت میں آیا اور رسیاں سنبھال کر اس نے زیلہ کو محمود پاشا کی پشت پر باندھ دیا تھا۔ پھر محمود پاشا اٹھ کھڑا ہوا ایسے ہی جیسے بوجھ لدا ہوا اونٹ اٹھتا ہے اس کے بعد محمود پاشا نے اپنے دونوں ساتھیوں کی طرف دیکھا اور کہا آؤ اب یہاں سے نکل چلیں اس کمرے کو باہر سے بند کر دیا تاکہ یہ یہاں سے نکلنے نہ پائیں ویسے تو ان کے ہاتھ پاؤں ہم نے جکڑ دیئے ہیں اتنی جلدی یہاں سے نکل نہ سکیں گے۔ اس کے ساتھ ہی محمود پاشا زیلہ کو لیکر باہر نکلا تھا۔ حسن، مراد بے اور افونش اس کے پیچھے پیچھے ہو گئے تھے۔

بلند عمارتوں کے سائے میں ہوتے ہوئے وہ قسطنطنیہ کی فصیل کے پاس آئے دو برجیوں کے دوران محمود پاشا اپنے ساتھیوں کو لیکر اس جگہ آیا جہاں کوئی محافظ نہیں تھا۔ پھر اس نے مراد بے کو فصیل پر کمند پھینکنے کو کہا۔ مراد بے فوراً" حرکت میں آیا کمند اس نے فصیل پر پھینکی پہلی ہی دفعہ میں کمند کہیں اٹک کر پھنس گئی تھی۔ محمود پاشا آگے بڑھا۔ کمند کو کھینچ کر اس کی پختگی کا جائزہ لیا پھر وہ کہنے لگا پہلے میں اوپر جاتا ہوں اس کے بعد تم تینوں اوپر آنے کی کوشش کرنا تاکہ دوسری سمت وقت ضائع کئے

بغیر اترا جا سکے اس کے ساتھ ہی زیلہ کو اپنی پیٹھ پر لے کر محمود پاشا بڑی تیزی سے فصیل پر چڑھنے لگا تھا۔ زیلہ اور افونش دونوں دنگ رہ گئے تھے۔ زیلہ کا بوجھ اٹھائے محمود پاشا بڑی تیزی سے فصیل پر چڑھ گیا تھا۔ اوپر جا کر محمود پاشا فصیل کے اوپر لیٹ گیا تھا۔ پھر افونش' مراد بے اور حسن بھی کمند کے ذریعے فصیل کے اوپر آ کر لیٹ گئے تھے۔

فصیل پر لیٹے ہی لیٹے محمود پاشا نے سرگوشی کی میرے بھائیو کمند کو فصیل کے اندرونی طرف پھنسا کر اب اس کا رسا باہر پھینکو تاکہ میں دوسری طرف اتروں اس پر مراد بے جلدی جلدی حرکت میں آیا کمند نکال کر اس نے فصیل کے اندرونی سمت پھنسائی رسہ اس نے باہر پھینک دیا اس کے بعد محمود پاشا زیلہ کو لیکر بڑی تیزی سے نیچے اترنے لگا تھا۔ جب محمود پاشا نیچے اتر کر دیوار کے ساتھ بیٹھ گیا تب افونش مراد بے اور حسن بھی نیچے اتر گئے تھے۔ نیچے اترنے کے بعد مراد بے نے کمند کی رسی کو خوب کھلے دائرے کی صورت میں ہلایا جس کے جواب میں کمند فصیل سے نکل گئی مراد بے نے اسے تہہ کیا پھر وہ حسن کے کہنے پر فصیل کے ساتھ ساتھ ایک سمت بڑھنے لگے تھے۔

یہاں تک کہ وہ سمندر کے کنارے جا پہنچے ان کے قریب ہی ایک کشتی میں چھوٹی سی مشعل روشن تھی۔ اس موقع پر قرابوک نے محمود پاشا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جس کشتی میں روشنی ہو رہی ہے یہی ہماری کشتی ہے اس پر بڑی تیزی سے سب اس کشتی کی طرف بڑھے تھے۔

جب وہ کشتی کے قریب گئے تو انہوں نے دیکھا ان کے دونوں ساتھی ملاح ساحل پر کھڑے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی دونوں ملاح بھاگتے ہوئے پانی میں داخل ہوئے اور اپنی کشتی کو کھینچ کر وہ خشکی پر لے آئے تھے۔ محمود پاشا زیلہ کو اٹھائے ہی اٹھائے کشتی پر سوار ہوا اس کے پیچھے پیچھے افونش' مراد بے اور حسن بھی کشتی میں سوار ہوئے اس کے بعد دونوں ملاحوں نے کشتی کو گھسیٹا اور پانی میں لے گئے۔ پھر وہ بڑی تیزی سے چپو چلاتے ہوئے کشتی کو قسطنطنیہ شہر سے دور لے جانے لگے تھے۔

اس موقع پر محمود پاشا نے مراد بے کی طرف دیکھا اور کہنے لگا میرے عزیز زیلہ کو

میری پیٹھ سے کھولو اس پر مراد بے فوراً حرکت میں آیا جن رسیوں سے اس نے زیلہ کو محمود پاشا کی پیٹھ سے باندھ رکھا تھا وہ رسیاں اس نے کھولیں۔ رسیاں کھلتے ہی زیلہ وہاں سے ہٹی اور اپنے باپ افونش کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی۔ تھوڑی دیر تک سب کشتی کے اندر خاموش بیٹھے رہے اتنی دیر تک کشتی سمندر میں کافی دور جا چکی تھی۔ اس موقع پر زیلہ نے محمود پاشا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

پہلے مجھے آپ یہ بتائیں کہ آپ تینوں کے نام کیا ہیں اور آپ لوگوں کا آپس میں کیا رشتہ ہے۔ اس پر محمود پاشا کہنے لگا دیکھ زیلہ میں تمہیں اور تمہارے باپ افونش کو کسی بھی قسم کے دھوکے میں نہ ڈالوں گا۔

الحمد للہ ہم تینوں مسلمان ہیں اور ایک دوسرے کے دینی بھائی ہیں۔ میرا نام محمود پاشا ہے میرے پاس جو بیٹھا ہوا ہے یہ مراد بے اور اس کے پاس جو بیٹھا ہوا ہے وہ میرا بھائی حسن ہے۔ محمود پاشا کا یہ جواب سن کر زیلہ کسی قسم کا ردعمل کرنا ہی چاہتی تھی کہ اس کا باپ افونش اس سے پہلے ہی بول پڑا۔

میرے عزیز مجھے یہ جان پر خوشی ہوئی ہے کہ تم نصرانی نہیں مسلمان ہو۔ میں تم سے بہتر سلوک اور رواداری کی توقع رکھتا ہوں۔ اس پر محمود پاشا کہنے لگا جو توقع آپ ہم سے رکھتے ہیں وہ انشاء اللہ پوری ہوں گی۔ اس کے بعد زیلہ نے پھر پوچھا کیا میں یہ پوچھ سکتی ہوں کہ پھر آپ کا تعلق کن سرزمینوں سے ہے۔ محمود پاشا کہنے لگا ہم تینوں کا تعلق عثمانی سلطنت سے ہے۔ زیلہ نے پوچھا عثمانی سلطنت میں آپ کی کیا حیثیت ہے۔ اس بار محمود پاشا کے بجائے حسن نے جواب دیا۔

زیلہ میری بہن محمود پاشا ہمارے امیر ہیں۔ یہ عثمانی سلطنت کے اناطولوی دستوں کے سالار اعلیٰ ہیں۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں ینی چری دستوں کا چھوٹا سالار ہوں اور ہمارا تیسرا ساتھی مراد بے روبیلیا کے دستوں میں سالار ہے۔

حسن کا یہ جواب سن کر زیلہ تھوڑی دیر تک گہری سوچوں میں کھوئی رہی۔ اس کے بعد اس نے دوبارہ محمود پاشا سے پوچھا۔ کیا آپ ہم دونوں باپ بیٹی کو کسی مقصد کے تحت قسطنطنیہ سے نکال کر لائے ہیں۔ آپ لوگوں کو کیسے پتہ چلا کہ میں اور میرا باپ قسطنطنیہ میں اسیر ہیں۔ میں یہ تو جان چکی ہوں کہ آپ تینوں پادری نہیں بلکہ

بہترین سپاہی اور جنگجو ہیں۔ جس طرح آپ تینوں نے مل کر چاروں محافظوں کو بے بس کیا تھا اس سے ہی میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ آپ تینوں بہترین انداز کے تیغ زن ہوں گے۔ زیلہ کے ان الفاظ پر محمود پاشا حرکت میں آیا اور اس نے پادریوں جیسا لباس اتار کر ایک طرف رکھ دیا۔ اس کو دیکھتے ہوئے حسن اور مراد بے بھی ایسا کر چکے تھے۔

تھوڑی دیر تک مزید خاموشی رہی تب زیلہ پھر بولی اور محمود پاشا کی طرف دیکھا اور پوچھا آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔

محمود پاشا کی آواز گونجی۔ دیکھو زیلہ ہمارے سلطان محمود کو ان کے جاسوسوں نے خبر دی تھی کہ ہنگری کا ایک صناع نام جس کا افونش ہے اپنی بیٹی کے ساتھ قسطنطنیہ میں سینٹ رومانوس کے دروازے کے قریب اسیر ہے۔ جاسوس نے اسیری کی وجہ یہ بتائی تھی کہ افونش نام کا صناع جس کا تعلق ہنگری سے ہے توپیں ڈھالنے میں اپنی مثال نہیں رکھتا۔ اپنی اسی صناعی کی خاطر وہ قسطنطنیہ آیا یہاں اس نے نصرانیت ترک کے یہودیت اختیار کر لی جس کی بنا پر قسطنطنیہ کے پادری اس کے خلاف ہو گئے۔ بادشاہ قسطنطین پر زور ڈالا جس کی بنا پر نصرانیت ترک کر کے یہودیت اختیار کرنے کے جرم میں تم دونوں باپ بیٹی کو قید کر دیا گیا۔

یہ خبر سن کر ہمارے سلطان محمد نے ہم تینوں کا انتخاب کیا اور اس مہم پر روانہ کیا۔ ہمارا مقصد یہ تھا کہ تم دونوں باپ بیٹی کو قسطنطنیہ سے نکال کر اپنے ہاں لے جائیں۔ جہاں تم دونوں باپ بیٹی یہودیت پر قائم رہتے ہوئے ہمارے یہاں آزادی' خودمختاری اور عزت کی زندگی بسر کرو۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ ہمارے لئے اپنی توپیں ڈھالنے کی صناعی کو کام میں لاؤ اس سے زیادہ ہم تم دونوں باپ بیٹی سے کوئی کام نہیں لیں گے۔ تم دونوں باپ بیٹی کا مقام ہمارے یہاں ایک صاحب وقار مہمان جیسا ہو گا۔ کہو تم دونوں باپ بیٹی کو اس سلسلے میں کوئی اعتراض ہے۔ اس پر زیلہ فوراً کہنے لگی۔

ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ بلکہ آپ لوگوں کی اصلیت جان کر میں بے حد خوش ہوئی ہوں اور آپ نے جو ہمیں وعدہ دیا ہے کہ آپ یہاں ہم دونوں کی جانیں

اور عزت محفوظ ہو گی تو میں سمجھتی ہوں آپ لوگ ہمارے لئے فرشتے ثابت ہوئے جنہوں نے ہمیں قسطنطنیہ کی اسیری سے نکالا ورنہ ہم دونوں باپ بیٹی نے تہیہ کر رکھا تھا کہ یہودیت ترک نہیں کریں گے چاہے پادریوں کی عدالت ہمیں مصلوب ہی کیوں نہ کر دے۔

زیلہ جب خاموش ہوئی تو اس کا باپ افونش کہہ رہا تھا۔

دیکھو میرے عزیزو۔ تم نے جس سچائی سے اپنا تعارف ہم سے کرایا ہے قسم موسیٰ علیہ السلام اور داؤدؑ کے رب کی میں اس سے بے حد متاثر ہوا ہوں۔ تم نے کوئی چیز چھپائی نہیں بلکہ ہر بات حقیقت کی بنا پر کہی ہے۔ لہٰذا میں اب بخوشی اپنی بیٹی کے ساتھ تمہارے ہمراہ جاتا ہوں اور وہاں جا کر جس طرح تم کہو گے میں ویسا ہی کروں گا۔ میں تم لوگوں کے لئے ایسی توپ ڈھالوں گا جس کی اس سے پہلے کہیں کوئی مثال نہ ہو گی۔ افونش کا یہ جواب سن کر محمود پاشا اور اس کے دونوں ساتھی خاموش رہے پھر اسی خاموشی میں کشتی بڑی تیزی سے سمندر کا سینہ ناپتی رہی۔

صبح سے کچھ پہلے محمود پاشا سب کو لیکر ساحل پر جا لگا۔ کشتی کے دونوں ملاح کشتی کو گھسیٹ کر خشکی پر لے گئے اور محمود پاشا کی رہنمائی میں وہ سب بروصہ شہر میں داخل ہوئے تھے۔ ایک عمارت کے سامنے محمود پاشا رک گیا۔ عمارت کا تھوڑی دیر تک اس نے جائزہ لیا پھر وہ عمارت میں داخل ہوا۔ قرابوک' مراد بے' افونش اور زیلہ اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ اسی لمحہ بروصہ کی مسجدوں میں فجر کی اذانیں سنائی دینا شروع ہوئی تھیں۔ اس کے جواب میں شہر کے اندر بیداری اور زندگی کی ہلچل پیدا ہونی شروع ہو گئی تھی۔ اس عمارت میں داخل ہوتے ہوئے محمود پاشا نے افونش اور زیلہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

یہ عمارت جس میں میں آپ دونوں باپ بیٹی کو لیکر آیا ہوں سلطنت عثمانیہ کا شاہی مہمان خانہ ہے۔ یہاں تم دونوں کی رہائش کا انتظام کیا جا چکا ہے اور تمہاری حیثیت شاہی مہمانوں کی سی ہو گی۔ تم چند دن ہی یہاں رہو گے اس کے بعد تم دونوں باپ بیٹی کے لئے ایک بہترین عمدہ اور مستقل رہائش گاہ کا انتظام کیا جائے گا۔

یہاں تک کہنے کے بعد محمود پاشا خاموش ہوا جواب میں زیلہ کچھ کہنا ہی چاہتی

تھی کہ شاہی مہمان خانے کا مہتمم وہاں آگیا اور بہترین انداز میں اس نے محمود پاشا کے ساتھیوں کا استقبال کیا تھا۔ پھر محمود پاشا نے اسے مخاطب کر کے کہا۔ میں ہنگری کے صناع افونش اور اس کی بیٹی زیلہ کو لیکر آیا ہوں کیا تم نے ان کے کمرے تیار کر رکھے ہیں۔ اس پر اس مہتمم نے اپنی گردن کو خم کرتے ہوئے کہا۔ امیر محترم ان کے کمرے کل شام سے تیار ہیں۔ آپ میرے ساتھ تشریف لائیے۔ وہ مہتمم آگے آگے ہو لیا تھا۔ محمود پاشا اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس کے پیچھے چل دیا۔

مہمان خانے کے مہتمم نے باری باری ان تینوں کو تین کمرے دکھائے جو بہترین طور پر سجے ہوئے تھے۔ ان میں ضرورت کی ہر شے موجود تھی۔ کمرے دکھانے کے بعد مہتمم کہنے لگا۔ ایک کمرہ اس میں سے محترم افونش کے لئے دوسرا ان کی بیٹی زیلہ کے لئے تیسرا ان کے دیوان خانے کے لئے جہاں یہ اپنے مہمانوں سے مل سکتے ہیں۔ ان کمروں کی پشت پر دو طہارت خانے ایک مطبخ ہے اس کے علاوہ ضرورت کی ہر شے یہاں موجود ہے۔ اس پر محمود پاشا نے زیلہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا یہ تینوں کمرے آپ دونوں باپ بیٹی کے ہیں۔ اب آپ دونوں آرام کریں۔ آپ کو ایک معزز مہمان کی حیثیت سے ہر شے ان کمروں میں مہیا کی جائے گی اس کے بعد مہتمم کی طرف دیکھتے ہوئے محمود پاشا نے کہا۔

ان دونوں باپ بیٹی کو کسی قسم کی شکایت نہ ہو ضرورت کی ہر شے بروقت انہیں ملنی چاہئے۔ اس پر مہتمم کہنے لگا امیر محترم آپ بالکل بے فکر رہیں۔ ان کی ضرورت کی ہر شے ان کے منہ سے نکالنے کے ساتھ مہیا کر دی جائے گی۔ زیلہ اور افونش دونوں نے جواب میں محمود پاشا کا شکریہ ادا کیا۔ پھر افونش اور زیلہ اپنے کمروں میں داخل ہوئے اور دروازے انہوں نے اندر سے بند کر لئے جبکہ محمود پاشا، حسن اور مراد بے وہاں سے چلے گئے تھے۔

○

دوسرے روز محمود پاشا جب سلطنت عثمانیہ کے اس شاہی مہمان خانے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا عمارت کے بائیں جانب ایک چھوٹا سا باغیچہ تھا اس میں حسین اور

پر جمال زیلہ اپنے باپ افونش کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر سہارا لیتے ہوئے چہل قدمی کر رہی تھی۔ محمود پاشا کو اپنی طرف آتے دیکھ کر دونوں باپ بیٹی کے چہرے پر خوشگوار مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی اور وہ بھی محمود پاشا کی طرف بڑھے۔ محمود پاشا کے قریب جب وہ آئے تو محمود پاشا نے بات کرنے میں پہل کی۔

دیکھ زیلہ تم جو اپنے باپ کے سہارے باغیچے میں چہل قدمی کر رہی ہو تو یہ اس بات کی غمازی ہے کہ اب تم ٹھیک ہو۔ اس پر زیلہ کسی قدر چہکتے ہوئے کہنے لگی۔ دیکھ محمود پاشا پہلے آپ یہ بتائیے کہ آپ کسی ایسے شخص کو جانتے ہیں جس کا نام عثمان لی ہو۔ اس پر محمود پاشا مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ ہاں عثمان لی سلطنت عثمانیہ کا طبیب اعلیٰ ہے کیوں کیا ہوا۔ میرے خیال میں عثمان لی خود ہی تمہارے علاج کے لئے آیا ہو گا۔ اس لئے تم نے اس کا پوچھا ہے۔ اس پر زیلہ مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

محمود پاشا آپ کا اندازہ درست ہے۔ آپ کے جانے کے تھوڑی دیر بعد رات کو عثمان لی ہمارے پاس آیا۔ میں سمجھتی ہوں اس جیسا حاذق طبیب اور حکیم میں نے ہی نہیں میرے باپ نے بھی اپنی زندگی میں نہیں دیکھا ہو گا۔ اس نے مجھے دوا کی صرف ایک ہی خوراک دی اور میرا بخار اتر گیا اور اب آپ دیکھتے ہیں کہ میں اپنے باپ کے ساتھ چہل قدمی کر رہی ہوں۔ عثمان لی مجھے دوا دینے کے بعد کافی دیر ہم دونوں باپ بیٹی کے پاس بیٹھا بھی رہا۔ اس کی گفتگو سے میں نے اندازہ لگایا کہ ایک بے مثل حکیم ہونے کے ساتھ ساتھ وہ اعلیٰ پایہ کا عالم دین بھی ہے۔ اس پر محمود پاشا نے جواب دیا۔

دیکھ زیلہ تمہارا اندازہ درست ہے۔ ہمارے یہاں اکثر حکیم اعلیٰ پائے کے عالم دین بھی ہوتے ہیں۔ اور عثمان لی ایسے حکماء میں سرفہرست ہے۔ اس پر افونش پہلی بار بولا اور کہنے لگا۔ دیکھ محمود پاشا میرے بیٹے رات عثمان لی سے مذہب کے متعلق بھی طویل گفتگو ہوئی۔ اس گفتگو میں میں نے زیلہ نے عثمان لی کے ساتھ خوب بحث کی۔ پر اس بحث میں ہم عثمان لی سے جیت نہ سکے۔ کیونکہ اس نے مجھے قائل کیا مجھے خدشہ ہے کہ اگر عثمان لی اسی طرح مجھ سے اور میری بیٹی زیلہ سے ملاقات کرتا رہا تو ہم عیسائیت ترک کر کے اسلام قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اس پر محمود پاشا نے

بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا جس روز ایسا ہوا میں آپ دونوں کو دلی مبارکباد دوں گا۔ آپ دونوں باپ بیٹی تیار ہو جائیں میں آپ کو اپنے سلطان محمد کے پاس لیکر جاؤں گا اس لئے کہ سلطان نے آپ دونوں باپ بیٹی کو طلب کیا ہے۔ میں یہیں رک کر آپ کا انتظار کرتا ہوں آپ دونوں جائیں اور تیار ہو کر آئیں۔ محمود پاشا کی بات مانتے ہوئے افونش اور زیلہ دونوں عمارت کے اندر گئے تھوڑی ہی دیر بعد وہ تیار ہو کر لوٹے پھر محمود پاشا انہیں اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

محمود پاشا افونش اور زیلہ کو لیکر قصر شاہی میں داخل ہوا اور سلطان محمد کی حاجب سے بات کی۔ حاجب اندر گیا اور تھوڑی دیر بعد وہ واپس باہر آیا اور محمود پاشا کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ امیر آپ ان دونوں باپ بیٹی کے ساتھ اندر جایئے۔ سلطان آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ محمود پاشا ان دونوں کو لیکر جب اندر داخل ہوا تو اس کمرے میں اس وقت سلطان محمد کے علاوہ ان کا وزیر کدک احمد بیٹھا ہوا تھا۔ محمود پاشا افونش اور زیلہ کو لیکر جب آگے بڑھا تو سلطان محمد اور کدک احمد نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کا استقبال کیا۔ افونش سے دونوں نے مصافحہ کیا اور اسے اپنے قریب ہی ایک نشست پر بیٹھنے کیلئے کہا۔ افونش چپ چاپ وہاں بیٹھ گیا۔ زیلہ بھی اس کے پاس بیٹھ گئی تھی۔ جبکہ محمود پاشا کدک احمد کے پہلو میں جا بیٹھا تھا۔ تھوڑی دیر تک کمرے میں خاموشی رہی اس کے بعد سلطان محمد ہنگری کے اس صناع کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔

دیکھ افونش مجھے میرا سالار محمود پاشا تمہارے اور تمہاری بیٹی کے متعلق تفصیل سے بتا چکا ہے۔ مجھے خوشی ہوئی ہے کہ تمہاری بیٹی بیمار تھی مگر اب عثمان لی کے علاج کرنے سے وہ ٹھیک ہے۔ تمہیں یہ بھی خبر ہو چکی ہے کہ ہم نے تمہیں قسطنطنیہ سے کس غرض کے تحت نکال کر یہاں لایا ہے۔ میں نے یہ سن رکھا ہے کہ تمہارا تعلق ہنگری سے ہے اور تم توپیں ڈھالنے میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ کہو کیا تم ہمارے لئے یہ کام کرو گے۔ سنو افونش اس سلسلے میں تم پر کوئی جبر نہیں کیا جائے گا۔ اگر تم ہمارے یہاں کام کرنے پر رضا مند ہو جاؤ تو تمہاری حیثیت میرے ایک وزیر اور مشیر کے برابر ہو گی تمہیں بہترین رہائش مہیا کی جائے گی تمہاری حفاظت کا بندوبست کیا

جائے گا اور تمہاری ہر ضرورت کا خیال رکھا جائے گا۔ اور اگر تم ہمارے ساتھ کام کرنے پر رضا مند نہ ہو تب بھی تم خوفزدہ نہ ہونا۔ تم پر کوئی جبر تم پر کوئی سختی نہیں کی جائے گی۔ اور جہاں تم رہنا چاہو گے وہاں تمہیں پہنچا دیا جائے گا۔ اب تم مجھے اپنے فیصلے سے آگاہ کرو۔

اس پر افونش نے تھوڑی دیر کے لئے باری باری سلطان محمد، کدک احمد اور محمود پاشا کی طرف دیکھا پھر کمرے میں افونش کی آواز گونجی۔

سلطان محترم آپ کے یہ سوال کرنے سے پہلے ہی یہ فیصلہ کر چکا ہوں کہ آپ کے یہاں رہوں گا۔ آپ کے یہاں کام کروں گا اور آپ کی خدمت کروں گا اور آپ کے لئے توپیں ڈھالوں گا۔ افونش کا جواب سن کر سلطان محمد خوش ہو گیا تھا پھر وہ کہنے لگا۔ دیکھ افونش تو نے ایسا جواب دیا ہے جس سے میرا جی خوش ہو گیا ہے۔ میں اپنے سالار محمود پاشا کو تفصیل کے ساتھ بتا چکا ہوں۔ ایک حویلی تم دونوں باپ بیٹی کے لئے خالی کر دی گئی ہے اس حویلی میں تم دونوں کا قیام ہو گا۔ اس حویلی میں تم دونوں کی حفاظت کا خاطر خواہ اہتمام ہو گا اور وہاں کوئی تمہاری اجازت کے بغیر داخل نہ ہو سکے گا۔ اب تم یہ بتاؤ کہ تم کب سے ہمارے لئے اسلحہ خانے میں اپنے کام کی ابتدا کرو گے۔ اس پر افونش نے چھاتی تانتے ہوئے کہا۔ سلطان محترم میں یہ کام آج ہی سے کرنے کے لئے تیار ہوں پر میری ایک التجا یہ ہے کہ اسلحہ خانے میں میری بیٹی زیلہ بھی میرے ساتھ کام کرے گی اس لئے کہ توپیں ڈھالنے کی صناعی میں میری طرح یہ بھی ماہر ہے۔ اس پر سلطان محمد نے جواب دیا تمہیں اپنے کام میں اپنی بیٹی کو اپنے ساتھ اسلحہ خانے میں لے جانے کی اجازت ہے۔ تم باپ بیٹی میرے اسلحہ خانے میں کام کرو۔ اس کے ساتھ ہی سلطان محمد نے محمود پاشا کو مخصوص اشارہ کیا۔ جس کے بعد میں محمود پاشا اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور افونش کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ آؤ افونش اب آپ دونوں باپ بیٹی میرے ساتھ آؤ۔ افونش اور زیلہ اپنی جگہوں سے اٹھے چپ چاپ محمود پاشا کے ساتھ ہو لئے تھے۔

محمود پاشا نے پہلے افونش اور زیلہ کو وہ حویلی دکھائی جس میں ان دونوں نے قیام کرنا تھا پھر وہ ان دونوں کو اسلحہ خانے میں لے گیا۔ وہاں سب سے افونش اور زیلہ کا

تعارف کرایا گیا لہٰذا سلطان محمد کے لئے افونش نے کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس دوران عثمان لی سے برابر ملاقات کے باعث افونش اور زیلہ بڑی تیزی سے حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے تھے۔ اور محمود پاشا کے ساتھ زیلہ کی ملاقاتیں بھی رنگ لانے لگی تھیں۔ زیلہ اور محمود پاشا ایک دوسرے سے قریب تر ہو کر اپنے دل میں ایک دوسرے کے لئے چاہت و محبت کو جنم دے چکے تھے۔

سلطنت عثمانیہ کے اسلحہ خانے میں افونش اور اس کی بیٹی زیلہ نے بڑی تیزی سے توپیں ڈھالنے کا کام شروع کر دیا تھا۔ سلطان محمد نے دیکھا کہ جب توپ مکمل ہونے کے قریب ہے تو اس نے قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کی تیاریوں کی ابتداء کی۔ سب سے پہلے اس نے ایک بہت بڑا قدم اٹھایا اور وہ یہ کہ بحیرہ فاسفورس کے مدخل پر ایشیائی جانب سلطان بایزید یلدرم نے اپنے دور میں ایک قلعہ تعمیر کرایا تھا۔ جسے اناطولی کہا جاتا تھا۔ سلطان محمد نے مدخل کے یورپی جانب ایک قلعے کی تعمیر کا حکم دے دیا مقصد یہ تھا کہ اولاً" دونوں قلعوں میں فوج کے علاوہ اعلیٰ درجے کی توپیں رکھی جائیں تاکہ آبنائے فاسفورس اور بحراسود میں آمدورفت ترکوں کی مرضی کے مطابق جاری رہے۔

ثانیاً" یہ کہ قسطنطنیہ سے صرف تین چار میل کے فاصلے پر ایک مستحکم فوجی مرکز تیار ہو جائے گا جہاں سے شہر پر حملہ کے دوران امداد ملتی رہے گی۔ اور اگر حملے میں ناخوشگوار صورت پیدا ہو تو یہ حصار سلطانی لشکر کے لئے ایک زبردست دفاعی مورچے کا کام بھی دے سکتا تھا۔

سلطان نے یورپی سمت اس قلعے کی تعمیر کا جب کام شروع کیا تو قسطنطنیہ کے شہنشاہ قسطنطین کا سفیر ایک روز سلطان محمد کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے شہنشاہ قسطنطین کا یہ پیغام پہونچایا کہ سلطان محمد کے جد امجد نے قلعہ بنانے کی اجازت مانگی تھی تو نہیں دی گئی تھی اب قلعہ کی تعمیر معاہدے کی صریح خلاف ورزی ہو گی۔ قسطنطنیہ کے شہنشاہ کے اس جواب میں سلطان نے جو جواب دیا مورخین کے یہاں وہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ سلطان محمد نے کہا۔

"ہم نے شہر کے خلاف ابھی کوئی عزم نہیں کیا لیکن ظاہر ہے کہ قسطنطنیہ کی سلطنت کی حدود شہر کی فصیل پر ختم ہو جاتی ہیں کیا تم لوگوں کو میرے والد کی پریشانیوں

کا زمانہ یاد نہیں رہا جب اہل ہنگری سے اتحاد کر کے تم ہمارے ملک پر حملہ آور ہوئے تھے اور فرانسیسی بیڑے نے درہ دانیال کو روک دیا تھا۔ میرا باپ مراد قوت سے کام لیکر آبنائے فورس میں سے گذرا اور تمہاری قوت تمہارے عناد اور عداوت کا ساتھ نہ دے سکی۔"

سن۔ قسطنطنیہ کے شہنشاہ جس وقت یہ واقعہ پیش آیا میں اس وقت ایڈریا نوپل میں تھا۔ مسلمان کانپ رہے تھے تم لوگ ہم سے ہماری عزت چھیننے کے درپے تھے لیکن جس وقت میرے والد نے وارنا کے میدان جنگ میں فتح حاصل کی تو قسم کھالی تھی کہ فاسفورس کے مغربی ساحل پر وہ ضرور قلعہ تعمیر کرے گا۔

گو میرا باپ اپنی زندگی میں یہ کام نہ کر سکا پر میرا فرض ہے کہ اب میں اپنے باپ کی قسم پوری کروں گا۔ کیا تمہیں حق ہے اور تمہیں قوت ہے کہ جس خطے کا میں مالک ہوں وہاں میرے اعمال پر پابندی عائد کرو۔ یہ خطہ میرا ہے۔

مزید یہ کہ فاسفورس کے کنارے پر ایشیائی جانب ترک آباد ہیں اور یورپی جانب رومنوں نے خالی کر دی ہے۔ جاؤ اور اپنے بادشاہ کو بتا دو موجودہ عثمانی سلطان اپنے پیشروؤں سے مختلف واقع ہوا ہے۔ میرے عزائم پیشروؤں کی خواہشات سے بہت آگے ہیں۔ میں وہ سب کچھ پورا کر دینا چاہتا ہوں جو میرے پیشروؤں کے خیالات میں بھی نہ آیا تھا۔ تمہیں باحفاظت جانے کی اجازت دی جاتی ہے لیکن پھر اگر کوئی سفیر قسطنطنیہ سے اس قسم کا پیغام لیکر آیا تو یاد رکھنا یہاں اس کی کھال کھینچ لی جائے گی۔"

سفیر کو جب سلطان نے یہ سخت جواب دیا تو قسطنطنیہ کے شہنشاہ قسطنطین سے کوئی قاصد نہ آیا اور نہ ہی قسطنطین نے کوئی اور پیغام بھجوانے کی ہمت اور جسارت کی۔ اب سلطان نے یورپی ساحل پر جو قلعہ تعمیر کرنے کی تجویز کی تھی اس پر عمل شروع کیا۔ اس قلعے کا نام اس نے روم ایلی حصار رکھا۔ یورپ اور ایشیا سے خشکی اور تری کے راستے بڑی تیزی کے ساتھ سامان تعمیر موقع پر پہنچنے لگا۔ چونا تیار کرایا گیا۔ لکڑی کٹوا دی گئی۔ پتھر جمع ہو گئے۔ ایک ہزار معمار موقع پر پہنچ گئے۔ ہر معمار کے ساتھ دو مزدور تھے۔ ہر معمار کا فرض یہ تھا کہ دن بھر میں دو سو مربع فٹ دیوار تیار کر دے۔

قلعہ شکل میں مثلث تھا ہر گوشے پر نہایت مضبوط اور مستحکم برج بنوائے گئے۔ دیواریں بائیس فٹ چوڑی تھیں اور برجوں کی چوڑائی تیس فٹ کے لگ بھگ تھی۔ سلطان اس کے وزیر اور قاضی وقتاً فوقتاً اس قلعے کی نگرانی کرتے رہے۔ کلیتاً اس قلعے کے کام کی نگرانی محمود پاشا کو سونپی گئی تھی۔ دوسری جانب قسطنطنیہ کا بادشاہ قسطنطین بھی یہ قلعہ بنتا ہوا دیکھ رہا تھا لیکن اسے انگلی تک اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی تھی۔

جب یہ قلعہ تعمیر ہو گیا تو اس قلعے میں فوج بٹھا دی گئی اور لشکر کے اس حصے کا امیر محمود پاشا کو بنایا گیا۔ سلطان کی طرف سے محمود پاشا کو حکم مل گیا کہ گھوڑوں اور خچروں کو اردگرد کی چراگاہوں میں چراؤ اور اگر کوئی مقامی شخص کسی کو آزار پہنچانا چاہے تو اسے سخت سزا دی جائے۔ ساتھ ہی فاسفورس میں گذرنے والے جہازوں پر محصول عائد کر دیا گیا۔ وینس کے ایک جہاز نے محصول دینے سے انکار کر دیا تو محمود پاشا نے اسے گولہ مار کر سمندر کی تہہ میں پہنچا دیا۔ اس طرح اس طرز عمل سے ایک طرح سے درہ دانیال پوری طرح سے سلطان محمد کے قبضے میں آ گیا تھا۔

سلطان نے یورپی ساحل پر قلعے کی تعمیر مکمل کی اور اونلش نے نئی توپ بھی ڈھال کر مکمل کر دی تھی۔ یہ ایک ایسی توپ تھی جس کا دہانہ 12 چھے تھا اور وہ پختہ مٹی کا بنا ہوا چھ سو پونڈ کا وزنی گولہ ایک میل کے فاصلے پر پھینک سکتی تھی۔

جب توپ مکمل ہو گئی تو اس کا تجربہ کیا گیا جب یہ توپ چلائی تو معلوم ہوا اس توپ کے چلنے سے ہر سمت ساڑھے بارہ بارہ میل تک اس کی آواز سنی گئی۔ تجربے کے دوران توپ کا گولہ جہاں گرا زمین میں چھ فٹ کا گڑھا پڑ گیا۔ اس توپ کی تکمیل کے بعد اس توپ کو نئے تعمیر ہونے والے قلعے کی طرف لے جانے کے لئے تیس گاڑیاں باہم جوڑی گئیں اور انہیں کھینچنے کے لئے ساٹھ بیلوں کی ضرورت پڑی۔ دو سو آدمی دونوں جانب سے توپ کو تھامے ہوئے تھے اور ڈھائی سو آدمی آگے آگے راستہ ہموار کرتے جا رہے تھے۔ اتنی بڑی اور وزنی توپ ایشیائی ساحل سے یورپی ساحل تک ڈیڑھ سو میل کا فاصلہ تقریباً دو مہینے میں طے ہوا۔ اس نئی بننے والی توپ کو یورپی ساحل پر بننے والے نئے قلعے میں منتقل کر دیا گیا تھا اس کا نگران محمود پاشا کو مقرر کیا گیا۔ اونلش اور ازیلہ کو بھی یورپی ساحل پر بننے والے اس نئے قلعے میں منتقل کر دیا گیا تھا تاکہ توپ کی خرابی کی صورت میں وہ اس کی دیکھ بھال اور مرمت کر سکیں۔

توپ کی تکمیل ہو جانے کے بعد سلطان محمد نے اپنی جنگی تیاریاں پہلے سے بھی تیز کر دیں۔ دن رات تربیت یافتہ لشکر ایشیائی ساحل سے یورپی ساحل پر بننے والے نئے قلعے کی طرف منتقل ہونے لگے تھے۔ دوسری جانب قسطنطنیہ کے شہنشاہ قسطنطین کو بھی سلطان محمد کے اس متوقع حملے اور جنگی تیاریوں کی خبر ہو گئی تھی لہٰذا اس نے یورپ کے تمام حکمرانوں کو خط لکھے اور سلطان محمد کے خلاف ان سے مدد طلب کی۔ یورپی حکمران اس وقت اپنی لامتناہی اور داخلی کشمکشوں میں الجھے ہوئے تھے تاہم ان میں بڑے بڑے طاقتور حکمران بھی تھے۔ لیکن ان میں سے کسی نے بھی سلطان محمد کے منہ آنے کی اور اس سے ٹکرانے کی ہمت اور جسارت نہیں کی۔ وہ جانتے تھے کہ ان میں سے اگر کسی نے بھی سلطان محمد سے جنگ کی ابتدا کی تو اس کی شکست اور اس کی فنا یقینی اور لازمی ہے۔

مغربی حکمرانوں سے مایوس ہونے کے بعد قسطنطنیہ کے شہنشاہ قسطنطین نے پاپائے آعظم نکولس خامس کی طرف رجوع کیا اور سلطان محمد کے خلاف مدد کی درخواست کی۔ اہل قسطنطنیہ چونکہ یونانی کلیسا کے حامی تھے اور پوپ لاطینی کلیسا کا حامی تھا لہٰذا پوپ ان یونانی کلیسا والوں کو پسند نہیں کرتا تھا۔ اس نے اہل قسطنطنیہ کی مدد کرنے کی بجائے یہ پیش گوئی کر دی کہ یہ شہر عنقریب تباہ ہو جائے گا اور پھر خود پاپائے آعظم اور اہل یورپ اس شہر کی تباہی کا انتظار کرنے لگے تھے۔ سلطان محمد نے قسطنطنیہ پر حملہ آور ہونے کے لئے بڑی سرعت کے ساتھ اپنی جنگی تیاریوں کو آخری شکل دینا شروع کر دی تھی۔

محمود پاشا ایک روز یورپی ساحل پر بننے والے نئے قلعے میں برجوں کے اندر اپنی سپاہ کا جائزہ لینے کے بعد فصیل سے نیچے اتر رہا تھا کہ پیچھے سے کسی نے زور زور سے پکارا۔ محمود پاشا رکو میری بات سنو۔ محمود پاشا نے جب مڑ کر دیکھا تو اس کی پشت پر اونلش بھاگتا ہوا اس کی سمت آ رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی محمود پاشا رک گیا۔ اونلش جب قریب آیا تو محمود پاشا نے پوچھا اونلش میرے بزرگ کیا آپ کو مجھ سے کوئی کام ہے یا

آپ کو کسی شے کی ضرورت ہے۔ افونش قریب آیا اور کہنے لگا۔

محمود پاشا میرے بیٹے میں ایک انتہائی اہم اور ضروری موضوع پر تمہارے ساتھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تمہارے پاس کچھ وقت ہو تو مجھے دو۔ اس پر محمود پاشا نے تیز نگاہوں سے افونش کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا دیکھ بزرگ افونش۔ آپ کو ایسے الفاظ نہیں استعمال کرنے چاہیں۔ اگر میرے پاس وقت نہ ہو تو تب بھی آپ کو وقت دے سکتا ہوں۔ آپ کہئے کیا کہنا چاہتے ہیں۔ جب تک آپ اپنی بات مکمل نہیں کرتے میں آپ کے سامنے کھڑا رہوں گا۔ اس پر افونش خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا نہیں محمود پاشا یوں نہیں پہلے میرے ساتھ میری قیام گاہ پر چلو وہاں بیٹھ کر گفتگو کرتے ہیں۔ محمود پاشا اس پر تیار ہو گیا۔ کہنے لگا چلئے میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ افونش یہ جواب سن کر خوش ہو گیا پھر وہ محمود پاشا کو اپنے ساتھ لے جا رہا تھا۔

محمود پاشا کو لیکر افونش اپنی قیام گاہ میں داخل ہوا۔ دو کمروں پر مشتمل وہ قیام گاہ تھی جونہی وہ اس میں داخل ہوئے پہلے ہی کمرے میں حسین و پرجمال زیلہ بیٹھی ہوئی تھی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی افونش زیلہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

زیلہ میری بیٹی میری بچی تم ایسا کرو جلدی جلدی میرے' اپنے اور محمود پاشا کے لئے انار کا تازہ رس نکال کر لاؤ میں آج محمود پاشا سے ایک انتہائی اہم موضوع پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔

اس پر زیلہ اپنی جگہ سے اٹھی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ تھوڑا سا آگے جا کر وہ ایک دم رک سی گئی۔ کچھ سوچا اور پھر پلٹی اور جس کمرے میں محمود پاشا اور افونش بیٹھے ہوئے تھے اس کے دروازے کے پردے کے پیچھے کھڑے ہو کر جو گفتگو اس کا باپ افونش اور محمود پاشا کرنے لگے تھے اسے سننے کے انتظار میں کھڑی ہو گئی تھی۔

کمرے میں تھوڑی دیر تک خاموشی رہی اس کے بعد افونش محمود پاشا کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

محمود پاشا میرے بیٹے جو گفتگو میں کرنا چاہتا ہوں سوچتا ہوں اس کی ابتدا کیسے کروں۔ ایسی گفتگو کرنے کا نہ مجھے پہلے کوئی تجربہ ہے نہ اس کے لئے میرے پاس کوئی مناسب الفاظ ہیں۔ اس پر محمود پاشا کہنے لگا افونش میرے بزرگ جو کچھ بھی آپ کہنا

چاہتے ہیں بے جھجک بے دھڑک کہیئے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں نے آپ کا کہا کبھی ٹالا نہیں ہے اب بھی نہیں ٹالوں گا۔ محمود پاشا کے اس جواب سے افونش کو کچھ حوصلہ ہوا پھر اس نے کہنا شروع کیا۔

محمود پاشا میں تم پر دو انکشافات کرنا چاہتا ہوں۔ میرے خیال میں یہ دونوں انکشافات تمہارے لئے نئے نہیں ہوں گے۔ پہلا انکشاف یہ کہ میری بیٹی زیلہ دل کی گہرائیوں سے تم سے محبت کرتی ہے اور تمہیں چاہتی ہے اور تم سے شادی کرنے کی خواہاں ہے۔ اس سلسلے میں میں تم سے تمہارے خیالات جاننا چاہوں گا۔ جہاں تک دوسرے انکشاف کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ میں اور میری بیٹی زیلہ دونوں ہی شاہی طبیب عثمان لی کے ہاتھوں اسلام قبول کر چکے ہیں۔ اب میں اور زیلہ دونوں ہی آپ جیسے مسلمان ہیں۔ میرے بیٹے جہاں تک اسلام قبول کرنے کا تعلق ہے تو میں سمجھتا ہوں قدرت ہنگری سے نکال کر مجھے قسطنطنیہ لائی وہاں میں نے نصرانیت ترک کر کے یہودیت اختیار کی۔ قدرت ہی نے میری رہنمائی کی اور قسطنطنیہ سے مجھے سلطنت عثمانی میں لایا گیا یہاں میں اسلام کی دولت سے مالا مال ہوا۔ اس کے لئے محمود پاشا سب سے زیادہ میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ اب تم مجھے پہلے سوال کا جواب دو کہ زیلہ سے متعلق تمہارے کیا خیالات ہیں۔

افونش جب خاموش ہوا تو کمرے میں ایک بار پھر تھوڑی دیر کے لئے خاموشی رہی اس دوران گردن جھکا کر محمود پاشا کچھ سوچتا رہا پھر کمرے میں اس کی آواز بلند ہوئی وہ کہہ رہا تھا۔

بزرگ افونش جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں آپ سے یہ کہوں کہ میرے ماں باپ مر چکے ہیں۔ میرے ساتھ صرف میرے دادا ہی ہیں۔ شاید آپ یا زیلہ کے لئے بھی یہ انکشاف نیا ہو کہ جس وقت زیلہ کو میں نے قسطنطنیہ میں پہلی بار دیکھا تھا میں اسی وقت ہی اسے اپنے لئے پسند کر چکا تھا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اب تک میں اس پر اپنی محبت کا اظہار نہ کر سکا لیکن اپنی اس محبت کا اظہار میں اپنے دادا سے کر چکا ہوں اور دادا نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ وہ کسی وقت زیلہ کے سلسلے میں آپ سے بات کریں گے۔ اچھا ہوا اس بات کی ابتدا آپ نے خود ہی کر دی اب میرے

دادا کو بات کرنے کی زحمت نہیں پیش آئے گی۔

جہاں تک زیلہ کا تعلق ہے تو وہ ایسی خوبصورت و حسین لڑکی ہے جس کی تمنا ہر کوئی کرے گا اگر وہ مجھے چاہتی ہے مجھے پسند کرتی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہی میری خوش قسمتی اور میری بلند بختی ہے کہ زیلہ میری زندگی کی ساتھی بننے کی خواہش مند ہے۔ بزرگ افونش اگر زیلہ کی یہ خواہش ہے تو میرا جواب سننے میں زیلہ کو اپنی بیوی اور اپنی زندگی کا ساتھی بناتے ہوئے فخر محسوس کروں گا۔ محمود پاشا کا یہ جواب سن کر دروازے کے پیچھے کھڑی ہوئی زیلہ خوشی میں جھوم اٹھی تھی۔ اس کے چہرے پر بے پناہ خوشیوں کا ایک ہجوم تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنے والے دور کی راحتیں رقص کر رہی تھیں۔ پھر وہ رقص کرنے کے انداز میں تقریباً" بھاگتی ہوئی دوسرے کمرے کی طرف چلی گئی تھی۔

محمود پاشا کے اس جواب سے افونش بے حد خوش ہوا اپنی جگہ سے وہ اٹھا آگے بڑھ کر محمود پاشا کو اس نے گلے سے لگا لیا پھر اس کی پیشانی پر ایک طویل بوسہ دینے کے بعد افونش اپنی جگہ پر دوبارہ بیٹھا اور کہنے لگا محمود پاشا میرے بیٹے جو جواب تم نے دیا ہے قسم خداوند کی میں ایسے ہی جواب کی توقع رکھتا تھا اور ایسا جواب دے کر تم نے مجھے ایک نئی زندگی دیدی ہے اس لئے کہ اس دنیا میں میری بیٹی ہی میری کل متاع اور میرا اثاثہ ہے اس کے متعلق جو تم نے اپنے خیالات کا اظہار کردیا ہے تو ایک طرح سے تم نے مجھے بے دام ہی خرید لیا ہے۔ اب میں اپنی بیٹی زیلہ کے مستقبل سے متعلق بالکل بے فکر ہو گیا ہوں۔

سن محمود پاشا میرے بیٹے چند دن پہلے مجھے سلطان محمد نے ایک ملاقات کے دوران حکم دیا تھا انہوں نے کہا تھا کہ زیلہ کے سلسلے میں میں تم سے بات کروں اس کے بعد سلطان نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر محمود پاشا زیلہ کو اپنانے پر رضا مند ہو جائے تو اس کے بعد زیلہ اور محمود کی شادی شاہی انداز میں کی جائے گی اب میں تمہارے اس جواب سے سلطان محمود کو آگاہ کروں گا۔ میں سلطان سے یہ بھی گزارش کروں گا کہ قسطنطنیہ پر حملہ کے دوران ہی یا اس کے بعد تمہیں اور زیلہ کو میاں بیوی کے رشتہ میں باندھ دیا جائے۔

یہاں تک کہتے کہتے افونش کو رک جانا پڑا اس لئے کہ عین اسی لمحہ شربت کے تین گلاس اٹھائے زیلہ شرماتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ گلاس اس نے افونش اور محمود پاشا کے سامنے رکھ دیئے پھر ہاتھ کے اشارے سے افونش نے اپنے پہلو میں نشست پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا آؤ میری بیٹی بیٹھو۔ میں تمہارے ساتھ بھی اس موضوع پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ زیلہ بے چاری شرماتی شرماتی لجاتی لجاتی اپنے باپ کے پاس بیٹھ گئی پھر اسے مخاطب کر کے افونش کہنے لگا۔

دیکھ بیٹی! میں تیری محبت تیری چاہت کا ذکر محمود پاشا سے کر چکا ہوں۔ محمود پاشا بھی تمہیں پسند کرتا ہے تمہیں اپنی زندگی کا ساتھی بنانے پر رضا مند ہے دیکھ بیٹی اب جبکہ ایک ساتھی کی حیثیت سے محمود پاشا تمہیں قبول کر چکا ہے میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ دن رات کے کسی بھی حصے میں تم محمود پاشا سے مل سکتی ہو۔ اب میں تمہیں اس سے منسوب کر چکا ہوں اور میرے پاس اب تم محمود پاشا کی امانت ہو۔ بیٹی تم یوں جانو کہ اب محمود پاشا تمہاری ہر شے کا مالک اور وارث ہے لہٰذا تم جب کبھی بھی اس سے ملنا چاہو کسی کو نہ کوئی اعتراض ہو گا اور نہ تمہارے خلاف کوئی احتجاج کرے گا۔ ہاں تم جنگ کے دوران محمود پاشا کے ساتھ رہتے ہوئے میدان جنگ میں ایک مسلمان لڑکی کی حیثیت سے اس میں حصہ بھی لے سکتی ہو اور اس پر محمود پاشا اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ میرے محترم اب مجھے اجازت دیجئے۔ افونش کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ زیلہ بول پڑی اور محمود پاشا کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ کیا ایسا ممکن نہیں کہ آپ کھانا کھا کر جائیں۔ اس پر محمود پاشا نے غور سے زیلہ کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔ دیکھ زیلہ اگر تیری یہی خواہش ہے تو میں کھانا کھا کر جاؤں گا۔ اس پر محمود پاشا اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔ زیلہ بھاگتی ہوئی کمرے سے نکل گئی تاکہ کھانا تیار کرے جبکہ کمرے میں افونش اور محمود پاشا دوسرے موضوعات پر گفتگو کرنے لگے تھے۔

○

سلطان محمود نے سب سے پہلے اپنے لشکریوں کو ایڈریا نوپل شہر میں جمع کیا اس کے بعد وہ قسطنطنیہ کی طرف بڑھا تھا۔ قسطنطنیہ ایک قدیم شہر ہے وہ براعظم یورپ میں واقع ہے اس کا نام قسطنطین اعظم کے نام پر 11 مئی 303ء کو رکھا گیا تھا۔

اس شہر کا قدیم نام اور جس جگہ یہ شہر بنایا گیا اسے استنبول کہا جاتا تھا۔ اسلامی دور میں اسے قسطنطنیہ ہی کے نام سے پکارا جانے لگا تھا۔ لیکن اس کی فتح کے بعد اسے اسلام بول بھی کہہ کر پکارا جاتا رہا ہے۔

قسطنطنیہ شہر پر مسلمانوں کا پہلا حملہ 672ء میں یزید بن معاویہ کے ہاتھوں ہوا سات سال کے محاصرے کے بعد یہ حملہ ناکام ہوا اس محاصرے کو اس لحاظ سے بڑی شہرت حاصل ہے کہ اس میں ایوبؓ انصاری شہید ہوئے اور اس شہر کی دیواروں تلے دفن ہوئے۔

اموی خلیفہ سلمان بن عبدالملک کے زمانے میں بھی استنبول یعنی قسطنطنیہ پر حملہ کیا گیا مگر کامیابی نہ ہوئی اس کے بعد خلیفہ المہندی کے فرزند ہارون رشید نے اپنے لشکر کے ہمراہ ایشیائے کوچک سے کوچ کیا اور قسطنطنیہ پر حملہ آور ہونے کے لئے اس نے پیش قدمی کی ان دنوں قسطنطنیہ پر ملکہ ایرین حکومت کر رہی تھی ہارون رشید نے حملہ آور ہو کر شہر کے ایک حصے پر قبضہ بھی کر لیا پھر ملکہ ایرین نے ہارون رشید سے خراج ادا کرنے پر صلح کر لی تھی۔

اس شہر پر قبضہ کی پہلی کوشش عثمانی سلاطین کے عہد میں ہوئی جبکہ بایزید اول نے 1396ء میں اس شہر کا محاصرہ کیا جو چند ماہ تک جاری رہا اس محاصرے کے دوران فرانس کی طرف سے ایک بہت بڑا لشکر اہل قسطنطنیہ کی مدد کے لئے روانہ ہو گیا۔ اسی دوران تیمورلنگ بھی آندھی اور طوفان کی طرح نمودار ہوا اور بایزید پر حملہ آور ہوا اگر تیمورلنگ بایزید پر حملہ آور نہ ہوتا تو شاید سلطان بایزید اپنے دور میں قسطنطنیہ کو فتح کرنے میں کامیاب ہو جاتا۔

عثمانی حکمرانوں کے قبضے میں آنے کے بعد قسطنطنیہ پر صرف تین بار بیرونی فوج وہاں نمودار ہوئی۔ پہلی بار 20 فروری 1860ء کو انگریزی امیر البحر ڈک ورتھ قسطنطنیہ کی طرف اپنے بحری بیڑے کے ساتھ آیا لیکن اسے نجانے کیا ہوا کہ وہ شہر پر حملہ کئے بغیر ہی واپس لوٹ گیا۔

دوسری بار 1877ء میں روسی لشکر حملہ آور ہوا اس لشکر نے شہر پر قبضہ تو نہ کیا البتہ اس کے اطراف میں ڈیرہ ڈال دیا اور پھر واپس چلا گیا۔ تیسری بار 16 مارچ

1920ء کو انگریزوں اور فرانسیسی فوجوں نے کچھ عرصہ کے لئے اس شہر پر قبضہ کر لیا تھا۔

ان حملوں کی وجہ سے 1920ء کے بعد استنبول ترکی کا مرکزی شہر اور پایہ تخت نہ رہا نئی جمہوری حکومت نے انقرہ کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ آج کل یہ شہر جمہوریہ ترکیہ کے ایک صوبے کا مرکز ہے جس میں خلیج فاسفورس کے دونوں طرف کا علاقہ اور جزیرہ نمائے بوز بروں کا شمال مغربی حصہ شامل ہے اس صوبے کا مجموعی رقبہ 5390 مربع کلومیٹر ہے۔ اس میں سے یورپی علاقہ 3302 مربع کلو میٹر اور ایشیائی علاقہ کا بشمول جزائر 5390 مربع کلو میٹر ہے۔ 1920ء کی مردم شماری کے مطابق قسطنطنیہ کی آبادی 14 لاکھ 66 ہزار 5 سو 35 نفوس پر مشتمل تھی۔

سمندر کا ایک حصہ جسے شاخ زریں یا گولڈن ہاون کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یورپی استنبول کے اندر دور تک گھسا ہوا ہے۔ اور شہر کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ ایک حصہ کا نام غلطا اور دوسرے کا نام پیرا ہے۔ اب دو پلوں کے ذریعے دونوں حصوں کو ملا دیا گیا ہے۔ ایک پل کا نام غلطا اور دوسرے کا نام اتاترک ہے۔

○

اپنے لشکر کے ساتھ ایڈریا نوپل سے روانہ ہوتے وقت سلطان محمد نے محمود پاشا کی طرف پیغام بھجوایا کہ سلطان کے قسطنطنیہ کے نواح میں پہنچنے سے پہلے وہ اپنے قلعے سے نکل کر قسطنطنیہ شہر کے مضافات میں جس قدر قصبے اور بستیاں ہیں ان پر قبضہ کر لے۔

سلطان محمد کا یہ کم ملتے ہیں محمود پاشا جس نے یورپی ساحل پر سلطان کے نئے تعمیر کردہ قلعے روم ایلی حصار میں قیام کر رکھا تھا اپنے لشکر کے ساتھ نکلا سحر انگیزی اور شعلے کی سی بے تابی سے وہ قسطنطنیہ کے نواحی قصبوں کی طرف بڑھا موت کی اندھی چاپ جبر کی دھول کے بھنور اور سرکش اور بے زنجیر لہروں کی نامانوس اسلوب و ہنر کی طرح ان پر حملہ آور ہوا اور قبل اس کے کہ قسطنطنیہ کا لشکر کسی ردعمل کا اظہار کرتا محمود پاشا نے قسطنطنیہ کے نواح میں جس قدر بستیاں اور قصبے تھے انہیں فتح کر کے ان

پر قبضہ کر لیا تھا۔

ایڈریا نوپل سے روانہ ہونے کے بعد سلطان محمد نے اپنے لشکر کے ساتھ قسطنطنیہ سے 5 میل کے فاصلے پر پڑاؤ کیا۔ یہاں اس نے اپنے لشکر کی نوک پلک درست کی پھر وہاں سے کوچ کیا اور شہر کے سامنے پہنچ گیا۔ سلطان کا خیمہ قسطنطنیہ کے اس دروازے کے سامنے نصب کیا گیا تھا جسے ان دنوں باب سینٹ رومانوس پکارا جاتا تھا۔

جو بڑی توپ ہنگری کے صناع افونش نے سلطان کے لئے ڈھالی تھی اس توپ کو اسی دروازے کے سامنے نصب کیا گیا تھا۔ اس توپ کے نصب ہونے کی وجہ سے ترکوں نے اس دروازے کو توپ قپوشی کا نام بھی دیا۔ شہر کے دروازے باب سینٹ رومانوس کے سامنے خیمہ زن ہونے کے بعد سلطان نے قسطنطنیہ شہر کی فصیل کا جائزہ لیا۔

سلطان نے دیکھا فصیل پورے شہر کو گھیرے ہوئے تھی۔ گویا بحیرہ مرمرہ اور شاخ زرمن کے پانیوں کے ساتھ ساتھ بھی ایک فصیل تھی۔ پوری فصیل کی لمبائی تقریباً 12 میل کے لگ بھگ تھی اور فصیل پر جگہ جگہ چار سو کے قریب برج بنے ہوئے تھے۔ مختلف اطراف میں اس فصیل کے اندر تقریباً پچاس دروازے تھے۔ خشکی کی جانب شہر کی فصیل دوہری تھی۔ اور ان دنوں اس فصیل کی چوڑائی کہیں بھی گیارہ فٹ سے کم نہ تھی۔ فصیل کے باہر خندق تھی۔ جس کی چوڑائی کہیں چالیس اور کہیں باسٹھ فٹ کے قریب تھی۔ خندق تقریباً ایک سو فٹ گہری تھی۔

سلطان جو لشکر لے کر قسطنطنیہ پر حملہ آور ہونے کے لئے لایا تھا اس لشکر کے علاوہ سلطان کے پاس کم و بیش ڈیڑھ سو جنگی جہاز بھی تھی۔ مصیبت یہ تھی کہ اگر شہر پر خشکی کی جانب سے یا شاخ زرین کی جانب سے بیک وقت حملہ کیا جائے تو اس کی تسخیر میں تاخیر نہ ہوتی لیکن سلطان کے جنگی جہاز بحیرہ فاسفورس سے شاخ زرین میں داخل نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ اس کا مدخل بھاری زنجیر سے روک دیا گیا تھا۔ اور کوئی بھی جہاز اہل شہر کی مرضی کے خلاف اس میں داخل نہیں ہو سکتا تھا جس کی وجہ سے اہل شہر کو پوری امید تھی کہ ترک حملہ آور ہو کر قسطنطنیہ کو فتح نہ کر سکیں گے۔

شہر پر حملہ آور ہونے سے پہلے سلطان نے دو بڑے کام کئے۔ پہلا یہ کہ خشکی کی

جانب سے حملہ آور ہونے کے لئے سلطان نے فصیل کے قریب اپنی چودہ توپیں نصب کرائیں اور ان چودہ توپوں کے علاوہ جگہ جگہ سلطان نے بڑے بڑے پتھر پھینکنے والی منجنیقیں بھی نصب کر دی تھیں۔ تاکہ ان کے ذریعے سے فصیل کو توڑ کر شہر میں داخل ہوا جا سکے۔

دوسرا بڑا کام جو سلطان نے کیا وہ یہ کہ سلطان نے اپنے لشکر کو حرکت میں لاتے ہوئے خندق کے ایک حصے کو بھر کے زمین کے برابر کر دیا تاکہ وہاں سے لشکر کو گذار کر فصیل کے قریب جا کر فصیل پر چڑھنے کی کوشش کی جا سکے۔

قسطنطنیہ کے آخری فرمانروا قسطنطین نے جب دیکھا کہ سلطان محمد نے شہر کی فصیل کے باہر جو خندق ہے اس کے ایک حصے کو مٹی سے بھر کر زمین کو برابر کر دیا ہے تو وہ بڑا فکر مند ہوا۔ لہٰذا اس نے فیصلہ کیا کہ کسی بھی صورت حملہ آوروں کو اس بات کی اجازت نہیں دینی چاہئے کہ وہ خندق کو عبور کر کے شہر کی فصیل کے قریب آئیں۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد قسطنطنیہ میں جس قدر حفاظتی لشکر تھا اس کو قسطنطنیہ کے شہنشاہ قسطنطین نے دو حصوں میں تقسیم کیا۔ لشکر کے ایک حصے کے ساتھ قسطنطین خود شہر کے اندر ہی مقیم رہا جبکہ دوسرے حصے کو اپنے ایک سالار کی سرکردگی میں شہر سے باہر نکالا۔ تاکہ جب سلطان اپنے لشکر کے ساتھ خندق کو عبور کر کے فصیل کے قریب آنا چاہے تو وہ سلطان کے لشکر پر حملہ آور ہو اور سلطان کو کسی بھی صورت میں خندق عبور نہ کرنے دے۔

حملے کی ابتدا کرنے سے پہلے سلطان محمد نے اپنے چھوٹے بڑے سب سالاروں کا اجلاس طلب کیا۔ یہ اجلاس خندق کے کنارے ہی طلب کیا گیا تھا۔ جبکہ دوسری سمت خندق کے اس پار فصیل کے قریب قسطنطنیہ کے شہنشاہ قسطنطین کا لشکر بھی گھات میں بیٹھ چکا تھا۔

مجلس میں جب سب چھوٹے بڑے سالار پہنچ گئے تب سلطان نے انہیں مخاطب کر کے پوچھا۔

میرے سالارو میرے ساتھیو میرے عزیزو۔ تھوڑی دیر تک میں جنگ کی ابتداء کرنے والا ہوں۔ ظاہر ہے فصیل تک پہنچنے کے لئے اب ہمیں وہ راستہ اختیار کرنا ہو

گا جو ہم نے خندق بھر کے بنایا ہے۔ یہ راستہ گو تنگ ہے لیکن اس میں بڑی ترتیب کے ساتھ گذرنا ہو گا۔ پہلے سارا لشکر خندق کے اس طرف گھات میں رہے گا اور دشمن پر تیر اندازی کرے گا۔ جب دشمن خندق سے ذرا پیچھے ہٹ جائے گا تو مختلف دستے رینگتے ہوئے خندق کے راستے کو عبور کر کے فصیل کی طرف بڑھنے کی کوشش کریں گے۔ اس طرح اگر ہم سارے لشکر کو خندق کے اس پار لے جانے میں کامیاب ہو جائیں تو پھر ہم فصیل پر با آسانی قبضہ کر سکتے ہیں۔ یہاں تک کہنے کے بعد جب سلطان محمود خاموش ہوا تو محمود پاشا اپنے خیالات کا اظہار کرنے لگا۔

سلطان محترم۔ دشمن کو پیچھے دھکیلنے کے بعد جب ہم خندق کو پار کرتے ہیں تو خندق کے اس پار جانے کے بعد ہمیں اپنے لشکریوں کے لئے گڑھے اور مورچے کھودنے پڑیں گے۔ اس لئے کہ وہاں سے شہر کی فصیل اس قدر قریب ہے کہ وہاں سے چلائے جانے والے تیر اور توپوں کے گولے با آسانی ہمارے لشکر میں گر کر ہمیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اس پر سلطان محمد نے اپنا فیصلہ دیا۔

دیکھ محمود پاشا تمہارا کہنا درست ہے۔ خندق کے اس پار جانے کے بعد سب سے پہلا کام جو ہمارے لشکری کریں گے وہ یہ ہو گا کہ وہاں گڑھے کھودے جائیں گے اور لشکری انہی گڑھوں میں محفوظ رہیں گے۔ اس کے بعد توپیں بھی خندق کے اس پار لے جائی جائیں گی اور ان کے ذریعے شہر کی فصیل پر ضرب لگانے کی کوشش کی جائے گی۔

جواب میں محمود پاشا پھر بولا۔

سلطان محترم اس موقع پر میرے ذہن میں ایک اور خدشہ بھی اٹھتا ہے۔ سلطان نے چونک کر محمود کی طرف دیکھا اور پوچھا کیسا خدشہ۔ محمود پاشا کہنے لگا۔ سلطان محترم آپ جانتے ہیں کہ قسطنطنیہ کے اس حصے میں جسے غلطا کہہ کر پکارا جاتا ہے اس کے مقابل اہل جینوا کی ایک بہت بڑی بستی ہے جہاں اہل جینوا کا ایک کافی بڑا لشکر ہر وقت موجود رہتا ہے۔ ہمیں اس لشکر کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ ہمیں ان پر گہری نگاہ رکھنی پڑے گی۔ اور اگر اہل جینوا اپنے اس جزیرے سے نکل کر ہم پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کے حملوں کو روکا جا سکے۔ اس پر سلطان محمد نے

جواب دیا۔

محمود پاشا تمہارے خدشات درست ہیں لیکن مجھے امید ہے کہ اہل جینوا ہم پر حملہ آور ہونے کی حماقت نہیں کریں گے اور اگر انہوں نے ایسا کرنے کی کوشش کی تو پھر ان میں سے کوئی بھی زندہ بچ کر یورپ جانے میں کامیاب نہ ہو گا۔ بہرحال تمہارے خدشات کو سامنے رکھتے ہوئے میں چند دستے اس سمت مقرر کروں گا جہاں سے اہل جینوا ہم پر حملہ آور ہو سکتے ہیں اور ان دستوں کا کماندار میں اناطولیہ کے دستوں کا سالار مراد بے کو بناتا ہوں۔

سلطان محمد کے اس فیصلے پر محمود پاشا تھوڑی دیر مسکراتے ہوئے خاموش رہا شاید وہ سلطان کے اس فیصلے پر خوش ہوا تھا۔ پھر دوبارہ وہ بولا۔

سلطان محترم اس حملے میں دشمن کو ہم پر ایک فوقیت حاصل ہے جس کی بنا پر وہ جنگ میں اپنی بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کر سکتا ہے اس پر سلطان محمد نے چونک کر پوچھا۔ محمود پاشا تمہارا اشارہ کس سمت ہے۔ محمود پاشا نے جواب دیا۔

سلطان محترم ہم اس وقت قسطنطنیہ کے دروازے رومانوس کے سامنے ہیں۔ اور خشکی کی یہی پٹی ہے جس سے ہم قسطنطنیہ پر حملہ آور ہو سکتے ہیں جبکہ ہمارا بحری بیڑہ اس وقت بحیرہ فاسفورس میں موجود ہے۔ جبکہ اہل قسطنطنیہ کا بحری بیڑہ شاخ زرین یعنی گولڈن ہاون میں اس وقت موجود ہے اور وہ ہر لحاظ سے ہماری نسبت زیادہ بہتر اور بڑا بحری بیڑہ ہے۔ سلطان محترم یورپ سے جس قدر بھی جہاز آتے ہیں وہ شاخ زرین ہی میں آ کر قیام کرتے ہیں اس طرح اگر شاخ زرین کھلی رہتی ہے تو یورپ سے اہل قسطنطنیہ کو رسد و خوراک کے علاوہ لشکریوں کی صورت میں مدد بھی مل سکتی ہے۔ اس طرح قسطنطنیہ کا محاصرہ بہت زیادہ طول پکڑ سکتا ہے۔

سلطان محترم راستہ بند ہونے کی وجہ سے ہمارے لئے دشواری یہ ہے کہ ہم فاسفورس سے نکل کر شاخ زرین میں داخل بھی نہیں ہو سکتے۔ شاخ زرین اور فاسفورس کے درمیان دس میل لمبا خشکی کا ٹکڑا ہے جسے عبور کر کے کسی بھی صورت جہازوں کو فاسفورس سے شاخ زرین میں نہیں لے جایا جا سکتا۔

سلطان محترم جب تک ہم شاخ زرین پر قبضہ نہیں کرتے میں سمجھتا ہوں کہ اس

وقت تک ہم اہل قسطنطنیہ پر بہتر اور کارگر ضرب نہیں لگا سکتے۔ اس لئے کہ اگر جنگ شروع ہوتی ہے اور ہماری بحری بیڑہ فاسفورس میں ہی بیکار پڑا رہتا ہے تو شاخ زرین میں تو اہل قسطنطنیہ کا بحری بیڑہ اپنی مرضی کے مطابق نقل و حرکت کر سکتا ہے یورپ سے اناج لانے والے جہازوں کی حفاظت بھی کر سکتا ہے۔ یورپ سے جو لشکری قسطنطنیہ کی جنگ میں حصہ لینے کے لئے آنا چاہیں وہ بھی پہنچ سکتے ہیں۔ آپ کو یاد ہو گا کہ پچھلے ہی دنوں یورپ سے پانچ جہاز قسطنطنیہ پہنچے ہیں جن میں ہزاروں مسلح جوان اہل قسطنطنیہ کے ساتھ مل کر جنگ کرنے کے لئے آئے ہیں اور اس طرف سے آنے والے اس لشکر کا سالار جسٹی نیانی ہے جو جینوا کا ایک رئیس اور سالار اور بہترین جنگجو ہے۔

محمود پاشا جب خاموش ہوا تو سلطان کہنے لگا۔

محمود پاشا میں تمہاری دور اندیشی کی تعریف کرتا ہوں۔ جن خدشات کا تم نے اظہار کیا ہے یہ پہلے ہی میری نگاہ میں کھٹکتے ہیں۔ دیکھ محمود پاشا میرا لائحہ عمل یہ ہے کہ پہلے اس خندق کی طرف سے فصیل پر ضرب لگائیں گے۔ اگر ہم اس فصیل کے حصے کو توڑ کر شہر میں داخل ہو گئے تو پھر قسطنطنیہ کے بحری بیڑے کی کارکردگی شاخ زرین میں آپ سے آپ ختم ہو کر رہ جائے گی اس لئے کہ شہر فتح ہونے کے بعد شاخ زرین آپ سے آپ ہمارے قبضے میں آئے گی اور اگر قسطنطنیہ کا بحری بیڑہ یورپ کی طرف بھاگ نہ گیا تو ہم اس پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

اور اگر خدانخواستہ خشکی کی اس سمت سے ہم قسطنطنیہ کی اس فصیل پر بھرپور ضرب نہ لگا سکے اور شہر میں داخل نہ ہو سکے تو دیکھ محمود پاشا میرے ذہن میں ایک ایسی تدبیر ہے جس پر عمل کر کے میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں قسطنطنیہ کو ضرور فتح کر لوں گا۔ بہرحال پہلے ہم جنگ کا طریقہ یہی استعمال کریں گے کہ خندق کو پار کر کے فصیل پر ضرب لائیں اور نقب لگا کر شہر میں داخل ہونے کی کوشش کریں۔

محمود پاشا کیا تم میری اس تجویز سے اتفاق کرتے ہو۔ اس پر محمود پاشا مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ سلطان محترم اتفاق نہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ میں جانتا ہوں آپ کا ہر لائحہ عمل کسی بنیاد پر مبنی ہوتا ہے۔ آپ کی ہر تجویز کے اندر

کوئی نہ کوئی راز ضرور پنہاں ہوتا ہے۔ لہٰذا جو لائحہ عمل آپ نے مرتب کیا ہے سلطان محترم میں محمود پاشا پوری طرح اس سے اتفاق کرتا ہوں۔

محمود پاشا کا جواب سن کر سلطان تھوڑی دیر ہلکے ہلکے مسکراتا رہا۔ پھر وہ اپنے سارے سالاروں کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

میرے عزیزو اب میری آخری بات سنو اور وہ یہ کہ ابھی تھوڑی دیر تک دشمن کی طرف سے شاید حملے کی ابتدا ہو گی۔ دن کے وقت ہم دشمن کے ساتھ جنگ میں مصروف رہیں گے۔ رات کے وقت ہم خندق سے کافی پیچھے ہٹ جایا کریں گے تاکہ دشمن کی تیر اندازی اور گولہ باری ہمارے پڑاؤ کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ تم نے دیکھا ہو گا پچھلی سمت میں نے بے شمار لکڑیوں کے ڈھیر لگا دیئے ہیں۔ دن کے وقت جنگ کرنے کے بعد رات کے وقت ہم جمع کی جانے والی لکڑیوں کو استعمال میں لائیں گے۔ اس کے بڑے بڑے برج بنائیں گے ان برجوں کے اوپر جانوروں کی کھالیں لپیٹ دی جائیں گی اور اگر جنگ نے طول کھینچا تو انہی برجوں کو دھکیلتے ہوئے فصیل کے قریب لے جایا جائے گا اور ان برجوں کے اندر سپاہی بیٹھے ہوں گے وہ فصیل پر چڑھنے کی کوشش کریں گے۔ یہ برج تین منزلہ ہوں گے جن کے نیچے پہیئے لگے ہوں گے۔ تاکہ یہ آسانی سے حرکت کر سکیں اور اوپر سے مٹی کے ساتھ ان برجوں کی لیپائی کی جائے گی تاکہ تیر اندازی ان پر اثر نہ کر سکے اور ان برجوں کے اندر جو سپاہی بیٹھے ہوں گے وہ محفوظ رہیں۔ تم سب لوگ اپنے اپنے حصے کے لشکر میں جاؤ۔ میں تھوڑی دیر تک جنگ کی ابتدا کرنے والا ہوں۔ محمود پاشا تم مقدمتہ الجیش کے سالار اعلیٰ ہو گے یعنی جنگ کی ابتدا تم ہی کرو گے۔ مراد بے جو دستے اس وقت تمہارے ماتحت کام کر رہے ہیں ان دستوں کے ساتھ تم بائیں طرف ہٹ جاؤ۔ اور گھات میں بیٹھ جاؤ تاکہ جینوا کی بستی سے اگر کوئی لشکر نکل کر ہماری پشت یا ہمارے پہلو پر ضرب لگانا چاہئے تو تم اس سے نپٹ سکو اور اس پر حملہ آور ہو کر اسے مار بھگاؤ۔ اب تم سب جاؤ تاکہ حملے کی ابتدا کی جا سکے۔ اس کے ساتھ ہی سب چھوٹے بڑے سالار اٹھ کر لشکر میں اپنے اپنے مقام پر چلے گئے تاکہ جنگ کی ابتدا کی جا سکے۔

تھوڑی دیر بعد سلطان نے اپنے لشکر کے ساتھ پیش قدمی شروع کی۔ سلطان

اپنے لشکر کے آگے آگے تھا۔ لشکر کے سالار کی حیثیت سے محمود پاشا بھی اس کے ساتھ تھا۔ پھر سلطان کا لشکر ایک تاب تواں' ایک جذبہ جوان کی طرح حرکت میں آیا اور خندق کے ایک حصے کو پر کرنے کے بعد جو راستہ بنایا گیا تھا اس کے قریب جا کر لشکر رک گیا۔ دشمن کے ردعمل کا انتظار کرنے لگا۔ پھر سلطان نے اپنے ہراول لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ سلطان کا یہ حکم ملتے ہی محمود پاشا حرکت میں آیا اپنے لشکر کے ساتھ وہ آگے بڑھا۔ خندق کے قریب جا کر طے شدہ لائحہ عمل کے مطابق اس کے لشکری زمین پر لیٹ گئے اور رینگتے ہوئے بڑی تیزی سے خندق میں بنائے جانے والے راستے کو عبور کر گئے تھے۔ دوسری طرف دشمن یہی سمجھے بیٹھا تھا کہ خندق کے قریب آ کر سلطان نے اپنے لشکر کو گھات میں بیٹھا دیا ہے لیکن دشمن کو اس وقت خبر ہوئی جب محمود پاشا اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ زمین پر رینگتے ہوئے خندق پار کر گیا اور دفعتاً" نمودار ہوا۔ یہ صورت حال یقیناً" قسطنطنیہ کے لشکر کے لئے چونکا دینے والی تھی۔ لہٰذا جیسے ہی انہوں نے دیکھا کہ محمود پاشا اپنے لشکر کے ساتھ خندق کو عبور کر چکا ہے تو وہ اپنی گھات سے نکلے بڑی تیزی سے آگے بڑھے اور خوف کے جلتے دشت میں سوالوں کی یخ بستہ خاموشی اور وقت کی فرہنگ میں نفرتوں کے رنگ کی طرح محمود پاشا کے لشکر پر ٹوٹ پڑے تھے۔

محمود پاشا کے خندق کو عبور کر جانے کے بعد سلطان چوکنا تھا لہٰذا جب اس نے دیکھا کہ دشمن کا سارا لشکر محمود پاشا پر ٹوٹنے کے لئے پیش قدمی کر رہا ہے تو اس نے بھی اپنے لشکر کو پیش قدمی کرنے کا حکم دیا۔ سلطان کا لشکر خندق کو عبور کر کے دوسری سمت چلا گیا پھر سلطان نے حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اور اس کے لشکری شام کی اداسیوں میں غم کی آندھیوں کی طرح دشمن کے نفس کی ملامتوں اور ہوس کی خواہشوں پر ضرب لگانے کے لئے حملہ آور ہو گئے تھے۔ پھر قسطنطنیہ کی فصیل اور خندق کے درمیان دونوں لشکری بری طرح ایک دوسرے سے ٹکرائے تھے۔

جنگ کی ابتداء ہوتے ہی فصیل اور خندق کے درمیان وحشتوں کی چادر میں زیست کے زندان ٹوٹنے لگے تھے۔ موت کی اندھی چاپ کے سامنے انسانی جسم ٹوٹی کہانیوں' بکھرتے قصوں کی طرح زمین پر گرتے ہوئے بے وقعت ہونے لگے تھے۔

دونوں طرف کے لشکر جنگ میں کچھ اس طرح کام آنے لگے تھے جیسے پیلے پتے ٹہنیوں سے اپنا وصال ختم کرتے ہوئے خاموشی کے ساگر میں کھو جاتے ہیں۔

شام تک یہ ہولناک جنگ ہوتی رہی آخر انجام کار اس جنگ میں قسطنطنیہ کے لشکر کو بدترین شکست ہوئی۔ سلطان نے محمود پاشا کے ساتھ دشمن پر اس قدر دباؤ ڈالا کہ قسطنطنیہ کا لشکر شکست اٹھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ شہر کی فصیلوں تک سلطان نے قسطنطنیہ کے بھاگتے ہوئے لشکر کا خوفناک تعاقب کیا یہاں تک کہ سینٹ رومانوس کے دروازے سے قسطنطنیہ کا لشکر شہر میں داخل ہوا اور شہر کے دروازے بند کر لئے گئے اس طرح شہر کی فصیلوں سے باہر اور خندق کے اندر قسطنطنیہ کے شہنشاہ قسطنطین کے لشکر کو پہلی جنگ میں بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

قسطنطنیہ کا لشکر شکست اٹھا کر جب شہر میں داخل ہو گیا اس وقت سورج غروب ہونے کے لئے جھک رہا تھا۔ سلطان کے حکم پر اس کے لشکر میں جو توپیں تھیں انہیں خندق عبور کر کے فصیل کے قریب کیا گیا اور ان توپوں کی مدد سے خندق پر پکی مٹی کے گولے پھینکے گئے اس کے علاوہ منجلیقیں بھی شہر کی فصیل کے قریب لائی گئیں اور ان کے ذریعے شہر کی فصیل پر پتھر پھینکنے کا کام شروع ہوا۔ شہر کی فصیل اس قدر مضبوط اور مستحکم تھی کہ کافی دیر تک وہ توپوں کے پکی مٹی کے بنے ہوئے گولوں اور منجلیقوں سے پھینکے جانے والے پتھروں کی مار کو برداشت کرتی رہی آخر جس وقت سورج غروب ہو گیا اس وقت توپوں اور منجلیقوں کی برابر سنگباری کی وجہ سے فصیل کا ایک حصہ شکستہ ہو کر گر گیا تھا۔ قسطنطنیہ کی فصیل چونکہ دوہری تھی اور باہر والی فصیل کا حصہ گرا تھا لہٰذا سلطان کا لشکر وہاں سے شہر میں داخل نہیں ہو سکتا اور پھر اندر کی فصیل کے اوپر دشمن کی توپیں نصب تھیں جگہ جگہ منجلیقیں بھی کام کر رہی تھیں لہٰذا اندر والی فصیل کے اوپر سلطان کے لشکر پر زوردار سنگباری کی گئی جس کے باعث سلطان اپنے لشکر کے ساتھ فصیل کے ٹوٹنے والے حصے سے پیچھے ہٹ گئے اس لئے کہ اگر خندق کے اس پار لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیا جاتا تو دشمن کی توپوں اور منجلیقوں کے لئے سنگاری کے باعث سلطان کے لشکر کو زبردست نقصان اٹھانا پڑتا۔

سلطان جب اپنے لشکر کے ساتھ خندق سے دور ہٹ گیا تب رات کی تاریکی میں

قسطنطنیہ کے لوگ اور لشکری حرکت میں آئے۔ سلطان نے خندق کا ایک حصہ بھر کر جو راستہ بنایا تھا اس راستے کو ختم کر دیا گیا اور بیرونی دیوار کا جو حصہ ٹوٹا تھا اس کی بھی مرمت رات کی تاریکی میں کر دی گئی تھی۔ صبح سلطان جب اپنے لشکر کے ساتھ خندق کے کنارے آیا تو اس نے دیکھا کہ خندق پار کرنے کا جو راستہ بنایا گیا تھا وہ ختم ہو چکا ہے اور جو گذشتہ جنگ میں دیوار کا حصہ گرایا تھا اس کی بھی مرمت کی جا چکی ہے۔ اس طرح سلطان کو دوبارہ نئے سرے سے اپنے کام کی ابتدا کرنا تھی۔

قسطنطنیہ کا محاصرہ طول پکڑنے لگا تھا۔ سلطان ہر روز لکڑی کے گٹھوں اور درختوں کے تنوں سے خندق کو پاٹ کر راستہ بناتا اور شہر کی فصیل پر حملہ آور ہوتا فصیل کا حصہ گراتا پھر رات کی تاریکی میں اہل قسطنطنیہ اور ان کے لشکری حرکت میں آتے۔ خندق کے راستے کو بھی وہ ختم کر دیتے اور گری ہوئی دیوار کی بھی وہ مرمت کر دیتے تھے۔ اس طرح ایک طویل کشمکش کے بعد سلطان اہل قسطنطنیہ کے لئے جو جال بنتے رات کی تاریکی میں اہل قسطنطنیہ اسے ادھیڑ جاتے۔

محاصرہ جب طول پکڑنے لگا تو سلطان نے دیکھا کہ جس قدر وہ کامیابی حاصل کرتا ہے اہل شہر رات کی تاریکی میں اسے ناکام بنا دیتے ہیں تو سلطان نے اپنی دوسری جنگی تدبیر شروع کی اور یہ تدبیر سرنگیں بچھا کر فصیل کے ایک حصے کو گرانا تھا لیکن قسطنطنیہ اور اس کے نواح کی زمین انتہائی سنگلاخ اور چٹانی تھی لہٰذا سلطان کی یہ کوشش بھی ناکام رہی۔ اس کے علاوہ اس وقت تک سرنگوں کو بارود سے بھرنے اور اس سے شہروں اور بڑے بڑے میناروں کو اڑا دینے کا بہتر طریقہ ایجاد نہیں ہوا تھا۔

قسطنطنیہ کے اس محاصرے میں ایک طرح سے عام چیز جو دیکھی جا سکتی تھی وہ قدیم اور جدید طرز کا ملا جلا توپ خانہ تھا۔ سلطان اور قسطنطنیہ کے لشکر میں جدید توپیں بھی شامل تھیں جو پکی مٹی کے بنے ہوئے گولے پھینکتے تھیں اور منجنیقیں بھی شامل تھیں جو اینٹ اور پتھر پھینک کر فصیل کے علاوہ لشکریوں پر بھی ضرب لگاتی تھیں۔ اس کے علاوہ گو بارود ایجاد ہو چکا تھا لیکن قدیم دور کا روغن نفت جو نا بجھنے والی آگ پیدا کرتا تھا وہ بھی جنگ میں استعمال کیا جاتا تھا۔

جب محاصرہ طول پکڑتا گیا تو سلطان نے اپنے پڑاؤ میں جو لکڑی کے دبابے بنانے

شروع کئے تھے وہ بھی مکمل ہو گئے۔ دبابے ایک لحاظ سے لکڑی کے بنے ہوئے بلند برج تھے۔ جنہیں پہیوں کے ذریعے آگے بڑھایا جاتا تھا۔ ان کے اندر نقل پذیر گولہ بارود اوپر قلعہ شکن آلات اور برج تعمیر کرنے کے سامان کا ذخیرہ بیلوں کی کھال کی تین تہوں سے ڈھکا جاتا تھا۔ ان کے اندر سوراخ رکھے جاتے تھے جن سے تیروں کی مسلسل بوچھاڑ کر کے خود کو محفوظ رکھا جا سکتا تھا۔ سامنے کی جانب تین دروازے رکھے جاتے تھے جو وقت ضرورت سپاہیوں کو کسی فصیل پر اتارنے اور واپس اس میں داخل کرنے کے لئے استعمال کئے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ ایک سیڑھی کے ذریعے اس کے بالائی حصے پر چڑھا جا سکتا تھا اور اس کی اونچائی کے مساوی ایک کمند نما سیڑی کو رسیوں کے ذریعے بلند کر کے پل کی صورت بھی دی جا سکتی تھی۔ اس کے ذریعے شہر کی فصیلوں پر کاری ضرب لگائی جا سکتی تھی۔

جب یہ دبابے تیار ہو گئے تب سلطان نے ایک بار پھر خندق کو پاٹ کر فصیل پر زور دار حملہ کر دیا اسی حملے کے دوران لکڑی کے دبابے آگے بڑھائے گئے تاکہ ان کے ذریعے سے لشکریوں کو فصیل پر چڑھا کر فصیل کے ایک حصے پر قبضہ کر کے دوسری فصیل کی طرف جست لگائی جا سکے۔ دبابوں کے ذریعے شہر کی فصیل پر چڑھنے کا کام محمود پاشا کے ہراول لشکر کے ذمے لگایا گیا تھا۔ دبابوں کے ذریعے دن بھر محمود پاشا اپنے لشکر کے ساتھ قسطنطنیہ کی دونوں فصیلوں کے اوپر دشمن کے لشکریوں سے برسر پیکار رہا۔ بار بار دبابوں کو قریب لے جاتا اور اپنے لشکریوں کو فصیل پر اتارنے کی کوشش کرتا لیکن فصیل کے اوپر ان کے دبابوں پر توپوں کی مدد سے مٹی کے گولے اور منجنیقوں کی مدد سے بار بار سنگباری کی جاتی تھی اس کے علاوہ تیز تیر اندازی کے ذریعے بھی ان دبابوں اور ان کے اندر محفوظ رہ کر آگے بڑھنے والے ترک لشکریوں کو خاصا نقصان پہنچایا جاتا تھا۔ دبابوں کے ذریعے دن بھر دیوار پر حملے کئے لیکن کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ الٹا سلطان کو نقصان ہوا اس لئے کہ اس جنگ کے دوران محمود پاشا تیروں کی بوچھاڑ سے بری طرح زخمی ہو گیا تھا اور اسے خندق کے اس پار پڑاؤ میں لے جایا گیا تھا جہاں طبیب اس کا علاج کرنے لگے تھے۔ سلطان نے جب دیکھا کہ دبابوں کے ذریعے بھی فصیل پر اتر کر فصیل پر قبضہ نہیں کیا جا سکتا تب سلطان نے

جنگ کا طریقہ بدلا سارے لشکر کو فصیل سے پیچھے ہٹا کر سلطان خندق کے اس پار اپنے پڑاؤ میں لے گیا۔ ایک طرح سے سلطان نے جنگ بند کر دی تھی۔ شاید وہ جنگ کا کوئی دوسرا ہی طریقہ کار استعمال کرنے والا تھا۔

محمود پاشا اپنے خیمے میں زخمی حالت میں پڑا تھا اس کے قریب سلطان محمد لشکر کے طبیب' زیلہ اور افونش کے علاوہ کچھ سالار بھی مسہری کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے جس پر محمود پاشا لیٹا ہوا تھا۔ خیمے میں بالکل خاموشی اور سکوت تھا۔ محمود پاشا کے جسم پر کئی جگہ پٹیاں بندھی ہوئی تھیں تاہم وہ بالکل اپنے ہواس میں تھا اس کے پاس بیٹھ کر سلطان محمد جو اس سے گفتگو کر رہا تھے اس کا وہ معقول جواب دے رہا تھا۔

سلطان محمد اور محمود پاشا گذشتہ جنگ کے علاوہ جنگ کے آئندہ لائحہ عمل کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ جب وہ گفتگو سے فارغ ہوئے تب افونش ان کے قریب آیا اور بڑی راز داری میں سلطان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ سلطان محترم میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ پر راز داری میں۔ سلطان نے اس پر مسکراتے ہوئے کہا۔ یہیں کہہ ڈالو۔ افونش اپنا منہ سلطان کے کان کے قریب لے گیا پھر اس نے انتہائی راز دارانہ سرگوشی کی۔

سلطان محترم آپ جانتے ہیں میں زیلہ کو محمود پاشا سے منسوب کر چکا ہوں۔ زیلہ اب میرے پاس محمود پاشا کی امانت ہے۔ محمود پاشا زخمی ہے اسے تیمار داری دیکھ بھال اور نگرانی کی ضرورت ہے۔ سلطان محترم اس میں شک نہیں لشکر کے طبیب بہترین انداز میں محمود پاشا کی دیکھ بھال کر رہے ہیں پھر میں چاہتا ہوں کہ زیلہ کو محمود پاشا کی زوجیت میں دیدیا جائے تاکہ وہ اس کی بیوی کی حیثیت سے اس کی بہتر اور اچھی دیکھ بھال کر سکے۔ اس طرح میں سمجھتا ہوں محمود پاشا دنوں میں ٹھیک ہو جائے گا۔

افونش جب خاموش ہوا تب سلطان محمد نے بھی رازداری میں کہا دیکھ افونش تیری تجویز بہترین ہے پر ابھی وہ موقع نہیں آیا کہ ایسا کام کیا جائے۔ دیکھ عنقریب ایک ایسا موقع آنے والا ہے جب میں تم لوگوں کو دنیا کی سب سے بڑی خوشخبری دوں گا اور محمود پاشا کو اس کی کارکردگی کی بنا پر دو انمول اور نایاب انعامات سے نوازوں گا۔ لہٰذا اس لمحے کا انتظار کرو۔ بس اسی لمحے میں زیلہ کو محمود پاشا کی زوجیت میں دوں گا۔

سلطان محمد کا جواب سن کر افونش خاموش رہا۔ پھر سلطان محمد اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔ پیچھے کھڑی زیلہ کی طرف دیکھا پھر سلطان نے اسے مخاطب کر کے زیلہ میری بہن طیبوں نے محمود پاشا کے زخموں کی مرہم پٹی کر دی ہے۔ زخم خطرناک نہیں۔ محمود پاشا پوری طرح اپنے ہواس میں ہے۔ مجھے امید ہے چند روز تک محمود پاشا مکمل طور پر صحت مند ہو جائے گا۔ میں افونش اور طیبوں کے ساتھ محمود پاشا کے خیمے سے جا رہا ہوں۔ دیکھ میری بہن۔ اب محمود پاشا کی دیکھ بھال اور نگرانی تیرے ذمے ہے۔ اس لئے کہ تیرا باپ تجھے محمود پاشا سے منسوب کر چکا ہے اب تم اور محمود پاشا زندگی کے رفیق ہو۔ لہٰذا تم سے بہتر کوئی بھی محمود پاشا کی دیکھ بھال نہیں کر سکتا۔ اس کے ساتھ ہی سلطانن محمد' افونش اور طیبوں کے علاوہ دوسرے سالاروں کو لیکر محمود پاشا کے خیمے سے باہر نکل گیا تھا۔

خیمے کے اندر محمود پاشا کے پاس زیلہ اب اکیلی تھی۔ چند قدم وہ آگے بڑھی اس مسہری کے قریب آئی۔ جس پر زخمی محمود پاشا لیٹا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر تک زیلہ گذرے وقت کی چشم بیدار میں پیار کی مردہ کہانیوں' آشیانہ دل کے ٹوٹے درودیوام' ریزہ ریزہ ٹکڑے ٹکڑے ساغر روح کی سی اداس کھڑی محمود پاشا کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر وہ اپنے آپ پر ضبط رکھنے کے لئے اپنے لب میگوں کاٹنے لگی تھی۔ اس کے بعد اچانک اس کی نیلی آنکھوں کے دو آبے آنسوؤں سے بھر گئے اور آنسوؤں کے دھارے اس کے رخ گلگوں پر ڈھلکتے ہوئے اس کے دامن کو بھگونے لگے تھے۔

تھوڑی دیر تک زیلہ یوں ہی موت کے سکوت میں مسافر پرندوں' لہو کی بارش میں بھیگے کاغذ کی طرح کھڑی رہی پھر وہ اپنی مہکتی دھکتی سانسوں کے طوفان میں آگے بڑھی اور اپنا سر محمود پاشا کی چھاتی پر رکھ کر وہ بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگی تھی۔

زیلہ کی اس حرکت پر محمود پاشا کے لبوں پر ہلکی ہلکی خوش کن مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی وہ بڑے پیارے انداز میں زیلہ کے بالوں میں اپنی انگلیاں پھیرنے لگا تھا۔ پھر اس کی ہلکی پیار بھری آواز سنائی دی۔ زیلہ' زیلہ مت رو میں اب ٹھیک ہوں۔ میرے زخم خطرناک نہیں ہیں۔ تم دیکھو گی میں چند یوم تک پہلے کی طرح

جنگوں میں حصہ لینے لگوں گا۔ محمود پاشا کے یوں بار بار تسلی دینے پر زیلہ نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ اپنی آنکھیں اس نے خشک کیں پھر وہ محمود پاشا کے پاس بیٹھ کر اسے ہلکے ہلکے دبانے کے ساتھ ساتھ اس سے باتیں کرتے ہوئے اس کا دل بہلانے لگی تھی۔

اس طرح زیلہ بڑی جانفشانی بڑی دلجمعی سے دن رات محمود پاشا کی تیمارداری کرتی رہی یہاں تک کہ محمود پاشا بالکل صحت مند ہو گیا اور پہلے کی طرح اپنی جنگی کارروائیوں میں حصہ لینے لگا تھا۔

خشکی کی طرف سے بار بار حملہ کرنے کے بعد سلطان محمد نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ جب تک خشکی اور سمندر دونوں طرف سے قسطنطنیہ پر حملہ آور نہ ہوا جائے اس وقت تک کسی بھی صورت میں قسطنطنیہ کو فتح نہیں کیا جا سکتا۔

اس لئے کہ اب تک سلطان صرف خشکی کی طرف سے قسطنطنیہ پر حملہ آور ہو رہا تھا جب کہ یورپ کو ملانے والا سمندری راستہ جسے گولڈن ہارن یا شاخ زرین کہہ کر پکارا جاتا تھا اس میں اہل قسطنطنیہ کا بحری بیڑہ تھا اور وہ راستہ کھلا تھا اور یورپ سے اہل قسطنطنیہ کو کمک اور رسد کی صورت میں وافر سامان مل رہا تھا۔ دوسری بات یہ بھی تھی کہ خشکی کے جس حصے سے سلطان محمد قسطنطنیہ پر حملہ آور ہو رہا تھا وہاں فصیل دوہری ہونے کے ساتھ ساتھ بڑی مضبوط بھی تھی لہٰذا اس سمت سے دونوں فصیلوں کو باری باری توڑ کر شہر میں داخل ہونا انتہائی مشکل تھا۔

ان حالات میں سلطان محمد نے یہ اندازہ لگایا کہ جب تک شاخ زرین میں اپنے بحری بیڑے کو داخل کر کے قسطنطنیہ کے بحری بیڑے پر ضرب نہ لگائی جائے اور اسے سمندر میں غرق کر کے یا مار بھگا کر اسے پیچھے نہ ہٹایا جائے اس وقت تک قسطنطنیہ پر آخری اور کار آمد ضرب نہیں لگائی جا سکتی۔ اب شاخ زرین میں بحری بیڑہ لے جانا بظاہر ناممکن لگتا تھا۔ اس لئے کہ سلطان کا بحری بیڑہ جو اس وقت چھوٹی بڑی کشتیوں اور جہازوں پر مشتمل تھا وہ اس وقت سمندر کے اس حصے میں تھا جسے فاسفورس کہہ کر پکارا جاتا ہے جب کہ قسطنطنیہ کا بحری بیڑہ شاخ زرین میں تھا۔ شاخ زرین اور فاسفورس کے درمیان خشکی کا وہ ٹکڑا تھا جسے غلطا کہہ کر پکارا جاتا تھا اور یہ ٹکڑا

تقریباً دس میل پر مشتمل تھا۔

خشکی کے اس ٹکڑے میں بڑے بڑے درختوں جھاڑ جھنکار کے علاوہ اونچے بڑے ٹیلے اور کوہستانی سلسلے تھے اس لحاظ سے دس میل کا یہ ٹکڑا خاصہ دشوار گذار تھا۔ جبکہ شاخ زرین اور فاسفورس کو ملانے والا آبی راستہ لوہے کی زنجیروں سے بند کر دیا گیا تھا۔ بہرحال سلطان نے اسی ٹکڑے کو استعمال کرتے ہوئے اپنے جہاز بحیرہ فاسفورس سے شاخ زرین میں منتقل کرنے کا عزم کیا۔

سلطان محمد ایک بہترین دانشور ہونے کے علاوہ ایک عمدہ مفکر بھی تھا۔ اس کی تخلیقی قوتوں نے آخر غور و فکر سے کام لیا اور اس نے یہ ارادہ کیا کہ ہلکے جہازوں اور جنگی سازو سامان کو بحیرہ فاسفورس سے شاخ زرین میں صرف خشکی کے راستے ہی لے جایا جا سکتا ہے اور یہ ایک شاندار تجویز اور تدبیر تھی جو سلطان نے مرتب کی۔ یہ فاصلہ تقریباً دس میل کا تھا۔ زمین ناہموار تھی اس پر جگہ جگہ درختوں کے گھرے جھنڈ پھیلے ہوئے تھے اور چونکہ یہ راہ غلطا کے گردو نواح کی پشت کی جانب سے گذرتی تھی اس لئے اس راستے کا آزادانہ استعمال اور راستہ ہموار کرنے کے لئے توڑ پھوڑ کا اختیار بھی اہل جینوا کو تھا۔ جن کا اس خشکی کے ٹکڑے پر قبضہ تھا۔

غرض سلطان نے اپنی تجویز کو آخری شکل دینے کے لئے اہل جینوا کی طرف سے خطرے کی کوئی پرواہ نہ کی۔ جینوا سے نپٹنے کے لئے سلطان نے لشکر کا ایک حصہ مقرر کیا اس کے حوالے کچھ توپیں بھی کیں اور حکم دیا کہ اہل جینوا اگر آگے آئیں تو ان کی بستیوں کو توپوں سے اڑا دیا جائے۔

یہ سارے انتظام کرنے کے بعد سلطان نے یہ فیصلہ کیا کہ دس میل لمبے خشکی کے ٹکڑے پر لکڑی کا ایک مضبوط راستہ بنایا جائے جو وسیع اور عریض پلیٹ فارم کی صورت میں ہو۔ اس کو زیادہ چکنا اور پھسلواں بنانے کے لئے بھیڑ اور گائے کی چربی سے تر کر دیا جائے اپنے بادبانی اور مستولی جہازوں کو جو پچاس پچاس اور تیس تیس چپوؤں سے چلنے والے تھے باسفورس سے نکال کر انہی تختوں پر پھسلاتے ہوئے خشکی کا ٹکڑا عبور کر کے شاخ زرین میں لے جایا جائے۔ بظاہر یہ ایک ناممکن تجویز لگتی تھی لیکن سلطان نے اس ناممکن کو ممکن بنانے کا تہیہ کر لیا تھا۔ بڑے بڑے تختوں کا انتظام

کیا گیا۔ خشکی کے دس میل لمبے حصے کے وسط میں لکڑی کا خاصہ اونچا پلیٹ فارم تیار ہونے لگا۔ ابھی تک کسی کو کچھ خبر نہ تھی کہ لکڑی کے اس پلیٹ فارم سے سلطان کیا کام لے گا۔ جس تجویز پر سلطان عمل پیرا تھا سلطان کے علاوہ کوئی بھی اس تجویز کے عواقب اور انجام سے آگاہ نہ تھا۔ بہرحال سلطان بڑی تیزی سے اپنی تجویز اور ارادوں کی تکمیل میں لگ گیا تھا۔

○

قسطنطنیہ کا شہنشاہ قسطنطین ایک روز اپنے محل کے کمرہ خاص میں اپنے وزراء اور مشیروں کی محفل میں بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے چوبدار نے اس کے ایک مخبر کو اس کے سامنے پیش کیا۔ وہ مخبر جب قسطنطین کے سامنے آیا تو اپنے سر کو خوب زمین کی طرف جھکاتے ہوئے اس نے قسطنطین کو تعظیم پیش کی۔ پھر کہنے لگا۔ آقا میں آپ کے لئے ایک عجیب خبر لے کر آیا ہوں جس کام کی میں خبر رکھتا ہوں اس کام کو میں خود بھی نہیں سمجھا کہ وہ کس نوعیت کا ہے۔ اس پر قسطنطین نے پوچھا کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔ اس پر مخبر کہنے لگا۔

آقا میں نے دیکھا کہ بحیرہ فاسفورس اور شاخ زرین کے درمیان دس میل لمبا جو خشکی کا ٹکڑا ہے اس پر مسلمانوں کا بادشاہ اور سلطان عجیب و غریب کام میں مصروف ہے میں نے دیکھا اس خشکی پر وہ لکڑی کا ایک اونچا پلیٹ فارم تعمیر کروا رہا ہے اور یہ پلیٹ فارم بحیرہ فاسفورس سے شروع کرا کے وہ اسے شاخ زرین کی طرف بڑھاتا چلا جا رہا ہے۔

یہاں تک کہنے کے بعد قسطنطین کا وہ مخبر جب خاموش ہوا تو قسطنطین کے چہرے پر طنزیہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر وہ اپنے وزیروں اور مشیروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ یہ مسلمانوں کا سلطان محمد بھی عجیب و غریب ذہنیت کا انسان ہے۔ میں نے سن رکھا ہے کہ یہ بڑا جنونی انسان ہے میرے خیال میں یہ اپنے جنون میں بحیرہ فاسفورس اور شاخ زرین کے درمیان پڑنے والے خشکی کے ٹکڑے پر لکڑی کا کوئی بڑا عجیب و غریب اور بڑا دبابہ تعمیر کرنے میں مصروف ہو گا جسے حرکت میں لا کر وہ فصیل

کے قریب لائے اور فصیل پر اپنے لشکری اتارنے کی کوشش کرے لیکن ہم اس کی ایسی کسی بھی تجویز کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔

پہلے بھی وہ بڑے بڑے دبابے کو فصیل کے قریب لا کر آزما چکا ہے ہم نے ہر دمزمے کو آگ کی نذر کر دیا۔ اب وہ اگر لکڑی کا کوئی نیا دبابہ تعمیر کرنے میں مصروف ہے تو اس کی حالت پہلے دبابوں سے مختلف نہیں ہو گی۔

یہاں تک کہنے کے بعد قسطنطین تھوڑی دیر کے لئے رکا پھر اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے وہ دوبارہ کہہ رہا تھا۔

میرے عزیزو! میرے ساتھیوں! یہ مسلمانوں کا سلطان محمد چاہے جتنی بھی سعی جتنی بھی کوشش کر لے یہ قسطنطنیہ کو فتح نہیں کر سکتا۔ گزشتہ کئی دن سے اس نے شہر کا محاصرہ کر رکھا ہے۔ اپنی پوری عسکری طاقت اور قوت کو وہ ہمارے خلاف ٹکرا چکا ہے لیکن اس کی ساری قوت اور طاقت کی حالت قسطنطنیہ کی فصیلوں سے ٹکرا کر ایسی ہوئی ہے جیسی سمندر کی تیز لہریں سمندر میں کھڑی چٹانوں سے ٹکرا کر ناکام و نامراد لوٹ جاتی ہے۔ اب قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے لئے اگر سلطان محمد کوئی اور تدبیر اختیار کئے ہوئے ہے اور اس کی یہ نئی تدبیر بھی پہلے کی طرح ناکامی اور نامرادیوں کا شکار ہو کے رہے گی۔

یہاں تک کہتے کہتے قسطنطین کو رک جانا پڑا اس لئے کہ اس کا چوبدار ایک بار پھر اندر آیا اور قسطنطین سے کہنے لگا۔ آقا باہر مسلمانوں کا ایک سفیر آیا ہے وہ آپ سے ملاقات کا خواہاں ہے اور اپنے سلطان محمد کا کوئی پیغام آپ کو پہنچانا چاہتا ہے اس پر قسطنطین نے اپنے سامنے کھڑے اپنے مخبر کو جانے کا حکم دیا اور چوبدار سے کہا کہ وہ فوراً" سلطان محمد کے قاصد کو لے کے آئے۔

چوبدار باہر نکل گیا تھوڑی دیر بعد وہ لوٹا اس کے ساتھ سلطان محمد کا قاصد تھا۔ چوبدار نے اپنے شہنشاہ قسطنطین کے سامنے لا کھڑا کیا تھا۔

چوبدار نے اپنے سر کو جھکا کر قسطنطین کو کوئی تعظیم نہیں دی جس پر قسطنطین کو بڑا تعجب ہوا۔ تاہم وہ ہر چیز کو فراموش کرتا ہوا۔ سلطان محمد کے قاصد کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔

کہو تمہیں تمہارے سلطان محمد نے کس غرض سے ہماری طرف بھیجا ہے اس پر وہ قاصد کہنے لگا۔

اے بادشاہ مجھے میرے سلطان نے تمہاری طرف اس لئے بھیجا ہے کہ میں تمہیں سلطان کا یہ پیغام دوں کہ قسطنطنیہ شہر مزید لڑائی کے بغیر ہمارے حوالے کر دیا جائے ورنہ شہر میں بڑا کشت و خون ہو گا۔ اس پر قسطنطین بولا اور طنزیہ انداز میں قاصد کو مخاطب کر کے کہنے لگا اگر ہم شہر تمہارے حوالے نہ کریں تو تم لوگ ہمارا کیا بگاڑ لو گے۔ اس پر قاصد کہنے لگا۔

اے بادشاہ اگر آپ سلامت روی سے قسطنطنیہ شہر ہمارے حوالے نہیں کرتے تو میں آپ سے یہ گذارش کروں گا کہ جس جنگ کی ابتدا ہوئی ہے اس کا آغاز اور انجام دونوں تحیر خیز ہوں گے۔ اگر آپ نے پرامن طریقے سے قسطنطنیہ شہر ہمارے سلطان کے حوالے نہ کیا تو مجھے خدشہ ہے کہ انسانیت کے ان گنت کاروان لہو لہو' لشکروں کے بے شمار قافلے ویران ہوں گے۔ شہر دھواں دھواں' بستیاں ویران ویران ہوں گی۔

یہاں تک کہنے کے بعد وہ قاصد لمحہ بھر کے لئے رکا پھر اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

دیکھ بادشاہ ہمارا سلطان دشمن کے دفاع کے سارے منصوبوں اور حریفوں کے ترکش کے سارے تیروں کو ناکارہ کرنے کا فن جانتا ہے۔ اے بادشاہ قبل اس کے کہ خوف کی اٹھتی آندھیاں دشت کی گونج بن کر اٹھیں۔ قبل اس کہ ماؤں کے دودھ کے ذائقے تلخ ہوں۔ قبل اس کے کہ آدمیت و انسانیت کے چیتھڑے اڑیں قبل اس کے عصمتوں پر گندگی اچھلے برہنہ شیطان قہقہے لگائے' لہو لہو چشم انسانیت امرت تلاش کرتی پھرے۔ قبل اس کے کہ خدا کی اس بستی میں دکھ کی عقوبت گاہیں اور آنسوؤں کے صحیفے لکھے جائیں۔ میں ایک بار پھر اپنے سلطان کا یہ پیغام آپ تک پہنچاتا ہوں کہ شہر پرامن طریقے سے مسلمانوں کے حوالے کر دیں ورنہ اگر جنگ جاری رہی تو شہر کی وہ اینٹ سے اینٹ بجے گی کہ آپ کے پاس سلطان محمد کی اطاعت کے سوا کوئی چارہ کار ہی نہ ہو گا۔

سلطان محمد کا وہ قاصد جب خاموش ہوا تو قسطنطین کہنے لگا۔ سن مسلمانوں کے سلطان محمد کے قاصد اگر تم سفیر نہ ہوتے تو جو گفتگو تم نے کی ہے اس کی سزا کے طور پر ہم تمہاری گردن کاٹ دینے کا حکم دیتے لیکن سفارتی آداب کو سامنے رکھتے ہوئے ہم تمہیں کچھ نہیں کہہ پائے لہٰذا تمہیں یہ حکم دیتے ہیں کہ ابھی اور اسی وقت یہاں سے نکل جاؤ اور میری طرف سے اپنے سلطان کو یہ پیغام دو کہ وہ کتنا ہی زور لگا لے قسطنطنیہ شہر کو فتح نہیں کر سکتا اس سے پہلے بے شمار بڑے بڑے شہنشاہوں' بادشاہوں نے قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی لیکن ان کی ہر کوشش ناکامیوں نامرادیوں کی گونج بن کر بکھر گئی۔

سلطان محمد کے قاصد سن مسلمانوں سے پہلے بے شمار ان گنت غیر مسلم طاقتوں نے قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام بہت سے مسلمان حکمرانوں اور سپہ سالاروں نے بھی قسطنطنیہ کو اپنا ہدف بنا کر اس شہر کو فتح کرنا چاہا لیکن انہیں بھی بری طرح ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اب تم واپس جاؤ اپنے سلطان سے جا کر کہنا کہ قسطنطنیہ کا شہنشاہ قسطنطین کہتا ہے کہ مسلمانوں کے بادشاہ اگر تو ساری عمر بھی قسطنطنیہ شہر کا محاصرہ کئے رہے تو تمہیں یقین دلایا جاتا ہے کہ تم کسی بھی صورت شہر کو فتح کرنے میں کامیاب نہ ہو سکو گے اس کے ساتھ ہی سلطان محمد کا قاصد مڑا اور وہاں سے نکل گیا تھا۔

قاصد کے جانے کے بعد کمرے میں تھوڑی دیر بالکل خاموشی اور سکوت طاری رہا اس کے بعد قسطنطین چونک سا پڑا گویا اسے کچھ یاد آگیا ہو پھر وہ اپنے سامنے اپنے وزیروں اور مشیروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔ ہمیں کم از کم سلطان محمد کے قاصد سے یہ پوچھنا چاہئے تھا کہ اس کا سلطان بحیرہ فاسفورس اور شاخ زرین کے درمیان پڑنے والی خشکی کی پٹی میں جو لکڑی کے پلیٹ فارم بنا رہا ہے اس کا کیا مقصد ہے۔ اس پر قسطنطین کا ایک مشیر جواب میں کہنے لگا۔

اے آقا! اس قاصد کو کیا خبر کہ فاسفورس اور شاخ زریں کے درمیان پڑنے والی خشکی کی پٹی پر اس کا سلطان کیا کر رہا ہے۔ جو کچھ سلطان کر رہا ہے میرے خیال میں اس کا اصل علم تو اس کے بڑے بڑے سالاروں تک کو نہ ہو گا اس لئے کہ

مسلمانوں کے سلطان محمد کا ایک قول ہے کہ جو وہ جنگی تدبیر یا جنگی لائحہ عمل تیار کرتا ہے اس کی بھنک اگر اس کی داڑھی کے بال کو بھی ہو جائے تو وہ داڑھی کے اس بال کو بھی اکھاڑ کر پھینک دے۔

قسطنطین پھر تھوڑی دیر تک خاموش رہا۔ اس کے بعد اس نے بڑی لاپرواہی میں کہا۔ سلطان محمد جو کچھ چاہے خشکی کی اس پٹی پر کرتا رہے لیکن وہ قسطنطنیہ کو فتح نہیں کر سکتا آخر کب تک وہ شہر کی مضبوط اور دوہری فصیل سے سر ٹکراتا رہے گا۔ ایک نہ ایک روز اسے ناکام و نامراد بحیرۂ فاسفورس کے اس پار جانا ہی ہو گا۔ خیر اب میں سینٹ رومانوس کے برج پر کھڑے ہو کر روزانہ اس بات کا جائزہ لوں گا کہ خشکی کی پٹی میں مسلمانوں کا سلطان کیا کرنا چاہتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی قسطنطین نے وہ اجلاس برخاست کر دیا تھا۔

○

فاسفورس اور شاخ زرین کے درمیان 10 میل لمبی پٹی میں آخر سلطان نے اپنے کام کی تکمیل کر لی۔ بحیرہ فاسفورس سے شاخ زرین تک خشکی پر سلطان نے لکڑی کا ایک مضبوط پلیٹ فارم تیار کر لیا جو کافی وسیع و عریض تھا۔ یہ پلیٹ فارم ڈھلان نما تھا۔ بحیرہ فاسفورس کی طرف سے کافی اونچا اور شاخ زرین کی طرف سے کافی پست تھا۔ پھر لکڑی کے اس پلیٹ فارم کو چکنا اور پھسلواں بنانے کے لئے بھیڑ اور گائے کی چربی سے بالکل تر کر دیا گیا تھا۔ اب قسطنطنیہ کے شہنشاہ قسطنطین کا یہ معمول بن گیا تھا کہ وہ ہر روز سینٹ رومانوس کے برج میں بیٹھ کر خشکی پر بننے والے لکڑی کے اس پلیٹ فارم کو دیکھتا رہتا تھا جس دن وہ پلیٹ فارم مکمل ہو گیا اور اسے چربی سے تر کر کے چکنا بنا دیا گیا اور اس سے کام لینے کا وقت آیا تب بھی قسطنطین سینٹ رومانوس کے برج کے اندر موجود تھا۔

اس کے بعد قسطنطین کے دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانوں کے سلطان محمد نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیا جسے ایک معجزہ ہی کہا جا سکتا تھا۔ پلیٹ فارم کی تکمیل کے بعد سلطان نے اپنے اسی اٹھاسی بادبانی جہاز جو مستول کے علاوہ پچاس پچاس تیس تیس پتوار سے

چلنے والے تھے فاسفورس کے ساحل پر لگا دیئے گئے۔ اس کے بعد بڑی ہوشیاری بڑی تندہی سے ان سارے جہازوں کو سلطان کے لشکریوں نے رولر پر رکھ کر بڑی بڑی چرخیوں کی مدد سے کھینچنا شروع کیا اور سارے جہازوں کو سمندر سے نکال کر لکڑی کے اس پلیٹ فارم پر لانا شروع کیا جو سلطان نے تیار کیا تھا۔

اس سارے کام کی نگرانی سلطان محمد خود کر رہا تھا جب پہلا جہاز اس پلیٹ فارم کے اوپر رسوں سے باندھ کر رکھا گیا تو سینٹ رومانوس کے برج کے اندر بیٹھا ہوا قسطنطنیہ کا شہنشاہ قسطنطین پریشان ہو گیا تھا۔ اس سے پہلے وہ سلطان محمد کی اس تجویز کو جنون پر مبنی قرار دے رہا تھا لیکن جب پہلا جہاز پلیٹ فارم پر رکھا گیا تو قسطنطین نے محسوس کیا کہ سلطان محمد کے سامنے وہ خود جنونی اور احمق انسان ہے جو اب تک سلطان محمد کی تجویز اور اس کے لائحہ عمل کو سمجھ ہی نہ سکا۔

پہلا جہاز لکڑی کے اس چکنے پلیٹ فارم پر رکھ دیا تب سلطان محمد اپنے پہلو میں کھڑے اپنے سپہ سالار اعلیٰ کدک احمد اور اپنے سالار محمود پاشا کی طرف دیکھا۔ پھر سلطان کی آواز بلند ہوئی اس نے محمود پاشا کو مخاطب کر کے کہا تھا۔

محمود پاشا میرے عزیز میرے بھائی کدک احمد میرے پاس رہے گا یہ جو پہلا جہاز پلیٹ فارم پر کھڑا کر دیا گیا ہے اس کی راہنمائی اس کی راہبری تم خود کرو گے۔ میرے عزیز دوست اہل قسطنطنیہ کو ابھی تک یہ خبر نہیں کہ ہم کیا کارروائی کرنے والے ہیں لہٰذا اس چکنی پھسلان پر جب تم اس جہاز میں بیٹھ کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ شاخ زرین تک جاؤ گے تم جانتے ہو لکڑی کا یہ پلیٹ فارم شاخ زرین کے پانی تک نہیں بلکہ اس کے نزدیک تک ہے۔ جب تمہارا جہاز شاخ زرین کے کنارے تک پہنچے تو تمہارا کام یہ ہو گا کہ اس میں جو آدمی سوار ہوں گے ان کی مدد سے اس جہاز کو اٹھا کے پلیٹ فارم سے ایک طرف شاخ زرین کے ساحل پر کھڑے کر دینا اس کے بعد جتنے بھی جہاز آئیں گے ان کے ساتھ تم یہی کارروائی کرو گے۔ اور جب سارا بحری بیڑا شاخ زرین کے ساحل پر جمع ہو جائے گا تو اس کے بعد اسی چکنے پلیٹ فارم پر توپیں ہیں جن کے لئے لکڑی کے علیحدہ پلیٹ فارم بنائے گئے ہیں وہ بھی شاخ زرین کے ساحل پر پہنچا دی جائیں گی تاکہ سمندر کی طرف سے قسطنطنیہ پر ضرب لگائی جائے۔

محمود پاشا لشکر دو حصوں میں تقسیم ہو گا آدھا لشکر بحری بیڑے میں شاخ زرین میں اپنی کارروائی کرے گا آدھا لشکر اسی سمت میں رہے گا میں سمندر میں تمہارے ساتھ ہوں گا جبکہ اس سمت کدک احمد ہمارے لشکر کی کمانداری کرے گا اور خشکی کی طرف سے شہر پر ضرب لگائے گا مجھے امید ہے ہمارے اس دو طرفہ حملے سے شہر ہماری توقعات سے کہیں پہلے فتح ہو جائے گا۔

محمود پاشا کو یہ سارا کام سمجھانے کے بعد سلطان نے اس جہاز میں لشکریوں کو سوار ہونے کا حکم دیا سب سے پہلے محمود پاشا کے ہراول لشکر کے سپاہی پہلے جہاز میں سوار ہونا شروع ہوئے۔ پھر محمود پاشا بھی اس جہاز میں بیٹھا اس کے بعد جن رسوں سے جہاز بندھا ہورا تھا وہ کھول دیئے گئے۔ اس جہاز کے بادبان بھی کھول دیئے گئے اور سلطان محمد کی خوش قسمتی کہ اس وقت ہوا بھی موافق تھی۔ بس اسی ہوا کی مدد سے وہ جہاز چکنے اور پھسلواں پلیٹ فارم پر بڑی تیزی سے شاخ زرین کی طرف چلا گیا تھا۔ لمحوں کے اندر اس جہاز نے 10 میل کا وہ فاصلہ طے کر لیا تھا۔ دوسرے کنارے پر پہنچ کر جہاز خشکی پہ جا رکا پھر سب نیچے اترے اور جہاز کو اٹھا کر انہوں نے شاخ زرین کے کنارے کھڑا کر دیا تھا۔ اس طرح باری باری سلطان نے اسی جہاز دس میل کی خشکی عبور کر کے فاسفورس سے شاخ زرین تک پہنچا دیئے۔ آخری جہاز میں خود سلطان بھی بحرہ فاسفورس میں سے شاخ زرین کے ساحل پر پہنچ گیا تھا۔

اس کے بعد سمندر میں جن توپوں سے کام لینا تھا وہ بھی شاخ زرین تک پہنچا دی گئی تھیں۔

یہ سارے انتظامات کرنے کے بعد سلطان نے اپنا بحری بیڑا سمندر میں اتارا توپیں بھی سمندر میں اتاری گئیں۔ توپوں کو لکڑی کے ایسے پلیٹ فارم پر رکھا گیا تھا جو موٹی لکڑیوں کے بنے ہوئے تھے اور جن کے ساتھ خالی پیپے ڈبے اور موٹے موٹے شہتیر جوڑ کر انہیں زنجیروں سے جکڑ دیا گیا تھا۔ اس طرح وہ پلیٹ فارم توپوں کو لیکر پانی پر تیر رہے تھے۔ ان میں وہ بڑی توپ بھی شامل تھی جو افونش نے بنائی تھی اس طرح سلطان نے پہلی بار سطح آب پر تیرتا ہوا توپ خانہ تیار کر لیا تھا۔

اس کے بعد قسطنطنیہ شہر پر حملہ آور ہونے کے لئے سلطان اپنے بحری بیڑے کو

آہستہ آہستہ شہر کی فصیل کے قریب لے گیا۔ جن پر توپیں نصب تھیں۔ پھر سلطان نے شہر پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا۔ عین اسی وقت سلطان کے لائحہ عمل کے مطابق خشکی کی طرف سے سلطان کے سپہ سالار کدک احمد نے بھی حملہ کر دیا تھا۔

سلطان نے سب سے پہلے اپنے توپچیوں کو بڑی توپ چلانے کا حکم دیا۔ وہی توپ جسے افونش نے بنایا تھا۔ بڑی توپ کو حرکت میں لایا گیا اور اس کا پہلا گولا دیوار پر پھینکا گیا تھا۔ پہلے گولے ہی سے دیوار میں رخنہ پیدا ہو گیا اس کے بعد باقی توپیں بھی پکی مٹی کے بنے ہوئے بڑے بڑے گولے پھینکنے لگی تھیں۔ ان گولوں سے قسطنطنیہ کی فصیل کی دیواروں میں بہت سے رخنے پیدا ہو گئے یہاں تک کہ سینٹ رومانوس کے دروازے کے قریب چار برج بھی منہدم ہو گئے تھے۔

یہ صورتحال دیکھتے ہوئے قسطنطنیہ کے شہنشاہ قسطنطین نے اپنی سپاہ اپنے لشکریوں اور سالاروں کا حوصلہ بڑھانے کے لئے ایک عجیب سا احمقانہ فیصلہ کیا۔ شاید اس طرح وہ اپنے کمزور اور سرکش دستوں کو اپنے لئے زیادہ وفادار بنانا تھا اس نے حکم دیا کہ جنگ میں حصہ لینے والے لشکری قسطنطنیہ شہر کے اندر جس قدر کلیسا اور گرجا ہیں انہیں لوٹ سکتے ہیں اور ان گرجوں سے جو کچھ انہیں حاصل ہو وہ اس کے مالک ہیں۔ یہ حکم ملنا تھا کہ قسطنطنیہ شہر کے اندر جس قدر گرجے اور کلیسا تھے ان کی لوٹ کھسوٹ کا کام شروع ہو گیا تھا۔ جنگ میں حصہ لینے والے لشکریوں نے جی بھر کر کلیساؤں کو لوٹا اور ہر کوئی مالا مال ہو کے رہ گیا تھا۔ شاید قسطنطین نے ایسا اس لئے کیا تھا کہ اس کے لشکریوں کے حوصلے بلند ہوں اور وہ بہتر انداز میں حملہ آوروں کا مقابلہ کر سکیں پر یہ ایک احمقانہ تجویز تھی جو قسطنطین نے اپنائی تھی۔

فصیل کے حصوں میں جگہ جگہ توپوں کے گولے گرنے سے سوراخ ہو گئے اور سینٹ رومانوس کے چار برج بھی منہدم ہو گئے تب قسطنطین بڑا فکر مند ہوا اس نے اپنے امیر البحر کو حکم دیا کہ اپنے بحری بیڑے کو حرکت میں لایا جائے اور سلطان کے بحری بیڑے پر حملہ کر دیا جائے۔

اس وقت شاخ زریں میں قسطنطنیہ کا شاہی بیڑا حرکت میں آیا اور سلطان کے مختصر سے بحری بیڑے پر حملہ آور ہوا لیکن اس بحری جنگ میں سلطان نے قسطنطنیہ کے

بحری بیڑے کو بدترین شکست دی۔ اکثر جہازوں کو ڈبو دیا بہت کم ملاح اپنے جہازوں کو بھگا لیجانے میں کامیاب ہوئے۔ اس طرح سلطان محمد نے ایک مختصر سی جنگ میں قسطنطنیہ کی بحری قوت کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیا تھا اس کے بعد سلطان اپنے بحری جہازوں اور توپوں کو بالکل شاخ زریں کے اس کنارے پر لے گیا جس کے نزدیک قسطنطنیہ شہر کی فصیل تھی۔

ایسا کرنے کے بعد سلطان محمد نے پوری قوت اور طاقت کے ساتھ شہر پر حملہ کر دیا تھا۔ توپوں کے گولے برسانے کے علاوہ سلطان کے لشکری خشکی پر اتر کر شہر کی فصیل پر حملہ آور ہونے کے لئے طریقے شروع کر رہے تھے۔ ادھر خشکی کی طرف سے دوسری جانب سلطان کے سپہ سالار اعلیٰ کدک احمد نے بھی زور دار حملے کرتے ہوئے قسطنطنیہ کے لشکریوں کو حیران و پریشان کر رکھا تھا۔ قسطنطنیہ کے اندر جس قدر لشکر تھا اب اسے دو محاذوں پر جنگ کرنا پڑ رہی تھی ایک محاذ سلطان محمد اور محمود پاشا کی طرف اور دوسرا کدک احمد کی طرف اور مزید یہ کہ اب یورپ کی طرف سے شاخ زریں کے راستے اہل قسطنطنیہ کو رسد اور کمک ملنا بھی مکمل طور پر بند ہو گئی تھی۔ ساتھ ہی ان کی بحری طاقت کا بھی خاتمہ کر دیا گیا تھا۔

قسطنطنیہ کے حکمران بڑے پریشان اور فکر مند ہوئے اپنے لشکریوں اور عوام کے حوصلے بلند کرنے کے لئے قسطنطنیہ شہر کے اندر انہوں نے حضرت مریم کی آسمانی شبیہہ کی ایک مذہبی جلسے میں نقاب کشائی کی لیکن ان کی پشت بان ان کی خدائی سرپرست مریم بھی ان کی التجاؤں کو بے توجہی سے سنتی رہی کچھ لوگ شہنشاہ پر الزام لگانے لگے تھے کہ اس نے ترکوں کے ساتھ اپنے تعلقات کو درست نہیں رکھا تھا جس کی بنا پر یہ خوفناک دن دیکھنا نصیب ہو رہا ہے۔

حضرت مریم کی شبیہہ کی نقاب کشائی کے موقع پر جو لوگوں کا ایک انبوہ جمع ہو گیا تھا ان سے مخاطب ہوتے ہوئے اور ان کا حوصلہ بلند کرنے کے لئے قسطنطین نے اپنی آخری تقریر کی۔ تاریخ میں اس تقریر کو ماتمی تقریر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

قسطنطین نے طرح طرح کے وعدے کئے لوگوں کو مسحور کرنے کی کوشش کی اور ان کے قلوب میں امیدوں کے دیئے جلانے کی سعی لاحاصل سے کام لیا۔ حالانکہ وہ

خود اپنے دل کو بجھا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ دنیا کی ہر شے اس کی نظروں میں یاس و ہراس انگیز تھی۔

انجیل اور تقدس ماب کلیسا دونوں ملک و ملت کی خاطر جانیں قربان کرنے والوں کو ان کی جانثاری کے معاوضے اور تلافی کی کوئی نمایاں صورت پیش نہ کر رہے تھے۔ اس موقع پر شاہی خاندان کے افراد نے بے مثال شجاعت کا ثبوت دیا اور حملہ آوروں کو روکنے کی کوشش کی ان کی مثال کو سامنے رکھتے ہوئے اور محاصرے سے تنگ آکر قسطنطنیہ کے شجاعان قوم ناامیدی کے عالم میں رہی سہی امیدوں سے مسلح ہو کر اپنا دفاع کرنے پر آمادہ ہو گئے اس موقع پر مشہور مورخ جو بذات خود اس جنگ کے موقع پر قسطنطنیہ میں موجود تھا وہ لکھتا ہے۔

قسطنطنیہ میں اس وقت بڑا رقت خیز منظر تھا لوگوں کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور وہ ایک دوسرے سے گلے مل رہے تھے۔ بلا تخصیص شرف و خاندانی و دولت مندی ان سب نے اپنی زندگیوں کو مدافعت کے لئے وقف کر دیا ہر کماندار نے مورچہ سنبھالا اور رات بھر فکر مندی سے فصیلوں کی نگرانی کرنے کا عہد کیا۔ اس کے علاوہ وہ خود قسطنطنیہ کا شہنشاہ قسطنطین اور اس کے چند وفادار ساتھی آیا صوفیہ کے گرجے میں داخل ہوئے جو چند گھنٹے بعد مسجد میں تبدیل ہونے والا تھا ان کا استقبال آنسو اور مقدس عشائے ربانی کی دعاؤں کے ساتھ بڑے خلوص کے ساتھ کیا گیا صوفیہ کے گرجے میں چند لمحہ تک توقف کے بعد جو وسیع حال چیخ و پکار اور آہ و زاری سے گونج رہا تھا اس موقع پر قسطنطین نے جمع ہونے والے لوگوں کو مخاطب کیا اور اپنی زندگی میں جو کچھ اس سے زیادتیاں ہوئی تھیں ان کی معافی مانگی اس کے بعد وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور بنفس نفیس جنگ میں حصہ لینے کے لئے شہر کی فصیل کی طرف گیا تھا۔

سلطان نے آنے والی شب اپنی پوری جنگی تیاریوں میں گزاری وہ شب 1453ء عیسوی 29 مئی کی شب تھی۔ اس شب کوئی حملہ نہیں کیا گیا۔ سلطان کے فوجی دستے توپ خانے قلعہ شکن اور پل تعمیر کرنے والے آلات خندق کے کنارے ان مقامات پر پہنچاتے رہے جو شکستہ حصوں تک پہنچنے کے لئے زیادہ موزوں اور آسان تھے۔

اس کے علاوہ سلطان کے 80 بادبانی جہاز اب قسطنطنیہ کی فصیلوں کو چھو رہے

تھے۔ ان کی کمندیں اور سیڑھیاں بندرگاہ کی جانب کی کم محفوظ دیواروں پر لگ چکی تھیں۔ معاملہ کی نزاکت کے تحت ان کی خاموشی کا ہر لمحہ موت کی طرح تکلیف دہ تھا لیکن آواز اور حرکت کے طبعی قوانین انسانی خوف اور اس کے نظام کے تابع نہیں۔ رات بھر توپ خانے قلعہ شکن اور پل تعمیر کرنے والے آلات کی نقل و حرکت سے فصیل کے قریب جو شور پیدا ہوتا رہا اس سے فصیل کے اوپر محافظین کی قوت سماعت کے لئے پریشانیاں ہی پریشانیاں فضاؤں میں اٹھتی رہیں۔ قلعہ کی فصیل کے اوپر قسطنطین بھی رات بھر اپنے دفاع کی تیاریاں مکمل کرتا رہا تھا۔

دوسرے روز پو پھٹنے سے پہلے حملے کی ابتدا کرنے سے قبل سلطان نے اپنے سالاروں کو اپنے پاس طلب کیا۔ سالاروں میں محمود پاشا، حسن اور مراد بے کے علاوہ چھوٹے سالار بھی تھے۔ جب سارے سالار سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے تب سلطان نے اس روز کا پہلا حکم جاری کیا۔ سلطان نے کہا۔

حسن تم اپنے چری دستوں کے ساتھ فصیل پر چڑھنے کی کوشش کرو گے۔ فصیل پر کمندیں اور سیڑھیاں ڈال دی گئی ہیں اور تمہیں اپنے دستوں کے ساتھ چڑھنے میں کوئی دقت کوئی پریشانی نہیں ہو گی محمود پاشا تم اپنے اناطولی اور مراد بے اپنے رومیلی دستوں کے ساتھ فصیل کے اوپر دشمن کے سپاہیوں پر تیر اندازی کرتے رہو گے۔ تاکہ حسن کو اپنے ینی چری دستوں کے ساتھ فصیل پر چڑھنے میں آسانی ہو اور یہ اپنے کام کی تکمیل احسن طریقے سے کر سکے۔

سلطان کا یہ حکم ملتے ہیں حملے کی ابتدا کی گئی اس وقت تک پو پھوٹ چکی تھی۔ پھر خشکی اور سمندر دونوں جانب سے سلطان محمد کے لشکر کی صفیں حرکت میں آئیں اور یہ صفیں بالکل اس طرح تھیں جس طرح دو دھاگے ایک دوسرے سے مربوط اور ایک دوسرے پر بل کھائے ہوئے ہوتے ہیں۔ بالکل یوں ایک دوسرے میں مدغم ہو کہ سلطان کے لشکر کی صفیں شہر کی فصیل کی طرف بڑھی تھیں۔

فصیل کے قریب جا کر محمود پاشا نے اپنے اناطولوی اور مراد بے نے اپنے رومیلوی دستوں کو روک کے اوپر سے تیر اندازی کی گئی تو جواب میں محمود پاشا اور مراد بے کی طرف سے ایسی زور دار تیر اندازی ہوئی کہ فصیل کے محافظوں کو پیچھے ہٹنا

پڑا۔ اس طرح حسن اپنے ینی چری دستوں کے ساتھ بڑی تیزی سے فصیل پر چڑھنے لگا تھا۔

اس موقع پر ایک عجیب منظر تھا سلطان محمد کے لشکر کی پشت پر جنگ کے طبل اور موسیقی کے آلات بج رہے تھے جن کے باعث لشکریوں کے اندر ایک عجیب طرح کا ولولہ اور جوش پیدا ہو رہا تھا اور مسلمان لشکری زور دار انداز میں اللہ اکبر کی تکبیریں بلند کرتے ہوئے پچھلی صفوں سے اگلی صفوں تک جانے اور موت سے بغلگیر ہونے کے لئے بے چینی کا اظہار کرنے لگے تھے۔ دوسری طرف قسطنطنیہ کا شہنشاہ فصیل کے ایک برج میں موجود تھا۔ وہ اپنے ہاتھ میں اپنا عصائے شاہی لئے ہوئے تھا۔ اور زور زور سے پرجوش تقریریں کرتے ہوئے اپنے لشکریوں کا حوصلہ بڑھا رہا تھا۔

سب سے پہلے جو شخص فصیل پر چڑھنے میں کامیاب ہوا وہ ینی چریوں کا سالار حسن تھا لیکن اس موقع پر ایک حادثہ پیش آیا اور وہ یہ کہ جس وقت حسن اپنے پاؤں فصیل کے اوپر جما چکا تھا اور کھڑا ہونے کی کوشش کر رہا تھا عین اسی وقت وہ یورپی دستے جو قسطنطنیہ والوں کی مدد کے لئے آئے تھے ان کا سپہ سالار جیسٹانی حرکت میں آیا اگے بڑھ کر اس نے حسن پر تلوار برسا دی۔ اور حسن کا خاتمہ کر دیا۔ حسن کی لاش فصیل سے نیچے گر گئی تھی۔

جس وقت حسن کی لاش فصیل سے زمین پر گری اس وقت قریب ہی کھڑا محمود پاشا یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ حسن اس کا بہترین ساتھی اس کا دوست تھا اس کی ہلاکت پر وہ بری طرح سیخ پا ہوا اس کے چہرے پر انتقامی جذبے جوش مارنے لگے تھے۔ اس موقع پر اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی اپنی وزنی اور بھاری کمان میں تیر جمایا تاک کر یورپی دستوں کے سپہ سالار جیسٹانی کو مارا محمود پاشا کا چلایا ہوا تیر جسٹینانی کو چھید کر رکھ گیا تھا اس کے بعد محمود پاشا نے ایسی تیزی سے جسٹینانی پر تیر اندازی کی جس نے جسٹینانی کو بری طرح چھید ڈالا تھا۔ یوں یورپی سپہ سالار جسٹینانی سے محمود پاشا نے اپنے ساتھی حسن کا انتقام لے لیا تھا۔

فصیل پر چڑھتے ہوئے ابتدا میں مسلمانوں کو کچھ نقصان برداشت کرنا پڑا تھا لیکن جلد ہی مسلمانوں نے قسطنطنیہ کے لشکریوں پر اپنی برتری ثابت کر دی اور پھر بہت

جلد قسطنطنیہ شہر کی فصیلیں اور برج مسلمانوں سے پٹ گئے تھے۔ اب مسلمانوں کا ایک ریلا تھا جو رسوں کی سیڑھیوں سے فصیل پر چڑھتے ہوئے چاروں طرف پھیلنے لگا تھا۔

قسطنطنیہ کا شہنشاہ قسطنطین ابھی تک برج میں اپنے فرائض کی ادائیگی میں مصروف تھا جب اسنے دیکھا کہ مسلمان سیلاب کی طرح فصیل پر چڑھتے چلے آرہے ہیں تو اسنے فورا اپنا شاہی لباس اتار ڈالا اور برج سے اترنے کیلئے سیڑھیوں کی طرف بھاگا ساتھ ہی وہ بلند آواز میں کہتا جا رہا تھا کیا یہاں کوئی ایسا عیسائی نہیں جو اسکا سرتن سے جدا کر دے شاید یہ الفاظ قسطنطین نے اس مایوسی کی بنا پر کہے تھے کہ وہ کہیں کسی مسلمان کے ہاتھوں زندہ گرفتار نہ ہو جائے یا ان بے بسی کی موت نہ مارا جائے۔

جب قسطنطین تیزی سے نیچے بھاگا تھا اس وقت تک مسلمان لشکری بھی فصیل سے نیچے اتر کر شہر میں داخل ہونا شروع ہوگئے تھے۔ پھر کسی گمنام ترک سپاہی کے ہاتھوں قسطنطین مارا گیا بعد میں اسکی لاش لاشوں کے انبار سے ملی اور اسے اسکے شاہی جوتوں سے پہچانا گیا۔

قسطنطین کے مارے جانے پر شہر کی تنظیم درہم برہم ہوگئی۔ ہر کوئی اپنی جان بچانے کیلئے ادھر ادھر بھاگنے لگا۔ بے شمار لوگ سینٹ رومانوس کے تنگ راستے میں سے گزرتے ہوئے کچھ دب گئے کچھ اپنا آپ بچاتے ہوئے آگے نکل گئے۔ فاتح مسلمان شہر کی اندرونی دیوار کے رخنوں میں سے گزرتے ہوئے بڑی تیزی کے ساتھ شہر میں پہونچنے لگے تھے۔ اور اب مسلمان لشکریوں کے دستے فصیل سے نیچے اتر کر شہر کی شاہراہوں پر بھی گشت کرتے ہوئے دکھائی دینے لگے تھے۔

جس وقت یہ سماں برپا تھا عین اسی وقت خشکی کی طرف سے حملہ آور ہونے والا کدک احمد بھی کامیاب ہو چکا تھا اور وہ باب فیتار پر فتح مندی حاصل کرتا ہوا شہر میں داخل ہوچکا تھا اسطرح دونوں لشکر اب شہر میں اکٹھے ہو کر آگے بڑھنا شروع ہوگئے تھے۔

اس موقع پر اہل شہر کی عجیب حالت تھی۔ قسطنطنیہ کے وہ لشکری جو اپنے آپکو نا قابل تسخیر جوانمرد اور بہترین جنگجو خیال کرتے تھے خوف کے مارے تھر تھرا اور کانپ رہے تھے اور جانوروں کے ریوڑ کی طرح سڑکوں پر یا تو اس خیال سے جمع ہونے لگے تھے کہ شاید اسطرح کا اجتماع کوئی طاقت پیدا کر دے یا ہر فرد اپنے اپنے مقام پر یہ امید کر رہا تھا کہ وہ ہجوم کے اندر محفوظ ہے اور اسے کوئی دیکھ نہیں رہا۔

بہرحال قسطنطنیہ کے حصے سے لوگ سمٹ سمٹ کر آیا صوفیہ کے گرجے کی طرف بھاگنے لگے۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر ان گنت لوگ آیا صوفیہ کے اندر جمع ہوگئے ان لوگوں میں والدین' مائیں' شوہر اور عورتیں' بچے' راہب' اور پادری تک شامل تھے اور ایک بہت بڑا گروہ تھا جو اس کلیسا میں جمع ہوا اور انھوں نے گرجے کے دروازے اندر سے بند کر لئے تھے۔

آیا صوفیہ کے اندر اپنے آپکو بند کر لینے کے بعد پادری' راہب ننیں یہ امید لگائے بیٹھی تھیں کہ جب مسلمان ان پر حملہ آور ہونگے تو آسمان سے فرشتے نزول کریں گے جو انکی مدد کریں گے اور مسلمانوں سے انھیں بچائیں گے لیکن ایسا نہ ہوا۔

اتنی دیر تک ترک لشکری بھی وہاں پہنچ گئے۔ کلہاڑیوں کے ذریعے انھوں نے آیا صوفیہ کے دروازے کھول دیئے اور جس قدر لوگ وہاں جمع تھے انھیں باہر نکلنے کا حکم دیا گیا یہ حکم سنتے ہی سب لوگ آیا صوفیہ کے گرجے سے نکل کر باہر جمع ہونے لگے تھے۔

اتنی دیر تک سلطان محمد بھی بہ نفس نفیس سینٹ رومانوس کے دروازے سے فاتحانہ انداز میں شہر میں داخل ہوا۔ اسکا سپہ سالار اعلیٰ کدک احمد اور سپہ سالار محمود پاشا پہلے ہی اپنے لشکروں کے ساتھ فاتحانہ انداز میں شہر میں داخل ہوچکے تھے۔ سینٹ رومانوس کے دروازے سے آگے بڑھنے کے بعد سلطان قسطنطینہ کے گھڑ دوڑ کے میدان کے قریب رک گیا یہ وہ میدان تھا جہاں انفرادی مقابلوں کے علاوہ گھڑ دوڑ کے مقابلے منعقد کئے جاتے تھے۔ سلطان میدان میں داخل ہوا۔ سلطان نے دیکھا کہ مقابلے کے میدان میں سانپوں کی طرح بل کھاتے ہوئے ایک ساتھ تین ستون استادہ تھے۔ سلطان نے شاید یہ خیال کیا کہ یہ کوئی طلسم ہے یا بت ہے جسکی یہ لوگ پوجا پاٹ کرتے ہیں لہذا سلطان نے اپنا آہنی اور جنگی کلہاڑہ سنبھالا اور اس زور سے ان پتھر کے اژدھوں پر ضربیں لگائیں کہ انکو پاش پاش کر کے رکھ دیا۔

سلطان آیا صوفیہ کے گرجے کے قریب اپنے گھوڑے سے اترا۔ ایک بھرپور نگاہ اسنے ان لوگوں پر ڈالی جو گرجے سے نکال کر باہر جمع کر دیئے گئے تھے۔ سلطان نے

کمال رواداری اور عفو سے کام لیتے ہوئے ان لوگوں کے لئے عام معافی کا اعلان کر دیا اور انھیں اپنے اپنے گھروں میں پرامن زندگی گزارنے کی اجازت دیدی۔ اسکے بعد سلطان آیا صوفیہ کے کلیسا مین داخل ہوا۔ کلیسا کے اندر پرستش کا جس قدر قیمتی سامان تھا ہٹا دیا گیا صلیبیں گرا دی گئیں۔ دیواروں پر جو آسمانی شبیہیں اور پچی کاری تھی وہ بھی پاک صاف کر کے دوبارہ سادہ صورت میں تبدیل کر دی گئیں۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد سلطان نے صوفیہ کے گرجا کو جامعہ مسجد میں تبدیل کر دیا اور اذان دینے کا حکم دیا اور پھر سلطان نے خود جمعہ کی نماز وہاں ادا کی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کسی مسلمان سلطان نے اس قربان گاہ پر پہلی مرتبہ نماز شکرانہ ادا کی جہاں اس سے قبل رومنوں کے شہنشاہ اور قیصر قدیم زمانے سے عیسائیوں کے مذہبی ناٹک ادا کیا کرتے تھے۔

آیا صوفیہ کے گرجا سے فارغ ہو کر سلطان قسطنطین اعظم کے ایک سو جانشینوں کی اس پر شکوہ عمارت کی طرف گیا جو قسطنطنیہ کا قصر اور محل کہلاتی تھی۔ بڑے شاہانہ انداز میں سلطان اپنے سلاروں کے ساتھ اس قصر میں داخل ہوا۔

تھوڑی دیر تک قصر میں گھوم پھر کر سلطان اس عمارت کا جائزہ لیتا رہا پھر ایک جگہ رک گیا اس موقع پر اسکے اردگرد اسکے سارے سالار جمع ہو گئے تھے۔ باری باری سلطان نے اپنے سپہ سالار اعلیٰ کدک احمد' اپنے سالار محمود پاشا کی طرف دیکھا۔ محمود پاشا کے پیچھے ہی افونش اور اسکی بیٹی زیلہ کھڑے ہوئے تھے انہیں دیکھتے ہوئے سلطان کے چہرے پر بڑی پر سکون مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر افونش کو مخاطب کر کے سلطان نے کہنا شروع کیا۔

دیکھ افونش جب جنگ میں محمود پاشا زخمی ہو گیا تھا تو تو نے مجھ سے التماس کی تھی کہ تیری بیٹی زیلہ کا نکاح محمود پاشا سے کر دیا جائے تاکہ زیلہ محمود پاش کی بیوی کی حیثیت سے اسکی خدمت کر سکے۔ پر میں نے اس وقت تجھے کہا تھا کہ میں ایک ایسے موقع پر یہ کام کرونگا جب میں تم لوگوں کو دنیا کی سب سے بڑی خوشخبری دونگا اور محمود پاشا کو دو انعامات سے نوازونگا۔

سنو افونش دنیا کی سب سے بڑی خوشخبری یہ ہے کہ میں اس شہر کو فتح کرنے میں

کامیاب ہوا ہوں جسے اس سے پہلے بہت سے حکمران' شہنشاہ اور سلطان فتح نہ کر سکے۔ جو انعامات میں محمود پاشا کو دینے والا ہوں ان میں سے پہلا تو یہ ہے اسکے ساتھ ہی سلطان نے اپنے ایک محافظ کو اشارے سے بلایا اسکے ہاتھ میں جو تھیلی تھی وہ سلطان نے لی اور محمود پاشا سے کہا محمود پاشا جنگ میں جو تم نے اپنی قابلیت کا مظاہرہ کیا ہے یہ اسکا پہلا انعام ہے محمود پاشا نے وہ تھیلی کھول کر دیکھی وہ زر و جوہرات اور انتہائی قیمتی اور نایاب اشیاء سے بھری ہوئی تھی۔ محمود پاشا اس تھیلی کو کھول کر تھوڑی دیر تک ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں دیکھتا رہا پھر کچھ اسطرح سلطان کی طرف دیکھا جیسے بھرپور شکریہ ادا کرنے جیسا انداز تھا۔ محمود پاشا انتہائی ممنونیت میں کہنے لگا۔

سلطان محترم میں آپ کا انتہا درجے کا شکر گزار ہوں۔ قسم خداوند مہربان کی آپ مجھے میری کارگذاری سے کہیں بڑھ کر نواز رہے ہیں۔ اس پر سلطان محمد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

محمود پاشا ابھی تک تو میں نے تمہیں تمہارا اصل انعام دیا ہی نہیں۔ یہ تو ایک تمہید ہے جو اس تھیلی کی صورت میں تمہارے حوالے کی گئی ہے۔ اسکے بعد ہاتھ کے اشارے سے سلطان محمد نے زیلہ کو آگے آنے کو کہا زیلہ آگے بڑھی اور محمود پاشا کے پہلو میں آن کھڑی ہوئی تھی۔ وہیں اسی شاہی محل میں سلطان نے محمود پاشا اور زیلہ کو رشتہ زوجیت میں جکڑا دیا تھا جب یہ رسم ادا ہو چکی تو پھر سلطان نے محمود پاشا کو مخاطب کر کے کہا۔

محمود پاشا تمہارے لئے دوسرا انعام زیلہ کی صورت میں ہے۔ زیلہ ایک ایسی لڑکی ہے جو دل و جان سے تمہیں چاہتی ہے اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ یہ زندگی بھر تمہاری بہترین خدمت کرے گی پھر سلطان نے افونش کی طرف دیکھا اور کہا افونش محمود پاشا کیلئے میں جو تم سے دوسرے انعام کا وعدہ کیا تھا وہ تمہاری بیٹی زیلہ ہے۔ سلطان کے ان الفاظ پر افونش ہی نہیں زیلہ محمود پاشا اور کدک احمد کے لبوں پر دلفریب مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ پھر سلطان سب کو لیکر شہر کے نظم و نسق پر مصروف ہو گیا تھا۔